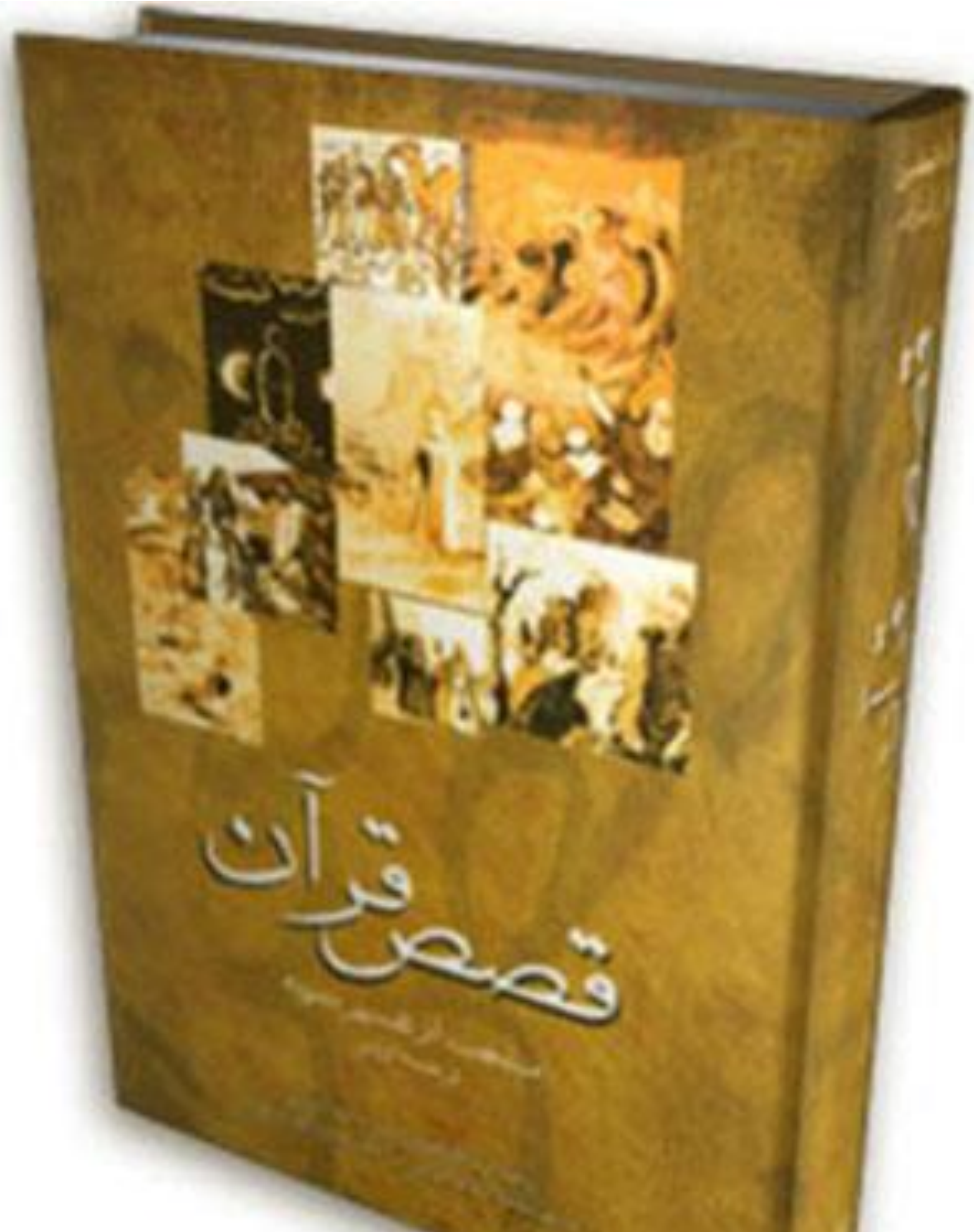
قصص قرآن

یہ کتاب برقی شکل میں نشرہوئی ہے اور شبکہ الامامین الحسنین (علیہما السلام) کے گروہ علمی کی نگرانی میں تنظیم ہوئی ہے

قصص القرآن

منتخب از تفسیر نمونه

ناصر مکارم شیرازي

حرف اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عصر حاضر میں جوانوں اور نوجوانوں کو راہ ہدایت سے گمراہ کرنے کے لئے جس قدر پروپیگنڈے کئے جارہے ہیں، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتي، اخبار اور جرائد ایک طرف، توریڈیو، ٹی وی دوسری طرف اور آج کل انٹرنیٹ جس نے پوری دنیا کی اچھائیاں کم اور برائیاں زیادہ ایک میز پر لاکر رکھ دی ہیں، ہر طرف سے اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کئے جارہے ہیں، اسلام کی ترقی دیکھ کر اسلام دشمن طاقتیں ایڑی چوٹی کے زور لگارہی ہیں، خصوصاً جبکہ دشمن سمجھ چکاہے کہ دین حقیقی کے ماننے والے یہی شیعہ اثنا عشری ہیں، کہیں یورپ اور امریکہ سے اسلام کے خلاف اعتراضات بیان ہوتے ہیں تو کبھی فرقہ وہابیت کی طرف سے شیعیت پر بے جاشبہات وارد کئے جاتے ہیں۔

لہذا ایسے ماحول میں اپنے جوانوں کو دینی راستے پر قائم رکھنا واقعاً ہم سب کی ذمہ داری ہے، علمائے کرام، دینی رہبروں اورقوم وملت کے صاحبان حیثیت افرادکافریضہ ہے کہ اس سلسلے میں ہر ممکن کوشش کریں، ورنہ کل روز قیامت خداکی بارگاہ میں جواب دہ ہوں گے

اسی چیزکے پیش نظر الحاج جناب آقائے انصاریان صاحب کی فرمائش پر تفسیر نمونہ(تالیف استاد

محترم آیت اللہ العظمی مکارم شیرازی دام ظلہ) سے منتخب شدہ قرآنی واقعات کو قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جارہا، کیونکہ قرآنی واقعات ہماری زندگی کے لئے بہترین نمونہ عمل بن سکتے ہیں۔

کتاب "قصص قرآن"، تفسیر نمونہ (مترجم حجۃ الاسلام و المسلمین سید صفدر حسین اعلی اللہ مقامہ) سے تلاش کرنا، نشانات لگانا، کمپوز کرنا پھر تصحیح اور مطابقت کرنا واقعاً مشکل کام تھا، بسا اوقات ہم کو یہ فکر لاحق ہوتی تھی کہ شاید اس سے آسان تو ترجمہ ہی ہوجاتا، الحمدللہ توفیق الہی اور بعض برادران کے تعاون سے ایک سال کی مدت میں یہ کام پایہ تکمیل تک پہونچ گیاہے، ہم تہہ دل سے ان کے شکر گزار ہیں۔

خداوند عالم ہماری توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے۔

"ربّنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔"

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اقبال حیدر حیدری

۱۵ / صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

حوزہ علمیہ، قم المقدسہ۔ایران

Emi al :i hh@yahoo.com

تقریظ

حضرت آیت اللہ العظمی مکارم شیرازی مدظلہ العالي

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن مجید ایک تاریخی کتاب ہے، نہ گزشتہ لوگوں کی سوانح حیات کا مجموعہ،یہ نہ علوم طبیعی نصاب ہے اورنہ زمین و آسمان کے اسرار و رموز کو بیان کرنے کی کتاب ہے بلکہ وہ "کتاب ہدایت" ہے۔

ہاں قرآن کریم میں چونکہ گزشتہ لوگوں خصوصاً انبیائے کرام اور اقوام و ملل کے عبرت ناک واقعات بیان ہوئے ہیں جن میں سے بہت سے لوگ زمین کے ایک عظیم حصہ پر حکومت کرتے تھے،اور اب ان کا نام و نشان تک نہیں رہا، اور کائنات کے پُر اسرار مخلوقات میں "توحید خدا" اور" معرفت اللہ"کے بہترین درس چھپے ہوئے ہیں لہذا قرآن کریم نے اپنے مخصوص انداز میں انھیں بیان کیا ہے اور انسانی ہدایت کے لئے موثر اور کامیاب نمونے بیان کئے ہیں۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ان نکات کو بیان کرتے ہوئے قرآنی آیات کا لب و لہجہ اس انداز کا ہے جس سے نہ صرف یہ کہ ان واقعات کی تازگی ختم نہیں ہوتی بلکہ مرور زمان کے باوجود اس کے معنی و مفاہیم میں

تروتازگی اور سبق آموزی پیدا ہوجاتی ہے، اس طرح ہر پیر و جوان اور عوام الناس و دانشور اپنے لحاظ سے اس نورہدایت سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

یہ صرف ایک دعوی ہی نہیں ہے بلکہ آپ حضرات بھی قرآن سے نزدیک ہوسکتے ہیں، اور اس حقیقت کا تجربہ کرسکتے ہیں، اس کا ایک واضح نمونہ "کتاب ہذا قصص قرآن" ہے، جس میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات، گزشتہ اقوام ملل کی داستانیں جو حجۃ الاسلام عالی جناب سید حسین حسینی نے "تفسیر نمونہ" سے انتخاب کی ہیں، اورکافی زحمت کرکے اپنے بہترین سلیقہ کو بروئے کار لائے ہیں، جس سے ہر پڑھنے والے کوہدایت و روشنی ملتی ہے اور اس کی زندگی کو "سعادت و فلاح و بہبودي" کا راستہ دکھاتی ہے۔

آخر میں ہم مولاناموصوف کی زحمتوں کی قدردانی کرتے ہوئے ان کے شکر گزار ہیں اور سبھی کو کتاب ہذا کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں خداوندعالم موصوف کی اس کاوش اور ہم سب کی جد و جہد کو قبول فرمائے۔

ناصر مکارم شیرازي

حوزہ علمیہ قم

ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ

پیش گفتار

حالانکہ ہمیشہ سے شیعہ علمائے کرام نے قرآن مجید کی بہت سے تفاسیر لکھی ہیں ، جن سے بہت سے علمائے کرام اور حوزات علمیہ فیض حاصل کرتے رہے ہیں ، لیکن جن صفات کی حامل "تفسیر نمونہ" ہے وہ بھی فارسی زبان میں جس کی ضرورت محسوس کی جارہی تھي، خصوصاً دور حاضر میں کہ جب قرآن فہمی کا جذبہ ہر طبقہ میں پیدا ہوگیا ہے۔

حضرت آیت اللہ العظمی مکارم شیرازی نے چند علماء کے ساتھ مل کر اس ضرورت کو پورا کیا اور اس تفسیر کے ذریعہ قرآن مجید کی شایان شان خدمت انجام دي۔

اس تفسیر کی خاص صفات جن کی وجہ سے یہ مقبول عام ہوئي ہے حسب ذیل ہیں :

١۔ اگرچہ یہ تفسیر فارسی زبان میں ہے لیکن اس کے علمی اور تحقیقاتی نکات میں کافی رعایت کی گئي ہے، تاکہ علمائے کرام اور طلاب بھی اس سے فیضاب ہوسکیں اور قرآن فہمی کا شوق رکھنے والے عوام الناس بھي۔

٢۔ تفسیر آیات میں بعض غیر ضروری مسائل میں الجھنے کے بجائے ان مسائل سے خصوصی بحث کی گئي ہیں جو انسان کے لئے واقعاً زندگی ساز ہیں جن کے ذریعہ انسان کی فردی اور معاشرتی زندگی میں کافی موثر

ہوتی ہے۔

۳۔ آیات میں بیان شدہ عناوین کے تحت ایک مختصر و مفید عنوان سے الگ بحث کی گئي ہے جس کے مطالعہ کے بعد قارئین کرام کو دوسری کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت نہیں رہے گی۔

۴۔ تفسیر میں مشکل اور پیچیدہ اصطلاحات سے پرہیز کیا گیا ہے لیکن ضرورت کے وقت حاشیہ میں ضروری وضاحت بھی کی گئي ہے، تاکہ علمائے اور صاحبان نقد حضرات کے علاوہ عام قارئین کرام کے لئے بھی مفید واقع ہوسکے۔

۵۔ اس تفسیر کا ایک اہم امتیاز یہ ہے کہ اس میں قرآنی واقعات سلیس زبان اورپُر کشش انداز میں بیان کیا گیا ہے اور ہر طرح کے پیچیدہ مسائل سے اجتناب کیا گیا ہے۔

اسی لئے حقیر نے استاد معظم سے اجازت طلب کی تاکہ قرآنی واقعات کو جمع کرکے ایک الگ کتاب کی شکل دیدی جائے جو عام قارئین کرام کے لئے مفید واقع ہوسکے، ہماری خوش قسمتی ہے کہ استادبزرگوار نے اجازت مرحمت فرمادي، اور ہم نے تفسیر نمونہ کا ایک دقیق دورہ کیا اور اس سے قرآنی واقعات کو جمع کیا، جن کو آپ حضرات کتاب ہذا کی شکل میں دیکھ رہے ہیں۔

چند ضروری نکات:

۱۔ کہیں کہیں ایسا ہوا ہے کہ ایک واقعہ تفسیر کی مختلف جلدوں میں بیان ہوا ہے مثال کے طورپر جناب موسی علیہ السلام کا واقعہ تیس سے زیادہ سوروں میں ۱۳۰/ بارسے زیادہ بیان ہوا ہے، ہم نے ان کو ایک جگہ جمع کیا اور ان کو مقدم و موخر کیا تاکہ واقعہ کی کیفیت ختم نہ ہونے پائے، اسی وجہ سے اگرچہ ظاہراً اس کتاب کا مواد جمع کرنا آسان کام ہے لیکن اس کے مختلف مراحل طے کرنے پڑے ہےں، منجملہ تفسیری دورہ، واقعات کی جمع آوری اور ان کو منظم و مرتب کرنا واقعاً ایک فرصت طلب کام تھا(جو الحمدللہ مکمل ہوگیا)

۲۔ چونکہ واقعات قران سے ہم آہنگ ہیں حاشہ میں سورہ اور آیت کا حوالہ لکھ دیا گیا ہے جس سے اگر کوئی تفسیر نمونہ پر رجوع کرنا چاہے تو اس کے لئے آسان ہوجائے، اسی وجہ سے ان واقعیات کے حوالے

نہیں لکھے گئے ہیں۔

۳۔ قرآن کریم میں مختلف واقعات کے علاوہ ۲۶/ انبیاء علیہم السلام کا نام مبارک وضاحت کے ساتھ لیا گیا ہے، جو درج ذیل ہیں:

حضرت آدم، ادریس، نوح، ہود، صالح، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، لوط، یوسف، یعقوب، شعیب، موسیٰ، ہارون، داود، سلیمان، ایوب، یونس، الیاس، الیَسع، ذاالکفل، عزیر، زکریا، یحیی، عیسی علیہم السلام اور حضرت محمد (ص)۔

ضمناً عرض ہے کہ حضرت اشموئیل (ع) نبی جن کا نام صراحت کے ساتھ قرآن کریم میں نہیں ہے، ان کا واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

اس کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

پہلا حصہ: قرآن میں بیان شدہ انبیاء علیہ السلام کے واقعات۔

دوسرا حصہ: قرآن میں بیان شدہ دوسرے واقعات۔

تیسرا حصہ: قرآن میں بیان شدہ پیغمبر اکرم (ص) کے واقعات۔

امید ہے کہ یہ ناچیز کوشش حضرت بقیۃ اللہ امام زمانہ عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کی بارگاہ میں مقبول و منظور قرار پائے گی۔

سید حسین حسینی

قم المقدسہ

انسانی زندگی پر داستان کا اثر

قران کریم کا بہت سا حصہ گزشتہ قوموں کی سرگذشت اور گزرنے ہوئے لوگوں کے واقعات زندگی کی صورت میں ہے، اس پہلو پر نظر کرنے سے یہ سوال سامنے اتا ہے کہ ایک تربیت کنندہ اور انسان ساز کتاب میں یہ سب تاریخ اور داستانیں کیوں ہیں۔

لیکن ذیل کے چند نکات کی طرف توجہ کرنے سے یہ مسئلہ واضح ہوجاتا ہے :-

۱۔ تاریخ انسانی زندگی کے مختلف مسائل کی تجربہ گاہ ہے اور جو چیزیں انسان عقلی دلائل سے اپنی ذہن میں منعکس کرتا ہے انھیں تاریخ کے صفحات میں عینی صورت میں کھلا ہوا پاتا ہے اور اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ معلومات میں سے زیادہ قابل اعتماد وہ ہیں جو حسی پہلو رکھتی ہیں، واقعات زندگی میں تاریخ کا اثر واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے، انسان اپنی انکھوں سے صفحات تاریخ میں اختلاف و انتشار کی وجہ سے کسی قوم کی مرگ بار شکست دیکھتا ہے اور اسی طرح اتحاد و ہم بستگی کے باعث کسی دوسری قوم کی درخشاں کامیابی کا مشاہدہ کرتا ہے۔

گزشتہ لوگوں کے حالات ان کے نہایت قیمتی تجربات کا مجموعہ ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ زندگی کا ماحصل تجربے کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

تاریخ ایک ائینہ ہے جو اپنے اندر تمام انسانی معاشروں کا ڈھانچہ منعکس کرتا ہے، یہ ائینہ ان کی

برائیاں اچھائیاں ،کامیابیاں ،ناکامیاں ،فتوحات ، شکستیں اور ان سب امور کے عوامل و اسباب دکھادیتا ہے ،اسی بنا پر ان کی پوری عمر کے تجربات سمیٹ لیتا ہے ،اسی بنا پر حضرت علی (ع) اپنے ابرو مند فرزند کے نام اپنے تاریخی وصیت نامہ میں فرماتے ہیں :

"اے میرے بیٹے اگر گزشتہ لوگوں کی عمر یکجا مجھے حاصل نہیں تاہم میں نے ان کے اعمال دیکھے ہیں ،ان کے واقعات میں غور و فکر کیا ہے اور ان کے اثار کی سیر و سیاحت کی ہے اس طرح سے گویا میں ان میں سے ایک ہوگیا ہوں ،بلکہ اس بناپر کہ میں نے ان کی تاریخ کے تجربات معلوم کئے ہیں تو گویا میں نے ان کے اولین واخرین کے ساتھ زندگی گذاری ہے"_[1]

البتہ_یہاں تاریخ سے مراد وہ تاریخ ہے جو خرافات ،اتہامات ،دروغ گوئیوں ،چاپلوسیوں ،ثناخوانیوں ،تحریفوں اور مسخ شدہ واقعات سے خالی ہو لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے_

کہ ایسی تاریخیں بہت کم ہیں ،اس سلسلے میں قران نے حقیقی تاریخ کے جو نمونے پیش کئے ہیں اس کے اثر کو نظر سے اوجھل نہیں رہنا چاہئے_

ایسی تاریخ کی ضرورت ہے کہ جو ائینے کی طرح صاف ہو نہ کہ کثر نما ہو ،ایسی تاریخ کہ جو صرف واقعات ذکر نہ کرے بلکہ اس کی بنیاد اور نتائج بھی تلاش کرے_

ان حالات میں قران کی جو تربیت کی ایک اعلی کتاب ہے تاریخ سے استفادہ کیوں نہ کرے اور گزشتہ لوگوں کے واقعات سے مثالیں اور شواہد کیوں پیش نہ کرے_

۲_علاوہ ازیں تاریخ ایک خاص قوت جاذبہ رکھتی ہے اور انسان بچپن سے لے کر بڑھاپے تک اپنی عمر کے تمام ادوار میں اس زبردست قوت جاذبہ کے زیر اثر رہتا ہے ،اسی بنا پر دنیا کی ادبیات کا ایک اہم حصہ اور انشا پردازوں کے عظیم اثار تاریخ اور واقعات پر مشتمل ہیں_

---

(۱) نہج البلاغہ ،مکتوب ۳۱ ،بنام امام حسن مجتبی علیہ السلام

شعرا اور عظیم مصنفین کے بہترین اثار چاہے وہ فارسی میں ہوں یا دوسری زبانوں میں یہی داستانیں اور واقعات ہیں گلستان سعدی، شاہنامہ فردوسی، خمسہ نظامی اور معاصر مصنفین کے دلکش اثار، اسی طرح ہیجان افرین فرانسیسی مصنف ،ویکٹر ہوگو، برطانیہ کے، شکس پئیر، اورجرمنی کے، گوئٹے، سب کی تصانیف داستان کی صورت میں ہیں۔

داستان اور واقعہ چاہے نظم کی صورت میں ہویا نثر کی، نمائش کے انداز میں ہو یا فلم کی شکل میں پڑھنے والے اور دیکھنے والے پر اثر انداز ہوتا ہے اور ایسی تاثیر عقلی استدلالات کے بس کی بات نہیں ہے۔

اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ انسان عقلی سے پہلے حسی ہے اور وہ جس قدر فکری مسائل میں غور وفکر کرتا ہے اس سے زیادہ حتی مسائل میں غوطہ زن ہوتا ہے، زندگی کے مختلف مسائل میں جس قدر میدان حس سے دور ہوتے ہیں اور خالص عقلی حوالے سے ہوتے ہیں اسی قدر ثقیل اور سنگین ہوتے ہیں اور اتنی ہی دیر سے ہمضم ہوتے ہیں۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیشہ عقلی استدلالات کے مضبوط بنانے کے لئے حسی مثالوں سے مدد لی جاتی ہے، بعض اوقات ایک مناسب اور برمحل مثال استدلال کا اثر کئي گنا زیادہ کر دیتی ہے، اسی لئے کامیاب علماء وہ ہیں جو بہترین مثالیں انتخاب کرنے پر زیادہ دسترس رکھتے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ عقلی استدلال حسی، عینی اور تجرباتی مسائل کا ماحصل ہیں۔

۳۔داستان اور تاریخ ہر شخص کے لئے قابل فہم ہے جب کہ اس کے برعکس عقلی استدلالات کی رسائي میں سب لوگ برابر کے شریک نہیں ہیں۔

اسی لئے وہ کتاب کہ جو عمومیت رکھتی ہے اور سب کے لئے ہے، نیم وحشی، ان پڑھ عرب کے بیابانی بدّو سے لے کر عظیم مفکر اور فلسفی تک کے استفادہ کے لئے ہے اسے حتمی طور پر تاریخ، داستانوں اور مثالوں کا سہارا لینا چاہئے۔

ان تمام پہلوؤں کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ تمام تاریخیں اور داستانیں

بیان کر کے قران نے تعلیم و تربیت کے لحاظ سے بہترین راستہ اپنایا ہے۔

خصوصاً اس نکتے کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ قران نے کسی موقع پر بھی خالی تاریخی واقعات ہی بیان نہیں کردیئے بلکہ ہر قدم پر اس سے نتائج اخذ کئے ہیں اور اس سے تربیتی حوالے سے استفادہ کیا ہے چنانچہ اپ اسی سورت میں اس کے کئي نمونے دیکھیں گے۔

*****

۱ انبیاء علیہم السلام کے واقعات

حضرت آدم علیہ السلام

خدا کی خواہش یہ تھی کہ روئے زمین پر ایک ایسا موجود خلق فرمائے جو اس کا نمائندہ ہو ،اس کے صفات، صفات خداوندی کا پرتوہوں اور اس کا مرتبہ ومقام فرشتوں سے بالا ترہو، خدا کی خواہش اور ارادہ یہ تھا کہ ساری زمین اور اس کی نعمتیں ،تمام قوتیں ،سب خزانے ،تمام کانیں اور سارے وسائل بھی اس کے سپرد کردئے جائیں ، ضروری ہے کہ ساری زمین اور اس کی نعمتیں عقل وشعور، ادراک کے وافرحصے اور خصوصی استعداد کا حامل ہو جس کی بناء پر موجودات ارضی کی رہبری اور پیشوائي کا منصب سنبھال سکے ـ

یہی وجہ ہے کہ قرآن کہتا ہے :"یاد کریں اس وقت کو جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں روئے زمین پر جانشین مقرر کرنے والا ہوں "ـ[1]

بہر حال خدا چاہتا تھا کہ ایسے وجود کوپیدا کرے جو عالم وجود کا گلدستہ ہواور خلافت الہی کے مقام کی اہلیت رکھتا ہو اور زمین پراللہ کا نمائندہ ہو مربوط آیات کی تفسیر میں ایک حدیث جوامام صادق علیہ السلام سے مروی ہے وہ بھی اسی معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ فرشتے مقام آدم پہچاننے کے بعد سمجھ گئے کہ ادم اور ان کی اولا دزیادہ حقدار ہیں کہ وہ زمین میں خلفاء الہی ہوں اور مخلوق پر اس کی حجت ہوں ـ

---

(۱) سورہ بقرہ آیت ۳۰

فرشتوں کا سوال

فرشتوں نے حقیقت کا ادراک کرنے کے لئے نہ کہ اعتراض کی غرض سے عرض کیا :"کیا زمین میں اسے جانشین قرار دے گا جو فساد کرے گا اور خون بہائے گا_ جب کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں، تیری تسبیح وحمد کرتے ہیں اور جس چیز کی تیری ذات لائق نہیں اس سے تجھے پاک سمجھے ہیں"_[(۱)]

مگر یہاں پر خدا نے انہیں سربستہ و مجمل جواب دیا جس کی وضاحت بعد کے مراحل میں آشکار ہو فرمایا :"میں ایسی چیزوں کو جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے"_[(۲)]

فرشتوں کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ انسان سربراہی نہیں بلکہ فساد کرے گا، خون بہائے گا اور خرابیاں کرے گا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آخروہ کس طرح سمجھے تھے_

بعض کہتے ہیں خدا نے انسان کے آئندہ حالات بطور اجمال انہیں بتا ئے تھے جب کہ بعض کا احتمال ہے کہ ملائکہ خود اس مطلب کو لفظ "في الارض"(زمین میں) سے سمجھ گئے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے انسان مٹی سے پیدا ہوگا اور مادہ اپنی محدودیت کی وجہ سے طبعاً مرکز نزاع وتزاحم ہے کیونکہ محدود مادی زمانہ انسانوں کی اس طبیعت کو سیر وسیراب نہیں کر سکتا جوزیادہ کی طلب رکھتی ہے یہاں تک کہ اگر ساری دنیا بھی ایک فرد کو دے دی جائے تو ممکن ہے وہ پھر بھی سیر نہ ہو اگر کافی احساس ذمہ داری نہ ہو تو یہ کیفیت فساد اور خونریزی کا سبب بنتی ہے_

بعض دوسرے مفسرین معتقد ہیں کہ فرشتوں کی پیشین گوئ اس وجہ سے تھی کہ آدم روئے زمین کی پہلی مخلوق نہیں تھے بلکہ اس سے قبل بھی دیگر مخلوقات تھیں؛جنہوں نے نزاع، جھگڑااور خونریزی کی تھي، ان سے پہلے مخلوقات کی بری فائل نسل آدم کے بارے میں فرشتوں کی بدگمانی کا باعث بنی_

یہ تین تفاسیر ایک دوسرے سے کچھ زیادہ اختلاف نہیں رکھتیں یعنی ممکن ہے یہ تمام امور فرشتوں کي

---

(۱)سورہ بقرہ آیت ۳۰

(۲)سورہ بقرہ آیت ۳۰

اس توجہ کا سبب بنا ہو اور دراصل یہ ایک حقیقت بھی تھی جسے انہوں نے بیان کیا تھایہی وجہ ہے کہ خدا نے جواب میں کہیں بھی اس کا انکار نہیں کیا بلکہ اس حقیقت کے ساتھ ساتھ ایسی مزید حقیقتیں انسان اور اس کے مقام کے بارے میں موجودہیں جن سے فرشتے آگاہ نہیں تھے _

فرشتے سمجھتے تھے اگر مقصد عبودیت اور بندگی ہے تو ہم اس کے مصداق کامل ہیں ،ہمیشہ عبادت میں ڈوبے رہتے ہیں لہذا سب سے زیادہ ہم خلافت کے لائق ہیں لیکن وہ اس سے بے خبرتھے کہ ان کے وجود میں شہوت و غضب اور قسم قسم کی خواہشات موجود نہیں جب کہ انسان کو میلانات وشہوات نے گھیر رکھا ہے اور شیطان ہر طرف سے اسے وسوسہ میں ڈالتا رہتا ہے لہذا ان کی عبادت انسان کی عبادت سے بہت زیادہ فرق رکھتی ہے کہاں اطاعت اور فرمانبرداری ایک طوفان زدہ کی اور کہاں عبادت ان ساحل نشینوں کی جو مطمئن، خالی ہاتھ اور سبک بارہیں _

انہیں کب معلوم تھا کہ اس آدم کی نسل سے محمد ، ابراہیم ،نوح ، موسي، عيسى عليهم السلام جیسے انبیاء اور ائمہ اہل بیت (ع) جیسے معصوم اور ایسے صالح بندے اور جانباز شہید مرد اور عورتیں عرصئہ وجود میں قدم رکھیں گے جو پروانہ وار اپنے آپ کو راہ خدا میں پیش کریں گے ایسے افراد جن کے غور وفکر کی ایک گھڑی فرشتوں کی سالہا سال کی عبادت کے بہتر ہے _

یہ بات قابل توجہ ہے کہ فرشتوں نے اپنے صفات کے بارے میں تین چیزوں کا سہارا لیا تسبیح، حمد اور تقدیس ،در حقیقت وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ اگرہدف اور غرض ، اطاعت اور بندگی ہے تو ہم فرمانبردارہیں اور اگر عبادت ہے تو ہم ہر وقت اس میں مشغول رہتے ہیں اور اگر اپنے آپ کو پاک رکھنا یا صفحہ ارضی کو پاک رکھنا ہے تو ہم ایسا کریں گے جب کہ یہ مادی انسان خود بھی فاسد ہے اور روئے زمین کو بھی فاسد کردے گا _

حقائق کو تفصیل سے ان کے سامنے واضح کرنے کے لئے خداوندعالم نے ان کی آزمائش کے لئے اقدام کیا تاکہ وہ خود اعتراف کریں کہ:

" ان کے اور اولاد آدم کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے"_

فرشتے امتحان کے سانچے میں

پروردگار کے لطف وکرم سے آدم حقائق عالم کے ادراک کی کافی استعدادرکھتے تھے خدا نے ان کی اس استعداد کو فعلیت کے درجے تک پہنچایا اور قرآن کے ارشاد کے مطابق آدم کو تمام اسماء (عالم وجود کے حقائق و اسرار)کی تعلیم دی گئی۔ (۱)(۲)

---

(۱)سورہ بقرہ آیت ۳۱

(۲) مفسرین نے اگرچہ "علم اسماء کی تفسیر میں قسم قسم کے بیانات دیئے ہیں لیکن مسلم ہے کہ آدم کو کلمات واسماء کی تعلیم بغیر معنی کے نہیں دی تھی کیونکہ یہ کوئي قابل فخربات نہیں بلکہ مقصدیہ تھا کہ ان اسماء کے معانی ومفاہیم اورجن چیزوں کے وہ نام تھے ان سب کی تعلیم ہے البتہ جہان خلقت اور عالم ہستی کے مختلف موجودات کے اسماء خواص سے مربوط علوم سے باخبر وآگاہ کیا جانا حضرت ادم کے لئے بہت بڑا اعزاز تھا ۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت امام صادق علیہ السلام سے اس آیت (وعلم آدم الاسماء کلہا) کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: (الارضین والجبال والشعاب والا ودیہ ثمہ نظر الی بساط تحتہ فقال وہزا ابساط مما علمہ)۔

اسماء سے مرادزمینیں ،پہاڑ،دریا،اورروادیاں (غرض یہ کہ تمام موجودات) تھے، اس کے بعد امام (ع) نے اس فرش کی طرف نگاہ کی جو آپ کے نیچے بچھا ہوا تھا اور فرمایا یہاں تک کہ یہ فرش بھی ان امور میں سے ہے کہ خدا نے جن کی آدم کو تعلیم دی ۔

لہذا معلوم یہ ہوا کہ علم لغت کے مشابہ نہ تھا بلکہ اس کا تعلق فلسفہ ،اور اسرار اور کیفیات وخواص کے ساتھ تھا، خداوندعالم نے آدم کو اس علم کی تعلیم دی تاکہ وہ اپنی سیرتکامل میں اس جہان کی مادی اور روحانی نعمتوں سے بہرہ ورہوسکیں اسی طرح مختلف چیزوں کے نام رکھنے کی استعداد بھی انہیں دی تاکہ وہ چیزوں کے نام رکھ سیکیں اور ضرورت کے وقت ان کا نام لے کر انہیں بلا سکیں یا منگوا سکیں اور یہ ضروری نہ ہو کہ اس کے لئے ویسی چیز دکھانی پڑے، یہ خود ایک بہت بڑی نعمت ہے اس موضوع کی اہمیت ہم اس وقت سمجھتے ہیں جب دیکھتے ہیں کہ انسان کے پاس اس وقت جو کچھ ہے کتاب اور لکھنے کی وجہ سے ہے اور گزرے ہوئے لوگوں کے سب علمی ذخائران کی تحریروں میں جمع ہیں اور یہ سب کچھ چیزوں کے نام رکھنے اور ان کے خواص کی وجہ سے ہے ورنہ کبھی بھی ممکن نہ تھا کہ ہم گذشتہ لوگوں کے علوم آنے والوں تک منتقل کرسکتے ۔

پھر خداوند عالم نے فرشتوں سے فرمایا :"اگر سچ کہتے ہوتو ان اشیاء اور موجودات کے نام بتاو جنہیں دیکھ رہے ہو اور ان کے اسرار و کیفیات کو بیان کرو، لیکن فرشتے جو اتنا علم نہ رکھتے تھے اس امتحان میں پیچھے رہ گئے لہذا جواب میں کہنے لگے خدا وندا :"تو منزہ ہے ،تو نے ہمیں جو تعلیم دی ہے ہم اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتے ہمیں نہیں معلوم تو خود ہی علیم و حکیم ہے_ (۱)

اگر ہم نے اس سلسلے میں سوال کیا ہے تو یہ ہماری نا آگاہی کی بناء پر تھا اور آدم کی اس عجیب استعداد اور قدرت سے بے خبر تھے جو ہمارے مقابلے میں اس کا بہت بڑا امتیاز ہے ، بے شک وہ تیری خلافت و جانشینی کی اہلیت رکھتا ہے جہان ہستی کی سرزمین اس کے وجود کے بغیر ناقص تھي_

اب آدم علیہ السلام کی باری آئی کہ وہ ملائکہ کے سامنے موجودات کا نام لیں اور ان کے اسرار بیان کریں خداوند عالم نے فرمایا :"اے آدم :فرشتوں کو ان موجودات کے ناموں اور کاموں سے آگاہ کرو،جب آدم نے انہیں ان اسماء سے آگاہ کیا تو خداوند عالم نے فرمایا : کیا میں نے تمہیں بتایا نہیں تھا کہ میں آسمان وزمین کے غیب سے واقف ہوں اور تم جو کچھ ظاہر کرتے اور چھپاتے ہو سب سے باخبر ہوں "_ (۲)

اس مقام پر ملائکہ نے اس انسان کی وسیع معلومات اور فراواں حکمت و دانائی کے سامنے سر تسلیم خم کردیا اور ان پر واضح ہوگیا کہ صرف یہی زمین پر خلافت کی اہلیت رکھتا ہے_

آدم علیہ السلام جنت میں

گذشتہ بحثیں جو انسان کے مقام و عظمت کے بارے میں تھیں ان کے ساتھ قرآن نے ایک اور فصل بیان کی ہے، پہلے کہتا ہے :"یاد کرو وہ وقت جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کے لئے سجدہ و خضوع کرو، ان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، جس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور اسی تکبر و نا فرمانی کی وجہ سے کافروں میں داخل ہوگیا "_ (۳)

---

(۱) سورہ بقرہ آیت ۳۱

(۲) سورہ بقرہ آیت ۳۳

(۳) سورہ بقرہ آیت ۳۴

بہر حال مربوط آیت انسانی شرافت اور اس کی عظمت ومقام کی زندہ اور واضح دلیل ہے کہ اس کی تکمیل خلقت کے بعد تمام ملائکہ کو حکم ملتا ہے کہ اس عظیم مخلوق کے سامنے سر تسلیم خم کردو، واقعاوہ شخص جو مقام خلافت الٰہی اور زمین پر خدا کی نمائندگی کا منصب حاصل کرے ،تمام تر تکامل وکمال پر فائز ہو اور بلند مرتبہ فرزندوں کی پرورش کا ذمہ دار ہو جن میں انبیاء اور خصوصاًپیامبر اسلام (ص) اور ان کے جانشین شامل ہوں، ایسا انسان ہر قسم کے احترام کے لائق ہے۔

ابلیس نے مخالفت کیوں کی

ہم جانتے ہیں کہ لفظ "شیطان "اسم جنس ہے جس میں پہلا شیطان اور دیگر تمام شیطان شامل ہیں لیکن ابلیس مخصوص نام ہے، اور یہ اسی شیطان کی طرف اشارہ ہے جس نے حضرت آدم کو ورغلایا تھا وہ صریح آیات قرآن کے مطابق ملائکہ کی نوع سے نہیں تھا صرف ان کی صفوں میں رہتا تھا وہ گروہ جن میں سے تھا جو ایک مادی مخلوق ہے۔[۱]

اس مخالفت کا سبب کبر و غرور اور خاص تعصب تھا جو اس کی فکر پر مسلط تھا۔وہ سوچتا تھا کہ میں آدم سے بہتر ہوں لہذا آدم کو سجدہ کرنے کا حکم نہیں دیا جانا چاہئے بلکہ آدم کو سجدہ کرنا چاہئے اور اسے مسجود ہونا چاہئے۔

خدانے "ابلیس"کی سرکشی اور طغیانی کی وجہ اس کا مواخذہ کیا اور کہا:اس بات کا کیا سبب ہے کہ تو نے آدم کو سجدہ نہیں کیا اور میرے فرمان کو نظر انداز کردیا ہے؟[۲]

اس نے جواب میں ایک نادرست بہانے کا سہارا لیا اور کہا:"میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو آب و گل سے۔[۳]

---

(۱)سورہ کہف آیت ۵۰ میں ہے:"سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے جو جنوں میں سے تھا"

(۲)سورہ اعراف آیت ۱۲

(۳)سورہ اعراف آیت ۱۲

گویا اسے خیال تھا کہ آگ، خاک سے بہتر و افضل ہے، یہ ابلیس کی ایک بڑی غلط فہمی تھي، شاید اسے غلط فہمی بھی نہ تھی بلکہ جان بوجھ کر جھوٹ بول رہا تھا_

لیکن شیطان کی داستان اسی جگہ ختم نہیں ہوتي، بلکہ اس نے جب یہ دیکھا کہ وہ درگاہ خداوندی سے نکال دیا گیا ہے او اس کی سرکشی اور ہٹ دھرمی میں اور اضافہ ہوگیا_ چنانچہ اس نے بجائے شرمندگی اور توبہ کے اور بجائے اس کے کہ وہ خدا کی طرف پلٹے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرے، اس نے خدا سے صرف اس بات کی درخواست کی کہ : "خدایا مجھے رہتی دنیا تک کے لئے مہلت عطا فرمادے اور زندگی عطا کر"_ (۱)

اس کی یہ درخواست قبول ہوگئي اور اللہ تعالی نے فرمایا: "تجھے مہلت دی جاتی ہے"_ (۲)

اگرچہ قران میں اس بات کی صراحت نہیں کی گئي کہ ابلیس کی درخواست کس حدتک منظور ہوئي_ ارشادہوا: "تجھ کو اس روز معین تک کے لئے مہلت دی گئي"_ (۳)

یعنی اس کی پوری درخواست منظور نہیں ہوئي بلکہ جس مقدار میں خدا نے چاہا اتنی مہلت عطا کي_

لیکن اس نے جو یہ مہلت حاصل کی وہ اس لئے نہیں تھی کہ اپنی غلطی کا تدارک کرے بلکہ اس نے اس طولانی عمر کے حاصل کرنے کا مقصد اس طرح بیان کیا:

"اب جبکہ تو نے مجھے گمراہ کردیا ہے، تو میں بھی تیرے سیدھے راستے پر تاک لگا کر بیٹھوں گا (مورچہ بنائوں گا) اور ان (اولاد آدم) کو راستے سے ہٹادوں گا، تاکہ جس طرح میں گمراہ ہوا ہوں اسی طرح وہ بھی گمراہ ہوجائیں"_ (۴)

اس کے بعد شیطا ن نے اپنی بات کی مزید تائید و تاکید کے لئے یوں کہا: "میں نہ صرف یہ کہ ان کے راستہ پر اپنا مورچہ قائم کروں گا بلکہ ان کے سامنے سے، پیچھے سے، داھنی جانب سے، بائیں جانب سے گویا

---

(۱) سورہ اعراف آیت ۱۴

(۲) سورہ اعراف ایت ۱۵

(۳) سورہ حجر آیت ۳۸

(۴) سورہ اعراف آیت ۱۶

چاروں طرف سے ان کے پاس آئوں گا جس کے نتیجہ میں تو ان کی اکثریت کو شکر گزار نہ پائے گا_"(۱)(۲)

شروع میں اس کا گناہ صرف یہ تھا کہ اس نے خدا کا حکم ماننے سے انکار کردیا تھا، اسی لئے اس کے ضروج کا حکم صادر ہوا، اس کے بعد اس نے ایک اور بڑا گناہ یہ کیا کہ خدا کے سامنے بنی آدم کو بہکانے کا عہد کیا اور ایسی بات کہی گویا وہ خدا کو دھمکی دے رہا تھا، ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کونسا گناہ ہوسکتا ہے_ لہذا خدا نے اس سے فرمایا: اس مقام سے بد ترین ننگ و عار کے ساتھ نکل جا اور ذلت و خواری کے ساتھ نیچے اتر جا_

اور فرمایا: "میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ جو بھی تیری پیروی کرے گا میں جہنم کو تجھ سے اور اس سے بھردوں گا_"(۳)(۴)

---

(۱)سوہ اعراف آیت ۱۶

(۲)مذکورہ بالا تعبیر سے مراد یہ ہو سکتی کہ شیطان ہر طرف سے انسان کا محاصرہ کرے گا اور اسے گمراہ کرنے کے لئے ہر وسیلہ اختیار کرے گا اور یہ تعبیر ہماری روزمرہ کی گفتگو میں بھی ملتی ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ "فلاں شخص چاروں طرف سے قرض میں یا مرض میں گھر گیا ہے_"

اوپر اور نیچے کا ذکر نہیں ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی زیادہ تر اور عموماً فعالیت ان چار طرف ہوتی ہے_

لیکن ایک روایت جو امام محمد باقر علیہ السلام سے وارد ہوئي ہے، اس میں ان "چاروں جہت" کی ایک گہری تفسیر ملتی ہے اسمیں ایک جگہ پر حضرت (ع) فرماتے ہیں: "شیطان جو آگے سے آتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ آخرت کو جو انسان کے آگے ہے اس کی نظر میں سبک کردیتا ہے، اور پیچھے سے آنے کے معنی یہ ہیں کہ: شیطان انسان کو مال جمع کرنے اور اولاد کی خاطر بخل کرنے کے لئے ورغلاتا ہے، اور "داہنی طرف" سے آنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ انسان کے دل میں شک و شبہ ڈال کر اس کے امور معنوی کو ضائع کردیتا ہے اور بائیں طرف سے آنے سے مراد یہ ہے ک شیطان انسان کی نگاہ میں لذات مادی و شہوات دنیوی کو حسین بنا کر پیش کرتا ہے_

(۳)سورہ اعراف ایت ۱۸

(۴) سجدہ خدا کے لئے تھا یا آدم کے لئے ؟ اس میں کوئي شک نہیں کہ "سجدہ" جس کا معنی عبادت وپرستش ہے صرف خدا کے لئے ہے کیونکہ عالم میں خدا کے علاوہ کوئي معبود نہیں اور توحید عبادت کے معین یہی ہیں کہ خدا کے علاوہ کسی کی عبادت نہ

بہشت میں قیام

بہرحال اس واقعہ اور فرشتوں کے امتحان کے بعد آدم اور حوا کو حکم دیا گیا کہ وہ بہشت میں سکونت اختیار کریں چنانچہ قرآن کہتا ہے :"ہم نے آدم سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو اوراس کی فراوان نعمتوں میں سے جو چاہو کھا ئو لیکن اس مخصوص درخت کے نزدیک نہ جانا ورنہ ظالموں میں سے ہوجائوگے_"(۱)

آیات قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ آدم زندگی گزارنے کے لئے اسی عام زمین پرپیدا ہوئے تھے لیکن ابتداء میں خدا وند عالم نے انہیں بہشت میں سکونت دی جو اسی جہان کا ایک سرسبز وشاداب اور نعمتوں سے مالامال باغ تھا وہ ایسی جگہ تھی جہاں آدم نے کسی قسم کی تکلیف نہیں دیکھی شاید اس کا سبب یہ ہوکہ آدم زمین میں پر زندگی گزارنے سے آشنائي نہ رکھتے تھے اوربغیر کسی تمہید کے زحمات وتکلیف اٹھانا ان کے لئے مشکل تھا اورزمین میں زندگی گزارنے کے لئے یہاں کے کرداروفتار کی کیفیت سے آگاہیت ضروری تھی لہذا مختصر مدت کے لئے بہشت کے اندر ضروری تعلیمات حاصل کرلیں کیونکہ زمین کی زندگی پروگراموں، تکلیفوں اورذمہ داریوں سے معمور ہے جس کا انجام صحیح سعادت،تکامل اور بقائے نعمت کا سبب ہے اور ان سے روگردانی کرنا رنج و مصیبت کا باعث ہے_

اور یہ بھی جان لیں کہ اگرچہ انہیں چاہئے کہ زمین کی کچھ چیزوں سے چشم پوشی کریں نیزیہ جان لینا کریں، لہذا اس میں شک و شبہ نہیں کہ ملائکہ نے آدم کے لئے سجدہ عبادت نہیں کیا بلکہ یہ سجدہ خدا کے لئے تھا، لیکن اس عجیب و غریب مخلوق کی وجہ سے یا یہ کہ سجدہ آدم کے لئے تھا لیکن وہ خضوع و تعظیم کا سجدہ تھا نہ کہ عبادت وپرستش کا_

کتاب عیون الاخبارمیں امام علی بن موسی رضا علیہ السلام سے اسی طرح کی روایت ہے جس میں اپ نے فرمایا: "فرشتوں کا سجدہ ایک طرف سے خدا کی عبادت تھی اوردوسری طرف آدم کا اکرام واحترام کیونکہ ہم صلب آدم میں موجود تھے"

---

(۱) سورہ بقرہ آیت ۳۵

بھی ضروری تھاکہ اگر خطاولغزش دامن گیر ہو توایسا نہیں کہ سعادت وخوش بختی کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہوجائیں گے بلکہ انہیں پلٹ کردوبارہ عہد وپیمان کرنا چاہیئے کہ وہ حکم خدا کے خلاف کوئی کام انجام نہیں دیں گے تاکہ دوبارہ نعمات الٰہی سے مستفید ہوسکیں، یہ بھی تھاکہ وہ اس ماحول میں رہ کر کچھ پختہ ہوجائیں اور اپنے دوست اور دشمن کوپہچان لیں اور زمین میں زندگی گزارنے کی کیفیت سے آشنا ہوجائیں یقینا یہ سلسلہ تعلیمات ضروری تھاتاکہ وہ اسے یادرکھیں اور اس تیاری کے ساتھ روئے زمین پر قدم رکھیں۔

یہ ایسے مطالب تھے کہ حضرت آدم اور ان کی اولاد آئندہ زندگی میں ان کی محتاج تھی لہذا اس کے باوجودکہ آدم کو زمین کی خلافت کے لئے پیدا کیا گیا تھا ایک مدت تک بہشت میں قیام کرتے ہیں اورانہیں کئي ایک حکم دئے جاتے ہیں جوشاید سب تمرین وتعلیم کے پہلوسے تھا۔

شیطان کا وسوسہ

اس مقام پر آدم نے اس فرمان الٰہی کو دیکھا جس میں آپ کو ایک درخت کے بارے میں منع کیا گیا تھا ادھر شیطان نے بھی قسم کھا رکھی تھی کہ آدم اور اولاد آدم کو گمراہ کرنے سے باز نہ آئے گا وہ وسوسے پیدا کرنے میں مشغول ہوگیا جیسا کہ باقی آیات قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے اس نے آدم کو اطمینا ن دلایا کہ اگراس درخت سے کچھ لیں تو وہ اوران کی بیوی فرشتے بن جائیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں رہیں گے یہاں تک کہ اس نے قسم کھائی کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔"[(۱)]

اس طرح اس نے فرمان خدا کو ان کی نظر میں ایک دوسرے رنگ میں پیش کیا اور انہیں یہ تصور دلانے کی کوشش کی کہ اس " شجرہ ممنوعہ" سے کھالینا نہ صرف یہ کہ ضرر رساں نہیں بلکہ عمرجاوداں یا ملائکہ کا مقام ومرتبہ پالینے کا موجب ہے۔ اس بات کی تائید اس جملے سے بھی ہوتی ہے شیطان کی زبانی وارد ہوا ہے: اے آدم: "کیا تم چاہتے ہوکہ میں تمہیں زندگانی جاودانی اور ایسی سلطنت کی رہنمائي کروں جو کہنہ نہ ہوگي؟ "[(۲)]

---

(۱) سورہ اعراف آیت ۲۰

(۲)سورہ طہ آیت ۱۲۰

ایک روایت جو "تفسیر قمي" میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے اور"عیون اخبار الرضا" میں امام علی بن موسی رضا علیہ السلام سے مروی ہے;میں وارد ہوا ہے: "شیطان نے آدم سے کہا کہ اگر تم نے اس شجرہ ممنوعہ سے کھالیا تو تم دونوں فرشتے بن جائوگے، اور پھر ہمیشہ کے لئے بہشت میں رہوگے، ورنہ تمہیں بہشت سے باہر نکال دیا جائے گا "_

آدم نے جب یہ سنا تو فکر میں ڈوب گئے لیکن شیطان نے اپنا حربہ مزید کارگر کرنے کے لئے سخت قسم کھائي کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں_ (۱)

حضرت آدم علیہ السلام کو آب حیات کی تمنا

آدم ، جنہیں زندگی کا ابھی کافی تجربہ نہ تھا ، نہ ہی وہ ابھی تک شیطان کے دھوکے، جھوٹ اور نیرنگ میں گرفتار ہوئے تھے ، انہیں یہ یقین نہیں ہوسکتا تھا کہ کوئي اتنی بڑی جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے اور اس طرح کے جال، دوسرے کو گرفتار کرنے کے لئے پھیلا سکتا ہے، آخرکار وہ شیطان کے فریب میں آگئے اور آب حیات و سلطنت جاودانی حاصل کرنے کے شوق میں مکر ابلیسی کی بوسیدہ رسی کو پکڑکے اس کے وسوسہ کے کنویں میں اتر گئے رسی ٹوٹ گئي اور انہیں نہ صرف آب حیات ہاتھ نہ آیا بلکہ خدا کی نافرمانی کے گرداب میں گرفتار ہوگئے ان تمام مطالب کو قرآن کریم نے اپنے ایک جملے میں خلاصہ کردیا ہے ارشاد ہوتا ہے:"اس طرح سے شیطان نے انہیں دھوکا دیا اور اس نے اپنی رسی سے انہیں کنویں میں اتار دیا "_ (۲)

ادم کو چاہیئے تھا کہ شیطان کے سابقہ دشمنی اور خدا کی وسیع حکمت ورحمت کے علم کی بناپر اس کے جال کو پارہ پارہ کردیتے اور اس کے کہنے میں نہ آتے لیکن جو کچھ نہ ہونا چاہیئے تھا وہ ہوگیا _

"بس جیسے ہی آدم وحوانے اس ممنوعہ درخت سے چکھا، فوراًہی ان کے کپڑے ان کے بدن سے نیچے گرگئے اور ان کے اندام ظاہرہوگئے"_ (۳)

---

(۱)سورہ اعراف ایت ۲۱

(۲)سورہ اعراف آیت ۲۲

(۳)سورہ اعراف آیت ۲۲

مذکورہ بالا جملے سے یہ بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ درخت ممنوع سے چکھنے کے ساتھ ہی فوراً اس کا برا اثر ظاہر ہوگیا اور وہ اپنے بہشتی لباس سے جوفی الحقیقت خدا کی کرامت واحترام کا لباس تھا، محروم ہو کر برہنہ ہوگئے ـ

اس جملہ سے اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ آدم وحوا یہ مخالفت کرنے سے پہلے برہنہ نہ تھے بلکہ کپڑے پہنے ہوئے تھے، اگرچہ قرآن میں ان کپڑوں کی کوئي تفصیل بیان نہیں کی گئي لیکن جو کچھ بھی تھا وہ آدم وحوا کے وقار کے مطابق اور ان کے احترام کے لئے تھا، جو ان کی نافرانی کے باعث ان سے واپس لے لیا گیا ـ

لیکن خود ساختہ توریت میں اس طرح سے ہے:

آدم وحوا اس موقع پر بالکل برہنہ تھے لیکن اس برہنگی کی زشتی کو نہیں سمجھتے تھے، لیکن جس وقت انہوں نے اس درخت سے کھایا جو درحقیقت "علم ودانش" کا درخت تھا تو ان کی عقل کی آنکھیں کھل گئیں اور اب وہ اپنے کو برہنہ محسوس کرنے لگے اور اس حالت کی زشتی سے آگاہ ہوگئے ـ

جس "آدم" کا حال اس خود ساختہ توریت میں بیان کیا گیا ہے، وہ فی الحقیقت آدم واقعی نہ تھا بلکہ وہ تو کوئي ایسا نادان شخص تھا جو علم ودانش سے اس قدر دور تھا کہ اسے اپنے ننگا ہونے کا بھی احساس نہ تھا لیکن جس "آدم" کا تعارف قرآن کراتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ اپنی حالت سے باخبر تا بلکہ اسرار آفرینش (علم اسما) سے بھی آگاہ تھا اور اس کا شمار معلم ملکوت میں ہوتا تھا، اگر شیطان اس پر اثرانداز بھی ہوا تو یہ اس کی نادانی کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ اس نے ان کی پاکی اور صفائے نیت سے سوئے استفادہ کیا ـ

اس بات کی تائید کلام الہی کے اس قول سے بھی ہوتی ہے:

"اے اولاد آدم: کہیں شیطان تمہیں اس طرح فریب نہ دے جس طرح تمہارے والدین (آدم وحوا) کو دھوکا دے کر بہشت سے باہر نکال دیا اور ان کا لباس ان سے جدا کردیا"ـ(۱)

---

(۱)سورہ اعراف آیت ۲۷

اگرچہ بعض مفسرین اسلام نے یہ لکھا ہے کہ آغاز میں حضرت آدم برہنہ تھے تو واقعاً یہ ایک واضح اشتباہ ہے جو توریت کی تحریر کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

بہرحال اس کے بعد قرآن کہتا ہے: "جس وقت آدم و حوا نے یہ دیکھا تو فوراً بہشت کے درختوں کے پتوں سے اپنی شرم گاہ چھپانے لگے۔

اس موقع پر خدا کی طرف سے یہ ندا آئی: "کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے، تم نے کس لئے میرے حکم کو بھلادیا اور اس پست گرداب میں گھر گئے؟[۱]

شجرہ ممنوعہ کونسا درخت تھا؟

قرآن کریم میں بلا تفصیل اور بغیر نام کے چھ مقام پر "شجرہ ممنوعہ" کا ذکر ہوا ہے لیکن کتب اسلامی میں اس کی تفسیر دو قسم کی ملتی ہے ایک تو اس کی تفسیر مادی ہے جو حسب روایات "گندم" ہے۔

اس بات کی طرف توجہ رہنا چاہیئے کہ عرب لفظ "شجرہ" کا اطلاق صرف درخت پر نہیں کرتے بلکہ مختلف نباتات کو بھی "شجرہ" کہتے ہیں چاہے وہ جھاڑی کی شکل میں ہوں یا بیل کی صورت میں۔

دوسری تفسیر معنوی ہے جس کی تعبیر روایات اہل بیت علیہم السلام میں "شجرہ حسد" سے کی گئی ہے ان روایات کا مفہوم یہ ہے کہ آدم نے جب اپنا بلند ودرجہ رفیع دیکھا تو یہ تصور کیا کہ ان کا مقام بہت بلند ہے ان سے بلند کوئی مخلوق اللہ نے نہیں پیدا کی اس پر اللہ نے انہیں بتلایا کہ ان کی اولاد میں کچھ ایسے اولیاء الہی (پیغمبر اسلام اور ان کے اہل بیت علیہم السلام) بھی ہیں جن کا درجہ ان سے بھی بلند وبالا ہے اس وقت آدم میں ایک حالت حسد سے مشابہ پیدا ہوئی اور یہی وہ "شجرہ ممنوعہ" تھا جس کے نزدیک جانے سے آدم کو روکا گیا تھا۔

حقیقت امر یہ ہے کہ آدم نے (ان روایات کی بنا پر) دو درختوں سے تناول کیا ایک درخت تو وہ تھا

---

(۱) سورہ اعراف آیت ۲۲

جو ان کے مقام سے نیچے تھا، اور انہیں مادی دنیا میں لے جاتا تھا اور وہ "گندم" کا پودا تھا دوسرا درخت معنوی تھا ،جو مخصوص اولیائے الٰہی کا درجہ تھا اور یہ آدم کے مقام ومرتبہ سے بالاتر تھا آدم نے دونوں پہلوؤں سے اپنی حد سے تجاوز کیا اس لئے انجام میں گرفتار ہوئے ۔

لیکن اس بات کی طرف توجہ رہے کہ یہ "حسد" حسد حرام کی قسم سے نہ تھا یہ صرف ایک نفسانی احساس تھا جبکہ انہوں نے اس طرف قطعاً کوئي اقدام نہیں کیا تھا جیسا کہ ہم نے بارہا کہا ہے کہ آیات قرانی چونکہ متعدد معانی رکھتی ہیں لہذا اس امر میں کوئي مانع نہیں کہ " شجرہ" سے دونوں معنی مراد لے لئے جائیں ۔

اتفاقاًکلمہ " شجرہ" قرآن میں دونوں معنی میں آیا ہے، کبھی تو انہی عام درختوں [(۱)] کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور کبھی شجرہ معنوی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔[(۲)]

لیکن یہاں پر ایک نکتہ ہے جس کی طرف توجہ دلانا مناسب ہے اور وہ یہ ہے کہ موجودہ خود ساختہ توریت میں، جو اس وقت کے تمام یہود ونصاری کی قبول شدہ ہے اس شجرہ ممنوعہ کی تفسیر" شجرہ علم ودانش اور شجرہ حیات وزندگی "کی گئي ہے توریت کہتی ہے:

"قبل اس کے آدم شجرہ علم ودانش سے تناول کریں،وہ علم ودانش سے بے بہرہ تھے حتی کہ انہیں اپنی برہنگی کا بھی احساس نہ تھا جب انہوں نے اس درخت سے کھایا اس وقت وہ واقعی آدم بنے اور بہشت سے نکال دیئے گئے کہ مبادا درخت حیات وزندگی سے بھی کھالیں اور خدائوں کی طرح حیات جاویدانی حاصل کرلیں ۔"[(۳)]

یہ عبارت اس بات کی کھلی ہوئي دلیل ہے کہ موجودہ توریت آسمانی کتاب نہیں ہے بلکہ کسی ایسے کم

---

(۱) جیسے (وَشَجَرَةً تَخرُجُ من طُور سَينَاءَ تَنبُتُ بالدُّهن)جس سے مراد زیتون کادرخت ہے۔

(۲)جیسے :(وَالشَّجَرَةَ المِلعُونَةَ فی القُرآن) جس سے مراد مشرکین یایہودی یا دوسری باغی قومیں (جیسے بنی امیہ) ہیں

(۳) سفرتکوین فصل دوم نمبر۱۷

اطلاع انسان کی ساختہ ہے جو علم و دانش کو آدم کے لئے معیوب سمجھتا ہے، اور آدم کو علم ودانش حاصل کرنے کے جرم میں خدا کی بہشت سے نکالے جانے کا مستحق سمجھتا تھا، گویا بہشت فہمیدہ انسان کے لئے نہیں ہے۔ (۱)

جنت سے اخراج

قران داستان حضرت ادم علیہ السلام کو اگے بڑھاتے ہوئے کہا ہے، بالآخر شیطان نے ان دونوں کو پھسلادیا اور جس بہشت میں وہ رہتے تھے اس سے باہر نکال دیا۔ (۲)

اس بہشت سے جو اطمینان و آسائش کا مرکز تھي، اور رنج و غم سے دور تھی شیطان کے دھوکے میں آکر نکالے گئے، جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

---

(۱) قابل توجہ بات یہ ہے کہ ڈاکٹر ولیم میلر (جسے عہدین خصوصاً انجیل کا ایک مقتدر مفسر مانا گیا ہے) اپنی کتاب "مسیحیت چیست" (مسیحیت کیا ہے) میں رقمطراز ہے:

"شیطان ایک سانپ کی شکل میں باغ کے اندر داخل ہوا اور اس نے حوا کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ اس درخت کے میوہ میں سے کھالیں چنانچہ حوا نے خود بھی کھایا اور آدم کو کھانے کو دیا اور انہوں نے بھی کھایا، ہمارے اولین والدین کا یہ عمل ایک معمولی اشتباہ پر مبنی نہ تھا یا ایک بے سوچی سمجھی خطا بھی نہ تھی بلکہ اپنے خالق کے بر خلاف ایک جانا بوجھا عصیان تھا دوسرے لفظوں میں وہ یہ چاہتے تھے کہ وہ خود "خدا" بن جائیں وہ اس بات کے لئے آمادہ نہ تھے کہ خدا کے ارادہ کے مطیع بنیں بلکہ یہ چاہتے تھے کہ اپنی خواہش کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں نتیجہ کیا ہوا؟ خدا نے ان کی شدت سے سرزنش کی اور باغ (فردوس) سے باہر نکال دیاتا کہ دردورنج سے بھری دنیا میں زندگی بسر کریں۔

توریت وانجیل کے اس مفسر نے درحقیقت یہ چاہاہے کہ "شجرہ ممنوعہ" کی توجیہ کرے، لیکن اس کی بجائے عظیم ترین گناہ یعنی خدا سے جنگ کی نسبت آدم کی طرف دے دی کیا اچھا ہوتا کہ بجائے اس طرح کی کھوکھلی تفسیروں کے کم از کم اپنی "کتب مقدسہ" میں تحریف کے قائل ہوجاتے

(۲) سورہ اعراف آیت ۲۰،۲۱

"اور ہم نے انھیں حکم دیا کہ زمین پر اُترو، جہاں تم ایک دوسرے کے دشمن ہوجائو گے (آدم و حوا ایک طرف اور شیطان دوسری طرف)

مزید فرمایا گیا:" تمہارے لئے ایک مدت معین تک زمین میں قرار گاہ ہے، جہاں سے تم نفع اندوز ہوسکتے ہو"(۱)

یہ وہ مقام تھا کہ آدم متوجہ ہوئے کہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور بہشت کے آرام دہ اور نعمتوں سے مالا مال ماحول سے شیطانی وسوسے کے سامنے سر جھکانے کے نتیجے میں باہر نکا لے جارہے ہیں اور اب زحمت و مشقت کے ماحول میں جاکر رہیں گے یہ صحیح ہے، کہ آدم نبی تھے اور گناہ سے معصوم تھے لیکن جیسا کہ ہم آئندہ چل کر بیان کریں گے کہ کسی پیغمبر سے جب ترک اولی سرزد ہوجاتا ہے تو خداوند عالم اس سے اس طرح سخت گیری کرتا ہے جیسے کسی عام انسان سے گناہ سرزد ہونے پر سختی کرتا ہے۔

آدم علیہ السلام کونسی جنت میں تھے

اس سوال کے جواب میں اس نکتے کی طرف متوجہ رہنا چاہئے کہ اگرچہ بعض نے کہا ہے کہ یہ وہی جنت تھی جو نیک اور پاک لوگوں کی وعدہ گاہ ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ وہ بہشت نہ تھی بلکہ زمین کے سرسبز علاقوں میں نعمات سے مالا مال ایک روح پرور مقام تھا کیونکہ۔

اوّل تو وہ بہشت جس کا وعدہ قیامت کے ساتھ ہے وہ ہمیشگی اور جاودانی نعمت ہے جس کی نشاندہی بہت سی آیات میں کی گئي ہے اور اس سے باہر نکلنا ممکن نہیں۔

دوّم یہ کہ غلیظ اور بے ایمان ابلیس کے لئے اس بہشت میں جانے کی کوئي راہ نہ تھی وہاں نہ وسوسہ شیطانی ہے اور نہ خدا کی نافرمانی۔

سوم یہ کہ اہل بیت سے منقول روایات میں یہ موضوع صراحت سے نقل ہوا ہے۔

---

(۱) سورہ بقرہ آیت ۳۶

ایک راوی کہتا ہے: میں نے امام صادق علیہ السلام سے آدم کی بہشت کے متعلق سوال کیا امام نے جواب میں فرمایا :

"دنیا کے باغوں میں سے ایک باغ تھا جس پر آفتاب وماہتاب کی روشنی پڑتی تھی اگر آخرت کی جنتوں میں سے ہوتی تو کبھی بھی اس سے باہر نہ نکالے جاتے"_

یہاں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آدم کے ہبوط ونزول سے مراد نزول مقام ہے، نہ کہ نزول مکان یعنی اپنے اس بلند مقام اور سرسبز جنت سے نیچے آئے_

بعض لوگوں کے نزدیک یہ احتمال بھی ہے کہ یہ جنت کسی آسمانی کرہ میں تھی اگرچہ وہ ابدی جنت نہ تھی، بعض اسلامی روایات میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ یہ جنت آسمان میں تھی لیکن ممکن ہے لفظ "سماءً(آسمان) ان روایات میں مقام بلند کی طرف اشارہ ہو_

تاہم بے شمار شواہد نشاندہی ہیں کرتے ہیں کہ یہ جنت آخرت والی جنت نہ تھی کیونکہ وہ تو انسان کی سیر تکامل کی آخری منزل ہے اور یہ اس کے سفر کی ابتداء تھی اور اس کے اعمال اورپروگرام کی ابتداء تھی اور وہ جنت اس کے اعمال و پروگرام کا نتیجہ ہے_[1]

---

(۱)آدم کا گناہ کیا تھا: واضح ہے کہ آدم اس مقام کے علاوہ جو خدا نے قران مجید میں ان کے لئے بیان کیا ہے معرفت وتقوی کے لحاظ سے بھی بلند مقام پر فائز تھے وہ زمین میں خدا کے نمائندے تھے وہ فرشتوں کے معلم تھے وہ عظیم ملائکہ الہی کے مسجود تھے اوریہ مسلم ہے کہ آدم امتیازات وخصوصیات کے ہوتے ہوئے گناہ نہیں کر سکتے تھے علاوہ ازیں ہمیں معلوم ہے کہ وہ پیغمبر تھے اور ہر پیغمبر معصوم ہوتا ہے لہذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آدم سے جو کچھ سرزد ہوا وہ کیا تھا؟ اس سوال کے جواب میں تین تفاسیر موجود ہیں :

۱_ آدم سے جو کچھ سرزد ہوا وہ ترک اولی تھا دوسرے لفظوں میں ان کی حیثیت اور نسبت سے وہ گناہ تھا لیکن گناہ مطلق نہ تھا، گناہ مطلق وہ گناہ ہوتا ہے جو کسی سے سرزد ہو اور اس کے لئے سزا معین ہو (مثلا شرک، کفر، ظلم اور تجاوز وغیرہ) اور نسبت کے اعتبار سے گناہ کا مفہوم یہ ہے کہ بعض اوقات بعض مباح اعمال بلکہ مستحب بھی بڑے لوگوں کے مقام کے لحاظ سے مناسب نہیں

خدا کی طرف آدم علیہ السلام کی باز گشت

وسوسئہ ابلیس اور آدم کے جنت سے نکلنے کے حکم جیسے واقعات کے بعد آدم متوجہ ہوئے کہ واقعاً انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور اس اطمینان بخش اور نعمتوں سے مالا مال جنت سے شیطانی فریب کی وجہ سے نکلنا پڑا اور اب زحمت مشقت سے بھری ہوئي زمین میں رہیں گے اس وقت آدم اپنی غلطی کی تلافی کی فکر میں پڑے اور مکمل جان ودل سے پروردگار کی طرف متوجہ ہوئے ایسی توجہ جو ندامت وحسرت کا ایک پہاڑ ساتھ لئے ہوئے تھی اس وقت خدا کا لطف وکرم بھی ان کی مدد کے لئے آگے بڑھا اورجیسا کہ قرآن میں خداوندعالم کہتا ہے:

"آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات حاصل کئے جو بہت موثر اور انقلاب خیز تھے،ان کے ساتھ توبہ کی خدا نے بھی ان کی توبہ قبول کرلی کیونکہ وہ تواب والرّحیم ہے"_(۱)

یہ صحیح ہے کہ حضرت آدم نے حقیقت میں کوئي فعل حرام انجام نہیں دیا تھا لیکن یہی ترک اولی ان کے

انہیں چاہیئے کہ ان اعمال سے گریز کریں اور اہم کام بجالائیں ورنہ کہا جائے گا کہ انہوں نے ترک اولی کیا ہے ہم جو نماز پڑھتے ہیں اس کا کچھ حصہ حضور قلب سے ہوتا ہے کچھ بغیر اس کے، یہ امر ہمارے مقام کے لئے تو مناسب ہے لیکن حضرت رسول اسلام(ص) اور حضرت علی (ع) کے شایان شان نہیں ان کی ساری نماز خدا کے حضور میں ہونی چاہیئے اور اگر ایسا نہ ہو توکسی فعل حرام کا ارتکاب تو نہیں تاہم ترک اولی ہے_

۲_ خدا کی نہی یہاں "نہی ارشادي" ہے جیسے ڈاکٹرکہتا ہے فلاں غذا نہ کھاؤ ورنہ بیمار پڑجاؤ گے خدا نے بھی آدم سے فرمایا کہ اگر درخت ممنوعہ سے کچھ کھا لیا تو بہشت سے باہر جانا پڑے گااور رنج وتکلیف میں بتلا ہونا پڑے گا، لہذا ادم علیہ السلام نے حکم خدا کی مخالفت نہیں کی بلکہ "نہی ارشادي"کی مخالفت کی ہے_

۳_جنت بنیادی طور پر جائے تکلیف نہ تھی بلکہ وہ ادم علیہ السلام کے زمین پر انے کے لئے ایک ازمائش اورتیاری کا زمانہ تھا،اوریہ نہیں صرف ازمائش کا پہلو رکھتی تھي_

---

(۱)سورہ بقرہ ایت ۳۷

لئے نافرمانی شمار ہوتا ہے، حضرت ادم فوراً اپنی کیفیت وحالت کی طرف متوجہ ہوئے اوراپنے پروردگار کی طرف پلٹے

بہرحال جو کچھ نہیں ہونا چاہئے تھایا ہونا چاہئے تھا وہ ہو اور باوجودیکہ آدم کی توبہ قبول ہوگئي لیکن اس کا اثر وضعی یعنی زمین کی طرف اترنا یہ متغیر نہ ہوا۔

خدا نے جو کلمات آدم علیہ السلام پر القا کئے وہ کیا تھے؟

توبہ کے لئے جو کلمات خدا نے آدم علیہ السلام کو تعلیم فرمائے تھے اس سلسلے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔

مشہور ہے کہ وہ جملے یہ تھے:

﴿قالا ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین﴾

"ان دونوں نے کہا خدایا ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اگر تونے ہمیں نہ بخشا اور ہم پررحم نہ کیا تو ہم زیاں کاروں اور خسارے میں رہنے والوں میں سے ہوجائیں گے۔"(۱)

کئي ایک روایات جو طرق اہل بیت علیہم السلام سے منقول ہیں، ان میں ہے کہ کلمات سے مراد خدا کی بہترین مخلوق کے ناموں کی تعلیم تھی یعنی محمد، علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام اور آدم نے ان کلمات کے وسیلے سے درگاہ الہی سے بخشش چاہی اور خدا نے انہیں بخش دیا۔(۲)

---

(۱) سورہ اعراف آیت ۲۳

(۲) یہ تین قسم کی تفاسیر ایک دوسرے سے اختلاف نہیں رکھتیں کیونکہ ممکن ہے کہ حضرت آدم کو ان سب کلمات کی تعلیم دی گئي ہو کہ ان کلمات کی حقیقت اور باطنی گہرائي پر غور کرنے سے آدم میں مکمل طور پر انقلاب روحانی پیدا ہو اور خدا انہیں اپنے لطف وہدایت سے نوازے۔

ادم علیہ السلام کا ماجرا اور اس جہان پر ایک طائرانہ نظر

اگر چہ بعض ایسے مفسرین نے جو افکار غرب سے بہت زیادہ متاثر ہیں ، اس بات کی کوشش کی ہے کہ حضرت ادم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کی داستان کو اول سے لے کر اخر تک تشبیہ ، مجاز اور کنایہ کا رنگ دیں اور اج کی اصطلاح میں یوں کہیں کہ یہ ایک سمبولک (S I MB O L I C) تھا لہذاانھوں نے اس پوری بحث کو ظاہری مفہوم کے خلاف لیتے ہوئے معنوی کنایہ مراد لیا ہے۔

لیکن اس بات میں کوئي شک و شبہ نہیں کہ ان ایات کا ظاہر ایک ایسے واقعي اور حقیقي "قصہ"پر مشتمل ہے جو ہمارے اولین ماں باپ کے لئے پیش ایا تھا چونکہ اس پوری داستان میں ایک مقام بھی ایسا نہیں ہے جو ظاہری عبارت سے میل نہ کھاتا ہو یا عقل کے خلاف ہو ، اس لئے اس بات کی کوئي ضروت نہیں کہ اس کے ظاہری مفہوم پر یقین نہ کیا جائے یا جو اس کے حقیقی معنی ہیں ان سے پہلو تہی کیا جائے۔

لیکن دراین حال اس حسی و عیني واقعہ میں انسان کی ائندہ زندگی کے متعلق بھی اشارے ہوسکتے ہیں۔ (۱)

---

(۱)یعني:انسان کی اس پر جنجال زندگی میں بہت سے ایسے واقعات پیش اسکتے ہیں جو قصہ ادم علیہ السلام و حوا سلام اللہ علیہا سے مشابہت رکھتے ہیں ، اس کی مثال یوں سمجھنا چاہئے کہ ایک طرف تو وہ انسان ہے جو قوت ، عقل اور ہوا و ہوس سے مرکب ہے ، یہ دونوں طاقتیں اسے مختلف جتھوں میں کھینچ رہی ہیں ،دوسری طرف کچھ ایسے جھوٹے رہبر ہیں جن کا ماضی شیطان کی طرح جانا پہچانا ہے اور وہ انسان کو اس بات پر اکسا رہے ہیں کہ عقل پر پردہ ڈال کر ہوا وہوس کو اختیار کر لو تاکہ یہ بے چارہ انسان پانی کی امید میں "سراب"کو اب سمجھ کر ریگستانوں میں بھٹک کر اپنی جان گنوا بیٹھے۔

ایسے شیطانوں کے بہکانے میں اجانے کا پہلا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کے جسم سے"لباس تقوی"گر جاتا ہے اور اس کے اندرونی عیوب ظاہر و اشکار اہوجاتے ہیں ،دوسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مقام قرب الہی سے دور ہو جاتا ہے اور انسان اپنے بلند مقام سے گر جاتا ہے اور سکون و اطمینان کی بہشت سے نکل کر حیات مادی کی مشکلات و افات کے جنگلوں میں گھر جاتا ہے اس موقع پر بھی عقل کی طاقت اس کی مدد کر سکتی ہے اور اسے اس نقصان کی تلافی کا موقع فراہم کر سکتی ہے اور اسے خدا کی بارگاہ میں

زمین پر سب سے پہلا قتل

قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا نام نہیں لیا گیا ہے، نہ اس جگہ اور نہ کسی اور مقام پر، لیکن اسلامی روایات کے مطابق ایک کا نام ہابیل ہے اور دوسرے کا قابیل تھا، موجودہ توریت کے سفر تکوین کے چوتھے باب میں ایک کانام "قائن" اور دوسرے کا نام "ہابیل" تھا جیسا کہ مفسر معروف "ابو لفتوح رازي" کہتے ہیں کہ ان دونوں ناموں کی مختلف لغت ہیں پہلے کا نام "ہابیل" یا "ہابن" تھا۔ دوسرے کا نام "قابیل" یا "قابین" یا "قابل" یا "قابن" یا "قبن" تھا۔

بہرحال اسلامی روایات کے متن اور توریت میں قابیل کے نام کے بارے میں اختلاف لغت کی طرف بازگشت ہے اور یہ کوئي اہم بات نہیں ہے۔[1]

یہاں پر حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا ذکر ہے ان میں سے ایک کے ہاتھوں دوسرے کے قتل کے بارے میں داستان بیان کی گئي ہے پہلے فرمایا: "اے پیغمبر: انھیں آدم کے دو بیٹوں کا حقیقی قصہ سنا دیجئے"۔[2]

دوبارہ بھیج سکتی ہے تاکہ جرات و صراحت کے ساتھ اپنے گناہ کا اعتراف کرے، ایسا اعتراف جو اس کی زندگی کی تعمیر نو کا ضامن ہو اور اس کی زندگی کا ایک نیا موڑ بن جائے، یہی وہ موقع ہوتا ہے جب کہ دست رحمت الہی بار دیگر اس کی طرف دراز ہوتا ہے تاکہ اسے ہمیشہ کے انحطاط اور تنزل سے نجات دے، اگرچہ اپنے گذشتہ گناہ کا تلخ مزہ اس کے کام و دہن میں باقی رہ جاتا ہے جو اس کا ثمر وضعی ہے، لیکن یہ ماجرا، اس کے لئے درس عبرت بن جاتا ہے کیونکہ وہ اس کے شکست کے تجربہ سے اپنی حیات ثانیہ کی بنیاد مستحکم کر سکتا ہے اور اس کے نقصان و زیان کے ذریعے سرورانندہ فراہم کر سکتا ہے۔

---

(۱) تعجب کی بات ہے کہ ایک عیسائي عالم نے اس لفظ کو قرآن پر اعترض کی بنیاد بنا لیا ہے کہ قرآن نے "قائن" کو "قابیل" کیوں کہا ہے حالانکہ اول تو یہ اختلاف لغت ہے اور لغت میں ناموں کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف ہے مثلا توریت "ابراہیم" کو "ابراہام" لکھتی ہے قرآن اسے "ابراہیم" لکھا ہے ثانیاً بنیادی طور پر "ہابیل" کے نام قرآن میں مذکور ہی نہیں یہ اسماء تو اسلامی روایات میں آئے ہیں۔

(۲) سورہ مائدہ ایت ۲۷

اس کے بعد واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے :"جب ہر ایک نے تقرب پروردگار کے لئے ایک کام انجام دیا تو ایک کا عمل توقبول کرلیا لیکن دوسرے کا قبول نہ ہوا "_ (۱)

مگر جو کام ان دونوں بھائیوں نے انجام دیا اس تذکرہ کا قرآن میں وجود نہیں ہے بعض اسلامی روایات اور توریت کے سفر تکوین باب چہارم میں جو کچھ مذکور ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہابیل کے پاس چونکہ پالتو جانور تھے اس نے ان میں سے ایک بہترین پلاہوا اینڈھا منتخب کیا، قابیل کسان تھا اس نے گندم کا گھٹیا حصہ یا گھٹیا آٹا اس کے لئے منتخب کیا _

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فرزندان آدم کو کیسے پتہ چلاکہ ایک کا عمل بارگاہ ایزدی میں قبول ہوگیا ہے اور دوسرے کا عمل ردّکردیا گیا ہے قرآن میں اسکی بھی وضاحت نہیں ہے البتہ بعض اسلامی روایات سے پتہ چلتاہے کہ وہ دونوں اپنی مہیا شدہ چیزیں پہاڑکی چوٹی پر لے گئے قبولیت کے اظہار کے طورپر بجلی نے ہابیل کی قربانی کھالیا اور اسے جلا دیا لیکن دوسری اپنی جگہ پر باقی رہی اور یہ نشانی پہلے سے رائج تھی _

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ایک عمل کی قبولیت اوردوسرے کی ردّ حضرت آدم علیہ السلام کو وحی کے ذریعے بتایا گیا اور اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ ہابیل ایک باصفا ،باکرداراور راہ خدا میں سب کچھ کرگذرنے والا شخص تھا جبکہ قابیل تاریک دل ،حاسد اور ہٹ دھرم تھا، قرآن نے دونوں بھائیوں کی جو گفتگو بیان کی ہے اس سے ان کی روحانی کیفت اچھی طرح سے واضح ہوجاتی ہے اسی وجہ سے جس کا عمل قبول نہ ہوا تھا "اس نے دوسرے بھائی کو قتل کی دہمکی دی اور قسم کھا کر کہا کہ میں تجھے قتل کردوں گا _"(۲)

لیکن دوسرے بھائي نے اسے نصیحت کی اور کہا کہ اگر یہ واقعہ پیش آیا ہے تو اس میں میرا کوئی گناہ نہیں ہے، بلکہ اعتراض تو تجھ پرہونا چاہیے کیونکہ تیرے عمل میں تقوی شامل نہیں تھا اور خدا تو صرف پرہیزگاروں کا عمل قبول کرتا ہے"_ (۳)

---

(۱)سورہ مائدہ ایت ۲۷

(۲)سورہ مائدہ ایت ۲۷

(۳)سورہ مائدہ ایت ۲۷

مزید کہا کہ" حتی اگر تم اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہناؤاور میرے قتل کے لئے ہاتھ بڑھاؤ تو میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا اور تمہارے قتل کے لئے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا، کیونکہ میں توخدا سے ڈرتا ہوں اور ایسے گناہ سے ہرگزاپنے ہاتھ آلودہ نہیں کروں گا_"(۱)

قران میں حضرت آدم کے بیٹوں کا واقعہ، ایک بھائي کا دوسرے کے ہاتھوں قتل اور قتل کے بعد کے حالات بیان کیے گئے ہیں، پہلے فرمایا: "سرکش نفس نے بھائي کے قتل کے لئے اسے پختہ کردیا اور اس نے اسے قتل کردیا"_(۲)

اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہابیل کا عمل قبول ہوجانے کے بعد قابیل کے دل میں ایک طوفان پیدا ہوگیا ایک طرف دل میں ہر وقت حسد کی آگ بھڑکتی رہتی اوراسے انتقام پر ابھارتی اوردوسری طرف بھائي کا رشتہ، انسانی جذبہ گناہ ،ظلم ،بے انصافی اور قتل نفس سے ذاتی تنفراسے اس جرم سے بازرکھنے کی کوشش کرتا ، لیکن آخرکار سرکش نفس آہستہ آہستہ روکنے والے عوامل پر غالب آگیا اور اس نے اس کے بیداروجدان کو مطمئن کردیا اور اسے جکڑدیا اور بھائی کو قتل کرنے پر آمادہ کردیا"_(۳)

ظلم کی پردہ پوشي

قابیل نے جب اپنے بھائي کو قتل کردیا تو اس کی لاش اس نے صحرا میں ڈال رکھی تھی اور اسے نہیں معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے زیادہ دیر نہ گذری کہ درندے ہابیل کے جسم کی طرف آنے لگے قابیل ضمیر کے شدید دباؤ کا شکار تھا بھائي کے جسم کو بچانے کے لئے وہ لاش کو ایک مدت تک کندھے پر لئے پھرتا رہا کچھ پرندوں نے پھر بھی اسے گھیر رکھا تھا اور وہ اس انتظار میں تھے کہ وہ کب اسے زمین پر پھینکتا ہے تاکہ وہ لاش پر جھپٹ پڑیں_

جیساکہ قرآن کہتا ہے اس موقع پر خداتعالی نے ایک کوّا بھیجا، مقصدیہ تھاکہ وہ زمین کھودے اوراس

---

(۱)سورہ مائدہ ایت ۲۸

(۲)سورہ مائدہ ایت ۳۰

(۳)سورہ مائدہ ایت ۳۰

میں دوسرے مردہ کوّے کا جسم چھپادے یا اپنے کھانے کی چیزوں کو زمین میں چھپادے جیسا کہ کوے کی عادت ہے تاکہ قابیل سمجھ سکے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کس طرح سپرد خاک کرے _

البتہ اس بات میں کوئي تعجب نہیں کہ انسان کوئي چیز کسی پرندے سے سیکھے کیونکہ تاریخ اور تجربہ شاہدہیں کہ بہت سے جانور طبعی طورپر بعض معلومات رکھتے ہیں اور انسان نے اپنی پوری تاریخ میں جانوروں سے بہت کچھ سیکھا ہے یہاں تک کہ میڈیکل کی بعض کتب میں ہے کہ انسان اپنی بعض طبيّ معلومات میں حیوانات کا مرہون منت ہے ،

افسوس اپنے اوپر

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے:" اس وقت قابیل اپنی غفلت اور جہالت سے پریشان ہوگیا اور چیخ اٹھا کہ وائے ہومجھ پر ،کیا میں اس کوے سے بھی زیادہ ناتواں اور عاجز ہوں ، مجھ سے اتنا بھی نہ ہوسکا کہ میں اس کی طرح اپنے بھائي کا جسم دفن کردوں ، بہرحال وہ اپنے کیے پرنادم وپشیمان ہوا"_ (۱)

کیا اس کی پشیمانی اس بناپر تھی کہ اس کا گھٹیا اور برا عمل آخرکار اس کے ماں باپ پر اور احتمالی طورپر دوسرے بھائیوں پر آشکار ہوجائے گا اوروہ اسے بہت سرزنش کریں گے یا کیا یہ پشیمانی اس بناپر تھی کہ کیوں میں ایک مدت تک بھائي کی لاش کندھے پر لئے پھرتا رہا اور اسے دفن نہ کیا اوریا پھرکیا یہ ندامت اس وجہ سے تھی کہ اصولی طورپر انسان ہربراکام انجام دے لینے کے بعد اپنے دل میں ہرطرح کی پریشانی اور ندامت محسوس کرتا ہے لیکن واضح ہے کہ اس کی ندامت کی جوبھی وجہ ہووہ اس کے گناہ سے توبہ کی دلیل نہیں ہے کیونکہ توبہ یہ ہے کہ ندامت خوف خدا کے باعث اور عمل کے براہونے کے احساس کی بناپر ہوا، اور یہ احساس اسے اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ آیندہ ہرگز ایسا کام نہیں کرے گا ،قرآن میں قابیل کی ایسی کسی توبہ کی نشاندہی نہیں کی گئي بلکہ شاید قران میں ایسی توبہ کے نہ ہونے کی طرف ہی اشارہ ہے _

---

(۱)سورہ مائدہ ایت ۳۱

پیغمبر اسلام (ص) سے ایک حدیث منقول ہے ،آپ نے فرمایا :

"جس کسی انسان کا بھی خون بہایا جاتا ہے اس کی جوابدہی کا ایک حصہ قابیل کے ذمہ ہوتا ہے جس نے انسان کُشی کی اس بری سنت کی دنیامیں بنیادرکھی تھي"_

اس میں شک نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا یہ واقعہ ایک حقیقی واقعہ ہے اس کے علاوہ کہ آیات قرآن اور اسلامی روایت کا ظاہری مفہوم اس کی واقعیت کو ثابت کرتا ہے اس کے "بالحق" کی تعبیر بھی جوقرآن میں آئي ہے اس بات پر شاہدہے، لہذا جولوگ قران میں بیان کئے گئے واقعہ کو تشبیہ ،کنایہ یا علامتی (S I MB O L I C)داستان سمجھتے ہیں ،بغیردلیل کے ایسا کرتے ہیں_[۱]

---

(۱)اس کے باوجود اس بات میں کوئي مضائقہ نہیں کہ یہ حقیقی واقعہ اس جنگ کے لئے نمونہ کے طورپر.بیان کیا گیا ہو جو ہمیشہ سے مردان پاکباز ،صالح ومقبول بارگاہ خدا انسانوں اور آلودہ ،منحرف ،کینہ پرور، حاسد اور ناجائزہٹ دھرمی کرنے والوں کے درمیان جاری رہی ہے وہ لوگ کتنے پاکیزہ اور عظیم ہیں جنھوں نے ایسے برے لوگوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا_

آخرکار یہ برے لوگ اپنے شرمناک اور برے اعمال کے انجام سے آگاہ ہو جاتے ہیں اور ان پر پردہ ڈالنے اور انھیں دفن کرنے کے درپے ہوجاتے ہیں اس موقع پر ان کی آرزوئیں ان کی مدد کو لپکتی ہیں ،کوّا ان آرزوئوں کا مظہر ہے جو جلدی سے پہنچتا ہے اور انھیں ان کے جرائم پرپردہ پوشی کی دعوت دیتا ہے لیکن آخرکار انھیں خسارے ،نقصان اور حسرت کے سوا کچھ نصیب نہیں ہوتا_

حضرت ادریس علیہ السلام

بہت سے مفسرین کے قول کے مطابق ادریس علیہ السلام،نوح علیہ السلام کے دادا تھے ان کا نام توریت میں "اخنوخ"اور عربی میں ادریس(ع) ہے جسے بعض"درس"کے مادہ سے سمجھتے ہیں ، کیونکہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے قلم کے ساتھ خط لکھا،مقام نبوت کے علاوہ وہ علم نجوم علم ہیئت میں بھی ماہر تھے وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے انسان کو لباس سینے کا طریقہ سکھایا_

اس عظیم پیغمبر کے بارے میں قرآن میں صرف دو مرتبہ،وہ بھی مختصر سے اشاروں کے ساتھ بیان آیا ہے،ایک تو یہی سورہ مریم ایت ۵۶ میں اور دوسرا سورہ انبیاء کی آیات ۸۵ سے۸۶/ میں ، مختلف روایات میں ان کی زندگی کے بارے میں تفصیلی طور پر بیان کیا گیا ہے کہ جسے ہم پورے کا پورا معتبر نہیں سمجھ سکتے_اسی وجہ سے ہم مذکورہ اشارے پر قناعت کرتے ہوئے اس بحث کو ختم کرتے ہیں_

حضرت نوح علیہ السلام

قرآن مجید،بہت سی آیات میں نوح کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور مجموعی طورپر قرآن کی انتیس سورتوں میں اس عظیم پیغمبر کے بارے میں گفتگو ہوئي ہے، ان کا نام ۴۳/ مرتبہ قرآن میں آیا ہے۔

قرآن مجید نے ان کی زندگی کے مختلف حصوں کی باریک بینی کے ساتھ تفصیل بیان کی ہے ایسے جوزیادہ تر تعلیم وتربیت اورپندو نصیحت کے پہلوئوں سے متعلق ہیں۔

مورخین ومفسرین نے لکھا ہے کہ نوح کا نام " عبد الغفار "یا عبد الملک"یا"عبدالاعلی " تھا اور"نوح"کا لقب انھیں اس لئے دیا گیا ہے، کیونکہ وہ سالہا سال اپنے اوپریا اپنی قوم پر نوحہ گریہ کرتے رہے۔آپ کے والد کا نام "لمک"یا" لامک"تھا اور آپ کی عمر کی مدت میں اختلاف ہے،بعض روایات میں ۱۴۹۰ /اور بعض میں ۲۵۰۰ /سال بیان کی گئي ہے، اور ان کی قوم کے بارے میں بھی طولانی عمریں تقریبا ۳۰۰۱/ سال تک لکھی گئي ہیں،جوبات مسلم ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے بہت طولانی عمرپائي ہے، اورقرآن کی صراحت کے مطابق آپ ۹۵۰/ سال اپنی قوم کے درمیان رہے (اور تبلیغ میں مشغول رہے)۔

نوح کے تین بیٹے تھے "حام""سام" یافث "اور مورخین کا نظریہ یہ ہے کہ کرئہ زمین کی اس وقت کی تمام نسل انسانی کی بازگشت انھیں تینوں فرزندوں کی طرف ہے ایک گروہ "حامي" نسل ہے جو افریقہ کے علاقہ میں رہتے ہیں دوسرا گروہ "سامی "نسل ہے جوشرق اوسط اور مشرق قریب کے علاقوں میں رہتے ہیں اور"یافث" کی نسل کو چین کے ساکنین سمجھتے ہیں۔

۹۵۰/سال تبلیغ ۷/مومن

اس بارے میں بھی، کہ نوح (ع) طوفان کے بعد کتنے سال زندہ رہے، اختلاف ہے بعض نے ۵۰/سال لکھے ہیں اور بعض نے ۶۰/سال ۔[1]نوح علیہ السلام کا ایک اور بیٹا بھی تھا جس کا نام "کنعان "تھا جس نے باپ سے اختلاف کیا، یہاں تک کہ کشتی نجات میں ان کے ساتھ بیٹھنے کے لئے بھی تیار نہ ہوا اس نے برے لوگوں کے ساتھ صحبت رکھی اور خاندان نبوت کے اقدار کو ضائع کردیا اور قرآن کی صراحت کے مطابق آخر کاروہ بھی باقی کفار کے مانند طوفان میں غرق ہوگیا ۔اس بارے میں کہ اس طویل مدت میں کتنے افراد نوح (ع) پر ایمان لائے، اور ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے ،اس میں بھی اختلاف ہے بعض نے ۸۰/اور بعض نے ۷/ افراد لکھے ہیں ۔

نوح علیہ السلام کی داستان عربی اور فارسی ادبیات میں بہت زیادہ بیان ہوئي ہے ، اور زیادہ تر طوفان اور آپ کی کشتی نجات پر تکیہ ہوا ہے ۔نوح علیہ السلام صبر و شکر اور استقامت کی ایک داستان تھے ، اور محققین کا کہنا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے انسانوں کی ہدایت کے لئے وحی کی منطق کے علاوہ عقل واستدلال کی منطق سے بھی مددلی (جیسا کہ سورہ نوح کی آیات سے اچھی طرح ظاہر ہے) اور اسی بناء پر آپ اس جہان کے تمام خدا پرستوں پر ایک عظیم حق رکھتے تھے ۔

قوم نوح علیہ السلام کی ہلا دینے والی سرگزشت

اس میں شک نہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کا قیام اور ان کے اپنے زمانے کے متکبروں کے ساتھ شدید اور مسلسل جہاد اور ان کے برے انجام کی داستان تاریخ بشر کے فراز میں ایک نہایت اہم اور بہت عبرت انگیز درس کی حامل ہے ۔

---

(۱)یہود کے منابع (موجودہ توریت میں بھی نوح کی زندگی کے بارے میں تفصیلی بحث آئي ہے ،جو کئي لحاظ سے قرآن سے مختلف ہے اور توریت کی تحریف کی نشانیوں میں سے ہے ، یہ مباحث توریت کے سفر"تکوین"میں فصل ۶،۷،۸، ۹ اور ۱۰ میں بیان ہوئے ہیں ۔

قرآن مجید پہلے مرحلے میں اس عظیم دعوت کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے "ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور اس نے انھیں بتایا کہ میں واضح ڈرانے والا ہوں"_(۱)

اس کے بعد اپنی رسالت کے مضمون کو صرف ایک جملہ میں بطور خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے میرا پیغام یہ ہے کہ " اللہ "کے علاوہ کسی دوسرے کی پرستش نہ کرو(۲) پھر بلا فاصلہ اس کے پیچھے اسی مسئلہ انذار اور اعلام خطر کو تکرار کرتے ہوئے کہا :"میں تم پر دردناک دن سے ڈرتا ہوں"_(۳)

اصل میں اللہ (خدائے یکتا ویگانہ) کی توحید اور عبادت ہی تمام انبیاء کی دعوت کی بنیاد ہے_

اب ہم دیکھیں گے کہ پہلا ردّ عمل اس زمانے کے طاغوتوں، خودسروں اور صاحبان زرو زور کا اس عظیم دعوت اور واضح اعلام خطر کے مقابلے میں کیا تھا مسلماً سوائے کچھ بیہودہ اور جھوٹے عذر بہانوں اور بے بنیاد استدلالوں کے علاوہ کہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا جیساکہ ہر زمانے کے جابروں کے طریقہ ہے_

انہوں نے حضرت نوح کی دعوت کے تین جواب دئے :"قوم نوح (ع) کے سردار اور سرمایہ دار کا فرتھے انہوں نے کہا: ہم تو تجھے صرف اپنے جیسا انسان دیکھتے ہیں"_(۴)

حالانکہ اللہ کی رسالت اور پیغام تو فرشتوں کو اپنے کندھوں پر لینا چاہیئے نہ کہ ہم جیسے انسانوں کو، اس گمان کے ساتھ کہ انسان کا مقام فرشتوں سے نیچے ہے یا انسان کی ضرورت کو فرشتہ انسان سے بہتر جانتا ہے_

امام زادوں کو زائرین کی تعداد سے پہچانا جاتا ہے

ان کی دوسری دلیل یہ تھی کہ : انہوں نے کہا : اے نوح (ع) :" ہم تیرے گرد وپیش اور ان کے درمیان کہ جنہوں نے تیری پیروی کی ہے سوائے چند پست ، ناآگاہ اور بے خبر تھوڑے سن وسال کے نوجوانوں کے کہ جنہوں نے مسائل کی دیکھ بھال نہیں کی کسی کو نہیں دیکھتے"_

---

(۱)سورہ ہود آیت ۲۵

(۲)(۳)سورہ ہود آیت ۲۶

(۴)سورہ ہود آیت ۲۷

کسی رہبر اور پیشوا کی حیثیت اور اس کی قدر و قیمت اس کے پیروکاروں سے پہچانی جاتی ہے اور اصطلاح کے مطابق صاحب مزار کو اس کے زائرین سے پہچانا جاتا ہے جب ہم تمہارے پیروکاروں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں چند ایک بے بضاعت، گمنام، فقیر اور غریب لوگ ہی نظر آتے ہیں جن کا سلسلہ روزگار بھی نہایت ہی معمولی ہے تو پھر ایسی صورت میں تم کس طرح امید کر سکتے ہو کہ مشہور و معروف دولت مند اور نامی گرامی لوگ تمہارے سامنے سر تسلیم خم کرلیں گے؟

ہم اور یہ لوگ کبھی بھی ایک ساتھ نہیں چل سکتے ہم نہ تو کبھی ایک دستر خوان پر بیٹھے ہیں اور نہ ہی ایک چھت کے نیچے اکھٹے ہوئے ہیں تمہیں ہم سے کیسی غیر معقول توقع ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ وہ اپنی اس بات میں سچے تھے کہ کسی پیشوا کو اس کے پیروکاروں سے پہچانا جاتا ہے لیکن ان کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے شخصیت کے مفہوم اور معیار کو اچھی طرح نہیں پہچانا تھا۔ ان کے نزدیک شخصیت کا معیار مال و دولت لباس اور گھر اور خوبصورت اور قیمتی سواری تھا لیکن طہارت، تقوی، حق جوئی جیسے اعلی انسانی صفات سے غافل تھے جو غریبوں میں زیادہ اور امیروں میں کم پائی جاتی ہیں۔

طبقاتی اونچ نیچ بدترین صورت میں ان کی افکار پر حکم فرما تھی۔ اسی لئے وہ غریب لوگوں کو"اراذل"، ذلیلسمجھتے تھے۔

اور اگر وہ طبقاتی معاشرے کے قید خانے سے باہر نکل کر سوچتے اور باہر کی دنیا کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تو انھیں معلوم ہوجاتا کہ ایسے لوگوں کا ایمان اس پیغمبر کی حقانیت اور اس کی دعوت کی سچائی پر بذات خود ایک دلیل ہے۔

اور یہ جو انہیں "بادی الرای "(ظاہر بین بے مطالعہ اور وہ شخص جو پہلی نظر میں کسی چیز کا عاشق اور خواہاں ہوتا ہے) ;کا نام دیا ہے حقیقت میں اس بناء پر ہے کہ وہ ہٹ دھرمی اور غیر مناسب تعصبات جو دوسروں میں تھے وہ نہیں رکھتے تھے بلکہ زیادہ تر پاک دل نوجوان تھے جو حقیقت کی پہلی کرن کو جوان کے دل پر پڑتی تھی جلدی محسوس کرلیتے تھے وہ اس .بیداری کے ساتھ جو کہ حق کی تلاش سے حاصل ہوتی ہے، صداقت کی

نشانیاں ، انبیاء کے اقوال وافعال کا ادراک کرلیتے تھے ۔[1]

ان کا تیسرا اعتراض یہ تھا کہ قطع نظر اس سے کہ تو انسان ہے نہ کہ فرشتہ ، علاوہ ازیں تجھ پر ایمان لانے والے نشاندہی کرتے ہیں کہ تیری دعوت کے مشتملات صحیح نہیں ہیں "اصولی طور پر تم ہم پر کسی قسم کی برتری نہیں رکھتے کہ جس کی بناء پر ہم تمہاری پیروی کریں" ۔[2] "لہذا ہم گمان کرتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو" ۔[3]

حضرت نوح علیہ السلام کے جوابات

قرآن میں ان بہانہ جو اور افسانہ ساز افراد کو حضرت نوح (ع) کی طرف سے دیئے گئے جوابات ذکر کیے گئے ہیں پہلے ارشاد ہوتا ہے:

اے قوم :" میں اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل اور معجزہ کا حامل ہوں اور اس نے اس رسالت وپیغام کی انجام دہی کی وجہ سے اپنی رحمت میرے شامل حال کی ہے اور یہ امر اگر عدم توجہ کی وجہ سے تم سے مخفی ہو تو کیا پھر بھی تم میری رسالت کا انکار کرسکتے ہو اور میری پیروی سے دست بردار ہوسکتے ہو" ۔[4]

یہ جواب قوم نوح (ع) کے مستکبرین کے تین سوالوں میں سے کس کے ساتھ مربوط ہے؟ مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے لیکن غور وخوض سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ جامع جواب تینوں اعتراضات کا جواب بن سکتا ہے کیونکہ ان کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ تم انسان ہو آپ نے فرمایا یہ بجاہے کہ میں تمہاری طرح کا ہی انسان ہوں لیکن اللہ تعالی کی رحمت میرے شامل حال ہوئي ہے اور اس نے مجھے کھلی اورواضح نشانیاں دی ہیں اس بناء پر میری انسانیت اس عظیم رسالت سے مانع نہیں ہو سکتی اور یہ ضروری نہیں کہ میں فرشتہ ہوتا ۔

ان کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ تہارے پیروکار بے فکر اور ظاہر بین افراد ہیں ۔ آپ نے فرمایا تم بے فکر

---

(۱) سورہ ہود آیت ۲۷

(۲) سورہ ہود آیت ۲۷

(۳) سورہ ہود ۲۷

(۴) سورہ ہود آیت ۲۸

اور بے سمجھ ہو جو اس واضح حقیقت کا انکار کرتے ہو حالانکہ میرے پاس ایسے دلائل موجود ہیں جو ہر حقیقت کے متلاشی انسان کے لئے کافی ہیں اور اسے قائل کرسکتے ہیں مگر تم جیسے افراد جو غرور، خود خواہی، تکبر اور جاہ طلبی کا پردہ اوڑھے ہوئے ہیں ان کی حقیقت بین آنکھ بیکار ہوچکی ہے _

ان کا تیسرا اعتراض یہ تھا کہ وہ کہتے تھے: ہم کوئی برتری اور فضیلت تمہارے لئے اپنی نسبت نہیں پاتے، آپ نے فرمایا: اس سے بالاتر کون سی برتری ہوگی کہ خدا نے اپنی رحمت میرے شامل حال کی ہے اور واضح مدارک ودلائل میرے اختیار میں دیئے ہیں اس بناء پر ایسی کوئی وجہ نہیں کہ تم مجھے جھوٹا خیال کرو کیونکہ میری گفتگو کی نشانیاں ظاہر ہیں _

"کیا میں تمہیں اس ظاہر بظاہر بینہ کے قبول کرنے پر مجبور کرسکتا ہوں جبکہ تم خود اس پر آمادہ نہیں ہو اور اسے قبول کرنا بلکہ اس کے بارے میں غور وفکر کرنا بھی پسند نہیں کرتے ہو"_ (۱)

میں کسی صاحب ایمان کو نہیں دھتکارتا

"اے قوم: میں اس دعوت کے بدلے تم سے مال وثروت اور اجر و جزا کا مطالبہ نہیں کرتا"_ (۲)

یہ امر اچھی طرح سے نشاندہی کرتا ہے کہ اس پروگرام سے میرا کوئی مادی ہدف نہیں، میں سوائے خدا کے معنوی وروحانی اجر کے سوا کچھ بھی نہیں سوچتا اور کوئی جھوٹا مدعی ایسا نہیں ہوسکتا جو اس قسم کے سردرد، ناراحتی اور بے آرامی کو یوں ہی اپنے لئے خرید لے اور یہ سچے رہبروں کی پہچان کے لئے ایک میزان ہے، ان جھوٹے موقع پرستوں کے مقابلے میں، کہ وہ جب بھی کوئی قدم اٹھاتے ہیں بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر اس سے ان کا کوئی نہ کوئی مادی ہدف اور مقصد ہوتا ہے _

اس کے بعد ان کے جواب میں جنہیں اصرار تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام، اپنے اوپر ایمان لانے والے غریب حقیر اور کم عمر افراد کو خود سے دور کردیں حضرت نوح (ع) (حتمی طور پر فیصلہ سناتے ہوئے) کہتے ہیں:

---

(۱) سورہ ہود آیت ۲۸

(۲) سورہ ہود میں ۲۹

"کیونکہ وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کریں گے اوردوسرے جہان میں اس کے سامنے میرے ساتھ ہوں گے"_[1]

آخر میں انہیں بتایا گیا ہے:" میں سمجھتا ہوں کہ تم جاہل لوگ ہو"_[2]

"اے قوم اگر میں ان باایمان لوگوں کو دھتکاردوں تو خدا کے سامنے (اس عظیم عدالت میں بلکہ اس جہان میں) کون میری مدد کرے گا"_[3]"کیا تم کچھ سوچتے سمجھتے نہیں ہو"_[4] جان لوکہ جو کچھ میں کہتا ہوں عین حقیقت ہے_

خدائي خزانے میرے قبضہ میں نہیں ہیں

اپنی قوم کے مہمل اعتراضات کے جواب میں حضرت نوح(ع) آخری بات کہتے ہیں کہ اگر تم خیال کرتے ہو اور توقع رکھتے ہوکہ وحی اور اعجاز کے سواء میں تم پر کوئي امتیازیا برتری رکھوں،تو یہ غلط ہے میں صراحت سے کہنا چاہتا ہوں "میں نہ تم سے کہتا ہوں کہ خدائي خزانے میرے قبضے میں ہیں اور نہ ہرکام جب چاہوں انجام دے سکتاہوں" نہ میں غیب سے آگاہی کا دعوی کرتا ہوں "اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں"_[5]

ایسے بڑے اور جھوٹے دعوے جھوٹے مدعیوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور ایک سچا پیغمبر کبھی ایسے دعوے نہیں کرے گا کیونکہ خدائۓ خزانے اورعلم غیب صرف خدا کی پاک ذات کے اختیار میں ہیں اور فرشتہ ہونا بھی ان بشری احساسات سے مناسبت نہیں رکھتا لہذا جو شخص ان تین میں سے کوئۓ ایک دعوی کرے یا یہ سب دعوے کرے تو یہ اس کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے_

آخر میں دوبارہ مستضعفین کا ذکر کرتے ہوئے تاکید اًکہا گیا ہے"میں ہرگز ان افراد کے بارے

---

(۱)سورہ ہودآیت ۲۹

(۲) سورہ ہود ۲۹

(۳) سورہ ہودآیت ۳۰

(۴)سورہ ہود ۳۰

(۵)سورہ ہودآیت ۳۱

میں جو تمہاری نگاہ میں حقیر ہیں، نہیں کہہ سکتا کہ خدا انہیں کوئي جزائے خیر نہیں دے گا"[۱] بلکہ اس کے برعکس اس جہان اور اس جہان کی خیر، انھیں کے لئے ہے اگرچہ ان کاہاتھ مال ودولت سے خالی ہے یہ تو تم ہو جنہوں نے خام خیالی کی وجہ سے خیر کو مال ومقام یا سن وسال میں منحصر سمجھ لیا ہے اور تم حقیقت سے بالکل بے خبر ہو_

اور بالفرض اگر تمہاری بات سچی ہو اور وہ پست اور اوباش ہوں تو خدا ان کے باطن سے آگاہ ہے_

میں تو ان میں ایمان اور صداقت کے سوا کچھ نہیں پاتا، لہذامیری ذمہ داری ہے کہ میں انہیں قبول کرلوں، میں توظاہر پر مامور ہوں اور بندہ شناس خدا ہے_"اور اگر میں اس کے علاوہ کچھ کروں تو یقینا ظالموں میں سے ہو جائوں گا"_[۲]

کہاں ہے عذاب؟

قرآن میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان ہونے والی باقی گفتگو کی طرف اشارہ ہوا ہے قرآن میں پہلے قوم نوح (ع) کی زبانی نقل ہے کہ انہوں نے کہا:

"اے نوح: تم نے یہ سب بحث وتکرار اور مجادلہ کیا ہے اب بس کرو، تم نے ہم سے بہت باتیں کی ہیں اب بحث مباحثے کی گنجائش نہیں رہي،"اگر سچے ہو تو خدائي عذابوں کے بارے میں جو سخت وعدے تم نے ہم سے کئے ہیں انہیں پورا کردکھائو اور وہ عذاب لے آئو'_[۳]

یہ بعینہ اس طرح سے ہے کہ ایک شخص یاکچھ اشخاص کسی مسئلے کہ بارے میں ہم سے بات کریں اور ضمناًً ہمیں دھمکیاں بھی دیں اور کہیں کہ اب زیادہ باتیں بند کرو اور جو کچھ تم کرسکتے ہو کرلو اور دیر نہ کرو، اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ ہم نہ تو تمہارے دلائل کو کچھ سمجھتے ہیں نہ تمہاری دھمیکوں سے ڈرتے ہیں اور نہ اس سے زیادہ ہم تمہاری بات سن سکتے ہیں_ انبیاء الہی کے لطف ومحبت اور ان کی وہ گفتگو جو صاف وشفاف اور خوشگوارپانی کی طرح ہوتی ہے اس طرزعمل کا انتخاب انتہائي ہٹ دھرمی تعصب اور جہالت کی ترجمانی کرتا ہے_

---

(۱) سورہ ہود آیت ۳۱

(۲)سورہ ہود آیت ۳۱

(۳)سورہ ہود آیت ۳۲

قوم نوح علیہ السلام کی اس گفتگو سے ضمناً یہ بھی اچھی طرح سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے ان کی ہدایت کے لئے بہت طویل مدت تک کوشش کی اور انہیں ارشاد وہدایت کے لئے آپ نے ہرموقع سے استفادہ کیا، آپ نے اس قدر کوشش کی کہ اس گمراہ قوم نے آپ کی گفتار اور ارشادات پر اکتاہٹ کا اظہار کیا_

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں قرآن حکیم میں جودیگر تفصیل آئي ہے اس سے بھی یہ حقیقت اچھی طرح سے واضح ہوتی ہے، یہ مفہوم تفصیلی طورپر بیان ہوا ہے:"پروردگارا: میں نے اپنی قوم کودن رات تیری طرف بلایا لیکن میری اس دعوت پر ان میں فرار کے علاوہ کسی چیزکا اضافہ نہیں ہوا میں نے جب انہیں پکارا تاکہ تو انہیں بخش دے، توانہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور اپنے لباس اپنے اوپر لپیٹ لئے انہوں نے مخالفت پر اصرار کیا اورغرورتکبرکا مظاہرہ کیا میں نے پھر بھی انہیں دعوت دی، میں نے پیہم اصرار کیا مگر انہوں نے کسی طرح بھی میری باتوں کی طرف کان نہ دھرے"_(۱)

حضرت نوح علیہ السلام نے اس بے اعتنائي، ہٹ دھرمی اور بے ہودگی کا یہ مختصر جواب دیا: خدا ہی چاہے تو ان دھمکیوں اور عذاب کے وعدوں کو پورا کرسکتا ہے"_(۲)

لیکن بہرحال یہ چیز میرے اختیار سے باہر ہے اور میرے قبضہ قدرت میں نہیں ہے میں تو اس کا رسول ہوں اور اس کے حکم کے سامنے تسلیم ہوں، لہذا سزا اور عذاب کی خواہش مجھ سے نہ کرو، لیکن یہ جان لوکہ جب عذاب کا حکم آپہنچے گاتو پھر تم اس کے احاطہ قدرت سے نکل نہیں سکتے اور کسی پناہ گاہ کی طرف فرار نہیں کرسکتے"_(۳)

معاشرے کو پاک کرنے کا مرحلہ

قرآن مجید میں حضرت نوح(ع) کی سرگذشت بیان ہوئي ہے اس کے در حقیقت مختلف مراحل ہیں ان

---

(۱) نوح آیات ۵ تا ۱۳

(۲)سورہ ہود آیت ۳۳

(۳) سورہ ہود آیت ۳۳

میں سے ہر مرحلہ متکبرین کے خلاف حضرت نوح کے قیام کے ایک دور سے مربوط ہے پہلے حضرت نوح(ع) کی مسلسل اور پر عزم دعوت کے مرحلے کا تذکرہ تھا جس کے لئے انہوں نے تمام تر وسائل سے استفادہ کیا یہ مرحلہ ایک طویل مدت پر مشتمل تھا اس میں ایک چھوٹا سا گروہ آپ پر ایمان لایا، یہ گروہ ویسے تو مختصر سا تھا لیکن کیفیت اور استقامت کے لحاظ سے بہت عظیم تھا_

قرآن میں اس قیام کے دوسرے مرحلے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ مرحلہ دور تبلیغ کے اختتام کا تھا جس میں خدا کی طرف سے معاشرے کو برے لوگوں سے پاک کرنے کی تیاری کی جانا تھی پہلے قرآن میں ارشاد ہوتا ہے_"نوح(ع) کو وحی ہوئی کہ جو افراد ایمان لاچکے ہیں ان کے علاوہ تیری قوم میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا "_(۱)

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ صفیں بالکل جدا ہو چکی ہیں ، اب ایمان اوراصلاح کی دعوت کا کوئی فائدہ نہیں اور اب معاشرے کی پاکیزگی اور آخری انقلاب کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے اس گفتگو کے آخر میں حضرت نوح کی تسلی اور دلجوئی کے لئے فرمایا گیا ہے :"اب جب معاملہ یوں ہے تو جو کام تم انجام دے رہے ہو اس پر کوئی حزن وملال نہ کرو"_(۲)

مربوطآیت سے ضمنی طورپر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اسرار غیب کا کچھ حصہ جہاں ضروری ہوتا ہے اپنے پیغمبر کے اختیار میں دے دیتا ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو خبر دی گئي ہے کہ آئندہ ان میں سے کوئی اور شخص ایمان نہیں لائے گا ،بہر حال ان گناہگار اور ہٹ دھرم لوگوں کو سزا ملنی چاہئے ، ایسی سزا جو عالم ہستی کو ان کے وجود کی گندگی سے پاک کردے اور مومنین کو ہمیشہ کے لئے ان کے چنگل سے نجات دے دے، ان کے غرق ہونے کا حکم ہوچکا ہے لیکن ہر چیز کے لئے کچھ وسائل واسباب ہوتے ہیں لہذا نوح کو چاہئے کہ وہ سچے مومنین کے بچنے کے لئے ایک مناسب کشتی بنائیں تاکہ ایک تو مومنین کشتی بننے کی اس مدت میں اپنے طریق کار میں پختہ تر ہوجائیں اور دوسروں کے لئے بھی کافی اتمام حجت ہوجائے_

---

(۱)سورہ ہود آیت ۲۱

(۲)سورہ ہود آیت ۳

کشتی نوح علیہ السلام

"ہم نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ہمارے حضور میں اور ہمارے فرمان کے مطابق کشتی بنائیں "۔[۱]

لفظ (وحینا) سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت نوح کشتی بنانے کی کیفیت اور اس کی شکل وصورت کی تشکیل بھی حکم خدا سے سیکھ رہے تھے اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا کیونکہ حضرت نوح آنے والے طوفان اور اس کی کیفیت ووسعت سے آگاہ نہ تھے کہ وہ کشتی اس مناسبت سے بناتے اور یہ وحی الٰہی ہی تھی جو بہترین کیفیتوں کے انتخاب میں ان کی مددگار تھی ۔

آخر میں حضرت نوح علیہ السلام کو خبردار کیا گیا ہے :"آج کے بعد ظالم افراد کے لئے شفاعت اور معافی کا تقاضانہ کرنا کیونکہ انہیں عذاب دینے کا فیصلہ ہوچکا ہے اور وہ حتماً غرق ہوجائیں گے"۔[۲]

کشتی بنارہے ہو دریا بھی بناؤ

اب چند جملے قوم نوح علیہ السلام کے بارے میں بھی سن لیں :وہ بجائے اس کے کہ ایک لمحہ کے لئے حضرت نوح(ع) کی دعوت کو غور سے سنتے ، اسے سنجیدگی سے لیتے اور کم ازکم انہیں یہ احتمال ہی ہوتا کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت نوح کے بار بار کے اصرار اور تکرار دعوت کا سرچشمہ وحی الٰہی ہی ہو اور ہو سکتا ہے طوفان اور عذاب کا معاملہ حتمی اور یقینی ہی ہو، الٹا انہوں نے تمام مستکبر اور مغرور افراد کی عادت کا مظاہرہ کیا اور تمسخرواستہزاء کا سلسلہ جاری رکھا ۔ ان کی قوم کا کوئی گروہ جب کبھی ان کے نزدیک سے گزرتا اور حضرت نوح اور ان کے اصحاب کو لکڑیاں اور میخیں وغیرہ مہیا کرتے دیکھتا اور کشتی بنانے میں سرگرم عمل پاتا تو مذاق اڑاتا اور پھبتیاں کستے ہوئے گزر جاتا "۔[۳]

---

(۱) سورہ ہود آیت ۳۷

(۲) سورہ ہود آیت ۳۷

(۳)سورہ ہود آیت ۳۸

کہتے ہیں کہ قوم نوح علیہ السلام کے اشراف کے مختلف گروہوں کے ہردستے نے تمسخر اور تفریح وطبع کے لئے اپنا ہی ایک انداز اختیار کررکھا تھا_

ایک کہتا تھا:"اے نوح(ع) دعوائے پیغمبری کا کاروبار نہیں چل سکا تو بڑھئي بن گئے، دوسرا کہتا تھا: کشتی بنا رہے ہو؟ بڑا اچھا ہے البتہ کشتی کے لئے دریا بھی بنائو، کبھی کوئي عقلمند دیکھا ہے جو خشکی کے بیچ میں کشتی بنائے؟

ان میں سے کچھ کہتے تھے: اتنی بڑی کشتی کس لئے بنا رہے ہو اگر کشتی بنانا ہی ہے تو ذرا چھوٹی بنا لو جسے ضرورت پڑے تو دریا کی طرف لے جانا تو ممکن ہو_

ایسی باتیں کرتے تھے اور قہقہے لگا کرہنستے ہوئے گزر جاتے تھے یہ باتیں گھروں میں ہوتیں_کام کاج کے مراکزمیں یہ گفتگو ہوتیں گویا اب بحثوں کا عنوان بن گئي وہ ایک دوسرے سے حضرت نوح اور ان کے پیروکاروں کی کوتاہ فکری کے بارے میں باتیں کرتے اور کہتے: اس بوڑھے کو دیکھو آخر عمر میں کس حالت کو جاپہنچا ہے اب ہم سمجھے کہ اگر ہم اس کی باتوں پر ایمان نہیں لائے تو ہم نے ٹھیک ہی کیا اس کی عقل تو بالکل ٹھکانے نہیں ہے_

دوسری طرف حضرت نوح علیہ السلام بڑی استقامت اور پامردی سے اپنا کام بے پناہ عزم کے ساتھ جاری رکھے ہوئے تھے اور یہ ان کے ایمان کا نتیجہ تھا وہ ان کو رباطن دل کے اندھوں کی بے بنیاد باتوں سے بے نیاز اپنی پسند کے مطابق تیزی سے پیشرفت کررہے تھے اور دن بدن کشتی کا ڈھانچہ مکمل ہو رہا تھا کبھی کبھی سر اٹھا کر ان سے یہ پر معنی بات کہتے:"اگر آج تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم بھی جلدی ہی اسی طرح تمہارا مذاق اڑائیں گے"_(۱)

وہ دن کہ جب تم طوفان کے درمیان سرگرداں ہوکر، سراسیمہ ہوکر ادھر ادھر بھاگو گے اور تمہیں کوئي پناہ گاہ نہیں ملے گی موجوں میں گھرے فریاد کرو گے کہ ہمیں بچالو جی ہاں اس روز مومنین تمہاری غفلت اور

---

(۱)سورہ ہود ایت ۳۸

جہالت پر مذاق اڑائیں گے"اس روز دیکھنا کہ کس کے لئے ذلیل اور رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کسے دائمی سزا دامن گیر ہوتی ہے"۔[1]

اس میں شک نہیں کہ کشتی نوح کوئی عام کشتی نہ تھی کیونکہ اس میں سچے مومنین کے علاوہ ہر نسل کے جانور کو بھی جگہ ملی تھی اور ایک مدت کے لئے ان انسانوں اور جانوروں کو جو خوراک درکار تھی وہ بھی اس میں موجود تھی ایسی لمبی چوڑی کشتی یقینا اس زمانے میں بے نظیر تھی یہ ایسی کشتی تھی جو ایسے دریا کی کوہ پیکر موجوں میں صحیح وسالم رہ سکے اور نابود نہ ہو جس کی وسعت اس دنیا جتنی ہو، اسی لئے مفسرین کی بعض روایات میں ہے کہ اس کشتی کا طول ایک ہزار دو سو ذراع تھا اور عرض چھ سو ذراع تھا (ایک ذراع کی لمبائی تقریباً آدھے میٹر کے برابر ہے)۔

بعض اسلامی روایات میں ہے کہ ظہور طوفان سے چالیس سال پہلے قوم نوح (ع) کی عورتوں میں ایک ایسی بیماری پیدا ہوگئی تھی کہ ان کے یہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا تھا یہ دراصل ان کے لئے سزا کی تمہید تھی۔

آغاز طوفان

گزشتہ صفحات میں ہم نے دیکھا ہے کہ کس طرح حضرت نوح علیہ السلام اور سچے مومنین نے کشتی نجات بنانا شروع کی اور انہیں کیسی کیسی مشکلات آئیں اور بے ایمان مغرور اکثریت نے کس طرح ان کا تمسخر اڑایا اس طرح تمسخر اڑانے والوں نے کس طرح اپنے آپ کو اس طوفان کے لئے تیار کیا جو سطح زمین کو بے ایمان مستکبرین کے منحوس وجود سے پاک کرنے والا تھا۔

یہاں پر اس سرگزشت کے تیسرے مرحلے کے بارے میں قرآن گویا اس ظالم قوم پر نزول عذاب کی بولتی ہوئی تصویر کو لوگوں کے سامنے پیش کررہا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے:"یہ صورت حال یونہی تھی یہاں تک کہ ہمارا حکم صادر ہوا اور عذاب کے آثار

---

(۱) سورہ ہود آیت ۳۹

ظاہر ہونا شروع ہوگئے پانی تنور کے اندر سے جوش مارنے لگا"_ (۱)

اس بارے میں کہ طوفان کے نزدیک ہونے سے تنور سے پانی کا جوش مارنا کیا مناسبت رکھتا ہے مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے_ (۲)

موجودہ احتمالات میں سے یہ احتمال زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "تنور" اپنے حقیقی اور مشہور معنی میں آیا ہے اور ہوسکتا ہے اس سے مراد کوئي خاص تنور بھی نہ ہو بلکہ ممکن ہے کہ اس سے یہ نکتہ بیان کرنا مقصود ہوکہ تنور جو عام طوپر آگ کا مرکزہے جب اس میں سے پانی جوش مارنے لگا تو حضرت نوح اور ان کے اصحاب متوجہ ہوئے کہ حالات تیزی سے بدل رہے ہیں اور انقلاب قریب ترہے یعنی کہاں آگ اور کہاں پانی بالفاظ دیگر جب انہوں نے یہ دیکھا کہ زیرزمین پانی کی سطح اس قدراوپر آگئي ہے کہ وہ تنور کے اندر سے جو عام طورپر خشک ، محفوظ اور اونچی جگہ بنایا جاتا ہے ، جوش مارہا ہے تو وہ سمجھ گئے کہ کوئي اہم امر درپیش ہے اور قدرت کی طرف سے کسی نئے حادثے کاظہور ہے_ اوریہی امر حضرت نوح اور ان کے اصحاب کے لئے خطرے کا الارم تھا کہ وہ اٹھ کر کھڑے ہوں اور تیار رہیں_

شاید غافل اور جاہل قوم نے بھی اپنے گھروں کے تنور میں پانی کو جوش مارتے دیکھا ہو بہر حال وہ ہمیشہ کی طرح خطرے کے ان پر معنی خدائي نشانات سے آنکھ کان بند کیے گزرگئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے آپ کو ایک لمحہ کے لئے بھی غور وفکر کی زحمت نہ دی کہ شاید شرف تکوین میں کوئي حادثہ پوشیدہ ہو اور شاید حضرت نوح(ع) جن واقعات کی خبر دیتے تھے ان میں سچائي ہو_

---

(۱)سورہ ہود آیت ۳۰

(۲) بعض نے کہا ہے کہ تنور سے پانی کا جوش مارنا خدا کی طرف سے حضرت نوح کے لئے ایک نشانی تھی تا کہ وہ اصل واقعہ کی طرف متوجہ ہوں اور اس موقع پروہ اور ان کے اصحاب ضروری اسباب ووسائل لے کر کشتی میں سوار ہوجائیں بعض نے کہا ہے کہ یہاں "تنور" مجازی اور کنائي معنی میں ہے جو اس طرف اشارہ ہے کہ غضب الہی کے تنور میں جوش پیدا ہوا اور وہ شعلہ ور ہوا اور یہ تباہ کن خدائي عذاب کے نزیک ہونے کے معنی میں ہے ایسی تعبیر فارسی اور عربی زبان میں استعمال ہوتی ہیں کہ شدت غضب کو آگ کے جوش مارنے اور شعلہ ور ہونے سے تشبیہ دی جاتی ہے_

اس وقت نوح(ع) کو "ہم نے حکم دیا کہ جانوروں کی ہرنوع میں سے ایک جفت (نراور مادہ کا جوڑا) کشتی میں سوار کرلو" _تاکہ غرقاب ہو کر ان کی نسل منقطع نہ ہوجائے_

اور اسی طرح اپنے خاندان میں سے جن کی ہلاکت کا پہلے سے وعدہ کیا جاچکا ہے ان کے سوا باقی افراد کو سوار کرلو نیز مومنین کو کشتی میں سوار کرلو"_[1]

نوح علیہ السلام کا بیٹا بدکاروں کے ساتھ

رہا یہ قرآن ایک طرف حضرت نوح(ع) کی بے ایمان بیوی اور ان کے بیٹے کنعان کی طرف اشارہ کرتا ہے جن کی داستان آئندہ صفحات میں آئے گی جنھوں نے راہ ایمان سے انحراف کیا اور گنہگاروں کا ساتھ دینے کی وجہ سے حضرت نوح سے اپنا رشتہ توڑلیا وہ اس کشتی نجات میں سوار ہونے کا حق نہیں رکھتے تھے کیونکہ اس میں سوار ہونے کی پہلی شرط ایمان تھی_

دوسری طرف یہ قرآن اس جانب اشارہ کرتا ہے کہ حضرت نوح نے جو اپنے دین وآئین کی تبلیغ کے لئے سالہا سال بہت طویل اور مسلسل کوشش کی اس کا نتیجہ بہت تھوڑے سے افراد مومنین کے سوا کچھ نہ تھا بعض روایات کے مطابق ان کی تعداد صرف اسي(۸۰) افراد تھی یہاں تک کہ بعض نے تو اس سے بھی کم تعداد لکھی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس عظیم پیغمبر نے کس حد تک استقامت اور پامردی کا مظاہرہ کیا ہے کہ ان میں سے ایک ایک فرد کے لئے اوسطاً کم از کم دس سال زحمت اٹھائي اتنی زحمت تو عام لوگ اپنی اولاد تک کی ہدایت اور نجات کے لئے نہیں اٹھاتے_

اللہ کا نام لے کر کشتی پر سوار ہوجائو

بہرحال حضرت نوح(ع) نے جلدی سے اپنے وابستہ صاحب ایمان افراد اور اصحاب کو جمع کیا اورچونکہ طوفان اور تباہ کن خدائي عذابوں کا مرحلہ نزدیک آرہا تھا ،"انہیں حکم دیا کہ خدا کے نام سے کشتی پر سوار ہوجائو

---

(۱) سورہ ہود آیت ۴۰

اور کشتی کے چلتے اور ٹھہرتے وقت خدا کا نام زبان پر جاری کرو اور اس کی یاد میں رہو"۔[۱]

بالآخر آخری مرحلہ آپہنچا اور اس سرکش قوم کے لئے عذاب اور سزا کا فرمان صادر ہوا تیرہ وتار بادل جو سیاہ رات کے ٹکڑوں کی طرح تھے سارے آسمان پر چھا گئے اور اس طرح ایک دوسرے پر تہ بہ تہ ہوئے کہ جس کی نظیر اس سے پہلے نہیں دیکھی گئي تھی پے درپے سخت بادل گرجتے خیرہ کن بجلیاں پورے آسمان پر کوندتیں آسمانی فضا گویا ایک بہت بڑے وحشتناک حادثے کی خبر دے رہی تھی۔

بارش شروع ہوگئي اور پھر تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئي بارش کے قطرے موٹے سے موٹے ہوتے چلے گئے جیسا کہ قرآن کہتا ہے :

"گویا آسمان کے تمام دروازے کھل گئے اور پانی کا ایک سمندر ان کے اندر سے نیچے گرنے لگا"۔[۲]

دوسری طرف زیر زمین پانی کی سطح اس قدر بلند ہوگئي کہ ہر طرف سے پرجوش چشمے ابل پڑے،یوں زمین وآسمان کا پانی آپس میں مل گیا اور زمین ،پہاڑ،دشت ،بیابان اور درہ غرض ہر جگہ پانی جاری ہوگیا بہت جلد زمین کی سطح ایک سمندر کی صورت اختیار کرگئي تیز ہوائیں چلنے لگیں جن کی وجہ سے پانی کی کوہ پیکر موجیں امنڈنے لگیں اس عالم میں "کشتی نوح کوہ پیکر موجوں کا سینہ چیرتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی"۔[۳]

پسر نوح کا دردناک انجام

پسر نوح(ع) ایک طرف اپنے باپ سے الگ کھڑا تھا نوح(ع) نے پکارا: "میرے بیٹے،ہمارے ساتھ سوار ہوجائو اور کافروں کے ساتھ نہ ہوورنہ فنا ہوجائوگے"۔[۴]

پیغمبر بزرگوار حضرت نوح(ع) نے نہ صرف باپ کی حیثیت سے بلکہ ایک انتھک پر امید مربی کے طور پر

---

(۱) سورہ ہود آیت ۴۱

(۲) سورہ قمر آیت ۱۱

(۳) سورہ ہود آیت ۴۲

(۴) سورہ ہود آیت ۴۳

آخری لمحے تک اپنی ذمہ داری سے دست برداری نہ کی ، اس امیدپر کہ شاید ان کی بات سنگدل بیٹے پر اثر کرجائے لیکن افسوس کہ برے ساتھی کی بات اس کے لئے زیادہ پرتاثیر تھی لہذا دلسوز باپ کی گفتگو اپنا مطلوبہ اثر نہ کرسکي، وہ ہٹ دھرم اور کوتاہ فکر تھا اسے گمان تھا کہ غضب خدا کا مقابلہ بھی کیا جاسکتا تھا اس لئے اس نے پکار کرکہا :" ابا میرے لئے جوش میں نہ آئو میں عنقریب پہاڑپرپناہ لے لوں گا جس تک یہ سیلاب نہیں پہنچ سکتا"_[(۱)]

نوح(ع) پھر بھی مایوس نہ ہوئے دوبارہ نصیحت کرنے لگے کہ شاید کوتاہ فکر بیٹا غرور اور خود سری کے مرکب سے اترآئے اور راہ حق پرچلنے لگے_انہوں نے کہا :"میرے بیٹے آج حکم خدا کے مقابلے میں کوئي طاقت پناہ نہیں دے سکتی ،نجات صرف اس شخص کے لئے ہے رحمت خدا جس کے شامل حال ہو"_[(۲)] پہاڑتو معمولی سی چیزہے خود کرہ ارض بھی معمولی سی چیز ہے سورج اور تمام نظام شمسی اپنے خیرہ کن عظمت کے باوجود خدا کی قدرت لایزال کے سامنے ذرئہ بے مقدار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا _

اسی دوران ایک موج اٹھی اور آگے آئي،مزید آگے بڑھی اور پسر نوح کو ایک تنکے کی طرح اس کی جگہ سے اٹھایا اوراپنے اندردرہم برہم کردیا،"اورباپ بیٹے کے درمیان جدائي ڈال دی اور اسے غرق ہونے والوں میں شامل کردیا "_[(۳)]

اے نوح علیہ السلام تمہارا بیٹا تمہارے اہل سے نہیں ہے

جب حضرت نوح(ع) نے اپنے بیٹے کو موجوں کے درمیان دیکھا تو شفقت پدری نے جوش مارا انہیں اپنے بیٹے کی نجات کے بارے میں وعدہ الہی یاد آیا انہوں نے درگاہ الہی کا رخ کیا اور کہا :"پروردگارا میرا بیٹا میرے اہل اور میرے خاندان میں سے ہے اور تو نے وعدہ فرمایا تھا کہ میرے خاندان کو طوفان اورہلاکت سے نجات دے گا اور تو تمام حکم کرنے والوں سے برترہے اور تو ایفائے عہد کرنے میں محکم ترہے "_[(۴)]

---

(۱)سورہ ہود آیت ۴۳

(۲) سورہ ہود آیت ۴۳

(۳) سورہ ہود آیت ۴۳

(۴) سورہ ہود آیت ۴۵

یہ وعدہ اسی چیز کی طرف اشارہ ہے جو سورہ ہود میں موجود ہے جہاں فرمایا گیا ہے :

"ہم نے نوح (ع) کو حکم دیا کہ جانوروں کی ہر نوع میں سے ایک جوڑا کشتی میں سوار کرلو اور اسی طرح اپنے خاندان کو سوائے اس شخص کے جس کی نابودی کے لئے فرمان خدا جاری ہوچکا ہے "_[۱]

حضرت نوح (ع) نے خیال کیا کہ "سوائے اس کے کہ جس کی نابودی کے لئے فرمان خدا جاری ہوچکا ہے، اس سے مراد صرف ان کی بے ایمان اور مشرک بیوی ہے اور ان کا بیٹا کنعان اس میں شامل نہیں ہے لہذا انہوں نے بارگاہ خداوندی میں ایسا تقاضا کیا لیکن فوراً جواب ملا (ہلادینے والا جواب اور ایک عظیم حقیقت واضح کرنے والا جواب)"اے نوح وہ تیرے اہل اور خاندان میں سے نہیں ہے ،بلکہ وہ غیر صالح عمل ہے"_[۲]

وہ نالائق شخص ہے اور تجھ سے مکتبی اور مذہبی رشتہ ٹوٹنے کی وجہ سے خاندانی رشتے کی کوئی حیثیت نہیں رہي_

"اب جبکہ ایسا ہے تو مجھ سے ایسی چیز کا تقاضانہ کر جس کے بارے میں تجھے علم نہیں، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں سے نہ ہوجا "_[۳]

حضرت نوح (ع) سمجھ گئے کہ یہ تقاضا بارگاہ الہی میں صحیح نہ تھا اور ایسے بیٹے کی نجات کو خاندان کی نجات کے بارے میں خدا کے وعدے میں شامل نہیں سمجھنا چاہئے تھا لہذا آپ نے پروردگار کا رخ کیا اور کہا :

"پروردگارا : میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس امر سے تجھ سے کسی ایسی چیز کی خواہش کروں جس کا علم مجھے نہیں، اور اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور اپنی رحمت میرے شامل حال نہ کی تو میں زیاں کاروں میں سے ہوجائوں گا "_[۴]

---

(۱) سورہ ہود آیت ۴۰

(۲) سورہ ہود آیت ۴۶

(۳)سورہ ہود آیت ۴۶

(۴)سورہ ہود آیت ۴۷

اس داستان کا اختتام

آخرکار پانی کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئي لہروں نے تمام جگھوں کو گھیرلیا پانی کی سطح بلند سے بلند تر ہوتی چلی گئي جاہل گنہگاروں نے یہ گمان کیا کہ یہ ایک معمولی سا طوفان ہے وہ اونچی جگھوں اورپہاڑوں پرپناہ گزین ہو جائیں گے، لیکن پانی ان کے اوپر سے بھی گزر گیا اور تمام جگھیں پانی کے نیچے چھپ گئیں ان طغیان گروں کے جسم، ان کے بچے کچے، گھر اور زندگی کا سازوسامان پانی کی جھاگ میں نظر آرہا تھا ـ

حضرت نوح (ع) نے زمام کشتی خدا کے ہاتھ میں دی موجیں کشتی کو ادھر سے ادھر لے جاتی تھیں روایات میں آیا ہے کہ کشتی پورے چھ ماہ سرگرداں رہی یہ مدت ابتدائے ماہ رجب سے لے کر ذی الحجہ کے اختتام تک تھی ایک اورروایت کے مطابق دس رجب سے لے کر روزعاشورہ تک کشتی پانی کی موجوں میں سرگرداں رہي ـ

اس دوران کشتی نے مختلف علاقوں کی سیرکی یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق سرزمین مکہ اور خانہ کعبہ کے اطراف کی بھی سیرکي، آخرکارعذاب کے خاتمے کا اورزمین کے معمول کی حالت میں لوٹ آنے کا حکم صادر ہوا، قران میں اس فرمان کی کیفیت، جزئیات اور نتیجہ بہت مختصر مگرانتہائي عمدہ اور جاذب وخوبصورت عبارت میں چھ جملوں میں بیان کیا گیا ہے: پہلے ارشاد ہوتا ہے: "حکم دیاگیا کہ اے زمین: اپنا: پانی نگل جا، اورآسمان کو حکم ہوا؛اے آسمان ہاتھ روک لے،، ـ

"پانی نیچے بیٹھ گیا "

"اورکام ختم ہوگیا"

"اورکشتی کوہ جودی کے دامن سے آلگی" ـ

"اس وقت کہا گیا: دور ہوظالم قوم "ـ(۱)

---

(۱)سورہ ہودایت ۴۴

مندرجہ بالا قرآنی تعبیرات مختصر ہوتے ہوئے بھی نہایت موثراوردلنشین ہیں، یہ بولتی ہوئي زندہ تعبیرات ہیں اورتمام ترزیبائي کے باوجودہلادینے والی ہیں بعض علماء عرب کے بقول مذکورہ آیت قرآن میں سے فصیح ترین اوربلیغ ترین آیت ہے۔(۱)

کوہ جودی کہاں ہے؟

بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ کوہ جودی جس کے کنارے کشتی نوح(ع) آکر لگی تھی اور جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے وہی مشہورپہاڑہے جو موصل کے قریب ہے،بعض دوسرے مفسرین نے اسے حدود شام میں یا "آمد" کے نزیک یا عراق کے شمالی پہاڑ سمجھا ہے۔

کتاب مفردات راغب نے کہا ہے کہ یہ وہ پہاڑ ہے جو موصل اور الجزیرہ کے درمیان ہے "الجزیرہ" شمالی عراق میں ایک جگہ ہے اور یہ "الجزائر"یا "الجزیرہ"نہیں جو آج کل مشہور ہے،بعید نہیں کہ ان سب کی بازگشت ایک ہی طرف ہو کیونکہ موصل،آمد اور الجزیرہ سب عراق کے شمالی علاقوں میں ہیں اور شام کے نزدیک ہیں۔بعض مفسرین نے یہ احتمال ظاہرکیا ہے کہ جودی سے مرادہر مضبوط پہاڑ اور محکم زمین ہے،یعنی کشتی نوح ایک محکم زمین پر لنگر انداز ہوئي جو اس کی سواریوں کے اترنے کے لئے مناسب تھی لیکن مشہور معروف وہی پہلا معنی ہے (۲)

---

(۱)روایات اور تواریخ میں اس کی شہادت موجود ہے، لکھا ہے: کچھ کفارقریش قرآن سے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے مصمم ارادہ کرلیا کہ قرآنی آیات جیسی کچھ آیات گھڑیں ان سے تعلق رکھنے والوں نے انہیں چالیس دن تک بہترین غذائیں مہیا کیں،مشروبات فراہم کیے اور ان کی ہر فرمائش پوری کی خالص گندم کا میدہ،بکرے کا گوشت،پرانی شراب غرض سب کچھ انہیں لاکر دیا تا کہ وہ آرام وراحت کے ساتھ قرآنی آیات جیسے جملوں کی ترکیب بندی کریں لیکن جب وہ مذکورہ آیت تک پہنچے تو اس نے انہیں اس طرح سے ہلاکر رکھ دیا کہ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کرکہا کہ یہ ایسی گفتگو ہے کوئي کلام اس سے مشابہت نہیں رکھتا،یہ کہہ کر انہوں نے اپناہ ارادہ ترک کردیا اورمایوس ہوکر ادھر ادھر چلے گئے۔

(۲)مزید تفصیلات کے لئے رجوع کریں تفسیر نمونہ جلد ۵ ۲۶۹

حضرت نوح(ع) باسلامت اترآئے

حضرت نوح(ع) اور ان کی سبق آموز سرگزشت کے بارے میں یہ آخری حصہ ہے ہیں ان میں حضرت نوح(ع) کے کشتی سے اترنے اور نئے سرے سے روئے زمین پر معمول کی زندگی گزارنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے_

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:" نوح(ع) سے کہا گیا کہ سلامتی اور برکت کے ساتھ جو ہماری طرف سے تم پر اور تمہارے ساتھیوں پر ہے، اترآئو"_[(۱)]

اس میں شک نہیں کہ "طوفان "نے زندگی کے تمام آثار کو درہم برہم کردے ا تھا فطری طورپر آباد زمینیں ، لہلہاتی چراگا ہیں اور سرسبز باغ سب کے سب ویران ہوچکے تھے اس موقع پر شدید خطرہ تھا کہ حضرت نوح اور ان کے اصحاب اور ساتھی زندگی گمزارنے اور غذا کے سلسلے میں بہت تنگی کا شکار ہوں گے_ لیکن خدا نے ان مومنین کو اطمینان دلایا کہ برکات الہی کے دروازے تم پر کھل جائیں گے اور زندگی اور معاش کے حوالے سے تمہیں کوئي پریشانی لاحق نہیں ہوگي_

علاوہ ازیں ممکن تھا کہ حضرت نوح اور ان کے پیروکاروں کو اپنی سلامتی کے حوالے سے یہ پریشانی ہوتی کہ طوفان کے بعد باقی ماندہ ان گندے پانیوں ،جوہڑوں اور دلدلوں کے ہوتے ہوئے زندگی خطرے سے دوچار ہوگی لہذا خدا تعالی اس سلسلے میں بھی انہیں اطمنان دلاتا ہے کہ تمہیں کسی قسم کا کوئي خطرہ لاحق نہیں ہوگا اور وہ ذات جس نے ظالموں کی نابودی کے لئے طوفان بھیجا ہے اہل ایمان کی سلامتی اور برکت کے لئے بھی ماحول فراہم کرسکتی ہے_

اس بناء پرجس طرح حضرت نوح اور ان کے ساتھی پروردگار کے لامتناہی لطف وکرم کے سائے میں طوفان کے بعد ان تمام مشکلات کے باوجود سلامتی وبرکت کے ساتھ جیتے رہے ،اسی طرح مختلف

---

(۱) سورہ ہود آیت ۴۸

قسم کے جانور جو حضرت نوح کے ساتھ کشتی سے اترے تھے خدا کی طرف سے سلامتی وحفاظت کے ساتھ اور اس کے لطف وکرم کے سائے میں زندگی بسر کرتے رہے _

کیا طوفان نوح(ع) عالمگیر تھا ؟

قرآنی بہت سی آیات کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوح کسی خاص علاقے کے لئے نہ تھا بلکہ پوری زمین پر رونما ہوا تھا کیونکہ لفظ "ارض "(زمین) مطلق طور پر آیا ہے :

"خداوندا روئے زمین پر ان کافروں میں سے کسی کو زندہ نہ رہنے دے کہ جن کے بارے میں اصلاح کی کوئی امید نہیں ہے "_[(۱)]

اسی طرح سورہ ہود میں ارشاد ہوتا ہے:"اے زمین اپنا پانی نگل لے "_[(۲)]

بہت سی تواریخ سے بھی طوفان نوح(ع) کے عالمگیر ہونے کی خبر ملتی ہے اسی لئے کہا جاتاہے کہ موجودہ تمام نسلیں حضرت نوح(ع) کے تین بیٹوں حام، سام اور یافث کی اولاد میں سے ہیں جو کہ زندہ بچ گئے تھے _

طبیعی تاریخ بھی سیلابی بارشوں کے نام سے ایک دور کا پتہ چلتاہے اس دور کو اگر لازمی طور پرجانداروں کی پیدائش سے قبل سے مربوط نہ سمجھیں تو وہ بھی طوفان نوح پر منطبق ہوسکتا ہے _[(۳)(۴)]

---

(۱) سورہ نوح ایت ۲۶

(۲)سورہ ہود آیت ۴۴

(۳)زمین کی طبیعی تاریخ میں یہ نظریہ بھی ہے کہ کرہ زمین کا محور تدریجی طور پر تغیرپیدا کرتا ہے یعنی قطب شمالی اور قطب جنوبی خطّ استوا میں تبدیل ہوجاتے ہیں اور خط استوا قطب جنوبی کی جگہ لے لیتا ہے، واضح ہے کہ جب قطب شمالی وجنوبی میں موجود بہت زیادہ برف پگھل پڑے تو دریائوں اور سمندروں کے پانی کی سطح اس قدر اوپر آجائے گی کہ بہت سی خشکیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور پانی زمین میں جہاں جہاں اسے گنجائش ملے گی ابلتے ہوئے چشموں کی صورت میں نکلے گا، پانی کی یہی وسعت بادلوں کی تخلیق کا سبب بنتی ہے اور پھر زیادہ سے زیادہ بارشیں انہی بادلوں سے ہوتی ہیں

یہ امر کہ حضرت نوح نے زمین کے جانوروں کے چند نمونے بھی اپنے ساتھ لئے تھے طوفان کے عالمگیر ہونے کا موید ہے _

(۴) اس روئے زمین پر سبھی حضرت نوح کی اولاد سے ہیں ؟ رجوع کریں تفسیر نمونہ ج ۱۰ ص ۵۰۳ سورہ صافات آیت ۸۲ کی تفسیر میں

طوفان کے ذریعے سزا کیوں دی گئی ؟

یہ صحیح ہے کہ ایک فاسد اور بری قوم کو نابود ہونا چاہئے، چاہے وہ کسی ذریعے سے نابود ہو، اس سے فرق نہیں پڑتا لیکن آیات قرآنی میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ عذاب و سزا اور قوموں کے گناہوں میں ایک قسم کی مناسبت تھی اور ہے ،فرعون نے عظیم دریائے نیل اور اس کے پر برکت پانی کو اپنی قوت وطاقت کا ذریعہ بنا رکھا تھا یہ بات جاذب نظر ہے کہ وہی اس کی نابودی کا سبب بنا نمرود کو اپنے عظیم ظلم پر بھروسہ تھا اور ہم جانتے ہیں کہ حشرات الارض کے چھوٹے سے لشکر نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو شکست دے دي_ قوم نوح زراعت پیشہ تھی ان کی کثیر دولت کا دارومدار زراعت پر ہی تھا جیسا کہ بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح کوفہ میں رہتے تھے دوسری طرف بعض روایات کے مطابق طوفان مکہ اور خانہ کعبہ تک پھیلا ہوا تھا تو یہ صورت بھی اس بات کی موید ہے کہ طوفان عالمگیر تھا _

لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود اس امر کی بھی بالکل نفی نہیں کی جاسکتی کہ طوفان نوح ایک منطقہ کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ لفظ "ارض "(زمین) کا اطلاق قرآن میں کئي مرتبہ زمین کے ایک وسیع قطعے پر بھی ہوا ہے جیسا کہ بنی اسرائیل کی سرگزشت میں ہے :"ہم نے زمین کے مشارق اور مغارب بنی اسرائیل کے مستضعفین کے قبضے میں دیئے"(سورہ اعراف آیت۱۳۷)

کشتی میں جانوروں کو شاید اس بناء پر رکھا گیا ہو کہ زمین کے اس حصے میں جانوروں کی نسل منقطع نہ ہو خصوصاً اس زمانے میں جانوروں کا دور دراز علاقوں سے منتقل ہونا کوئي آسان کام نہیں تھا_ اسی طرح دیگر مذکورہ قرائن اس بات پر منطبق ہوسکتے ہیں کہ طوفان نوح ایک خاص علاقہ میں آیا تھا_ یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ طوفان نوح تو اس سرکش قوم کی سزا اور عذاب کے طور پر تھا اور ہمارے پاس کوئي ایسی دلیل نہیں ہے کہ جس کی بنا پر یہ کہا جا سکے کہ حضرت نوح کی دعوت تمام روئے زمین پر پہنچی تھی

اصولی طور پر اس زمانے کے وسائل وذرائع کے ساتھ ایک پیغمبر کی دعوت کا (اس کے اپنے زمانے میں) زمین کے تمام خطوں اور علاقوں تک پہنچنا بعید نظر آتا ہے بہرحال اس عبرت خیز واقعے کو بیان کرنے سے قرآن کا مقصد یہ ہے کہ اس میں چھپے اہم تربیتی نکات بیان کیے جائیں ، اس سے کوئي فرق نہیں پڑنا چاہیے کہ یہ واقعہ عالمی ہو یا کسی ایک علاقے سے تعلق رکھتا ہو_

ہم جانتے ہیں کہ ایسے لوگ اپنا سب کچھ بارش کے حیات بخش قطروں کو سمجھتے ہیں لیکن آخر کار بارش ہی نے انہیں تباہ وبرباد کرڈالا_

جناب نوح(ع) کی بیوي

قرآن مجید دوبے تقوی عورتوں کی سرنوشت جو دو بزرگ پیغمبروں کے گھر میں تھیں، اور دو مومن وایثارگر خواتین کی سرنوشت بیان کرتاہے جن میں سے ایک تاریخ کے جابرترین شخص کے گھر میں تھی_

پہلے فرماتا ہے "خدا نے کافروں کے لئے ایک مثال بیان کی ہے نوح کی بیوی کی مثال اور لوط کی بیوی کی مثال " وہ دونوں ہمارے دوصالح بندوں کے ما تحت تھیں لیکن انہوں نے ان سے خیانت کی لیکن ان دو عظیم پیغمبروں سے ان کے ارتباط نے عذاب الہی کے مقابلہ میں انھیں کوئي نفع نہیں دیا "_[۱]

حضرت نوح کی بیوی کا نام "والھہ" اور حضرت لوط کی بیوی کا نام "والعۃ"تھا ۱ اور بعض نے اس کے برعکس لکھا ہے یعني نوح کی بیوی کانام"والعۃ" اورلوط کی بیوی کا نام "والھہ" یا "واہلہ" کہا ہے_

بہرحال ان دونوں عورتوں نے ان دونوں عظیم پیغمبروں کے ساتھ خیانت کی، البتہ ان کی خیانت جاۂدہ عفت سے انحراف ہرگزنہیں تھا کیونکہ کسی پیغمبر کی بیوی ہرگز بے عفتی سے آلودہ نہیں ہوتی جیسا کہ پیغمبر اسلام سے ایک حدیث میں صراحت کے ساتھ بیان ہواہے: "کسی بھی پیغمبر کی بیوی ہرگز منافی عفت عمل سے آلودہ نہیں ہوئي"_ حضرت لوط کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ وہ اس پیغمبر کے دشمنوں کے ساتھ تعاون کرتی تھی اور ان کے گھر کے راز انھیں بتاتی تھی اور حضرت نوح کی بیوی بھی ایسی ہی تھی_

قرآن آخر میں کہتا ہے: "اور ان سے کہا گیا کہ تم بھی آگ میں داخل ہونے والے لوگوں کے ساتھ آگ میں داخل ہوجائو "[۲]

---

(۱)سورہ تحریم آیت ۱۰

(۲)سورہ تحریم آیت ۱۰

۲ انبیاء علیہم السلام کے واقعات

حضرت ہود علیہ السلام

قرآن مجید میں ذکر شدہ انبیاء کے ناموں میں حضرت ہود بھی ہیں، جو قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے۔بعض مورخین کا نظریہ ہے کہ عاد کا اطلاق دو قبیلوں پر ہوتا ہے ایک وہ جو بہت پہلے تھا اور قرآن نے اسے عاد الاولی سے تعبیر کیا،()وہ غالباً تاریخ سے پہلے موجود تھا، دوسرا قبیلہ جو تاریخ بشر کے دَور میں اور تقریباً ولادت مسیح سے سات سو سال پہلے تھا اور وہ عاد کے نام سے مشہور تھا۔ یہ احقاف یا یمن میں رہائش پزیر تھا۔

اس قبیلہ کے افراد بلند قامت اور قوی الجثہ تھے اور اسی بنا پر بہت نمایاں جنگجو شمار ہوتے تھے۔

اس کے علاوہ وہ متمدن بھی تھے۔ ان کے شہر آباد اور زمینیں سر سبز و شاداب تھیں۔ ان کے باغات پر بہار تھے اور انہوں نے بڑے بڑے محل تعمیر کیے تھے۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ عاد اس قبیلے کے جد اعلی کا نام تھا اور وہ قبیلے کو اپنے جدّ(دادا) کے نام سے موسوم کر کے پکارتے تھے۔

شہر ارم اور شداد کی بہشت

بعض مفسرین نے جزیرۃ العرب کے بیابانوں اور عدن کے صحرائوں میں شہر ارم کے بر آمد ہونے کی ایک دلچسپ داستان بیان کی ہے جس میں وہ اس شہر کی بلند و بالا عمارات اور سامان زینت وغیرہ کی بات کرتے ہیں۔ لیکن مذکورہ داستان واقعیت کی نسبت خواب یا افسانے سے زیادہ تعلق رکھتی ہے۔

ليكن اس ميں كوئي شك و شبہ نہيں كہ قوم عاد طاقتور قبائل پر مشتمل تھي، ان كے شہر ترقي يافتہ تھے اور جيسا كہ قرآن اشارہ كرتاہے، ان جيسے شہر پھر آباد نہيں ہوسكے_

بہت سى داستانيں شداد كى جو عاد كا بيٹا تھا، زبان زدعام ہيں اور تاريخ ميں مرقوم ہيں_يہاں تك كہ شداد كى بہشت اور اس كے باغات ضرب المثل كى شكل اختيار كرگئے ہيں_ ليكن ان داستانوں كى حقيقت كچھ نہيں ہے، يہ محض افسانے ہيں_يہ ايسے افسانے ہيں كہ ان كى حقيقت پر بعد ميں حاشيہ آرائي كرلى گئي_

حضرت ہود(ع) برادر قوم عاد

قرآن نبى اللہ كے سلسلہ ميں فرماتاہے :"ہم نے قوم عاد كى طرف ان كے بھائي ہود كو بھيجا"_ (۱)

يہاں حضرت ہود كو بھائي كہا گيا تھا يہ تعبيرياتو اس بناء پر ہے كہ عرب اپنے تمام اہل قبيلہ كو بھائي كہتے ہيں كيونكہ نسب كى اصل ميں سب شريك ہوتے ہيں مثلاً بنى اسد كے شخص كو "اخواسدى "كہتے ہيں اور مذحج قبيلہ كے شخص كو "اخومذحج "كہتے ہيں، يا ہوسكتا ہے كہ يہ اس طرف اشارہ ہوكہ حضرت ہود كا سلوك اپنى قوم سے ديگر انبياء كى طرح بالكل برادرانہ تھا نہ كہ ايك حاكم كا سابلكہ ايسا بھى نہيں جو باپ اپنى اولاد سے كرتا ہے بلكہ آپ كا سلوك ايسا تھا جو ايك بھائي دوسرے بھائيوں سے كرتا ہے كہ جس ميں كوئي امتياز اور برترى كا اظہار نہ ہو_

حضرت ہودكى بہترين دليل

حضرت ہودنے بھى اپنى دعوت كا آغاز ديگر انبياء كى طرح كيا آپ كى پہلى دعوت توحيد اور ہر قسم كے شرك كى نفى كى دعوت تھي،"ہودنے ان سے كہا :"اے ميرى قوم خدا كى عبادت كرو ،كيونكہ اس كے علاوہ كوئي اللہ اور معبودلائق پرستش نہيں ،بتوں كے بارے ميں تمہارا اعتقاد غلطى اور اشتباہ پرمبنى ہے اور اس ميں تم خدا پر افتراء باندھتے ہو"_ (۲)

---

(۱) سورہ ہود آيت ۵۰

(۲) سورہ ہود آيت ۵۰

یہ بت خدا کے شریک نہیں ہیں، نہ خیر و شر کے منشاء و مبداء، ان سے کوئی کام بھی نہیں ہوسکتا اس سے بڑھ کر کیا افتراء اور تہمت ہوگی کہ اس قدر بے وقعت موجودات کے لئے تم اتنے بڑے مقام و منزلت کا اعتقاد رکھتے ہو؟_

اس کے بعد حضرت ہود نے مزید کہا: "اے میری قوم میں اپنی دعوت کے سلسلے میں تم سے کوئی توقع نہیں رکھتا تم سے کسی قسم کی اجرت نہیں چاہتا"_[1]

کہ تم یہ گمان کرو کہ میری یہ داد و فریاد اور جوش و خروش مال و مقام کے حصول کے لیئے ہے یا تم خیال کرو کہ تمہیں مجھے کوئی بھاری معاوضہ دینا پڑے گا جس کی وجہ سے تم تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہو، میری اجرت صرف اس ذات پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، جس نے مجھے روح و جسم بخشے ہیں اور تمام چیزیں جس نے مجھے عطا کی ہیں وہی جو میرا خالق و رازق ہے میں اگر تمہاری ہدایت و سعادت کے لئے کوئی قدم اٹھاتا ہوں تو وہ اصولاً اس کے حکم اطاعت میں ہوتا ہے لہذا اجر و جزا بھی میں اسی سے چاہتا ہوں نہ کہ تم سے، علاوہ ازیں کیا تمہارے پاس اپنی طرف سے کچھ ہے جو تم مجھے دو، جو کچھ تمہارے پاس ہے اسی خدا کی طرف سے ہے، کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟"_[2]

آخر میں انہیں شوق دلانے کے لئے اور اس گمراہ قوم میں حق و حق طلبی کا جذبہ بیدار کرنے کے لئے تمام ممکن وسائل سے استفادہ کرتے ہوئے مشروط طور پر مادی جزائوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ جو اس جہان میں خدا مومنین کو عطا فرماتا ہے ارشاد ہوتا ہے:

"اے میری قوم اپنے گناہوں پر خدا سے بخشش طلب کرو، پھر توبہ کرو اور اس کی طرف لوٹ آئو اگر تم ایسا کرلو تو وہ اسمان کو حکم دے گا کہ وہ بارش کے حیات بخش قطرے پیہم تمہاری طرف بھیجے_"[3]

تاکہ تمہارے کھیت اور باغات کم آبی یا بے آبی کا شکار نہ ہوں اور ہمیشہ سرسبز و شاداب رہیں علاوہ

---

(۱) سورہ ہود آیت ۵۱

(۲) سورہ ہود آیت ۵۱

(۳) سورہ ہود آیت ۵۲

ازیں تمہارے ایمان و تقوی، گناہ سے پرہیز اور خدا کی طرف رجوع اور توبہ کی وجہ سے" تمہاری قوت میں مزید قوت کا اضافہ کرے گا_"(۱)

یہ کبھی گمان نہ کرو کہ ایمان و تقوی سے تمہاری قوتمیں کمی واقع ہوگی ایسا ہر گز نہیں بلکہ تمہاری جسمانی وروحانی قوت میں اضافہ ہوگا_

اس کمک سے تمہارا معاشرہ آباد تر ہوگا، جمعیت کثیر ہوگی، اقتصادی حالات بہتر ہونگے اور تم طاقتور، آزاداور خود مختار ملت بن جائوگے لہذا راہ حق سے روگردانی نہ کرو اور شاہراہ گناہ پر قدم نہ رکھو_

اے ہود تم ہمارے خدائوں کے غضب سے دیوانہ ہوگئے ہو

اب دیکھتے ہیں کہ اس سرکش اور مغرور قوم یعني قوم عادنے اپنے بھائي ہود، ان کے پندو نصائح اورہدایت ورہنمائي کے مقابلے میں کیا ردّعمل ظاہر کیا_

انہوں نے کہا : "اے ہود: تو ہمارے لئے کوئي واضح دلیل نہیں لایا ، ہم ہر گز تیری باتوں پر ایمان نہیں لائیں گے "_(۲)

ان تین غیر منطقی جملوں کے بعد انہوں نے مزید کہا :"ہمارا خیال ہے کہ تو دیوانہ ہوگیا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ تو ہمارے خدائوں کے غضب کا شکار ہوا ہے اور انہوں نے تیری عقل کو آسیب پہنچایا ہے"(۳)

اس میں شک نہیں کہ (جیسے تمام انبیاء کا طریقہ کارہوتا ہے اور ان کی ذمہ داری ہے) حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں اپنی حقانیت ثابت کرنے کے لئے کئي ایک معجزے دکھائے ہوں گے لیکن انہوں نے اپنے کبروغرور کی وجہ سے دیگر ہٹ دھرم قوموں کی طرح معجزات کا انکار کیا اور انہیں جادو قرار دیا اور انہیں اتفاقی حوادث گردانا کہ جنہیں کسی معاملے میں دلیل قرار نہیں دیا جاسکتا_

انہوں نے حضرت ہودپر "جنون" کی تہمت لگائي اور "جنون" بھی وہ جو ان کے زعم ناقص میں ان

---

(۱)سورہ ہود آیت ۵۲

(۲)سورہ ہود آیت ۵۳

(۳)سورہ ہود آیت ۵۴

کے خدائوں کے غضب کا نتیجہ تھا ، ان کے بے ہودہ پن اور خرافات پرستی کی خود ایک بہترین دلیل ہے۔
بے جان اور بے شعور پتھر اور لکڑیاں جو خود اپنے "بندوں" کی مدد کی محتاج ہیں وہ ایک عقلمند انسان سے کس طرح اس کا عقل و شعور چھین سکتی ہیں علاوہ ازیں ان کے پاس ہود کے دیوانہ ہونے کو نسی دلیل تھی ، اگر یہ دیوانگی کی دلیل ہے تو پھر تمام مصلحین جہان اور انقلابی لوگ جو غلط روش اور طریقوں کے خلاف قیام کرتے ہیں سب دیوانے ہونے چاہئیں۔

کیوں بت مجھے نابود نہیں کرتے

بہر حال حضرت ہود کی ذمہ داری تھی کہ اس گمراہ اور ہٹ دھرم قوم کو دندان شکن جواب دیتے، ایسا جواب جو منطق کی بنیاد پر بھی ہوتا اور طاقت سے بھی ادا ہوتا، قرآن کہتا ہے کہ انہوں نے ان کے جواب میں چند جملے کہے ں :"میں خدا کو گواہی کے لئے بلاتا ہوں ، اور تم سب بھی گواہ رہو کہ میں ان بتوں اور تمہارے خدائوں سے بیزار ہوں"۔[۱]
یہ اس طرف اشارہ تھا کہ اگر یہ بت طاقت رکھتے ہیں تو ان سے کہو کہ مجھے ختم کردیں ، میں جو علی الاعلان ان کے خلاف جنگ کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ہوں اور اعلانیہ ان سے بیزاری اور نفرت کا اعلان کررہا ہوں وہ کیوں خاموش اور معطل ہیں ، کس چیز کے منتظر ہیں اور کیوں مجھے نابود اور ختم نہیں کردیتے ۔
اس کے بعد مزید فرمایا کہ نہ فقط یہ کہ ان سے کچھ نہیں ہو سکتا بلکہ تم بھی اتنی کثرت کے باوجود کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے "اگر سچ کہتے ہو تو تم سب مل کر میرے خلاف جو سازش کرسکتے ہو کرگزرو اور مجھے لمحہ بھر کی بھی مہلت نہ دو"۔[۲]
میں تمہاری اتنی کثیر تعداد کو کیوں کچھ نہیں سمجھتا اور کیوں تمہاری طاقت کی کوئی پرواہ نہیں کرتا ، تم جو کہ میرے خون کے پیاسے ہو اور ہر قسم کی طاقت رکھتے ہو، اس لئے کہ میرا رکھ و الا اللہ ہے، وہ جس کی قدرت

---

(۱) سورہ ہود آیت ۵۴

(۲)سورہ ہود آیت ۵۰

سب طاقتوں سے بالاتر ہے "میں نے خدا پر توکل کیا ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے"_[۱]

یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں ، یہ اس امر کی نشانی ہے کہ میں نے دل کسی اور جگہ نہیں باندھ رکھا اگر صحیح طور پر سوچو تو یہ خود ایک قسم کا معجزہ ہے کہ ایک انسان تن تنہا بہت سے لوگوں کے بے ہودہ عقائد کے خلاف اٹھ کھڑا ہو_

جبکہ وہ طاقت ور اور متعصب بھی ہوں یہاں تک کہ انہیں اپنے خلاف قیام کی تحریک کرے اس کے باوجود اس میں خوف وخطر کے کوئي آثار نظر نہ آئیں اور پھر نہ اس کے دشمن اس کے خلاف کچھ کرسکتے ہوں_

آخر کار حضرت ہود علیہ السلام ان سے کہتے ہیں :

"اگر تم راہ حق سے روگرانی کروگے تو اس میں میرا کوئي نقصان نہیں ہوگا کیونکہ میں نے اپنا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے _"[۲]

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ یہ گمان نہ کروکہ اگر میری دعوت قبول نہ کی جائے تو میرے لئے کوئي شکست ہے میں نے اپنا فریضہ انجام دے دیا ہے اور فریضہ کی انجام دہی کامیابی ہے اگر چہ میری دعوت قبول نہ کی جائے_

دراصل یہ سچے رہبروں اور راہ حق کے پیشوائوں کے لئے ایک درس ہے کہ انہیں اپنے کام پر کبھی بھی خستگی وپریشانی کا احساس نہیں ہونا چاہئے چاہے لوگ ان کی دعوت کو قبول نہ بھی کریں_

جیساکہ بت پرستوں نے آپ کودھمکی دی تھی ،اس کے بعد آپ انہیں شدید طریقے پر عذاب الہی کی دھمکی دیتے ہوئے کہتے ہیں :

"اگر تم نے دعوت حق قبول نہ کی تو خدا عنقریب تمہیں نابود کردے گا اور کسی دوسرے گروہ کو تمہارا جانشین بنا دے گا اور تم اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے_ "[۳]

---

(۱)سورہ ہود آیت ۵۶

(۲)سورہ ہود ایت ۵۷

(۳)سورہ ہود آیت ۵۷

"اور یہ بھی جان لو کہ میرا پروردگار ہر چیز کا محافظ ہے اور ہر حساب وکتاب کی نگہداری کرتا ہے"_[۱]

نہ موقع اس کے ہاتھ سے جاتا ہے اور نہ وہ موقع کی مناسبت کو فراموش کرتا ہے نہ وہ اپنے انبیاء اور دوستوں کو طاق نسیاں کرتا ہے اور نہ کسی شخص کا حساب وکتاب اس کے علم سے پوشیدہ ہوتا ہے بلکہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور ہر چیز پر مسلط ہے_

اس ظالم قوم پر ابدی لعنت

قوم عاد اور ان کے پیغمبر حضرت ہود کی سرگذشت سے مربوط آیات کے آخری حصے میں ان سرکشوں کی دردناک سزا اور عذاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن پہلے کہتا ہے:

"جب ان کے عذاب کے بارے میں ہمارا حکم آپہنچا تو ہود اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لاچکے تھے ہماری ان پر رحمت اور لطف خاص نے انہیں نجات بخشي"_[۲]

پھر مزید تاکید کے لئے فرمایا:"ہم نے اس صاحب ایمان قوم کو شدید عذاب سے رہائي بخشي"_[۳]

یہ امر جاذب نظر ہے کہ بے ایمان ،سرکش اور ظالم افراد کے لئے عذاب وسزا معین کرنے سے پہلے صاحب ایمان قوم کی نجات کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ یہ خیال پیدا نہ ہو جیسا کہ مشہور ضرب المثل ہے کہ عذاب الہی کے موقع پر خشک وترسب جل جاتے ہیں کیونکہ وہ حکیم اور عادل ہے اور محال ہے کہ وہ ایک بھی صاحب ایمان شخص کو بے ایمان اور گنہگار لوگوں کے درمیان عذاب کرے، بلکہ رحمت الہی ایسے افراد کو عذاب وسزا کے نفاذ سے پہلے ہی امن وامان کی جگہ پر منتقل کردیتی ہے جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ اس سے پہلے کہ طوفان آئے،

---

(۱) سورہ ہود ایت ۵۷

(۲،۳)سورہ ہود آیت ۵۸

حضرت نوح کی کشتی نجات تیار تھي، اور اس سے پہلے کہ حضرت لوط کے شہر تباہ وبرباد ہوں حضرت لوط اور آپ کے انصار راتوں رات حکم الہی سے وہاں سے نکل آئے۔

یہ مناسبت بھی قابل ملاحظہ ہے کہ قوم عاد کے لوگ سخت اور بلند قامت تھے ان کے قدکو کھجور کے درختوں سے تشبیہ دی گئي ہے اسی مناسبت سے ان کی عمارتیں مضبوط ،بڑی اور اونچی تھیں یہاں تک کہ قبل اسلام کی تاریخ میں ہے کہ عرب بلند اور مضبوط عمارتوں کی نسبت قوم عاد ہی کی طرف دیتے ہوئے انہیں "عدي" کہتے تھے، اسی لئے ان پر آنے والا عذاب بھی انہی کی طرح غلیظ اور سخت تھا ،نہ صرف اخرت کا عذاب،بلکہ اس دنیا میں سخت سے سخت عذاب دیا گیا۔

عذاب الہی ایک نحس دن میں

قرآن مجید قوم عاد پر عذاب الہی کے بارے میں فرماتا ہے :

"ہم نے ان پر وحشت ناک ،سرد اور تیز آندھی ، ایک ایسے منحوس دن میں جو بہت طویل تھا،ان کی طرف بھیجی"۔

اس کے بعد اس تیز آندھی کی کیفیت کے بارے میں پروردگار عالم فرماتا ہے کہ "لوگوں کو گھن کھائے ہوئے کھجور کے تنوں کی طرح اکھاڑدیا اور وہ ان کو ہرطرف پھینکتی تھي۔[۱]

قوم عاد کے لوگ قوی الجثہ تھے، انہوں نے تیز آندھی سے بچنے کے لئے زمین میں گڑھے کھودر کھے تھے اور زیر زمین پناہ گاہیں بنا رکھی تھیں لیکن اس روز آنے والی آندھی اتنی زوردار اور طاقتور تھی کہ ان کو ان کی پناہ گاہوں سے باہر نکالتی تھی اور ادھر اُدھر پھینکتی تھي وہ ان کو اس زور سے زمین پر پٹختي تھی کہ ان کے سرتن سے جدا ہوجاتے تھے۔اندھی اس قدر تیز تھی کہ پہلے ان کے ہاتھ پیروں اور سروں کو جدا کرتی تھی ،اس کے بعد ان کے اجسام کو بے شاخ و برگ کھجور کی طرح زمین سے اکھاڑتی تھی اور ادھر ادھر لئے پھرتی تھي۔

---

(۱)سورہ قمر آیت ۲۰

قرآن کریم اس قوم کے عذاب کے بارے میں دوسری جگہ کہتا ہے:

"قوم عادکی سرگذشت میں بھی ایک آیت وعبرت ہے،جبکہ ہم نے ان پر ایک عقیم اور بغیربارش کا طوفان بھیجا "_(۱)

ہوائوں کا عقیم اور بانجھ ہونا اسوقت ہوتا ہے،جب کہ وہ بارش برسانے والے بادل اپنے ساتھ لے کر نہ چلیں، گیاہ ونباتات میں اپنے عمدہ اثرات نہ چھوڑیں، ان میں کوئي فائدہ اور برکت نہ ہو، ااورہلاکت ونابودی کے سوا کوئي چیز ہمراہ نہ لائیں_

اس کے بعد اس سخت آندھی کی خصوصیت جو قوم عادپر مسلط ہوئي تھي. بیان کرتے ہوئے مزید کہتا ہے:" وہ جس چیز کے پاس سے گزرتی تھی اس کو نابود کئے بغیر نہ چھوڑتی تھی، اور خشک کٹی پھٹی گھاس یا بوسیدہ ہڈیوں کی صورت میں بدل دیتی تھی "_(۲)

یہ تعبیر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ قوم عادکی تیزآندھی ایک عام تیزآندھی نہیں تھی، بلکہ انہیں تباہ کرنے اور کوٹنے چھٹنے یا پھرپیٹنے کے علاوہ اور اصطلاح کے مطابق فزیکل دبائو سے، جلانے اور زہریلا بنانے کی خاصیت رکھتی تھی، جو طرح طرح کی اشیائوں کو بوسیدہ اور کہنہ بنادیتی تھی، جی ہاں، اس طرح خدا کی قدرت "نسیم سحر"کو ایک تیزاندھی میں بدل کر بڑی بڑی طاقتور قوموں کو اس طرح درہم وبرہم کردیتی ہے کہ صرف ان کے بوسیدہ جسم باقی رہ جاتے ہیں_

کیا ان میں سے کسی کو دیکھتے ہو

قران اس کے بعد اس تیزاور سرکوب کرنے والی آندھی کی ایک دوسری توصیف کو بیان کرتے ہوئے مزید کہتا ہے :"خدا نے اس کو اس قوم پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن ان کی بنیادیں اکھاڑنے کے لئے مسلط کئے رکھا"(۳)

---

(۱)سورہ ذاریات ایت ۴۱

(۲)سورہ ذاریات ایت ۴۲

(۳)سورہ حاقہ آیت ۷

سات راتوں اور آٹھ دنوں میں اس عظیم قوم کی وسیع اور بارونق زندگی کوبالکل تباہ وبرباد کیا اور ان کو جڑسے اکھاڑ کرپر اگندہ کردیا _

نتیجہ یہ ہو اکہ جیسا کہ قرآن کہتا ہے "اگرتو وہاں ہوتا تو مشاہدہ کرتا کہ وہ ساری قوم منہ کے بل گری پڑی ہے اور سوکھے اور کھوکھلے درختوں کی طرح ڈھیر ہوگئے ہیں"_[1]

کتنی عمدہ تشبیہ ہے،جو ان کے طویل قدوقامت کو بھی مشخص کرتی ہے ، ان کے جڑسے اکھڑجانے کو بھی ظاہر کرتی ہے اور خدا کے عذاب کے مقابلہ میں ان کے اندر سے خالی ہونے کو بھی بیان کرتی ہے اس طرح کہ وہ تیز آندھی جدھر چاہتی ہے انھیں آسانی کے ساتھ لے جاتی ہے _

قرآن اس واقعہ کے آخر میں مزید کہتا ہے " کیا تم ان سے کسی کو باقی دیکھتے ہو"؟_[2]

ہاں :آج نہ صرف قوم عاد کا کوئی نام ونشان باقی نہیں بلکہ ان کے آباد شہروں اور پر شکوہ عمارتوں کے کھنڈرات اور ان کے سبز کھیتوں میں سے کوئی چیز باقی نہیں ہے _

---

(۱)سورہ حاقہ آیت ۷

(۲)سورہ حاقہ آیت ۸

حضرت صالح علیہ السلام

قوم ثمود اور اس کے پیغمبر جناب صالح(ع) کی جو"وادی القری" میں رہتے تھے جو"مدینہ " اور" شام" کے درمیان واقع ہے یہ قوم اس سرزمین میں خوشحال زندگی بسر کررہی تھی لیکن اپنی سرکشی کی بناء پر صفحہ ہستی سےیوں مٹ گئي کہ آج اس کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا_

قرآن اس سلسلے میں فرماتا ہے: "قوم ثمودنے (خدا کے)رسولوں کو جھٹلایا "_(۱)

کیونکہ تمام انبیاء کی دعوت حق ایک جیسی تھی اور اس قوم کا اپنے پیغمبر جناب صالح کی تکذیب کرنا در حقیقت تمام رسولوں کی تکذیب کے مترادف تھا_

"جبکہ ان کے ہمدرد پیغمبر صالح نے ان لوگوں سے کہا آیا تقوی اختیار نہیں کرتے ہو ؟"(۲)

وہ جو کہ تمہارے بھائي کی طرح تمہاراہادی اورراہبر تھا اس کی نظر میں نہ برتری جتانا تھا اور نہ ہی مادی مفادات ، اسی لئے قرآن نے جناب صالح(ع) علیہ السلام کو " اخوہم " سے تعبیر کیا ہے جناب صالح نے بھی دوسرے انبیاء کی مانند اپنی دعوت کا آغاز تقوی اور فرض کے احساس سے کیا _

پھر اپنا تعارف کرواتے ہوئے فرماتے ہیں: "میں تمہارے لئے امین پیغمبر ہوں"(۳)

میرا ماضی میرے اس دعوی کی بین دلیل ہے_

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۱۴۱

(۲)سورہ شعراء ایت ۱۴۲

(۳) سورہ شعراء ایت ۱۴۳

" اسی لئے تم تقوی اختیار کرو ، خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو "[۱]

کیونکہ میرے مد نظر رضائے الہي، تمہاری خیر و خوبی اور سعادت کے سوا اور کچھ نہیں ۔

بنابریں " اس دعوت کے بدلے میں تم سے کوئي اجرت نہیں مانگتا ۔"[۲]

میں تو کسی اور کے لئے کام کرتا ہوں اور میرا اجر بھی اسی کے پاس ہے "ہاں تو میرا اجر صرف عالمین کے پروردگار کے پاس ہے "[۳]

یہ جناب صالح علیہ السلام کی داستان کا ابتدائي حصہ تھا جو دو جملوں میں بیان کیا گیا ہے ایک دعوت کا پیش کرنا اوردوسرے رسالت کو بیان کرنا ۔

پھر دوسرے حصے میں افراد قوم کی زندگی کے قابل تنقید اور حساس پہلوئوں کی نشاندہی کرتے ہوئے انھیں ضمیر کی عدالت کے کٹہرے میں لاکھڑا کیا جاتا ہے ارشاد ہوتا ہے: "آیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہمیشہ امن وسکون اور نازو نعمت کی زندگی بسر کرتے رہوگے "۔[۴]

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری یہ مادی اور غفلت کی زندگی ہمیشہ کے لئے ہے اور موت ، انتقام اور سزا کا ہاتھ تمہارے گریبانوں تک نہیں پہنچے گا ؟

"کیا تم گمان کرتے ہو کہ یہ باغات اور چشمے میں اور یہ کھیت اور کھجور کے درخت جن کے پھل شیریں وشاداب اور پکے ہوئے ہیں ، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باقی رہیں گے ۔"[۵]

پھر ان پختہ اور خوشحال گھروں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہتے ہیں : "تم پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو اور اس میں عیاشی کرتے ہو ۔"[۶]

جبکہ قوم ثمود شکم کی اسیر اور نازو نعمت بھری خوشحال زندگی سے بہرہ مند تھی ۔

---

(۱)سورہ شعراء ایت ۱۴۵ (۲)سورہ شعراء آیت ۱۴۵ (۳) سورہ شعراء آیت ۱۴۵

(۴)سورہ شعراء آیت ۱۴۵ (۵)سورہ شعراء آیت ۱۴۷تا ۱۴۸

(۶)سورہ شعراء آیت ۱۴۹

فاسداوراسراف کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو

حضرت صالح علیہ السلام اس تنقید کے بعد انھیں متبنہ کرتے ہوئے کہتے ہیں : " حکم خدا کی مخالفت سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ، اور مسرفین کا حکم نہ مانو، وہی جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے_"(۱) "یہ دھیان میں رہے کہ خدانے قوم "عاد" کے بعد تمہیں ان کا جانشین اور خلیفہ قرار دیا ہے اور زمین میں تمہیں جگہ دی ہے "(۲)

یعنی ایک طرف تو تم کو اللہ کی نعمتوں کا خیال رہنا چاہیئے، دوسرے یہ بھی یاد رہے کہ تم سے پہلے جو قوم تھی وہ اپنی سرکشی اور طغیانی کے باعث عذاب الہی سے تباہ وبرباد ہوچکی ہے_

پھر اس کے بعد انہیں عطا کی گئي کچھ نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے ، ارشاد ہوتا ہے:" تم ایک ایسی سرزمین میں زندگی بسر کرتے ہو جس میں ہموار میدان بھی ہیں جن کے اوپر تم عالیشان قصر اور آرام دہ مکانات بناسکتے ہو ، نیز اس میں پہاڑی علاقے بھی ہیں جن کے دامن میں تم مضبوط مکانات تراش سکتے ہو (جو سخت موسم ، اور سردیوں کے زمانے میں) تمہارے کام آسکتے ہیں "_(۳)

اس تعبیر سے یہ پتہ چلتاہے کہ وہ لوگ (قوم عاد)سردی اور گرمی میں اپنی سکونت کی جگہ بدل دیتے تھے فصل بہار اور گرمیوں میں وسیع اورپربرکت میدانوں میں زراعت کرتے تھے اورپرندے اورچوپائے پالنے میں مشغول رہا کرتے تھے اس وجہ سے وہ وہاں خوبصورت اور آرام دہ مکانات بناتے تھے جو انہوں نے پہاڑوں پر تراش کر بنائے تھے اور یہ مکانات انہیں سیلابوں اور طوفانوں سے محفوظ رکھتے تھے یہاں وہ اطمینان سے سردی کے دن گزار دیتے تھے_ آخر میں فرمایا گیا ہے :

" خداوند کریم کی ان سب نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ کرو اور کفران نعمت نہ کرو"_(۴)

---

(۱) سورہ شعراء آیات ۱۵۰ تا ۱۵۲

(۲) سورہ اعراف آیت ۷۴ (۳)سورہ اعراف آیت ۷۴

(۴)سورہ اعراف آیت ۷۴

قوم صالح کی ہٹ دھرمي

آپ حضرات، گمراہ قوم کے سامنے حضرت صالح علیہ السلام کی منطقی اور خیر خواہی پر مبنی گفتگو ملاحظہ فرما چکے ہیں جناب صالح(ع) کے جواب میں اس قوم کی گفتگو بھی سینئے_

انھوں نے کہا:"اے صالح : تم سحرزدہ ہوکر اپنی عقل کھو چکے ہو، لہذا غیر معقول باتیں کرتے ہو "(١)

ان کا یہ عقیدہ تھا کہ بسا اوقات جادو گر لوگ جادو کے ذریعے انسان کی عقل و ہوش کو بیکار بنادیتے ہیں صرف انھوں نے جناب صالح پر ہی یہ تہمت نہیں لگائي بلکہ اور لوگوں نے بھی دوسرے انبیاء پر ایسی تہمتیں لگائي ہیں، حتی کہ خود پیغمبر اسلام (ص) کی ذات تک کو متہم کیا_

جی ہاں ان کے نزدیک عقل مند انسان وہ ہوتا ہے جو ماحول میں ڈھل جائے ابن الوقت بن جائے اور خود تمام برائیوں پر منطبق ہو جائے اگر کوئي انقلابی مرد خدا فاسد عقائد اور غلط نظام کے بطلان کے لئے قیام کرتا تو وہ اپنی اس منطق کی رو سے اسے دیوانہ، مجنون اور سحر زدہ کہتے_

اسی طرح قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے" اس خود پسند طبقے نے اللہ کی وحدانیت کا انکار کیا کہ آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا، حالانکہ ہم نے انہیں دنیا کی بہت سی نعمتوں سے مالا مال کررکھا تھا وہ کہنے لگے کہ یہ تمہاری ہی طرح کا انسان ہے جو تم کھاتے ہو یہ بھی کھاتا ہے_ اور جو تم پیتے ہو یہ بھی پیتا ہے"_(٢)

بے شک وہ اشراف کا خوشحال طبقہ جو قرآن مجید کی اصطلاح میں صرف ظاہربین تھا اور کور باطن تھا وہ اس عظیم پیغمبر کے مشن کو اپنے مفاد کا مخالف ،ناجائز منافع خواری ، استحصال اور بے جابالادستی سے متصادم دیکھ رہا تھا ، یہ طبقہ اپنی پر عیش زندگی کی وجہ سے اللہ سے کوسوں دور چلا گیا تھا اور آخرت کا منکر تھا _

انہوں نے اللہ کے نمائندوں کے انسان ہونے اور دیگر انسانوں کی طرح کھانے پینے کو ان کی رسالت کی نفی کی دلیل قراردیا حالانکہ یہ بات ان مایہ ناز شخصیتوں کی نبوت ورسالت کی پرزور تائید تھی کہ وہ

---

(١)سورہ شعراء آیت ۵۳

(٢)سورہ مومنون آیت ٣٣

عام لوگوں میں سے ہوں تاکہ انسان کی ضروریات اور مسائل سے اچھی طرح آگاہ ہوں ،مزید برآں وہ ایک دوسرے سے کہتے تھے:"اگر تم اپنے ہی جیسے آدمی کے مطیع بنوگے تو یہ بڑی نقصان دہ بات ہوگی "_[1]

یہ کور باطن اتنا نہیں سمجھتے تھے کہ خود تو یہ توقع کررہے ہیں کہ لوگ ان کے شیطانی عزائم کی تکمیل اور پیغمبر سے مقابلے کے لئے ان کی پیروی کریں ،مگر اس شخصیت کی اطاعت وپیروی کو جومرکز وحی سے وابستہ ہے اور جس کا دل نور علم پروردگار عالمین سے منور ہے انسان کے لئے ذلت ،ننگ وعار اور حریت کے منافی بتارہے تھے _

کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے

اس کے بعد انھوں نے معاد اور قیامت کا انکار کیا ، جس کو ماننا ہمیشہ سے خود سر اور ہوا و ہوس کے رہبروں کے لئے مشکل رہا ہے اور کہا :

"کیا یہ شخص تم سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ مرنے کے بعد مٹّی اور بوسیدہ ہڈی ہوجانے کے بعد تم ایک بار پھر قبروں سے نکلوگے اور ایک نئي زندگی پائوگے _"(یہ بہت دور اور بہت دور کی بات ہے وہ وعدے جو تم سے کئے گئے ہیں وہ، بالکل بے بنیاد اور کھوکھلے ہیں)[2]

مجموعی طورپر کیا یہ ممکن ہے کہ ایک آدمی جو مرگیا ہو ، مٹّی کے ساتھ مٹّی ہوگیا ہو ، اس کے اجزاء ادھر ادھر بکھر گئے ہوں ، وہ دوبارہ زندہ ہوسکتا ہے ؟ نہیں یہ محال ہے ، یہ محال بات ہے _

آخر میں اپنے نبی پر ایک مجموعی الزام لگاتے ہوئے انہوں نے کہا یہ ایک جھوٹا شخص ہے ، جس نے اللہ پر بہتان باندھا ہے اور ہم اس پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے"[3]

نہ اس کی رسالت اللہ کی طرف سے ہے نہ قیامت سے متعلق اس کے وعدے سچے ہیں اور نہ ہی دوسرے احکام ایسے ہیں ، کوئي عقلمند آدمی اس پر کیسے ایمان لاسکتا ہے _

---

(۱) سورہ مومنون آیت ۳۴

(۲) سورہ مومنون ۳۵ تا ۳۶

(۳) سورہ مومنون آیت ۳۷

اے صالح(ع) ہم تم پر امید رکھتے تھے

انہوں نے حضرت صالح کو غیر موثربنانے کے لئے یا کم ازکم ان کی باتوں کو بے تاثیر کرنے کے لئے ایک نفسیاتی حربہ استعمال کیا وہ آپ کو دھوکا دینا چاہتے تھے ،کہنے لگے :"اے صالح اس سے پہلے تو ہماری امیدوں کا سرمایہ تھا_"(۱)

مشکلات میں ہم تیری پناہ لیتے تھے، تجھ سے مشورہ کرتے تھے، تیرے عقل وشعور پر ایمان رکھتے تھے، اور تیری خیر خواہی اور ہمدردی میں ہمیں ہرگز کوئی شک نہ تھا_

لیکن افسوس کہ تم نے ہماری امیدوں پر پانی پھیردیا ،دین بت پرستی کی اور ہمارے خدائوں کی مخالفت کرکے کہ جو ہمارے بزرگوں کا رسم ورواج تھا اور ہماری قوم کے افتخارات میں سے تھا تونے ظاہر کردیا کہ تو بزرگوں کے احترام کا قائل نہیں ہے نہ ہماری عقل پر تمہیں کوئي اعتماد ہے اور نہ ہی تو ہمارے طور طریقوں کا حامی ہے_"کیا سچ مچ تو ہمیں ان کی پرستش سے روک دینا چاہتا ہے جن کی عبادت ہمارے آبائو اجدا کیا کرتے تھے_"(۲)

تم کتنے نحس قدم ہو

بہرحال اس سرکش قوم نے اس عظیم پیغمبر کی ہمدردانہ نصیحتوں کو دل کے کانوں سے سننے اور ان پر عمل درآمد کرنے کی بجائے واہیات اور بے کار باتوں کے ذریعے ان کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لي، منجملہ اور باتوں کے انھوں نے کہا:"ہم تمھیں اور جو لوگ تمہارے ساتھ ہیں سب کو ایک بری فال سمجھتے ہیں"_(۳)

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ سال خشک سالی اور قحط سالی کا تھا اسی لئے وہ صالح علیہ السلام سے کہنے لگے:"کہ یہ سب کچھ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے نامبارک قدموں کی بدولت ہوا ہے"_تم منحوس لوگ

---

(۱)سورہ ہودآیت ۶۲

(۲) سورہ ہودآیت ۶۲

(۳) سورہ نمل آیت ۴۷

ہو، ہمارے معاشرے میں تم ہی بد بختی اور نحوست لائے ہو، وہ بری فال کو اس بہانے سے جو در حقیقت بے کار اور شریر لوگوں کا بہانہ ہوتا ہے، جناب صالح علیہ السلام کے بہترین دلائل کو کمزور کرنا چاہتے تھے۔

لیکن جناب صال(ع) ح نے جواب میں کہا: "بری فال (اور تمہارا نصیب) تو خدا کے پاس ہی ہے"۔[1]

اسی نے تمہارے اعمال کی وجہ سے تمہیں ان مصائب میں ڈال دیا ہے اور تمہارے اعمال ہی تمہاری اس سزا کا سبب بنے ہیں۔

در حقیقت تمہارے لئے یہ خدا کی ایک عظیم آزمائش ہے جی ہاں: "تم ہی ایسے لوگ ہو جن کی آزمائش کی جائے گی"۔[2]

یہ خدا کی آزمائش ہوتی ہے اور خبردار کرنے والی چیزیں ہوتی ہیں تاکہ جو لوگ سنبھل جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ سنبھل جائیں، خواب غفلت سے بیدار ہوجائیں، غلط راستے کو چھوڑکر خدائی راستے کو اختیار کرلیں۔

ناقہ صالح(ع)

اس کے بعد آپ نے اپنی دعوت کی حقانیت کے لئے معجزے اور نشانی کی نشاندہی کی، ایسی نشانی جو انسانی قدرت سے ماورا ہے اور صرف قدرت الہی کے سہارے پیش کی گئي ہے ان سے کہا: "اے میری قوم: یہ ناقہ الہی تمہارے لئے آیت اور نشانی ہے "اسے چھوڑدو کہ یہ بیابانوں چراگاہوں میں گھاس پھوس کھائے"، "اور اسے ہرگز کوئی تکلیف نہ پہنچانا اگر ایسا کروگے تو فورا تمہیں دردناک عذاب الہی گھیرلے گا"۔[3]

لغت میں "ناقۃ" اونٹنی کے معنی میں ہے۔یہاں قرآن اور میں یہاں اور قران کی بعض دیگر آیات میں اس کی اضافت خدا کی طرف سے کی گئي ہے یہ امر نشاندہی کرتا ہے کہ یہ اونٹنی کچھ خصوصیات رکھتی تھي

---

(۱) سورہ نمل آیت ۴۷

(۲) سورہ نمل آیت ۴۷

(۳) سورہ ہود ایت ۶۴

اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہاں پر اس کا ذکر آیت الٰہی اور دلیل حقانیت کے طور پر آیا ہے، واضح ہوجاتا ہے کہ یہ اونٹنی ایک عام اونٹنی نہ تھی اور ایک حوالے سے یا کئي حوالوں سے معجزہ کے طور پر تھی لیکن قرآن میں یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ نہیں آیا کہ اس ناقہ کی خصوصیات کیا تھیں اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئي عام اونٹنی نہ تھی ۔ بس یہی ایک چیز قرآن میں دو مواقع پر موجود ہے کہ حضرت صالح (ع) نے اس ناقہ کے بارے میں اپنی قوم کو بتایا کہ اس علاقے میں پانی کی تقسیم ہونا چاہئے ایک دن پانی ناقہ کا حصہ ہے اور ایک دن لوگوں کا"۔(۱)

لیکن یہ بات پوری طرح مشخص نہیں ہوسکی کہ پانی کی یہ تقسیم کس طرح خارق العادت تھی ایک احتمال یہ ہے کہ وہ اوٹنی بہت زیادہ پانی پیتی تھی اس طرح چشمہ کا تمام پانی اس کے لئے مخصوص ہوجاتا دوسرا احتمال یہ ہے کہ جس وقت وہ پانی پینے کے لئے آتی تو دوسرے جانور پانی پینے کی جگہ پر آنے کی جرات نہ کرتے ۔

ایک سوال یہ ہے کہ یہ جانور تمام پانی سے کس طرح استفادہ کرتا تھا اس سلسلے میں یہ احتمال ہے کہ اس بستی کا پانی کم مقدار میں ہو جیسے بعض بستیوں میں ایک ہی چھوٹا سا چشمہ ہوتا ہے اور بستی والے مجبور ہوتے ہیں کہ دن بھر کا پانی ایک گڑھے میں اکٹھا کریں تاکہ کچھ مقدار جمع ہوجائے اور اسے استعمال کیا جاسکے ۔

لیکن دوسری طرف قران کی بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ" قوم ثمود تھوڑے پانی والے علاقے میں زندگی بسر نہیں کرتی تھی بلکہ وہ لوگ تو باغوں، چشموں، کھیتوں اور نخلستان کے مالک تھے"۔(۲)

بہرحال جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ ناقہ صالح کے بارے میں اس مسئلہ پر قرآن نے اجمالا ذکر کیا

---

(۱) (هذه ناقة لها شرب ولكم شرب يوم معلوم) (سورہء شعراء آیت ۱۵۵) نیز سورہ قمر کی آیت ۲۸ میں ہے: (ونبئهم ان الماء قسمة بينهم كل شرب محتضر ۔) سورہ شمس میں بھی اس امر کی طرف اشارہ موجود ہے: (فقال لهم رسول الله ناقة الله وسقياها ۔) (سورہ شمس آیت ۱۳)

(۲) سورہ شعراء آیت ۱۴۶ تا ۱۴۸

ہے لیکن بعض روایات جو شیعہ اور سنی دونوں فریقوں کے یہاں نقل ہوئي ہیں ان میں بیان ہوا ہے کہ اس ناقہ کے عجائب خلقت میں سے یہ تھا کہ وہ پہاڑ کے اندر سے باہر نکلي اس کے بارے میں کچھ اور خصوصیات بھی منقول ہیں ـ

بہر کیف حضرت صالح جیسے عظیم نبی نے اس ناقہ کے بارے میں بہت سمجھایا بجھایا مگر انہوں نے آخرکار ناقہ کو ختم کردینے کا مصمم ارادہ کرلیا کیونکہ اس کی خارق عادت اور غیر معمولی خصوصیات کی وجہ سے لوگوں میں بیداری پیدا ہورہی تھی اور وہ حضرت صالح کی طرف مائل ہورہے تھے لہذا قوم ثمود کے کچھ سرکشوں نے جو حضرت صالح کی دعوت کے اثرات کو اپنے مفادات کے خلاف سمجھتے تھے اور وہ ہرگز لوگوں کی بیداری نہیں چاہتے تھے کیونکہ خلق خدا کی بیداری سے ان کے استعماری مفادات کو نقصان پہنچتا، لہذا انھوں نے ناقہ کو ختم کرنے کی سازش تیار کی کچھ افراد کو اس کام پر مامور کیا گیا آخرکار ان میں سے ایک نے ناقہ پر حملہ کیا اور اس پر ایک یا کئي وار کئے " اور اسے مار ڈالا"ـ (۱)

اگر تم سچے ہو تو عذاب میں جلدی کرو

انہوں نے صرف اسی پر اکتفانہ کی بلکہ اس کے بعد وہ حضرت " صالح " کے پاس آئے اور اعلانیہ ان سے کہنے لگے :

"اگر تم واقعاً خدا کے رسول ہو تو جتنی جلد ہوسکے عذاب الہی لے آئو "ـ (۲)

لیکن صالح علیہ السلام نے کہا : اے میری قوم : تم نیکیوں کی کوشش اور ان کی تلاش سے پہلے ہی عذاب اور برائیوں کے لئے جلدی کیوں کرتے ہو ؟ "(۳)

تم اپنی تمام ترفکر عذاب الہی کے نازل ہونے پر ہی کیوں مرکوز کرتے ہو ؟ اگر تم پر عذاب نازل ہوگیا تو پھر تمہارا خاتمہ ہوجائے گا اور ایمان لانے کا موقع بھی ہاتھ سے چلاجائے گا ـ آئو اور خدا کی برکت اور اس کی رحمت کے ساتھ ایمان کے زیر سایہ میری سچائي کو آزمائو تم خدا کی بارگاہ سے اپنے گناہوں کی بخشش کا

---

(۱) سورہ اعراف آیت ۷۷

(۲)سورہ اعراف آیت ۷۷

(۳)سورہ نمل آیت ۴۶

سوال کیوں نہیں کرتے ہو؟ تاکہ اس کی رحمت میں شامل ہوجاتو صرف برائیوں اور عذاب نازل ہونے کا تقاضا کیوں کرتے ہو؟ یہ ہٹ دھرمی اور پاگل پن کی باتیں آخر کس لئے ؟ یہ بات واقعاً عجیب ہے کہ انسان دعوائے محبت کی صداقت کو تباہ کن عذاب کے ذریعہ جانچ رہا ہے نہ کہ رحمت کا سوال کرکے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ قلبی طور پر انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت کے معترف تھے لیکن زبان سے اس کا انکار کیا کرتے تھے _

اس کی مثال یوں ہے کہ جیسے کوئی شخص علم طب کا مدعی ہو اور اسے معلوم ہو کہ فلاں دوا سے صحت اور شفا حاصل ہوتی ہے اور فلاں چیز سے انسان کی موت واقع ہوجاتی ہے لیکن وہ ایسی دوا حاصل کرنے کی کوشش کرے جو مہلک ہے نہ کہ جو مفید اور شفاء بخش _ یہ تو واقعاً جہالت و نادانی کی حد ہے، کیونکہ یہ سب جہالت ہی کا نتیجہ ہے_

حضرت صالح (ع) نے قوم کی سرکشي، نافرمانی اور اس کے ہاتھوں قتل ناقہ کے بعد اسے خطرے سے آگاہ کیا اور کہا:

"پورے تین دن تک اپنے گھروں میں جس نعمت سے چاہو استفادہ کرو اور جان لو کہ ان تین دنوں کے بعد عذاب الہی آکے رہے گا "_[(۱)]

قوم ثمود کا انجام

قرآن کریم میں اس سرکش قوم (قوم ثمود) پر تین دن کی مدت ختم ہونے پر نزول عذاب کی کیفیت بیان کی گئي ہے ":اس گروہ پر عذاب کے بارے میں جب ہمارا حکم آپہنچا تو صالح اور اس پر ایمان لانے والوں کو ہم نے اپنی رحمت کے زیر سایہ نجات بخشی "_[(۲)]

انہیں نہ صرف جسمانی ومادی عذاب سے نجات بخشی بلکہ "رسوائي، خواری اور بے آبروئي سے بھی انہیں نجات عطا کی کہ جو اس روز اس سرکش قوم کو دامنگیر تھی "_[(۳)]

---

(۱) سورہ ہود آیت ۶۵

(۲) سورہ ہود آیت ۶۶

(۳)سورہ ہود آیت ۶۶

کیونکہ تمہارا پروردگار ہر چیز پر قادر اور ہر کام پر تسلط رکھتا ہے اس کے لئے کچھ محال نہیں ہے اور اس کے ارادے کے سامنے کوئي طاقت کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتي،"لہذا اکثر جمعیت کے عذاب الہی میں بتلا ہونے سے صاحب ایمان گروہ کو کسی قسم کی کوئي مشکل اور زحمت پیش نہیں ہوگی یہ رحمت الہی ہے جس کا تقاضا ہے کہ بے گناہ، گنہگاروں کی آگ میں نہ جلیں اور بے ایمان افراد کی وجہ سے مومنین گرفتار بلانہ ہوں_"لیکن ظالموں کو صیحہ آسمانی نے گھیر لیا اس طرح سے کہ یہ چیخ نہایت سخت اور وحشت ناک تھی اس کے اثر سے وہ سب کے سب گھروں ہی میں زمین پر گر کر مر گئے، وہ اس طرح مرے اور نابود ہوئے اور ان کے آثار مٹ گئے کہ گویا وہ اس سرزمین میں کبھی رہتے ہی نہ تھے"_(۱) جان لوکہ قوم ثمود نے اپنے پروردگار سے کفر کیا تھا اور انہوں نے احکام الہی کو پس پشت ڈال دیا تھا_"دور ہو قوم ثمود، اللہ کے لطف و رحمت سے اور ان پر لعنت ہو"_(۲)

"صیحۃ" سے کیا مراد ہے؟

"صیحۃ"لغت میں "بہت بلند آواز" کو کہتے ہیں جو عام طور پر کسی انسان یا جانور کے منہ سے نکلتی ہے لیکن اس کا مفہوم اسی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر قسم کی "نہایت بلند آواز"اس کے مفہوم میں شامل ہے_

آیات قرآنی کے مطابق صیحہ آسمانی کے ذریعہ چند ایک گنہگار قوموں کو سزا دی گئي ہے ان میں سے ایک یہی قوم ثمود تھي، دوسری قوم لوط،(۳)اور تیسری قوم شعیب_(۴)

قرآن کی دوسری آیات سے قوم ثمود کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ اسے صاعقہ کے ذریعہ سزا ہوئي ارشاد الہی ہے:

"اگر وہ منھ پھیر لیں تو پھر کہہ دو کہ میں ایسی بجلی سے ڈراتا ہوں جیسی عاد و ثمود پر گری"_(۵)

---

(۱) سورہ ہود ایت ۶۷_۶۸

(۲)سورہ ہود آیت ۸۶

(۳)سورہ حجر آیت ۷۳

(۴)سورہ ہودآیت ۹۴

(۵)سورہ فصلت آیت ۱۳

یہ چیز نشاندہی کرتی ہے کہ "صیحہ" سے مراد "صاعقہ" کی وحشتناک آواز ہے_(۱)

آیات قرآنی کے مطابق اس دنیا کا اختتام بھی ایک عمومی صیحہ کے ذریعے ہوگا_

حضرت صالح(ع) کے ساتھ نجات پانے والے افراد

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت صالح علیہ السلام کے دوستوں کی تعداد چار ہزار تھي_جوآپ کے ساتھ عذاب سے بچ گئے تھے اور حکم پروردگار کے مطابق فساد و گناہ سے لبریز اس علاقہ سے کوچ کرکے "حضر موت" جاپہنچے تھے_

وادی القری میں نو ۹ مفسدٹولوں کی سازش

یہاں پر حضرت صالح اور ان کی قوم کی داستان کا ایک اور حصہ بیان کیا گیا ہے جو در حقیقت گزشتہ حصے کا تتمہ ہے اور اسی پر اس داستان کا اختتام ہوتا ہے_اس میں حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کے منصوبے کا ذکر ہے جو نوکافر اورمنافق لوگوں نے تیار کیا تھا اور خدا نے ان کے اس منصوبے کو ناکام بنادیا_

---

(۱)سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا صاعقہ کی وحشت ناک آواز کسی جمعیت کو نابود کرسکتی ہے ؟ اس کا جواب مسلماً مثبت ہے_کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ آواز کی لہریں جب ایک معین حدسے گزرجائیں تو وہ شیشے کو توڑدیتی ہیں یہاں تک کہ بعض عمارتوں کو تباہ کردیتی ہیں اورانسانی بدن کے لئے اندر کے آرگانزم کو بیکار کردیتی ہیں_

ہم نے سنا ہے کہ جب ہوائي جہاز صوتی دیوارتوڑدیتے ہیں (اور آواز کی لہروں سے تیز رفتار سے چلتے ہیں)تو کچھ لوگ بے ہوش ہوکر گرجاتے ہیں یا عورتوں کے حمل ساقط ہوجاتے ہیں یا ان علاقوں میں موجود عمارتوں کے تمام شیشے ٹوٹ جاتے ہیں_

فطري اور طبیعی ہے کہ اگر آواز کی لہروں کی شدت اس سے بھی زیادہ ہوجائے تو آسانی سے ممکن ہے کہ اعصاب میں ،دماغ کی رگوں میں اور دل کی دھڑکن میں تباہ کن اختلال پیدا ہوجائے جو انسانوں کی موت کا سبب بن جائے_آیات قرآنی کے مطابق اس دنیا کا اختتام میں تباہ کن اختلال پیدا ہوجائے جو انسانوں کی موت کا سبب بن جائے گا_

فرمایا گیا ہے :"اس شہر (وادی القری) میں نوٹولے تھے جو زمین میں فساد برپا کرتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے "_(۱)

ان نومیں سے ہر گروہ کا ایک ایک سربراہ بھی تھا اور شایدان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی قبیلے کی طرف منسوب بھی تھا_ ظاہر ہے کہ جب صالح علیہ السلام نے ظہور فرمایا اور اپنا مقدس اور اصلاحی آئین لوگوں کے سامنے پیش کیا تو ان ٹولوں پر عرصہ حیات تنگ ہونے لگایہی وجہ ہے کہ قرآن کے مطابق انھوں نے کہا :"آئو خدا کی قسم اٹھا کر عہد کریں کہ صالح(ع) اور ان کے خاندان پر شب خون مارکر انھیں قتل کردیں گے پھر ان کے خون کے وارث سے کہیں گے کہ ہمیں اس کے خاندان کے قتل کی کوئي خبر نہیں اور اپنی اس بات میں ہم بالکل سچے ہیں_ "(۲)
پھر لائق غور بات یہ ہے کہ انھوں نے قسم بھی "اللہ "کی کھائي تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بتوں کو پوجنے کے علاوہ زمین وآسمان کے خالق اللہ پر بھی عقیدہ رکھتے تھے اور اپنے اہم مسائل میں اسی کے نام کی قسم کھاتے تھے یہ بھی واضح ہوتاہے کہ وہ اتنے مغرور اور بدمست ہوچکے تھے کہ اس قدر ہولناک جرم کے ارتکاب کے لئے بھی انھوں نے خدا ہی کا نام لیا گویاوہ کوئي اہم عبادت یا کوئي ایسا کام انجام دینے لگے ہوں جو اللہ کو بہت منظور ہے خدا سے بے خبر مغروراور گمراہ لوگوں کا وطیرہ ایساہی ہوا کرتا ہے_
وہ صالح(ع) علیہ السلام کے ہمنوائوں اور ان کے قوم وقبیلہ سے خوف کھاتے تھے لہذا انھوں نے ایسا منصوبہ بنایا کہ جس سے وہ اپنے مقصد میں بھی کامیاب ہوجائیں اور صالح(ع) کے طرفداروں کے غیظ و غضب کابھی شکار نہ ہوں_ گویا وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے تھے بنابر این انھوں نے رات کے وقت حملہ کی ترکیب سوچی اور طے کرلیا کہ جب بھی کوئي شخص ان سے پوچھ گچھ کرے گا تو سب متفق ہوکر قسم اٹھائیں گے کہ اس منصوبے میں ان کا کوئي عمل دخل نہیں تھایہاں تک کہ وہ اس وقت موجود بھی نہیں تھے_ (کیونکہ ان کی

---

(۱) سورہ نمل آیت ۴۸

(۲)سورہ نمل آیت ۴۹

صالح(ع) کے ساتھ مخالفت پہلے سے دنیا کو معلوم تھی)_

تاریخوں میں ہے کہ ان کی سازش کچھ یوں تھی کہ شہر کے اطراف میں ایک پہاڑ تھا اور پہاڑمیں ایک غار تھی جس میں جناب صالح علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے اور کبھی کبھار وہ رات کو بھی اسی غار میں جاکر اپنے پروردگار کی عبادت کرتے تھے اور اس سے رازونیاز کیا کرتے تھے_

انھوں نے طے کرلیا کہ وہاں کمین لگا کر بیٹھ جائیں گے جب بھی صالح وہاں آئیں گے انھیں قتل کردیں گے_ ان کی شہادت کے بعد ان کے اہل خانہ پر حملہ کرکے انھیں بھی راتوں رات موت کے گھاٹ اتاردیں گے پھر اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں گے اگر ان سے اس بارے میں کسی نے پوچھ بھی لیا تو اس سے لاعلمی کا اظہار کردیں گے_

یہ خالی گھران کے ہیں؟

لیکن خداوندعالم نے ان کی اس سازش کو عجیب وغریب طریقے سے ناکام بنادیا اور ان کے اس منصوبے کو نقش برآب کردیا_

جب وہ ایک کونے میں گھات لگائے بیٹھے تھے تو پہاڑ سے پتھر گرنے لگے اور ایک بہت بڑا ٹکڑا پہاڑکی چوٹی سے گرا اور آن کی آن میں اس نے ان سب کا صفایا کردیا_

پھر قرآن پاک ان کی ہلاکت کی کیفیت اور ان کے انجام کویوں بیان کرتا ہے:"دیکھو یہ ان لوگوں ہی کے گھرہیں کہ جو اب ان کے ظلم و ستم کی وجہ سے ویران پڑے ہیں"_(۱)

نہ وہاں سے کوئي آوازسنائي دیتی ہے_

نہ کسی قسم کا شور شرابہ سننے میں آتا ہے_

اور نہ ہی وہ زرق برق گناہ بھری محفلیں دکھائي دیتی ہیں_

---

(۱)سورہ نمل آیت ۵۲

جی ہاں: وہاں پر ظلم و ستم کی آگ بھڑکی جس نے سب کو جلاکر راکھ کردیا _

ظالموں کے اس انجام میں خداوندعالم کی قدرت کی واضح نشانی اوردرس عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو علم وآگہی رکھتے ہیں "_[1]

لیکن اس بھٹی میں سب خشک وترنہیں جلے بلکہ بے گناہ افراد، گناہگاروں کی آگ میں جلنے سے بچ گئے ہم نے ان لوگوں کو بچالیا جو ایمان لاچکے تھے اورتقوی اختیار کرچکے تھے_

بنابریں حضرت صالح کے قتل کی سازش کے بعد ہی عذاب نازل نہیں ہوا بلکہ قوی احتمال یہ ہے کہ خدا کے اس پیغمبر کے قتل کی سازش کے واقعے میں فقط سازشی ٹولے ہلاک ہوئے اوردوسرے ظالموں کو سنبھل جانے کے لئے مہلت دی گئي ، لیکن ناقہ کے قتل کے بعد تمام ظالم اور بے ایمان گناہگار فنا ہوگئے جیسا کہ سورہ ہود اور سورہ اعراف کی آیات کے ملانے سے یہی نکلتا ہے _

---

(۱) سورہ نمل آیت ۵۲

حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق (علیہم السلام)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں ٦٩/ مقامات پر آیا ہے اور ٦٥/ سورتوں میں ان کے متعلق گفتگو ہوئی ہے، قرآن کریم میں اس عظیم پیغمبر کی بہت مدح وثناء کی گئي ہے۔ اور ان کے بلند صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان کی ذات ہر لحاظ سے راہنما اور اسوہ ہے اور وہ ایک کامل انسان کا نمونہ تھے۔

خدا کے بارے میں ان کی معرفت، بت پرستوں کے بارے میں ان کی منطق، جابر و قاہر بادشاہوں کے سامنے ان کا انتھک جہاد، حکم خدا کے سامنے ان کا ایثار اور قربانیاں، طوفان، حوادث اور سخت آزمائش وں میں ان کی بے نظیر استقامت، صبر اور حوصلے اور ان جیسے دیگر امور، ان میں سے ہر ایک مفصل داستان ہے اور ان میں مسلمانوں کے لئے نمونہ عمل ہے۔ قرآنی ارشادات کے مطابق وہ ایک نیک اور صالح،(۱) فروتنی کرنے والے، (۲) صدیق، (۳) بردبار، (۴) اور ایفائے عہد کرنے والے تھے۔ (۵) وہ ایک بے مثال شجاع اور بہادر تھے۔ نیز بہت زیادہ سخی تھے۔

---

(۱) سورہ ص آیت ۴۴

(۲) سورہ نحل آیت ۱۲۲

(۳) سورہ نحل آیت ۱۲۰

(۴) سورہ مریم آیت ۴۱

(۵) سورہ توبہ آیت ۱۱۴

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پر تلاطم زندگي

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے تین دور میں بیان کیا جاسکتا ہے:

۱_قبل بعثت کا دور_

۲_دور نبوت اور بابل کے بت پرستوں سے مقابلہ_

۳_بابل سے ہجرت اور مصر، فلسطین اور مکہ میں سعی و کوشش کا دور_

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش

حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل میں پیدا ہوئے_ یہ دنیا کا حیرت انگیز اور عمدہ خطہ تھا_ اس پر ایک ظالم و جابر اور طاقتور حکومت مسلط تھي_[۱]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنکھ کھولی تو بابل پر نمرود جیسا جابر و ظالم بادشاہ حکمراں تھا_ وہ اپنے آپ کو بابل کا بڑا خدا سمجھتا تھا_ البتہ بابل کے لوگوں کے لئے یہی ایک بت نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کے یہاں مختلف مواد کے بنے ہوئے مختلف شکلوں کے کئي ایک بت تھے_ وہ ان کے سامنے جھکتے اور ان کے عبادت کیا کرتے تھے_

حکومت وقت سادہ لوح افراد کو بیوقوف بنانے اور انہیں افیون زدہ رکھنے کے لئے بت پرستی کو ایک موثر ذریعہ سمجھتی تھی لہذا وہ بت پرستی کی سخت حامی تھي_ وہ کسی بھی بت کی اہانت کو بہت بڑا نا قابل معافی جرم قرار دیتی تھي_

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت کے سلسلے میں مورخین نے عجیب و غریب داستان نقل کی ہے جس کا خلاصہ یوں پیش کیا جاتا ہے:

---

(۱) بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ (ع) ملك بابل کے شہر آور میں پیدا ہوئے

بابل کے نجومیوں نے پیشن گوئي کی تھی کہ ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو نمرود کی غیر متنازعہ طاقت سے مقابلہ کرے گا_ لہذا اس نے اپنی تمام قوتیں اس بات پر صرف کردیں کہ وہ بچہ پیدا نہ ہو_ اس کی کوشش تھی کہ ایسا بچہ پیدا ہو بھی جائے تو اسے قتل کردیا جائے_ لیکن اس کی کوئي تدبیر کارگر نہ ہوئي اور یہ بچہ آخر کار پیدا ہوگیا اس بچے کی جائے ولادت کے قریب ہی ایک غار تھی_ اس کی ماں اس کی حفاظت کے لئے اسے اس میں لے گئي اور اسکی پرورش ہونے لگي_ یہاں تک کہ اس کی عمر کے تیرہ برس وہیں گزر گئے_

اب بچہ نمرود کے جاسوسوں سے بچ بچ کر نوجوانی میں قدم رکھ چکا تھا_ اس نے ارادہ کیا کہ اس عالم تنہائي کو چھوڑدیا جائے اور لوگوں تک وہ درس توحید پہنچائے جو اس نے باطنی الہام اور فکری مطالعے سے حاصل کیا تھا_

دور نبوت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کب مبعوث نبوت ہوئے، اس سلسلے میں ہمارے پاس کوئي واضح دلیل موجود نہیں ہے_ البتہ سورہ مریم سے بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ(ع) نے اپنے چچا آزر سے بحث چھیڑی تو آپ (ع) مقام نبوت پر فائز ہوچکے تھے_ آیت کہتی ہے کہ:"اس کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کو یاد کرو، وہ خدا کا بہت ہی سچا نبی تھا_ جب اس نے اپنے باپ(چچا) سے کہا:"اے بابا تو ایسی چیز کی کیوں عبادت کرتا ہے کہ جو نہ سنتی ہے اور نہ ہی دیکھتی ہے اور تیری کوئي مشکل بھی حل نہیں کرتي"_ [1]

ہم جانتے ہیں کہ یہ واقعہ بت پرستوں کے ساتھ شدید معرکہ آرائي اور آپ کو آگ میں ڈالے جانے سے پہلے کا ہے_ بعض م ورخین نے لکھا ہے کہ آگ میں ڈالے جانے کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۱۶/ سال تھي_ ہم اس کے ساتھ یہ اضافہ کرتے ہیں کہ یہ عظیم کار رسالت آغاز نوجوانی میں آپ(ع) کے دوش پر آن پڑا تھا_

---

(۱)سورہ مریم آیت ۴۱/۴۲

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پانچ برجستہ صفات

قرآن مجید میں خدا کی شکر گزاری ایک کامل مصداق یعنی مکتب توحید کے مجاہد اور علمبردار حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے ان کا ذکر اس لحاظ سے بھی خصوصیت کا حامل ہے کہ مسلمان بالعموم اور عرب بالخصوص حضرت ابراہیم کو اپنا پہلا پیشوا اور مقتداء سمجھتے ہیں ـ

اس عظیم اور بہادر انسان کی صفات میں سے یہاں صرف پانچ صفات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے :

پہلے فرمایا گیا ہے :" ابراہیم اپنی ذات میں ایک امت تھے"ـ[1]

اس سلسلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو"امت "کیوں قرار دیا گیا ، مفسرین نے مختلف نکات بیان کیے ہیں ان میں سے چار قابل ملاحظہ ہیں :

۱ـ ابراہیم علیہ السلام انسانیت کے عظیم رہبر، مقتداء اور معلم تھے اسی بناء پر انھیں امت کہا گیا ہے کیونکہ " امت " اسم مفعول کے معنی میں اسے کہا جاتا ہے جس کی لوگ اقتداء کریں اور جس کی رہبری لوگ قبول کریں ـ

۲ـ ابراہیم علیہ السلام ایسی شخصیت کے مالک تھے کہ اپنی ذات میں ایک امت تھےـ کیونکہ بعض اوقات کسی انسان کی شخصیت کا نور اتنی وسیع شعاعوں کا حامل ہوتا ہے کہ اس کی حیثیت ایک دو یا بہت سے افراد سے زیادہ ہوجاتی ہے اور اس کی شخصیت ایک عظیم امت کے برابر ہوجاتی ہے ـ

ان دونوں معانی میں ایک خاص روحانی تعلق ہے کیونکہ جو شخص کسی ملت کا سچا پیشوا ہوتا ہے وہ ان سب کے اعمال میں شریک اور حصہ دار ہوتا ہے اور گویا وہ خود امت ہوتا ہے ـ

۳ـ وہ ماحول کہ جس میں کوئی خدا پرست نہ تھا اور جس میں سب لوگ شرک وبت پرستی کے جوہڑ میں غوطہ زن تھے ـ اس میں ابراہیم علیہ السلام تن تنہا موحد اور توحید پرست تھے پس آپ تنہا ایک امت

---

(۱)سورہ نحل آیت ۱۲۰

تھے اور اس دور کے مشرکین ایک الگ امت تھے_

۴_ ابراہیم علیہ السلام ایک امت کے وجودکا سرچشمہ تھے اسی لئے آپ کو "امت" کہا گیا ہے_ اس میں کوئی اشکال نہیں کہ یہ چھوٹا سا لفظ اپنے دامن میں یہ تمام وسیع معانی لئے ہوئے ہو_

جی ہاں، ابراہیم ایک امت تھے_

__وہ ایک عظیم پیشوا تھے_

__وہ ایک امت ساز جوانمرد تھے_

__جس ماحول میں کوئي توحید کا دم بھرنے والا نہ تھا وہ توحید کے عظیم علمبردار تھے_

۲_ ان کی دوسری صفت یہ تھی کہ" وہ اللہ کے مطیع بندے تھے "_ (۱)

۳_"وہ ہمیشہ اللہ کے سیدھے راستے اور طریق حق پر چلتے تھے"_ (۲)

۴_" وہ کبھی بھی مشرکین میں سے نہ تھے"_ (۳)

ان کے فکر کے ہر پہلو میں، ان کے دل کے ہر گوشے میں اور ان کی زندگی کے ہر طرف اللہ ہی کا نور جلوہ گر تھا_

۵_ان تمام خصوصیات کے علاوہ "وہ ایسے جواں مرد تھے کہ اللہ کی سب نعمتوں پر شکر گزار تھے"_ (۴)

ان پانچ صفات کو بیان کرنے کے بعد ان کے اہم نتائج بیان کیے گئے ہیں:

۱_" اللہ نے ابراہیم کو نبوت اور دعوت کی تبلغ کے لئے منتخب کیا "_ (۵)

۲_" اللہ نے انھیں راہ است کی ہدایت کي"_ (۶)

---

(۱)سورہ نمل آیت ۱۲۰

(۲)سورہ نمل آیت ۱۲۰

(۳)سورہ نمل آیت ۱۲۰

(۴)سورہ نمل آیت ۱۲۱

(۵)سورہ نمل آیت ۱۲۱

(۶) سورہ آیت ۱۲۱

اور انھیں ہر قسم کی لغزش اور انحراف سے بچایا_

ہم نے بارہا کہا ہے کہ خدائي ہدایت ہمیشہ لیاقت واہلیت کی بنیاد پر ہوتی ہے کہ جس کا مظاہرہ خود انسان کی طرف سے ہوتا ہے اس کی طرف سے کسی کو کوئي چیز استعداد اور کسی حساب کتاب کے بغیر نہیں دی جاتی حضرت ابراہیم کو بھی اسی بنیاد پر یہ ہدایت نصیب ہوئي_

۳_ "ہم نے دنیا میں انھیں "حسنہ" سے نوازا"_ وسیع معنی کے اعتبار سے "حسنہ" میں ہر قسم کی نیکی اور اچھائي کا مفہوم موجود ہے اس میں مقام نبوت رسالت سے لے کر اچھی اولادوغیرہ تک کا مفہوم موجود ہے_

۴_ اور آخرت میں وہ صالحین میں سے ہوں گے"_[1]

۵_ ان صفات کے ساتھ ساتھ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک ایسا امتیاز عطا فرمایا ہے کہ ان کا مکتب و مذہب صرف ان کے اہل زمانہ کے لئے نہ تھا بلکہ ہمیشہ کے لئے تھا خاص طور پر اسلامی امت کے لئے بھی یہ ایک الہام بخش مکتب قرارپایا ہے_جیساکہ قرآن کہتا ہے:"پھر ہم نے تجھے وحی کی دین ابراہیم کی اتباع کرکہ جو خالص توحید کا دین ہے"_[2]

ابراہیم علیہ السلام سب کے لئے نمونہ ہیں

قرآن مجید بہت سے موارد میں اپنی تعلیمات کی تکمیل کے لئے ایسے نمونے جو جہان انسانیت میں موجودہیں، گواہ کے طورپر پیش کرتا ہے_ اس لئے قرآن میں بھی دشمنان خدا سے دوستی کرنے سے سختی کے ساتھ منع کرنے کے بعد، ابراہیم علیہ السلام اور ان کے طریقہ کارمیں ایک ایسے عظیم پیشوا کے عنوان سے جو تمام اقوام کے لئے اور خاص طورپر قوم عرب کے لئے احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے، گفتگو کرتے ہوئے فرماتا ہے:"تمھارے لئے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے_"[3]

---

(۱) سورہ نمل آیت ۱۲۲

(۲) سورہ نمل آیت ۴

(۳)سورہ ممتحنہ آیت ۴

ابراہیم علیہ السلام پیغمبروں کے بزرگ تھے_ ان کی زندگی سرتا سر خدا کی عبودیت،جہاد فی سبیل اللہ اور اس کی پاک ذات کے عشق کے لئے ایک سبق تھي_وہ ابراہیم علیہ السلام کہ امت اسلامی ان کی بابرکت دعا کا نتیجہ ہے اور ان کے رکھے ہوئے نام پر فخر کرتی ہے;وہ تمہارے لئے اس سلسلہ میں ایک اچھا نمونہ بن سکتے ہیں_

"والذین معہ"(جو لوگ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھے)کی تعبیر سے مراد وہ مومنین ہیں جو اس راہ میں ان کے پیرو اور ساتھی رہے_اگرچہ وہ قلیل تعداد میں تھے_باقی رہا یہ احتمال کہ اس سے مراد وہ پیغمبرہیں جو آپ کے ساتھ ہم آواز تھے یا ان کے زمانے کے پیغمبر،جیسا کہ بعض نے احتمال دیا ہے_تا ہم یہ بہت بعید نظر آتا ہے_خصوصاًجبکہ مناسب یہ ہے کہ قرآن یہاں پیغمبر اسلام(ص) کو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اور مسلمانوں کو ان کے اصحاب اور انصار سے تشبیہ دے_

یہ تواریخ میں بھی آیا ہے کہ بابل میں ایک گروہ ایسا تھا،جو ابراہیم علیہ السلام کے معجزات دیکھنے کے بعد ان پر ایمان لے آیا تھا اور شام کی طرف ہجرت میں وہ آپ کے ساتھ تھا،اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے کچھ وفادار یارو انصار بھی تھے_

شائستہ اولاد

قرآن کریم میں بعض ان نعمات میں سے ایک کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ جو خدا وند تعالی نے حضرت ابراہیم کو عطا کی تھیں، اور وہ نعمت ہے صالح اور آبرومند اور لائق نسل جو نعمات الہی میں سے ایک عظیم ترین نعمت ہے_

پہلے ارشاد ہوتا ہے : "ہم نے ابراہیم (ع) کو اسحاق اور یعقوب (فرزند اسحاق) عطا کئے"_[1]

اور اگریہاں ابراہیم کے دوسرے فرزند اسماعیل کی طرف اشارہ نہیں ہوا بلکہ بحث کے دوران کہیں

---

(۱)سورہ انعام آیت ۸۴

ذکر آیا ہے شاید اس کا سبب یہ ہے کہ اسحاق کا سارہ جیسی بانجھ ماں سے پیدا ہونا ، وہ بھی بڑھاپے کی عمر میں ، بہت عجیب وغریب امر اور ایک نعمت غیر مترقبہ تھی ـ

اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ کہیں یہ تصور نہ ہو کہ ابراہیم سے قبل کے دور میں کوئي علم بردار توحید نہیں تھا اور یہ کام بس انہی کے زمانے سے شروع ہوا ہے مزید کہتا ہے :"اس سے پہلے ہم نے نوح کی بھی ہدایت ورہبری کی تھی "ـ[(۱)]

اور ہم جانتے ہیں کہ نوح پہلے اولوالعزم پیغمبر ہیں جو آئين وشریعت کے حامل تھے اور وہ پیغمبران اولوالعزم کے سلسلے کی پہلی کڑی تھے ـ

حقیقت میں حضرت نوح (ع) کی حیثیت اور ان کے مقام کی طرف اشارہ کرکے کہ جو حضرت ابراہیم (ع) کے اجداد میں سے ہیں ، اور اسی طرح پیغمبروں کے اس گروہ کے مقام کا تذکرہ کرکے کہ جو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور ذریت میں سے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ممتاز حیثیت کو وراثت، اصل اور ثمرہ کے حوالے سے مشخص کیا گیا ہے ـ

اوراس کے بعد بہت سے انبیاء کے نام گنوائے ہیں جو ذریت ابراہیم (ع) میں سے تھے پہلے ارشاد ہوتا ہے : "ابراہیم (ع) کی ذریت میں سے داؤد، سلیمان ، ایوب ،یوسف ، موسی اورہارون تھے"ـ[(۲)]

اس کے بعد:"زکر(ع) یا ،یحی (ع) ، عیسی (ع) اور الیاس (ع) کا نام لیا گیا ہے اور مزید کہا گیا ہے کہ یہ سب صالحین میں سے تھے ـ"[(۳)]

آزر سے گفتگو

اس کے بعد ان کی اپنے باپ آزر کے ساتھ گفتگو بیان کی گئي ہے ـ(یہاں باپ سے مراد چچا ہے اور لفظ " ابا " عربی لغت میں کبھی باپ کے معنی میں اور کبھی چچا کے معنی میں آتا ہے)ـ

---

(۱)سورہ انعام آیت ۸۴

(۲) سورہ انعام آیت ۸۴

(۳)سورہ انعام آیت ۸۵

قرآن کہتا ہے: اس وقت جبکہ اس نے اپنے باپ سے کہا: اے بابا: تو ایسی چیز کی عبادت کیوں کرتا ہے جو نہ تو سنتی ہے اور نہ ہی دیکھتی ہے اور نہ ہی تیری کوئی مشکل حل کرسکتی ہے "۔[1]

یہ مختصر اور زوردار بیان شرک اور بت پرستی کی نفی ونقصان کا احتمال ہے اسے علمائے عقائد "دفع ضرر محتمل" سے تعبیر کرتے ہیں۔ ابراہیم (ع) کہتے ہیں کہ تو ایسے معبود کی طرف کیوں جاتا ہے کہ جو نہ صرف یہ کہ تیری کسی مشکل کو حل نہیں کرسکتا، بلکہ وہ تو اصلاً سننے اور دیکھنے کی قدرت ہی نہیں رکھتا۔

دوسرے لفظوں میں عبادت ایسی ہستی کی کرنی چاہیئے کہ جو مشکلات حل کرنے کی قدرت رکھتی ہو، اپنی عبادت کرنے والے کی حاجات وضروریات کو جانتی، دیکھتی اور سن سکتی ہوں لیکن ان بتوں میں یہ تمام باتیں مفقود ہیں۔

درحقیقت ابراہیم علیہ السلام یہاں اپنی دعوت اپنے چچا سے شروع کرتے ہیں، کیونکہ قریبی رشتہ داروں میں اثرو نفوذ پیدا کرنا زیادہ ضروری ہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس بات پر مامور ہوئے تھے کہ پہلے اپنے نزدیکی رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت دیں۔

اس کے بعد ابراہیم (ع) واضح منطق کے ساتھ اسے دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس امر میں ان کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں: "اے بابا" مجھے وہ علم ودانش ملی ہے جو تجھے نصیب نہیں ہوئی اس بنا پر تو میری پیروی کر اور میری بات سن میری پیروی کرتا کہ میں تجھے سیدھی راہ کی طرف ہدایت کروں"۔

میں نے وحی الہی کے ذریعہ سے بہت علم وآگہی حاصل کی ہے اور میں پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں خطا کے راستے پر نہیں چلوں گا تجھے بھی ہرگز غلط راستے کی دعوت نہیں دوں گا میں تیری خوش بختی وسعادت کا خواہاں ہوں تو میری بات مان لے تاکہ فلاح ونجات حاصل کرسکے اور اس صراط مستقیم کو طے کرکے منزل مقصود تک پہنچ جا۔

---

(۱) سورہ مریم آیت ۴۲

اس کے بعد اس اثباتی پہلو کو منفی پہلو اور ان آثار کے ساتھ ملاتے ہوئے، کہ جو اس دعوت پر مترتب ہوتے ہیں، کہتے ہیں:

"اے بابا: شیطان کی پرستش نہ کرکیونکہ شیطان ہمیشہ خدائے رحمن کا نافرمان رہاہے"_[۱]

البتہ ظاہرہے کہ یہاں عبادت سے مراد شیطان کے لئے سجدہ کرنے اور نمازروزہ بجالانے والی عبادت نہیں ہے بلکہ اطاعت اوراس کے علم کی پیروی کرنے کے معنی میں ہے اور یہ بات خود ایک قسم کی عبادت شمار ہوتی ہے_

ایک مرتبہ پھر اسے شرک اوربت پرستی کے برے نتائج کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: "اے بابا: میں اس بات سے ڈرتاہوں کہ تیرے اختیارکردہ شرک وبت پرستی کے سبب خدائے رحمن کی طرف سے تجھ پر عذاب آئے اور تو اولیائے شیطان میں سے ہوجائے"_[۲]

اے ابراہیم تم پر پتھر برسائوں گا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان کے چچا کی ہدایت کے سلسلے میں منطقی باتیں جو خاص لطف و محبت کی آمیزش رکھتی تھیں گزرچکی ہیں اب آزر کے جوابات بیان کرنے کی نوبت ہے تاکہ ان دونوں کا آپس میں موازنہ کرنے سے حقیقت اور واقعیت ظاہر ہوجائے_ قرآن کہتاہے کہ نہ صرف ابراہیم کی دل سوزیاں اور ان کا مدلل بیان آزر کے دل پر اثرانداز نہ ہوسکا بلکہ وہ ان باتوں کو سنکر سخت برہم ہوا، اور اس نے کہا:

"اے ابراہیم(ع) کیا تو میرے خدائوں سے روگردان ہے، اگر تو اس کام سے باز نہیں آئے گاتو میں ضرور ضرور تجھے سنگسار کروں گا، اور تو اب مجھ سے دور ہوجامیں پھر تجھے نہ دیکھوں"_[۳]

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اولاًآزر یہ تک کہنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ بتوں کے انکار، یا مخالفت اور ان کے بارے میں بدگوئی کا ذکر زبان پر لائے، بلکہ بس اتنا کہا: کیا تو بتوں سے روگردان ہے؟ تاکہ کہیں

---

(۱)سورہ مریم آیت ۴۴

(۲)سورہ مریم آیت ۴۵

(۳)سورہ مریم ایت ۴۶

ایسا نہ ہو بتوں کے حق میں جسارت ہوجائے ثانیاً ابراہیم (ع) کو تہدید کرتے وقت اسے سنگسار کرنے کی تہدید کی وہ بھی اس تاکید کے ساتھ کہ جو "لام" اور "نون "تاکید ثقیلہ سے جو "لارجمنک" میں وارد ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ سنگسار کرنا قتل کرنے کی ایک بدترین قسم ہے ثالثاً اس مشروط تہدید اور دھمکی پر ہی قناعت نہیں کی بلکہ اس حالت میں جناب ابراہیم کو ایک ناقابل برداشت وجود شمار کرتے ہوئے ان سے کہا کہ تو ہمیشہ کے لئے میری نظروں سے دور ہوجا_

یہ تعبیر بہت ہی توہین آمیز ہے، جسے سخت مزاج افراد اپنے مخالفین کے لئے استعمال کرتے ہیں، اور فارسی زبان میں اس کی جگہ "گورت راگم کن"کہتے ہیں، یعنی نہ صرف اپنے آپ کو مجھ سے ہمیشہ کے لئے چھپالے بلکہ کسی ایسی جگہ چلے جائو کہ میں تمہاری قبرتک کو بھی نہ دیکھوں لیکن ان تمام باتوں کے باوجود حضرت ابراہیم نے تمام پیغمبروں اور آسمانی رہبروں کی مانند اپنے اعصاب پر کنڑول رکھا، اور تندی اور تیزی اور شدید خشونت و سختی کے مقابلے میں انتہائي بزرگواری کے ساتھ کہا:" سلام ہو تجھ پر"_ (۱)

ممکن ہے کہ یہ ایسا سلام الوداعی اور خدا حافظی کا سلام ہو، کیونکہ اس کے چند جملوں کے کہنے کے بعد حضرات ابرہیم علیہ السلام نے آزر کو چھوڑدیا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ایسا سلام ہو کہ جو دعوی اور بحث کو ترک کرنے کے لئے کہا جاتا ہے جیسا کہ سورہ قصص میں ہے :

"اب جبکہ تم ہماری بات قبول نہیں کرتے ہو، ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، تم پر سلام ہے ہم جاہلوں کے ہوا خواہ نہیں ہیں"_ (۲)

اس کے بعد مزید کہا :" میں عنقریب تیرے لئے اپنے پروردگار سے بخشش کی درخواست کروں گا، کیونکہ وہ میرے لئے رحیم و لطیف اور مہربان ہے"_ (۳)

حقیقت میں حضرت ابراہیم(ع) نے آزر کی خشونت و سختی اور تہدیدو دھمکی کے مقابلے میں اسی جیسا

---

(۱) سورہ مریم آیت ۴۷

(۲)سورہ قصص ایت ۵۵

(۳)سورہ مریم آیت ۴۷

جواب دینے کی بجائے اس کے برخلاف جواب دیا اور اس کے لئے پروردگار سے استغفار کرنے اور اس کے لیئے بخشش کی دعا کرنے کا وعدہ کیا _

اس کے بعد یہ فرمایا کہ :"میں تم سے (تجھ سے اوراس بت پرست قوم سے)کنارہ کشی کرتاہوں اوراسی طرح ان سے بھی کہ جنہیں تم خدا کے علاوہ پکارتے ہو، یعنی بتوں سے بھی (کنارہ کشی کرتاہوں)"اور میں تو صرف اپنے پروردگار کو پکارتاہوں اورمجھے امید ہے کہ میری دعا میرے پروردگار کی بارگاہ میں قبول ہوئے بغیر نہیں رہے گا"_(۱)

قرآن ایک طرف حضرت ابراہیم (ع) کے آزر کے مقابلے میں ادب کی نشاندہی کرتا ہے_کہ اس نے کہا کہ مجھ سے دور ہوجا تو ابراہیم (ع) نے بھی اسے قبول کرلیا اوردوسری طرف ان کی اپنے عقیدہ میں قاطعیت اوریقین کوواضح کرتی ہے یعنی وہ واضح کررہے ہیں کہ میری تم سے یہ دوری اس بناء پر نہیں ہے کہ میں نے اپنے توحید اعتقاد راسخ سے دستبرداری اختیار کرلی ہے بلکہ اس بناء پر ہے کہ میں تمہارے نظریہ کو حق تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں ، لہذا میں اپنے عقیدے پر اسی طرح قائم ہوں _

ضمنی طورپر یہ کہتے ہیں کہ اگر میں اپنے خدا سے دعا کروں تو وہ میری دعا کو قبول کرتا ہے لیکن تم بیچارے تو اپنے سے زیادہ بیچاروں کو پکارتے ہو اور تمہاری دعا ہرگز قبول نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ تو تمہاری باتوں کو سنتے تک نہیں _

ابراہیم (ع) نے اپنے قول کی وفا کی اور اپنے عقیدہ پر جتنا زیادہ سے زیادہ استقامت کے ساتھ رہا جاسکتا ہے، باقی رہے ،ہمیشہ توحید کی منادی کرتے رہے اگرچہ اس وقت کے تمام فاسد اوربرے معاشرے نے ان کے خلاف قیام کیا لیکن وہ جناب بالآخر اکیلے نہ رہے اور تمام قرون واعصار میں بہت سے پیروکارپیدا کرلئے اس طورپر کہ دنیا کے تمام خدا پرست لوگ ان کے وجودپر فخر کرتے ہیں _(۲)

---

(۱) سورہ مریم آیت ۴۸

(۲) کیا آزر حضرت ابراہیم(ع) کا باپ تھا؟

لفظ "اب "عربی زبان میں عام طورپر باپ کے لئے بولا جاتا ہے، اور جیسا کہ ہم دیکھیں گے کہ بعض اوقات چچا، نانا، مربی و معلم اور اسی طرح وہ افراد کہ جو انسان کی تربیت میں کچھ نہ کچھ زحمت و مشقت اٹھاتے ہیں ان پر بھی بولا جاتا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ جب یہ لفظ بولا جائے اور کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو پھر معنی کے لئے پہلے باپ ہی ذہن میں آتا ہے_

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سچ مچ قرآن کہتا ہے کہ وہ بت پرست شخص (آزر) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا، تو کیا ایک بت پرست اور بت ساز شخص ایک اولوالعزم پیغمبر کا باپ ہوسکتا ہے، اس صورت میں کیا انسان کی نفسیات و صفات کی وراثت اس کے بیٹے میں غیر مطلوب اثرات پیدا نہیں کردے گی۔

اہل سنت مفسرین کی ایک جماعت نے پہلے سوال کا مثبت جواب دیا ہے اور آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی باپ سمجھا ہے، جب کہ تمام مفسرین و علماء شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا، بعض اسے آپ کا نانا اور بہت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا سمجھتے ہیں۔

وہ قرائن جو شیعہ علماء کے نقطہ نظر کی تائید کرتے ہیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ کسی تاریخی منبع و مصدر اور کتاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر شمار نہیں کیا گیا بلکہ سب نے "تارخ" لکھا ہے۔ کتب عہدین میں بھی یہی نام آیا ہے، قابل توجہ بات یہ ہے کہ جو لوگ اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر تھا، یہاں انہوں نے ایسی توجیہات کی ہیں جو کسی طرح قابل قبول نہیں ہیں ۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ اور اس کا لقب آزر تھا۔ حالانکہ یہ لقب بھی منابع تاریخ میں ذکر نہیں ہوا۔ یا یہ کہ آزر ایک بت تھا کہ جس کی ابراہیم علیہ السلام کا باپ پوجا کرتا تھا، حالانکہ یہ احتمال قرانی آیت کے ظاہر کے ساتھ جو یہ کہتی ہے کہ آزر ان کا باپ تھا کسی طرح بھی مطابقت نہیں رکھتي، مگر یہ کہ کوئی جملہ یا لفظ مقدر مانیں جو کہ خلاف ظاہر ہو۔

۲۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ مسلمان یہ حق نہیں رکھتے کہ مشرکین کے لئے استغفار کریں اگرچہ وہ ان کے عزیز و قریب ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کے بعد اس غرض سے کہ کوئی آزر کے بارے میں ابراہیم علیہ السلام کے استغفار کو دستاویز قرار نہ دے اس طرح کہتا ہے:

"ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ آزر کے لئے استغفار صرف اس وعدہ کی بنا پر تھی جو انہوں نے اس سے کیا تھا۔ (سورہ توبہ آیت ۱۱۴)

چونکہ آپ نے یہ کہا تھا کہ: "یعنی میں عنقریب تیرے لئے استغفار کروں گا۔"

یہ اس امید پر تھا کہ شاید وہ اس وعدہ کی وجہ سے خوش ہوجائے اور بت پرستی سے باز آجائے لیکن جب اسے -->

بت پرستی کی راہ میں پختہ اور ہٹ دھرم پایا تو اس کے لئے استغفار کرنے سے دستبردار ہوگئے_

یہاں سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوجاتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے مایوس ہوجانے کے بعد پھر کبھی اس کے لئے طلب مغفرت نہیں کی_ اور ایسا کرنا مناسب بھی نہیں تھا_ تمام قرائن اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جوانی کے زمانے کا ہے جب کہ آپ شہر بابل میں رہائش پذیر تھے اور بت پرستوں کے ساتھ مبارزہ اور مقابلہ کررہے تھے_ لیکن قرآن کی دوسری آیات نشاندہی کرتی ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آخری عمر میں خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد اپنے باپ کے لئے طلب مغفرت کی ہے(البتہ ان آیات میں جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا، باپ سے "اب" کو تعبیر نہیں کیا بلکہ "والد" کے ساتھ تعبیر کیا ہے جو صراحت کے ساتھ باپ کے مفہوم کو ادا کرتا ہے)_

جیسا کہ قرآن میں ہے:

"حمدوثنا اس خدا کے لئے ہے کہ جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا کیے، میرا پروردگار دعائوں کا قبول کرنے والا ہے، اے پروردگار مجھے، میرے ماں باپ اور مومنین کو قیامت کے دن بخش دے"_(سورہ ابراہیم آیت ۳۹و۴۱

سورہ ابراہیم کی اس آیت کو سورہ توبہ کی آیت کے ساتھ ملانے سے جو مسلمانوں کو مشرکین کے لئے استغفار کرنے سے منع کرتی ہے اور ابراہیم کو بھی ایسے کام سے سوائے ایک مدت محدود کے وہ بھی صرف ایک مقدس مقصدوہدف کے لئے روکتی ہے، اچھی طرح معلوم ہوجاتاہے کہ زیربحث قرآنی آیت میں "اب" سے مراد باپ نہیں ہے بلکہ چچایانانا یا کوئی اور اسی قسم کا رشتہ ہے دوسرے لفظوں میں " والد" باپ کے معنی میں صریح ہے جب کہ" اب" میں صراحت نہیں پائی جاتی_ قرآن کی آیات میں لفظ" اب" ایک مقام پرچچا کے لئے بھی استعمال ہوا ہے مثلا سورہ بقرہ آیت ۱۳۳:

یعقوب (ع) کے بیٹوں نے اس سے کہا ہم تیرے خدا اور تیرے آباء ابراہیم واسماعیل واسحاق کے خدائے یکتا کی پرستش کرتے ہیں_ ہم یہ بات اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اسماعیل (ع) یعقوب (ع) کے چچا تھے باپ نہیں تھے_

۳_ مختلف اسلامی روایات سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے ،پیغمبر اکرم (ص) کی ایک مشہور حدیث میں آنحضرت(ص) سے منقول ہے:

"خداوند تعالی مجھے ہمیشہ پاک آبائو اجداد کے صلب سے پاک مائوں کے رحم میں منتقل کرتارہا اور اس نے

اسمانوں میں توحید کے دلائل

اس سرزنش اور ملامت کے بعد جو ابراہیم علیہ السلام بتوں کی کرتے تھے، اور اس دعوت کے بعد جو اپ نے ازر کو بت پرستی کو ترک کرنے کے لئے کی تھی یہاں خدا ابراہیم علیہ السلام کے بت پرستوں کے مختلف گروہوں کے ساتھ منطقی مقابلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کے واضح عقلی استدلالات کے مجھے کبھی زمانہ جاہلیت کی آلودگیوں اور گندگیوں میں آلودہ نہیں کیا"_

اس میں شک نہیں ہے کہ زمانہ جاہلیت کی واضح ترین آلودگی شرک وبت پرستی ہے اور جنہوں نے اسے آلودگی کوزنا میں منحصر سمجھا ہے ان کے پاس اپنے قول پر کوئي دلیل موجود نہیں ہے خصوصا جبکہ قرآن کہتا ہے: "مشرکین گندگی میں آلودہ اورناپاک ہیں"_ (سورہ توبہ ایت ۲۸)

طبری جوعلماے اہل سنت میں سے ہے اپنی تفسیر جامع البیان میں مشہور مجاہد سے نقل کرتا ہے_وہ صراحت کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ ازر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا_

اہل سنت کا ایک دوسرا مفسر الوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں مندرجہ ذیل قرآنی گفتگو میں کہتا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ کہ ازر، ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا شیعوں سے مخصوص ہے ان کی کم اطلاعی کی وجہ سے ہے کیونکہ بہت سے علماء (اہل سنت) بھی اسی بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ ازر ابراہیم علیہ السلام کاچچا تھا_

"سیوطي"مشہور سنی عالم کتاب "مسالک الحنفاء" میں فخر الدین رازی کی کتاب "اسرار التنزیل" سے نقل کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام (ص) کے ماں باپ اور اجداد کبھی بھی مشرک نہیں تھے اور اس حدیث سے جو ہم اوپر پیغمبر اکرم (ص) سے نقل کرچکے ہیں استدلال کیا ہے، اس کے بعد سیوطی خود اضافہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ہم اس حقیقت کو دوطرح کی اسلامی روایات سے ثابت کرسکتے ہیں: پہلی قسم کی روایات تو وہ ہیں کہ جو یہ کہتی ہیں کہ پیغمبر کے اباء واجداد حضرت ادم علیہ السلام تک ہر ایک اپنے زمانہ کا بہترین فرد تھا (ان احادیث کو "صحیح بخاري"اور"دلائل النبوۃ"سے بیہقی وغیرہ نے نقل کیا ہے)_ اوردوسری قسم کی روایات وہ ہیں جو یہ کہتی ہیں کہ ہر زمانے میں موحد و خدا پرست افراد موجود رہے ہیں، ان دونوں قسم کی روایت کو باہم ملانے سے ثابت ہوجاتا ہے کہ اجداد پیغمبر (ص) کہ جن میں سے ایک ابراہیم (ع) کے باپ بھی ہیں یقناً موحد تھے.

طریق سے اصل توحید کو ثابت کرنے کی کیفیت بیان کرتا ہے_

قرآن پہلے کہتا ہے :"جس طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بت پرستی کے نقصانات سے اگاہ کیا اسی طرح ہم نے اس کے لئے تمام اسمانوں اور زمین پرپرودگار کی مالکیت مطلقہ اور تسلط کی نشاندہی کي"_[(١)]

اس میں شک نہیں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام خدا کی یگانگیت کا استدلال و فطری یقین رکھتے تھے، لیکن اسرار آفرینش کے مطالعہ سے یہ یقین درجہ کمال کو پہنچ گیا ،جیسا کہ وہ قیامت اور معاد کا یقین رکھتے تھے، لیکن سربریدہ پرندوں کے زندہ کرنے کے مشاہدہ سے ان کا ایمان"عین الیقین"کے مرحلہ کو پہنچ گیا_

اس کے بعد میں اس موضوع کو تفصیلی طور پر بیان کیا ہے جو ستاروں اور افتاب کے طلوع و غروب سے ابراہیم علیہ السلام کے استدلال کو ان کے خدا نہ ہونے پر واضح کرتا ہے_

پہلے ارشاد ہوتا ہے:"جب رات کے تاریک پردے نے سارے عالم کو چھپا لیا تو ان کی آنکھوں کے سامنے ایک ستارہ ظاہر ہوا ، ابراہیم علیہ السلام نے پکار کر کہا کہ کیا یہ میرا خدا ہے ؟لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو انھوں نے پورے یقین کے ساتھ کہا کہ میں ہرگز ہرگز غروب ہوجانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور انھیں عبودیت و ربوبیت کے لائق نہیں سمجھتا"_[(٢)]

انھوں نے دوبارہ اپنی انکھیں صفحہ اسمان پر گاڑدیں ، اس دفعہ چاند کی چاندی جیسی ٹکیہ وسیع اور دل پذیر روشنی کے ساتھ صفحہ اسمان پر ظاہر ہوئي،جب چاند کو دیکھا تو ابراہیم علیہ السلام نے پکار کر کہا کہ کیا یہ ہے میرا پروردگار ؟لیکن اخر کار چاند کا انجام بھی اس ستارے جیسا ہی ہوا اور اس نے بھی اپنا چہرہ پردہ افق میں چھپا لیا ،تو حقیقت کے متلاشی ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اگر میرا پروردگار مجھے اپنی طرف رہنمائي نہ کرے تو میں گمراہوں کی صف میں جا کھڑا ہوں گا_(:)

اس وقت رات اخر کو پہنچ چکی تھی اور اپنے تاریک پردوں کو سمیٹ کر اسمان کے منظر سے بھاگ رہی تھی ، افتاب نے افق مشرق سے سر نکالا اور اپنی زیبا اور لطیف نور کو زربفت کے ایک ٹکڑے کی طرح دشت و

---

(١)سورہ انعام ایت ٧۶

(٢)سورہ انعام ایت ٧۶

(٣)سورہ انعام ایت ٧٧

کوہ و بیابان پر پھیلا دیا، جس وقت ابراہیم علیہ السلام کی حقیقت بین نظر اس کے خیرہ کرنے والے نور پر پڑی تو پکار کر کہا: کیا میرا خدا یہ ہے؟ جو سب سے بڑا ہے اور سب سے زیادہ روشن ہے، لیکن سورج کے غروب ہوجانے اور افتاب کی ٹکیہ کے ہیولائے شب کے منہ میں چلے جانے سے ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اخری بات ادا کی، اور کہا: "اے گروہ (قوم) میں ان تمام بناوٹی معبودوں سے جنھیں تم نے خدا کا شریک قرار دے لیا ہے بری و بیزار ہوں"۔[۱]

اب جبکہ میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس متغیر و محدود اور قوانین طبیعت کے چنگل میں اسیر مخلوقات کے ماوراء ایک ایسا خدا ہے کہ جو اس سارے نظام کائنات پر قادر و حاکم ہے، "تو میں تو اپنا رخ ایسی ذات کی طرف کرتا ہوں کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور اس عقیدے میں کم سے کم شرک کو بھی راہ نہیں دیتا، میں تو موحد خالص ہوں اور مشرکین میں سے نہیں ہوں"۔[۲][۳]

---

(۱) سورہ انعام ایت ۷۸

(۲) سورہ انعام آیت ۷۹

(۳) جناب ابراہیم علیہ السلام جیسے موحد ویکتا پرست نے کس طرح اسمان کے ستارے کی طرف اشارہ کیا اور یہ کہا کہ یہ میرا خدا ہے مفسرین نے بہت بحث کی ہے، ان تمام تفاسیر میں سے دو تفسیریں زیادہ قابل ملاحظہ ہیں کہ جن میں سے ہر ایک کو بعض بزرگ مفسرین نے اختیار کیا ہے ہم ان میں سے ایک کو بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات ستارہ پرستوں اور سورج پرست لوگوں سے گفتگو کرتے ہوئے کی اور احتمال یہ ہے کہ بابل میں بت پرستوں کے ساتھ سخت قسم کے مقابلے اور مبارزات کرنے اور اس زمین سے شام کی طرف نکلنے کے بعد جب ان اقوام سے ان کا سامنا ہوا تو اس وقت یہ گفتگو کی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل میں نادان قوموں کی ہٹ دھرمی کو ان کی غلط راہ ورسم میں ازما چکے تھے لہذا اس بنا پر کہ افتاب و ماہتاب کے پجاریوں اور ستارہ پرستوں کو اپنی طرف متوجہ کریں، پہلے ان کے ہم صدا ہوگئے اور ستارہ پرستوں سے کہنے لگے کہ تم یہ کہتے ہو کہ یہ زہرہ ستارہ میرا پروردگار ہے،، بہت اچھا چلو اسے دیکھتے ہیں یہاں تک کہ اس عقیدے کا انجام تمہارے سامنے پیش کروں، تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اس ستارے کا چمکدار چہرہ افق کے تاریک پردے کے پیچھے چھپ گیا، یہ وہ مقام تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ میں ایک محکم ہتھیار اگیا اور وہ کہنے لگے میں تو کبھی ایسے معبود کو قبول نہیں کر سکتا، اس بنا پر "ھذا ربي" کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارے عقیدے کے مطابق یہ میرا خدا ہے، یا یہ کہ اپ نے بطور استفہام فرمایا: "کیا یہ میرا خدا ہے"؟

ستارہ سے کون سا ستارہ مراد ہے؟

اس بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے لیکن زیادہ تر مفسرین نے زہرہ یا مشتری کا ذکر کیا ہے اور کچھ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانوں میں ان دونوں ستاروں کی پرستش کی جایا کرتی تھی اورخداوں کے حصہ شمار ہوتے تھے لیکن اس حدیث میں جو امام علی بن موسی رضا علیہ السلام سے عیون الااخبار میں نقل ہوئی ہے یہ تصریح ہوئی ہے کہ یہ زہرہ ستارہ تھا، تفسیر علی بن ابراہیم میں بھی امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہی بات مروی ہے ـ

توحید کی دعوت

قرآن دعوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس طرح بیان کرتا ہے:"ہم نے ابراہیم (ع) کو بھیجا;اور جب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ: خدائے واحد کی پرستش کرو اوراس کے لئے تقوی اختیار کروکیونکہ اگر تم جان لو تو یہ تمہارے لئے بہترہے"ـ[۱]

اس کے بعد حضرت ابراہیم (ع) دلائل بت پرستی کا باطل ہونا ثابت کرتے ہیں آپ نے اس دعوی کو مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے اور ان مشرکین کے معتقدات اور روش حیات کو نا درست ثابت کیا ہے ـ

پہلی بات انھوں نے یہ فرمائی کہ:"تم خدا سے منحرف ہوکے بتوں کی عبادت کرتے ہو"ـ[۲]

حالانکہ یہ بت بے روح مجسمے ہیں نہ یہ صاحب ارادہ ہیں نہ صاحب عقل اور نہ صاحب شعور وہ ان تمام اوصاف سے محروم ہیں ان کی ہیت ہی بت پرستی کے عقیدے کوباطل ثابت کرنے کے لئے کافی ہے ـ

اس کے بعد حضرت ابراہیم(ع) اور آگے بڑھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:" صرف ان بتوں کی وضع ہی یہ ثابت نہیں کرتی کہ یہ معبود نہیں ہیں "بلکہ تم بھی جانتے ہو کہ "تم جھوٹی باتیں کرتے ہو اور ان بتوں کو معبود کہتے ہو"ـ[۳]

تمہارے پاس اس جھوٹ کو ثابت کرنے کی بجزچند اوہام وخرافات کے اور کیا دلیل ہے ـ

---

(۱)سورہ عنکبوت آیت ۱۶

(۲)سورہ عنکبوت آیت ۱۷

(۳)سورہ عنکبوت آیت ۱۷

اس کے بعد حضرت ابراہیم (ع) تیسری دلیل دیتے ہیں: اگر تم ان بتوں کو مادی منفعت کے لئے پوجتے ہو یا دوسرے جہان میں فائدے کے لئے، دونوں صورتوں میں تمہارا یہ خیال باطل ہے "کیونکہ تم خدا کے علاوہ جن کی پرستش کرتے ہو وہ تمہیں رزق اور روزی نہیں دے سکتے"_(۱)

تم خود اقرار کرتے ہو کہ یہ بت خالق نہیں ہیں بلکہ خالق حقیقی خدا ہے اس بناء پر روزی دینے والا بھی وہی ہے "لہذا تم روزی خدا سے طلب کرو"_(۲)

اور چونکہ روزی دینے والا وہی ہے " لہذا اسی کی عبادت کرو اور اس کا شکر بجالائو"_(۳)

اس مفہوم کا ایک پہلو یہ بھی ہے منعم حقیقی کے حضور میں "حس شکر گزارای" سے بھی عبادت کی تحریک ہوتی ہے_ تم جانتے ہو کہ منعم حقیقی خدا ہی ہے پس شکر اور عبادت بھی اسی کی ذات کے لئے مخصوص ہے_

"نیز اگر تم آخرت کی زندگی کے خواستگار ہو تو سمجھ لو کہ ہم سب کی بازگشت اسی طرف ہے "نہ کہ بتوں کی طرف"_(۴)

اس کے بعد حضرت ابراہیم (ع) تہدید کے طور پر ان مشرکین کی سرکشی سے بے اعتنائی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:" اگر تم میرے پیام کی تکذیب کرتے ہو تو یہ کوئي نئي بات نہیں ہے، تم سے پہلے جو امتیں گزر چکی ہیں انھوں نے بھی اس طرح اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی ہے اور آخرکار ان کا انجام بڑا دردناک ہوا"_(۵)

"رسول اور فرستادۂ خدا کا فرض واضح ابلاغ کے علاوہ اور کچھ نہیں"_(۶)

خواہ لوگ اسے قبول کریں یا نہ کریں_

---

(۱) سورہ عنکبوت آیت ۱۷

(۲) سورہ عنکبوت آیت ۱۷

(۳)سورہ عنکبوت آیت ۱۷

(۴)سورہ عنکبوت آیت ۱۷

(۵) سورہ عنکبوت آیت ۱۷

(۶)سورہ عنکبوت آیت ۱۸

ہمارے بڑے بھی بتوں کی پوجا کرتے تھے ابراہیم علیہ السلام کے جواب میں انھوں نے کہا :"ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور سارادن ان پر توجہ رکھتے ہیں اور نہایت ہی ادب اور احترام کے ساتھ ان کی عبادت میں لگے رہتے ہیں "_(۱)

اس تعبیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہ فقط اپنے اس عمل پر شرمندہ نہیں تھے بلکہ اس پر فخرو مباہات بھی کیا کرتے تھے کیونکہ ("ہم بتوں کی عبادت وپرستش کرتے ہیں ") کا جملہ ان کے مقصود اور مدعا کے بیان کے لئے کافی تھا، ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا"ہم سارا سارادن ان کے آستان پر جبہ سائی کرتے رہتے ہیں"_
بہرحال ابراہیم (ع) علیہ السلام نے ان کی یہ باتیں سن کران پر اعتراضات کی بوچھار کردی اور دوزبردست منطقی اور معتدل جملوں کے ذریعہ انھیں ایسی جگہ لاکھڑا کیا جہاں "نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن "کے مصداق ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا تھا آپ نے ان سے فرمایا :"جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری فریاد سنتے بھی ہیں ؟"،"یا کیا وہ تمہیں کوئی نفع یانقصان پہنچا سکتے ہیں "(۲)
لیکن متعصب لوگ بجائے اس کے کہ اس منطقی سوال کا کوئی ٹھوس جواب دیتے وہی پرانا اور بار بار کا دہرایا ہوا جواب پیش کرتے ہیں :"انھوں نے کہا ایسی کوئی بات نہیں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسا کرتے دیکھا ہے "(۳)

ان کا یہ جواب اپنے جاہل اور نادان بزرگوں کی اندھی تقلید کو بیان کررہا ہے وہ جوجواب ابراہیم (ع) کو دے سکتے تھے یہی تھا اور بس یہ ایسا جواب جس کے بطلان کی دلیل خود اسی میں موجود ہے اور کوئی بھی عقل مند انسان اپنے آپ کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ آنکھیں بند کرکے دوسروں کے پیچھے لگ جائے، خاص کر جبکہ آنے والے لوگوں کے تجربے گزشتہ لوگوں سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں اور ان کی اندھی تقلید کا نہ تو کوئی جواز رہتا ہے اور نہ ہی کوئی دلیل_

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۷۱

(۲) سورہ شعراء آیات ۷۳،۷۲

(۳) سورہ شعراء آیت ۷۴

ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کا زبردست منظر

یہاں پر پہلے حضرت ابراہیم (ع) کی بت شکنی کے واقعہ اور ان سے بت پرستوں کی شدید مڈھ بھیڑکے بارے میں گفتگوکی گئي ہے۔[۱]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ یہ بات سوفی صد صحیح اور محکم ہے اوروہ اس عقیدہ پر ہر مقام تک قائم ہیں اوراس کے نتائج و لوازم کو جو کچھ بھی ہوں انھیں جان و دل سے قبول کرنے کے لئے تیار ہیں، مزید کہتے ہیں: مجھے خدا کی قسم جس وقت تم یہاں پر موجود نہیں ہوں گے اوریہاں سے کہیں باہر جائوگے تو میں تمہارے بتوں کو نابود کرنے کا منصوبہ بنائوں گا"۔[۲]

ان کی مراد یہ تھی کہ انھیں صراحت کے ساتھ سمجھادیں کہ آخر کار میں اسی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انھیں نابود اور درہم و برہم کردوں گا۔

لیکن شاید ان کی نظر میں بتوں کی عظمت اور رعب اس قدر تھا کہ انھوں نے اس کو کوئي سنجیدہ بات نہ سمجھا اور کوئي ردّعمل ظاہر نہ کیا شاید انھوں نے یہ سوچا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئي شخص کسی قوم و ملّت کے مقدسات کے ساتھ ایسا کھیل کھیلے، جبکہ ان کی حکومت بھی سوفی صد ان کی حامی ہے وہ کس طاقت کے بل بوتے پر ایسا کام کرے گا۔

---

(۱)قرآن مجید میں واقعہ ابراہیم کو قصہ کے ساتھ اس طرح سے منسلک کیا گیا ہے:" اور ابراہیم ،نوح کے پیروکاروں میں سے تھے۔"(سورہ صافات ایت ۸۳)

وہ اسی راہ توحید وعدل اورراسی راہ تقوی واخلاص پر گامزن تھا جو نوح کی سنت تھي،کیونکہ انبیاء سارے کے سارے ایک ہی مکتب کے مبلغ اور ایک ہی یونیورسٹی کے استاد ہیں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے پروگرام کو دوام بخشتا ، اسے آگے بڑھاتا اور اس کی تکمیل کرتا ہے ، کیسی عمدہ تعبیر ہے کہ ابراہیم، (ع) نوح کے شیعوں میں سے تھے حالانکہ ان دونوں کے زمانے میں بہت فاصلہ تھا (بعض مفسرین کے قول کے مطابق تقریباً ۲۶۰۰/ سال فاصلہ تھا، لیکن ہم جانتے ہیں کہ مکتبی رشتے میں زمانے کی کوئي حیثیت نہیں ہے

(۲) سورہ انبیاء آیت ۵۷

اس سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ یہ جو بعض نے کہا کہ حضرت ابراہیم(ع) نے یہ جملہ اپنے دل میں کہا تھا یا بعض مخصوص افراد سے کہا تھا کسی لحاظ سے اس کی ضرورت نہیں ہے، خاص طورپر جبکہ یہ بات کامل طور سے قرآن کریم کے خلاف ہے_

اس کے علاوہ قرآن مجید میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ بت پرستوں کو ابراہیم کی یہ بات یاد آگئي اور انھوں نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ ایک جوان بتوں کے خلاف ایک سازش کی بات کرتا ہے_

بہر حال حضرت ابراہیم نے ایک دن جبکہ بُت خانہ خالی پڑا تھا، اور بُت پرستوں میں سے کوئ وہاں موجود نہیں تھا، اپنے منصوبہ کو عملی شکل دے دي_

بابل کے بت پرست ہر سال ایک مخصوص عید کے دن کچھ رسومات ادا کیا کرتے تھے بت خانہ میں کھانے تیار کرتے ہیں اور وہیں انھیں دسترخوان پرچن دیتے تھے اس خیال سے کہ یہ کھانے متبرک ہوجائیں گے_اس کے بعد سب کے سب مل کر اکٹھے شہر سے باہر چلے جاتے تھے اور دن کے آخر میں واپس لوٹتے تھے اور عبادت کرنے اور کھانا کھانے کے لئے بت خانہ میں آجاتے تھے_ ایک روز اسی طرح جب شہر خالی ہوگیا اور بتوں کو توڑنے اور انھیں درہم برہم کرنے کے لئے ایک اچھا موقع حضرت ابراہیم (ع) کے ہاتھ آگیا_یہ ایسا موقع تھا جس کا ابراہیم عرصے سے انتظار کررہے تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ موقع ہاتھ سے نکل جائے_

لہذا جب انھوں نے ابراہیم (ع) کو جشن میں شرکت کی دعوت دی تو "اس نے ستاروں پر ایک نظر ڈالی "اور کہا میں تو بیمار ہوں "_(۱) اور اس طرح سے اپنی طرف سے عذرخواہی کي_

"انھوں نے رخ پھیرا اور جلدی سے اس سے دور ہوگئے "_(۲)

اور اپنے رسم ورواج کی طرف روانہ ہوگئے_(۳)

---

(۱) سورہ صافات ۸۸_۸۹

(۲)سورہ صافات آیت ۹۰

(۳)یہاں دوسوال پیدا ہوتے ہیں :

پہلایہ کہ حضرت ابراہیم (ع) نے ستاروں کی طرف کیوں دیکھا ،اس دیکھنے سے ان کا مقصد کیا تھا ؟ -

دوسرا یہ کہ کیا واقعا وہ بیمار تھے کہ انھوں نے کہا میں بیمار ہوں ؟انھیں کیا بیماری تھی ؟

پہلے سوال کا جواب بابل کے لوگوں کے اعتقادات اوررسوم وعادات کو دیکھتے ہوئے واضح وروشن ہے وہ علم بخوم میں بہت ماہر تھے ـیہاں تک کہ کہتے ہیں کہ ان کے بت بھی ستاروں کے ہیکلوں اور شکلوں میں تھے اور اسی بناپر ان کا احترام کرتے تھے کہ وہ ستاروں کے سمبل تھے ـ

البتہ علم بخوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ بہت سی خرافات بھی ان کے یہاں پائی جاتی تھیں منجملہ یہ کہ وہ ستاروں کو اپنی تقدیر میں موثر جاتے تھے اور ان سے خیروبرکت طلب کرتے تھے اور ان کی وضع وکیفیت سے آنے والے واقعات پر استدلال کرتے تھے ، ابراہیم نے اس غرض سے کہ انھیں مطمئن کردیں ، ان کی رسوم کے مطابق آسمان کے ستاروں پر ایک نظرڈالی تاکہ وہ یہ تصور کریں کہ انھوں نے اپنی بیماری کی پیشن گوئی ستاروں کے اوضاع کے مطالعے سے کی ہے اور وہ مطمئن ہوجائیں ـ

بعض بزرگ مفسرین نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ ستاروں کی حرکت سے اپنی بیماری کا وقت ٹھیک طورسے معلوم کرلیں کیونکہ ایک قسم کی بیماری انھیں تھی وہ یہ کہ بخار انھیں ایک خاص وقفہ کے ساتھ آتا تھا لیکن بابل کے لوگوں کے افکارونظریات کی طرف توجہ کرتے ہوئے پہلا احتمال زیادہ مناسب ہے ـ

بعض نے یہ احتمال بھی ذکرکیا ہے کہ ان کا آسمان کی طرف دیکھنا درحقیقت اسرار آفرینش میں مطالعہ کے لئے تھا اگرچہ وہ آپ کی نگاہ کو ایک منجم کی نگاہ سمجھ رہے تھے جو یہ چاہتا ہے کہ ستاروں کے اوضاع سے آئندہ کے واقعات کی پیش بینی کرے ـ

دوسرے سوال کے مفسرین نے متعدد جواب دیئے ہیں ، منجملہ ان کے یہ ہے کہ وہ واقعاًبیمار تھے ،اگرچہ وہ صحیح وسالم بھی ہوتے تب بھی جشن کے پروگرام میں ہرگزشرکت نہ کرتے ، لیکن ان کی بیماری ان مراسم میں شرکت نہ کرنے اور بتوں کو توڑنے کے لئے ایک سنہری موقع اور اچھا بہانہ بھی تھا ، اور اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ انھوں نے یہاں "توریہ"کیا تھا ، کیونکہ انبیاء کے لئے "توریہ"کرنا مناسب نہیں ہے .

تم یہ بہترین اور شیرین غذا کیوں نہیں کھاتے

حضرت ابراہیم (ع) اکیلے شہر میں رہ گئے اور بت پرست شہر خالی کر کے باہر چلے گئے حضرت ابراہیم نے اپنے ادھر ادھر دیکھا، شوق کی بجلی ان کی آنکھوں میں چمکی ،وہ لمحات جن کا وہ ایک مدت سے انتظار کررہے تھے آن پہنچے ، انھوں نے اپنے آپ سے کہا، بتوں سے جنگ کے لئے اٹھ کھڑا ہو اور ان کے پیکروں پر سخت ضرب لگا ایسی ضرب جو بت پرستوں کے سوئے دماغوں کو ہلا کر رکھ دے اور انھیں بیدار کردے _

قرآن کہتاہے :"وہ ان کے خدائوں کے پاس آیا ، ایک نگاہ ان پر اور کھانے کے ان برتنوں پر جوان کے اطراف میں موجودتھے ، ڈالی اور تمسخر کے طورپر کہا : تم یہ کھانے کھاتے کیوں نہیں " ؟ (۱)

یہ کھانے توتمہاری عبادت کرنے والوں نے فراہم کیے ہیں _مرغن وشیرین ، طرح طرح کی رنگین غذائیں ہیں ، کھاتے کیوں نہیں ہو؟

اس کے بعد مزید کہتا ہے :" تمہیں کیا ہوگیا ہے ؟ تم بات کیوں نہیں کرتے ؟ تم گونگے کیوں بن گئے ہو ؟تمہارامنہ کیوں بندہے_" (۲)

اس طرح کے تمام بیہودہ اور گمراہ عقائد کامذاق اڑایا بلاشک وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ نہ کھانا کھاتے ہیں اور نہ ہی بات کرتے ہیں اور بے جان موجودات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے ، لیکن حقیقت میں وہ یہ چاہتے تھے کہ اپنی بت شکنی کے اقدام کی دلیل اس عمدہ اور خوبصورت طریقہ سے پیش کریں _

پھر انھوں نے اپنی آستین چڑھالي، کلہاڑاہاتھ میں اٹھایا اورپوری طاقت کے ساتھ اسے گھمایا اور بھرپور"توجہ کے ساتھ ایک زبردست ضرب ان کے پیکرپر لگائي"_ (۳)

بہرحال تھوڑی سی دیر میں وہ آباداور خوبصورت بت خانہ ایک وحشت ناک ویرانہ ہوگیا_تمام بت ٹوٹ پھوٹ گئے ہر ایک ہاتھ پائوں تڑوائے ہوئے ایک کونے میں پڑاتھا اور سچ مچ بت پرستوں کے لئے ایک دلخراش ، افسوسناک اور غم انگیز منظر تھا _ ابراہیم اپنا کام کرچکے اورپورے اطمینان وسکون کے ساتھ بتکدہ سے باہر آئے اور اپنے گھر چلے گئے اب وہ اپنے آپ کو آئندہ کے حوادث کے لئے تیار کررہے تھے _

وہ جانتے تھے کہ انھوں نے شہرمیں بلکہ پورے ملک بابل میں ایک بہت بڑادھماکہ کیا ہے جس کی صدابعد میں بلند ہوگی _غصہ اور غضب کا ایک ایسا طوفان اٹھے گا اور وہ اس طوفان میں اکیلے ہوں گے _لیکن ان کا خدا موجود ہے اور وہی ان کے لئے کافی ہے _

---

(۱)سورہ صافات آیت ۹۱

(۲)سورہ صافات آیت ۹۲

(۳) سورہ صافات آیت ۹۳

جناب ابراہیم (ع) نمرودیوں کی عدالت میں

آخر وہ عید کا دن ختم ہوگیا اور بت پرست خوشی مناتے ہوئے شہر کی طرف پلٹے اور سب بت خانے کی طرف گئے تاکہ بتوں سے اظہار عقیدت بھی کریں اور وہ کھانا بھی کھائیں کہ جو ان کے گمان کے مطابق بتوں کے پاس رکھے رہنے سے بابرکت ہوگیا تھا جو نہی وہ بت خانے کے اندر پہنچے تو ایک ایسا منظر دیکھا کہ ان کہ ہوش اڑ گئے آباد بت خانہ کے بجائے بتوں کا ایک ڈھیر تھا ان کے ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے تھے اور وہ ایک دوسرے پر گرے ہوئے تھے_" وہ تو چیخنے چلانے لگے :"یہ بلا اور مصیبت ہمارے خداؤں کے سر پر کون لایا ہے"؟ "یقینا جو کوئي بھی تھا ، ظالموں میں سے تھا"_[۱]

اس نے ہمارے خداؤں پر بھی ظلم کیا ہے ، ہماری قوم اور معاشرے پر بھی ، اور خود اپنے اوپر بھی کیونکہ اس نے اپنے اس عمل سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے_

لیکن وہ لوگ جو بتوں کے بارے میں ابراہیم کی دھمکیوں سے آگاہ تھے اور ان جعلی خداؤں کے بارے میں ان کی اہانت آمیز باتوں کو جانتے تھے، کہنے لگے :"ہم نے سنا ہے ایک جوان بتوں کے بارے میں باتیں کرتا تھا اور انہیں برا بھلا کہتا تھا ، اس کا نام ابراہیم (ع) ہے_"[۲]

یہ ٹھیک ہے کہ بعض روایات کے مطابق حضرت ابرہیم (ع) اس وقت مکمل طور پر جوان تھے اور احتمال یہ ہے کہ ان کی عمر ۱۶/ سال سے زیادہ نہیں تھی اور یہ بھی درست ہے کہ جوانمردی کی تمام خصوصیات ، شجاعت ، شہامت ، صراحت اور قاطعیت ان کے وجود میں جمع تھیں لیکن اس طرح سے بات کرنے سے بت پرستوں کی مراد یقینا تحقیر کے علاوہ کچھ نہیں تھی ، بجائے اس کے کہ یہ کہتے کہ ابراہیم (ع) نے یہ کام کیا ہے ، کہتے ہیں کہ ایک جوان ہے کہ جسے ابراہیم (ع) کہتے ہیں ، وہ اس طرح کہتا تھا یعنی ایک ایسا شخص کہ جو بالکل گمنام اور ان کی نظر میں بے حیثیت ہے_

---

(۱)سورہ انبیاء آیت ۵۹

(۲)سورہ انبیاء آیت ۶۰

اصولاً معمول یہ ہے کہ جب کسی جگہ کوئي جرم ہوجائے تو اس شخص کو تلاش کرنے کے لئے کہ جس سے وہ جرم سرزد ہوا ہو ان سے دشمنی رکھنے والوں کو تلاش کیا جاتاہے اور اس ماحول میں ابراھیم (ع) کے سوا مسلماً کوئي شخص بتوں کے ساتھ دست وگریبان نہیں ہوسکتا تھا لہذا تمام افکار انہیں کی طرف متوجہ ہوگئے اور بعض نے کہا : " اب جب کہ معاملہ اس طرح ہے تو جاؤ اور اس کو لوگوں کے سامنے پیش کروتاکہ وہ لوگ کہ جو پہچانتے ہیں اور خبر رکھتے ہیں گواہی دیں "_[۱]
منادی کرنے والوں نے شہر میں ہر طرف یہ منادی کی کہ جو شخص بھی ابراہیم(ع) کی بتوں سے دشمنی اور ان کی بدگوئي کے بارے میں آگاہ ہے ، حاضر ہوجائے، جلدہی جو آگاہ تھے وہ لوگ بھی اور تمام دوسرے لوگ بھی جمع ہوگئے تاکہ دیکھیں کہ اس ملزم کا انجام کیا ہوتا ہے_
ایک عجیب وغریب شوروغل لوگوں میں پڑا ہوا تھا ،چونکہ ان کے عقیدے کے مطابق ایک ایسا جرم جو پہلے کبھی نہ ہوا تھا جس نے ان کے دینی ماحول میں ایک دھماکہ کردیا تھا _

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دندان شکن دلیل

آخر کارعدالت لگی اور بازپرس ہوئي زعمائے قوم وہاں جمع ہوئے بعض کہتے ہیں کہ خود نمرود اس عمل کی نگرانی کررہاتھا _
پہلا سوال جو انہوں نے ابراہیم سے کیا وہ یہ تھا :" اے ابراہیم :کیاتونے ہی ہمارے خدائوں کے ساتھ یہ کام کیا ہے_"[۲] وہ اس بات تک کے لئے تیار نہیں تھے کہ یہ کہیں کہ تونے ہمارے خدائوں کو توڑا ہے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے ہیں ، بلکہ صرف یہ کہا کیا تونے ہمارے خدائوں کے ساتھ یہ کام کیا ہے ؟
ابراہیم (ع) نے ایسا جواب دیا کہ وہ خودگھر گئے اور ایسے گھرے کہ نکلنا ان کے بس میں نہ تھا " ابراہیم(ع) نے کہا : یہ کام اس بڑے بت نے کیا ہے ، ان سے پوچھو اگر یہ بات کرتے ہوں_ "[۳]

---

(۱)سورہ انبیاء آیت ۶۱

(۲)سورہ انبیائ(ع) آیت ۶۲

(۳) سورہ انبیاء آیت ۶۳

جرائم کی تفتیش کے اصول یہ ہیں، کہ جس کے پاس آثار جرم ملے، وہ ملزم ہے (مشہور روایت کے مطابق حضرت ابراہیم (ع) نے وہ کلہاڑا بڑے بت کی گردن میں ڈال دیا تھا)_

اصلاً، تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟ تم اپنے بڑے خدا کو ملزم قرار کیوں نہیں دیتے؟ کیا یہ احتمال نہیں ہے کہ وہ چھوٹے خدائوں پر غضبناک ہوگیا ہو یا اس نے انہیں اپنا آیندہ کا رقیب فرض کرتے ہوئے ان سب کا حساب ایک ہی ساتھ پاک کردیا ہو؟

ابراہیم (ع) نے قطعی طور پر اس عمل کو بڑے بت کی طرف منسوب کیا، لیکن تمام قرائن اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ وہ اس بات سے کوئی پختہ اور مستقل قصد نہیں رکھتے تھے، بلکہ وہ اس سے یہ چاہتے تھے کہ بت پرستوں کے مسلمہ عقائد کو، جو کہ خرافاتی اور بے بنیاد تھے، ان کے منہ پر دے ماریں اور ان کا مذاق اڑائیں اور انہیں یہ سمجھائیں کہ یہ بے جان پتھر اور لکڑیاں اس قدر حقیر ہیں کہ ایک جملہ تک بھی منہ سے نہیں نکال سکتیں، کہ اپنی عبادت کرنے والوں سے مدد طلب کرلیں، چہ جائیکہ وہ یہ چاہیں کہ ان کی مشکلات کو حل کردیں_

اس تعبیر کے نظیر ہمارے روزمرہ کے محاورات میں بہت زیادہ ہے کہ مد مقابل کی بات کو باطل کرنے کے لئے اس کے مسلمات کو امر یا خبر یا استفہام کی صورت میں اس کے سامنے رکھتے ہیں تاکہ وہ مغلوب ہوجائے اور یہ بات کسی طرح بھی جھوٹ نہیں ہوتی" جھوٹ وہ ہوتا ہے کہ جس کے ساتھ کوئی قرینہ نہ ہو"_

اس روایت میں کہ جو کتاب کافی میں امام صادق علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے، یہ بیان ہوا ہے کہ: "ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات اس لئے کہی کہ وہ ان کے افکار کی اصلاح کرنا چاہتے تھے_ اور انہیں سمجھانا چاہتے تھے کہ ایسے کام بتوں سے نہیں ہوسکتے_"

اس کے بعد امام علیہ السلام نے مزید فرمایا:

"خدا کی قسم یہ کام بتوں نے نہیں کیا تھا اور ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹ بھی نہیں بولا_"

زودگذر بیداري

ابراہیم (ع) کی باتوں نے بت پرستوں کو ہلاکررکھ دیا ، ان کے سوئے ہوئے وجدان کو بیدارکیا اور اس طوفان کی مانند کہ جو آگ کی چنگاریوں کے اوپرپڑی ہوئي بہت سی راکھ کو ہٹا دیتاہے اور اس کی چمک کو آشکار کردیتا ہے، ان کی فطرت توحیدی کو تعصب ،جہالت اور غرور کے پردوں کے پیچھے سے آشکار وظاہر کردیا_ زود گزر لمحے میں وہ موت کی سی ایک گہری نیند سے بیدار ہوگئے جیسا کہ قرآن کہتا ہے : " وہ اپنے وجدان اور فطرت کی طرف پلٹے اور خود اپنے آپ سے کہنے لگے کہ حق بات یہ ہے کہ ظالم تو تم خود ہی ہو_"(۱)

تم نے تو خود اپنے اوپر بھی ظلم و ستم کیا ہے اور اس معاشرے کے اوپر بھی کہ جس کے ساتھ تمہارا تعلق ہے اور نعمتوں کے بخشنے والے پروردگار کی ساحت مقدس میں بھی_ یہ بات قابل توجہ ہے کہ گزشتہ صفحات میں یہ بیان ہوا ہے کہ انہوں نے ابراہیم پر ظالم ہونے کا اتہام لگایا تھا لیکن اب انہیں یہاں معلوم ہوگیا کہ اصلی اور حقیقی ظالم تو وہ خود ہیں_

اور واقعاً ابراہیم (ع) کا اصل مقصد بتوں کے توڑنے سے یہی تھا_ مقصد تو بت پرستی کی فکر اور بت پرستی کی روح کو توڑنا تھا ورنہ بتوں کے توڑنے کا تو کوئي فائدہ نہیں ہے، ہٹ دھرم بت پرست ان سے زیادہ اور ان سے بھی بڑے اور بنالیتے اور ان کی جگہ پر رکھدیتے جیسا کہ نادان، جاہل اور متعصب اقوام کی تاریخ میں اس مسئلے کے بے شمار نمونے موجودہیں_ ابراہیم (ع) اس حدتک کامیاب ہوئے کہ انہوں نے اپنی تبلیغ کے ایک بہت ہی حساس اور ظریف مرحلہ کو ایک نفسیاتی طوفان پیدا کرکے طے کرلیا اور وہ تھا سوئے ہوئے وجدانوں کو بیدار کرنا_

بت تو بولتے ہی نہیں

لیکن افسوس : کہ جہالت و تعصب اور اندھی تقلید کا زنگ اس سے کہیں زیادہ تھا کہ وہ توحید کے اس

---

(۱) سورہ انبیاء آیت ۶۴

علمبردار کی صیقل بخش پکار سے کلی طور پر دور ہو جاتا ہے۔

افسوس کہ یہ روحانی اور مقدس بیداری زیادہ دیر تک نہ رہ سکی اور ان کے آلودہ اور تاریک ضمیر میں، جہالت اور شیطانی قوتوں کی طرف سے اس نور توحید کے خلاف قیام عمل میں آگیا اور ہر چیز اپنی پہلی جگہ پر پلٹ آئی قرآن کتنی لطیف تعبیر پیش کررہا ہے: "اس کے بعد وہ اپنے سر کے بل الٹے ہوگئے۔"(۱)

اور اس غرض سے کہ اپنے گونگے اور بے زبان خدائوں کی طرف سے کوئی عذر پیش کریں، انہوں نے کہا: "تو تو جانتاہے کہ یہ باتیں نہیں کرتے۔"(۲)

یہ تو ہمیشہ چپ رہتے ہیں اور خاموشی کے رعب کو نہیں توڑتے۔

اور اس تراشے ہوئے عذر کے ساتھ انہوں نے یہ چاہا کہ بتوں کی کمزوری، بدحالی اور ذلت کو چھپائیں۔

یہ وہ مقام تھا کہ جہاں ابراہیم جیسے ہیرو کے سامنے منطقی استدلال کے لئے میدان کھل گیا تاکہ ان پر بھرپور حملے کریں اور ان کے ذہنوں کو ایسی سرزنش اور ملامت کریں کہ جو منطقی اور بیدار کرنے والی ہو "(ابراہیم نے) پکار کر کہا: کیا تم خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کی پرستش کرتے ہو کہ جو نہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچاتے ہیں اور نہ ضرر" (۳)

یہ خیالی خدا کہ جو نہ بات کرنے کی قدرت رکھتے ہیں، نہ شعورو ادراک رکھتے ہیں، نہ خود اپنا دفاع کرسکتے ہیں، نہ بندوں کو اپنی حمایت کے لئے بلاسکتے ہیں، اصلاً ان سے کونسا کام ہوسکتا ہے اور یہ کس درد کی دوا ہیں؟ ایک معبود کی پرستش یا تو اس بناء پر ہوتی ہے کہ وہ عبودیت کے لائق ہے تو یہ بات بتوں کے بارے میں کوئی مفہوم نہیں رکھتی، یا کسی فائدہ کی امیدیں ہوتی ہے اور یا ان سے کسی نقصان کے خوف سے، لیکن بتوں کے توڑنے کے میرے اقدام نے بتادیا کہ یہ کچھ بھی نہیں کرسکتے تو کیا اس حال میں تمہارا یہ کام احمقانہ نہیں ہے؟

---

(۱) سورہ انبیاء آیت ۶۵

(۲) سورہ انبیاء آیت ۶۵

(۳) سورہ انبیاء آیت ۶۶

پھر یہ معلم توحیدبات کو اس سے بھی بالاترلے گیااور سرزنش کے تازیانے ان کی بے درد روح پر لگائے اور کہا : تف ہے تم پر بھی اور تمہارے ان خدائوں پر بھی کہ جنہیں تم نے خدا کوچھوڑکر اپنا رکھاہے _"

"کیا تم کچھ سوچتے نہیں ہو اور تمہارے سرمیں عقل نہیں ہے _"[۱]

لیکن انہیں برابھلاکہنے اور اور سرزنش کرنے میں نرمی اور ملاء مت کو بھی نہیں چھوڑاکہ کہیں اور زیادہ ہٹ دھرمی نہ کرنے لگیں درحقیقت ابراہیم نے بہت ہی چچے تلے انداز میں اپنا منصوبہ آگے بڑھایاپہلی مرتبہ انہیں توحید کی طرف دعوت دیتے ہوئے انہیں پکار کرکہا : یہ بے روح مجسمے کیاہیں ؟کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو؟ اگرتم یہ کہتے ہوکہ یہ تمہارے بڑوں کی سنت ہے توتم بھی گمراہ ہو اور وہ بھی گمراہ تھے _

دوسرے مرحلے میں ایک عملی اقدام کیاتاکہ یہ بات واضح کردیں کہ یہ بت اس قسم کی کوئي قدرت نہیں رکھتے کہ جو شخص ان کی طرف ٹیڑھی نگاہ سے دیکھے تو اس کو نابود کردیں ، خصوصیت کے ساتھ پہلے سے خبردار کرکے بتوں کی طرف گئے اور انہیں بالکل درہم وبرہم کردیاتاکہ یہ بات واضح کریں کہ وہ خیالات وتصورات جو انہوں نے باندھے ہوئے ہیں سب کے سب فضول اور بے ہودہ ہیں _

تیسرے مرحلے میں اس تاریخی عدالت میں انہیں بری طرح پھنسا کے رکھ دیا کبھی ان کی فطرت کو ابھارا، کبھی ان کی عقل کو جھنجھوڑا، کبھی پندو نصیحت کی اور کبھی سرزنش وملامت _

خلاصہ یہ کہ اس عظیم خدائي معلم نے ہرممکن راستہ اختیار کیا اور جو کچھ اس کے بس میں تھا اسے بروئے کارلایا لیکن تاثیرکے لئے ظرف میں قابلیت کا ہونا بھی مسلمہ شرط ہے _ افسوس یہ اس قوم میں موجود نہیں تھي_

لیکن بلاشبہ ابراہیم کی باتیں اورکام ، توحیدکے بارے میں کم ازکم استفہامی علامات کی صورت میں ان کے ذہنوں میں باقی رہ گئے اور یہ آیندہ کی وسیع بیداری اور آگاہی کے لئے ایک مقدمہ اور تمہید بن گئے _

---

(۱)سورہ انبیاء آیت ۶۷

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کچھ افراد اگرچہ وہ تعداد میں بہت کم تھے ، لیکن قدر وقیمت کے لحاظ سے بہت تھے ، ان پر ایمان لے آئے تھے اور نسبتاً کچھ آمادگی کا سامان دوسروں کے لئے بھی پیدا ہوگیا تھا _

ابراہیم (ع) کو جلا دیا جائے

اگرچہ ابراہیم (ع) کے عملی و منطقی استدلالات کے ذریعے سب کے سب بت پرست مغلوب ہوگئے تھے اور انہوں نے اپنے دل میں اس شکست کا اعتراف بھی کرلیا تھا _

لیکن تعصب اور شدید ہٹ دھرمی حق کو قبول کرنے میں رکاوٹ بن گئي لہذا اس میں کوئي تعجب کی بات نہیں ہے کہ انہوں نے ابراہیم کے بارے میں بہت ہی سخت اور خطرناک قسم کا ارادہ کرلیا اور وہ لوگ ابراہیم (ع) کو بدترین صورت میں قتل کرنا چاہتے تھے انہوں نے پروگرام بنایا کہ انہیں جلاکر راکھ کردیا جائے _

عام طورپر طاقت اور منطق کے درمیان معکوسی رابطہ ہوتا ہے ، جس قدر انسان میں طاقت اور قدرت زیادہ ہوتی جاتی ہے ، اتنی ہی اس کی منطق کمزور ہوتی جاتی ہے سوائے مردان حق کے کہ وہ جتنا زیادہ قوی اور طاقتور ہوتے ہیں ، اتنا ہی زیادہ متواضع اور منطقی ہوجاتے ہیں _

جو لوگ طاقت کی زبان سے بات کرتے ہیں جب وہ منطق کے ذریعے کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکیں تو فوراً اپنی طاقت وقدرت کا سہارا لے لیتے ہیں حضرت ابراہیم کے بارے میں ٹھیک یہی طرز عمل اختیار کیا گیا جیسا کہ قرآن کہتا ہے :

" ان لوگوں نے (چیخ کر) کہا: اسے جلادو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو ، اگر تم سے کوئي کام ہوسکتا ہے _"[(۱)]

طاقتور صاحبان اقتدار بے خبر عوام کو مشتعل کرنے کے لئے عام طورپر ان کی نفسیاتی کمزوریوں سے

---

(۱) سورہ انبیاء آیت ۶۸

فائدہ اٹھاتے ہیں کیونکہ وہ نفسیات کو پہچانتے ہیں اور اپنا کام کرنا خوب جانتے ہیں _

جیساکہ انہوں نے اس قصہ میں کیا اور ایسے نعرے لگائے اور ان کی غیرت کو للکارا: یہ تمہارے خدا ہیں، تمہارے مقدسات خطرے میں پڑگئے ہیں، تمہارے بزرگوں کی سنت کو پائوں تلے روندڈالا گیا ہے، تمہاری غیرت و حمیت کہاں چلی گئي؟ تم اس قدر ضعیف حال کیوں ہوگئے ہو؟ اپنے خدائوں کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ ابراہیم کو جلادو اور اپنے خدائوں کی مدد کرو، اگر کچھ کام تم سے ہوسکتا ہے اور بدن میں توانائي اورجان ہے،دیکھو: سب لوگ اپنے مقدسات کا دفاع کرتے ہیں، تمہارا تو سب کچھ خطرے میں پڑگیا ہے_

خلاصہ یہ کہ انہوں نے اس قسم کی بہت سی فضول اور مہمل باتیں کیں اور لوگوں کو ابراہیم کے خلاف بھڑکایا اس طرح سے کہ لکڑیوں کے چند گٹھوں کی بجائے کہ جو کئي افراد کے جلانے کے لئے کافی ہوتے ہیں، لکڑیوں کے ہزارہا گٹھے ایک دوسرے پر رکھ کر لکڑیوں کا ایک پہاڑ بنادیا اور اس کے بعد آگ کا ایک طوفان اٹھ کھڑاہوا تاکہ اس عمل کے ذریعہ سے اپنا انتقام بھی اچھی طرح سے لے سکیں اوربتوں کا وہ خیالی رعب ودبدبہ اور عظمت بھي، جس کو ابراہیم (ع) کے طرز عمل سے سخت نقصان پہنچا تھا، کسی حدتک بحال ہوسکے_

تاریخ دانوں نے اس مقام پر بہت سے مطالب تحریر کیے ہیں کہ جن میں سے کوئي بھی بعیدنظر نہیں آتا_

فرشتوں کی فریاد

سب لوگ چالیس دن تک لکڑیاں جمع کرنے میں لگے رہے اورہر طرف سے بہت سی خشک لکڑیاں لالا کر جمع کرتے رہے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئي تھی کہ وہ عورتیں تک بھی کہ جن کاکام گھرمیں بیٹھ کر چرخا کاتنا تھا، وہ اس کی آمدنی سے لکڑیوں کا گٹھالے کر اس میں ڈلواتی تھیں اوروہ لوگ کہ جو قریب مرگ ہوتے تھے، اپنے مال میں سے لکڑیاں خریدنے کی وصیت کرتے تھے اور حاجت منداپنی حاجتوں کے پورے ہونے کے لئے یہ منت مانتے تھے کہ اگران کی حاجت پوری ہوگئي، تو اتنی مقدار لکڑیوں کا اضافہ کریں گے_

یہی وجہ تھی کہ جب ان لکڑیوں میں مختلف اطراف سے آگ لگائي گئي تو اس کے شعلے اتنے بلند

ہوگئے تھے کہ پرندے اس علاقے سے نہیں گزر سکتے تھے _

یہ بات واضح ہے کہ اس قسم کی آگ کے تو قریب بھی نہیں جایا جاسکتا چہ جائیکہ ابراہیم علیہ السلام کو لے جاکر اس میں پھینکیں مجبوراً منجنیق سے کام لیا گیا حضرت ابراہیم کو اس کے اندار بٹھاکر بڑی تیزی کے ساتھ آگ کے اس دریا میں پھینک دیا گیا _

ان روایات میں کہ جو شیعہ اور سنی فرقوں کی طرف سے نقل ہوئی ہیں ، یہ بیان ہوا ہے کہ:

"جس وقت حضرت ابراہیم (ع) کو منجنیق کے اوپر بٹھایا گیا اور انہیں آگ میں پھینکا جانے لگا تو آسمان، زمین اور فرشتوں نے فریاد بلند کی اور بارگاہ خداوندی میں درخواست کی کہ توحید کے اس علمبرداراور حریت پسندوں کے لیڈر کو بچالے _"

اس وقت جبرئیل، حضرت ابراہیم کے پاس آئے اور ان سے کہا :

کیا تمہاری کوئی حاجت ہے کہ میں تمہاری مدد کروں ؟

ابراہیم علیہ السلام نے مختصر سا جواب دیا : تجھ سے حاجت ؟ نہیں ، نہیں ،(میں تو اسی ذات سے حاجت رکھتا ہوں کہ جو سب سے بے نیاز اور سب پر مہربان ہے)

تو اس موقع پر جبرئیل نے کہا : تو پھر تم اپنی حاجت خدا سے طلب کرو _

انہوں نے جواب میں کہا : "میرے لئے یہی کافی ہے کہ وہ میری حالت سے آگاہ ہے "_

ایک حدیث میں امام باقر علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ اس موقع پر حضرت ابراہیم نے خدا سے اس طرح رازونیاز کیا:

"یاا حد یا احد یاصمد یا صمد یا من لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفواًاحد توکلت علی الله _"

اے اکیلے: اے اکیلے اے بے نیاز اے بے نیاز اے وہ کہ جس نے کسی کو نہیں جنا اور نہ جو جنا گیا اور جس کا کوئی ہم پلہ نہیں : میں اللہ پر ہی بھرسہ رکھتا ہوں _

آگ گلزار ہوگئي

بہرحال لوگوں کے شوروغل ہو اور جوش وخروش کے اس عالم میں حضرت ابراہیم(ع) آگ کے شعلوں کے اندر پھینک دیئے گئے لوگوں نے خوشي سے اس طرح لغرے لگائے گویا بتوں کو توڑنے والا ہمیشہ کے لئۓ نابود اور خاکستر ہوگیا _

لیکن وہ خداکہ جس کے فرمان کے سامنے تمام چیزیں سرخم کیے ہوئے ہیں _ جلانے کی صلاحیت اسی نے آگ میں رکھی ہے اور مائوں کے دل میں محبت بھی اسی نے ڈالی ہے اس نے ارادہ کرلیا کہ یہ خالص بندئہ مومن آگ کے اس دریا میں صحیح وسالم رہے تاکہ اس کے افتخاراور اعزازکی سندوں میں ایک اور سند کا اضافہ ہوجائے _

جیسا کہ قرآن اس مقام پر کہتا ہے :"ہم نے آگ سے کہا :اے آگ : ابراہیم پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہوجا_"(۱)

مشہور یہ کہ آگ اس قدر ٹھنڈی ہوگئي کہ ابراہیم کے دانت ٹھنڈک کی شدت سے بجنے لگے اور بعض مفسرین کے قول کے مطابق تو اگر"سلاماً"کی تعبیر ساتھ نہ ہوتی تو آگ اس قدر سرد ہوجاتی کہ ابراہیم کی جان سردی سے خطرے میں پڑجاتی_ مشہور روایت میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ نمرودکی آگ خوبصورت گلستان میں تبدیل ہوگئي_یہاں تک کہ بعض نے تو کہا ہے کہ جس دن ابراہیم آگ میں رہے ، ان کی زندگی کے دنوں میں سب سے بہترین راحت وآرام کا دن تھا ؟ (۲)

---

(۱)سورہ انبیاء آیت ۶۹

(۲) آگ نے حضرت ابراہیم کوکیوں نہ جلایا ؟، مفسیرین کے درمیان بہت اختلاف ہے لیکن اجمالاً بات یہ ہے کہ بینش توحیدی کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی سبب سے بھی خدا کے حکم کے بغیر کوئي کام نہیں ہوسکتا ایک دن وہ ابراہیم کے ہاتھ میں موجود چھری سے کہتا ہے: نہ کاٹ اور دوسرے دن آگ سے کہتا : نہ جلا اور ایک دن پانی کوجو سبب حیات ہے حکم دیتا ہے کہ فرعون اور فرعونیوں کو غرق کردے

یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ابراہیم کے آگ میں صحیح وسالم رہ جانے سے صورت حال بالکل بدل گئی خوشی اورمسرت کا شور وغل ختم ہوگیا، تعجب سے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے کچھ لوگ ایک دوسرے کے کان میں رونما ہونے والی اس عجیب چیز کے بارے میں باتیں کررہے تھے ابراہیم (ع) اور اس کے خدا کی عظمت کا ورد زبانوں پر جاری ہوگیا نمرود کا اقتدار خطرے میں پڑگیا لیکن پھر بھی تعصب اور ہٹ دھرمی حق کو قبول کرنے میں پوری طرح حائل ہوگئی اگرچہ کچھ بیدار دل اس واقعہ سے بہرہ ور بھی ہوئے اور ابراہیم کے خدا کے بارے میں ان کے ایمان میں زیادتی اور اضافہ ہوا، مگر یہ لوگ اقلیت میں تھے_

بہادر نوجوان

حضرت ابراہیم کو جب آگ میں ڈالا گیا تو ان کی عمر سولہ سال سے زیادہ نہیں تھی اور بعض نے اس وقت ان کا سن ۲۶ سال کا ذکر کیا ہے_

بہرحال وہ جوانی کی عمر میں تھے اور باوجود اس کے کہ ظاہری طور پر ان کا کوئی یار ومددگار نہیں تھا، اپنے زمانے کے اس عظیم طاغوت کے ساتھ پنجہ آزمائی کی کہ جو دوسرے طاغوتوں کا سرپرست تھا، آپ تن تنہا جہالت، خرافات اور شرک کے خلاف جنگ کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور ماحول کے تمام خیالی مقدسات کا مذاق اڑایا اور لوگوں کے غصے اور انتقام سے ذرا بھی نہ گھبرائے کیونکہ ان کا دل عشق خدا سے معمور تھا اور ان کا اس پاک ذات پر ہی توکل اور بھروسہ تھا_

ہاں: ایمان ایسی ہی چیز ہے کہ یہ جہاں پیدا ہوجاتاہے وہاں جرات وشجاعت پیدا کردیتا ہے اور جس میں یہ موجود ہو، اسے شکست نہیں ہوسکتی_

ابراہیم علیہ السلام اور نمرود

حضرت ابراہیم(ع) کو جب آگ میں ڈالا گیا، نمرود کو یقین ہوگیا تھا کہ ابراہیم مٹی بھر خاک میں تبدیل ہوگئے ہیں لیکن جب اس نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہیں تو اپنے ارد گرد بیٹھے ہوئے لوگوں سے

کہنے لگا مجھے تو ابراہیم زندہ دکھائي دے رہا ہے شاید مجھے اشتباہ ہورہا ہے وہ ایک بلند مقام پر چڑھ گیا اور خوب غور سے دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ معاملہ تو اسی طرح ہے ـ

نمرود نے پکار کر کہا : اے ابراہیم (ع) : واقعاً تیرا خدا عظیم ہے اور اس قدر قدرت رکھتا ہے کہ اس نے تیرے اور آگ کے درمیان ایک رکاوٹ پیدا کردی اب جبکہ یہ بات ہے تو میں چاہتا ہوں کہ اس کی قدرت اور عظمت کی وجہ سے اس کے لئے قربانی کروں (اور اس نے چار ہزار قربانیاں اس مقصد کے لئے تیار کیں) لیکن ابراہیم نے اس سے کہا : تجھ سے کسی قسم کی قربانی اور کار خیر قبول نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ تو پہلے ایمان لے آئے ـ

نمرود نے جواب میں کہا :" اس صورت میں تو میری حکومت ختم ہوجائے گی اور میں یہ بات گوارا نہیں کرسکتا ـ"

بہر حال یہی حادثات اس بات کا سبب بن گئے کہ کچھ آگاہ اور بیدار دل لوگ ابراہیم کے خدا پر ایمان لے آئے یا ان کے ایمان میں اضافہ ہوگیا (اور شاید یہی واقعہ اس بات کا سبب بنا کہ نمرود ابراہیم کے مقابلہ میں کسی سخت رد عمل کا اظہار نہ کرے اور صرف ان کو سرزمین بابل سے جلاوطن کرنے پر قناعت کرے ـ)

نمرود سے گفتگو

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم (ع) کے مد مقابل اس اجتماع میں کون تھا اور کون آپ (ع) سے حجت بازی کررہا تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں اس کے نام کی صراحت نہیں ہے لیکن فرمایا گیا ہے:

اس غرور وتکبر کے باعث جو اس میں نشہ حکومت کی وجہ سے پیدا ہوچکا تھا وہ ابراہیم (ع) سے حجت بازی کرنے لگا ـ

لیکن حضرت علی علیہ السلام سے منقول درمنثور کی ایک حدیث میں اور اسی طرح تواریخ میں اس کا نام "نمرود بن کنعان" بیان کیا گیا ہے ـ

یہاں پر اس مباحثے کا وقت نہیں بتایا گیا_ لیکن قرائن سے اندازا ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابراہیم(ع) کی بت شکنی اور آگ کی بھٹی سے نجات کے بعد کا ہے کیونکہ یہ مسلم ہے کہ آگ میں ڈالے جانے سے قبل اس گفتگو کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، اور اصولی طور پر بت پرست آپ کو ایسے مباحثے کا حق نہ دے سکتے تھے وہ حضرت ابراہیم(ع) کو ایک ایسا مجرم اور گنہ گار سمجھتے تھے جسے ضروری تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے اپنے اعمال اور خدایان مقدس کے خلاف قیام کی سزا ملے_ وہ تو انہوں نے بت شکنی کے اقدام کا صرف سبب پوچھا تھا اور اس کے بعد انتہائی غصے اور سختی سے انہیں آگ میں جلانے کا حکم صادر ہوا تھا لیکن جب آپ(ع) حیرت انگیز طریقے سے آگ سے نجات پا گئے تو پھر اصطلاحی الفاظ میں "نمرود کے حضور رسائی ہوئی"اور پھر بحث و مباحثے کے لیے بیٹھ سکے_

بہر حال نمرود اپنی حکومت کی وجہ سے بادہ غرور سے سر مست تھا لہذا حضرت ابراہیم(ع) سے پوچھنے لگا تیرا خدا کون ہے_ حضرت ابراہیم(ع) نے کہا: "وہی جو زندہ کرتا اور مارتا ہے"، حقیقت میں آپ(ع) نے عظیم ترین شاہکار قدرت کو دلیل کے طور پر پیش کیا_ مبداء جہان ہستی کے علم و قدرت کی واضح نشانی یہی قانون موت وحیات ہے لیکن اس نے مکر و فریب کی راہ اختیار کی اور مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگا_ لوگوں اور اپنے حمایتیوں کو غافل رکھنے لے لئے کہا وہ تو میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں اور موت و حیات کا قانون میرے ہاتھ میں ہے_

قرآن میں اس کے جملے کے بعد واضح نہیں ہے کہ اس نے اپنے پیدا کئے گئے مغالطے کی تائید کے لئے کس طرح عملی اقدام کیا لیکن احادیث و تواریخ میں آیا ہے کہ اس نے فوراًدو قیدیوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا_قیدی لائے گئے تو اس نے فرمان جاری کیا کہ ایک کو آزاد کردو اور دوسرے کو قتل کردو_ پھر کہنے لگا: تم نے دیکھا کہ موت و حیات کس طرح میرے قبضے میں ہے_

یہ امر قابل توجہ ہے کہ حضرت ابراہیم(ع) کی موت و حیات سے متعلق دلیل ہر لحاظ سے قوی تھی لیکن دشمن شادہ لوح لوگوں کو جھل دے سکتا تھا لہذا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسرا استدلال پیش فرمایا کہ خدا

آفتاب کو افق مشرق سے نکالتا ہے اگر جہاں ہستی کی حکومت تیرے ہاتھ میں ہے تو تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا_ یہاں دشمن خاموش، مبہوت اور عاجز ہوگیا_ اس میں سکت نہ رہی کہ اس زندہ منطق کے بارے میں کوئی بات کرسکے_ ایسے ہٹ دھرم دشمنوں کو لاجواب کرنے کا یہ بہترین طریقہ ہے_

یہ مسلم ہے کہ موت و حیات کا مسئلہ کئی جہات سے آسمان اور گردش شمس و قمری کی نسبت پروردگار عالم کے علم و قدرت پر زیادہ گواہی دیتا ہے_ اسی بنا_ پر حضرت ابراہیم(ع) نے پہلے وہی مسئلہ پیش کیا اور یہ فطری امر ہے کہ اگر صاحب فکر اور روشن ضمیر افراد اس مجلس میں ہوں گے تو وہ اسی دلیل سے مطمئن ہوگئے ہوں گے کیونکہ ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ ایک قیدی کو آزاد کرنا اور دوسرے کو قتل کردینا یہ طبیعی اور حقیقی موت و حیات سے بالکل ربط نہیں رکھتا، لیکن جو لوگ کم عقل تھے اور اس دور کے ظالم حکمران کے پیدا کردہ مغالطے سے متاثر ہوسکتے تھے ان کی فکر راہ حق سے منحرف ہوسکتی تھی لہذا آپ(ع) نے دوسرا استدلال پیش کیا اور سورج کے طلوع و غروب کا مسئلہ پیش کیا تاکہ حق ہردو طرح کے افراد کے سامنے واضح ہوجائے_

اس بات کی توجہ کرنا مناسب ہے کہ قرآنی گفتگو سے یہ بات اچھی واضح ہوتی ہے کہ وہ ظالم اپنے بارے میں الوہیت کا مدعی تھا، یہی نہیں کہ وہ اپنی پرستش کرواتا تھابلکہ اپنے آپ کو عالم ہستی کا پیدا کرنے والابھی بتاتا تھا، یعنی اپنے آپ کو "معبود" بھی سمجھتا تھا اور"خالق" بھي_

بت پرستوں کی سرزمین سے ابراہیم کی ہجرت

ابراہیم(ع) کے آگ میں ڈالے جانے کے واقعہ اور اس خطرناک مرحلہ سے ان کی معجزانہ نجات نے نمرود کے ارکان حکومت کو لرزہ براندام کردیا، نمرود تو بالکل حواس باختہ ہوگیا کیونکہ اب وہ ابراہیم کو ایک فتنہ کھڑا کرنے والا اور نفاق ڈالنے والا جوان نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ ابراہیم اب ایک خدائی رہبر اور بہادر رہبر کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا اس نے دیکھاکہ ابراہیم اس کے تمام ترطاقت ووسائل کے باوجود اس کے خلاف جنگ کی ہمت رکھتا ہے اس نے سوچا کہ اگر ابراہیم ان حالات میں اس شہراور اس ملک میں رہا تو اپنی باتوں

،قوی منطق اور بے نظیر شجاعت کے ساتھ ، مسلمہ طور پر اس جابر، خود سر اور خود غرض حکومت کے لئے ایک خطرے کا مرکز بن سکتا ہے لہذا اس نے فیصلہ کیا کہ ابراہیم کو ہر حالت میں اس سرزمین سے چلا جانا چاہئے_

دوسری طرف ابرہیم حقیقت میں اپنی رسالت کا کام اس سرزمین میں انجام دے چکے تھے وہ حکومت کی بنیادوں پر یکے بعد دیگرے چکنا چور کرنے والی ضربیں لگا چکے تھے اس سرزمین میں ایمان وآگاہی کا بیج بو چکے تھے اب صرف ایک مدت کی ضرورت تھی کہ جس سے یہ بیج آہستہ آہستہ بار آور ہو اور بت پرستی کی بساط الٹ جائے _

اب ان کے لئے بھی مفید یہی تھا کہ یہاں سے کسی دوسری سرزمین کی طرف چلے جائیں اور اپنی رسالت کے کام کو وہاں بھی عملی شکل دیں لہذا انہوں نے یہ ارادہ کرلیا کہ لوط (جو آپ کے بھتیجے تھے)اور اپنی بیوی سارہ اور احتمالاً مومنین کے ایک چھوٹے سے گروہ کو ساتھ لے کر اس سرزمین سے شام کی طرف ہجرت کرجائیں_

جیسا کہ قرآن کہتا ہے : ہم نے ابراہیم اور لوط کو ایسی سرزمین کی طرف نجات دی کہ جسے ہم نے سارے جہان والوں کے لئے برکتوں والا بنایا تھا_"[1]

اگرچہ قرآن میں اس سرزمین کا نام صراحت کے ساتھ بیان نہیں ہوا ہے لیکن سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت﴿سبحان الذي ـــــــــ بارکناحوله_﴾ پر توجہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد ہی شام کی سرزمین ہے جو ظاہری اعتبار سے بھی پر برکت ، زرخیز اور سرسبز وشاداب ہے اور معنوی لحاظ سے بھی ،کیونکہ وہ انبیا کی پرورش کا مرکز تھی _

ابراہیم (ع) نے یہ ہجرت خود اپنے آپ کی تھی یا نمرود کی حکومت نے انہیں جلاوطن کیا یا یہ دونوں ہی صورتیں واقع ہوئیں ، اس بارے میں تفاسیر وروایات میں مختلف باتیں بیان کی گئی ہیں ان کا مجموعی مفہوم یہي

---

(۱)سورہ انبیاء آیت ۷۱

ہے کہ ایک طرف تو نمرود اور اس کے ارکان حکومت ابراہیم(ع) کو اپنے لئے بہت بڑا خطرہ سمجھتے تھے، لہذا انھوں نے انھیں اس سرزمین سے نکلنے پر مجبور کردیا اور دوسری طرف ابرہیم(ع) بھی اس سرزمین میں اپنی رسالت کے کام تقریباً مکمل کرچکے تھے اور اب کسی دوسرے علاقے میں جانے کے خواہاں تھے کہ دعوت توحید کو وہاں بھی پھیلائیں خصوصاً بابل میں باقی رہنے سے ممکن تھا کہ آپ کی جان چلی جاتی اور آپ کی عالمی دعوت نامکمل رہ جاتی ـ

یہ بات قابل توجہ ہے کہ امام صادق علیہ السلام سے ایک روایت میں یہ بیان ہوا کہ جس وقت نمرود نے یہ ارادہ کیا کہ ابراہیم کو اس سرزمین سے جلاوطن کردے تو اس نے یہ حکم دیا کہ ابراہیم کی بھیڑیں اور ان کا سارا مال ضبط کرلیا جائے اور وہ اکیلاہی یہاں سے باہر جائے حضرت ابراہیم نے ان سے کہا یہ میری عمر بھر کی کمائي ہے اگر تم میرا مال لینا چاہتے ہو تو میری اس عمر کو جو میں نے اس سرزمین میں گزاری ہے مجھے واپس دے دو لہذا طے یہ پایا کہ حکومت کے قاضیوں میں سے ایک اس بارے میں فیصلہ دے ،قاضی نے حکم دیا کہ ابراہیم (ع) کا مال لے لیا جائے اور جو عمر انہوں نے اس سرزمین میں خرچ کی ہے وہ انہیں واپس کردی جائے ـ

جس وقت نمرود اس واقعے سے آگاہ ہوا تو اس نے بہادر قاضی کے حقیقی مفہوم کو سمجھ لیا اور حکم دیا کہ ابراہیم کا مال اور اس کی بھیڑیں اسے واپس کردی جائیں تاکہ وہ انہیں ساتھ لے جائے اور کہا: مجھے ڈر ہے کہ اگر وہ یہاں رہ گیا تو وہ تمہارے دین وآئین کو خراب کردے گا اور تمہارے خداؤں کو نقصان پہنچائے گا"ـ

کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا ؟

ایک دن حضرت ابراہیم(ع) دریا کے کنارے سے گزررہے تھےـ آپ نے دریا کے کنارے ایک مردار پڑاہوا دیکھا، اس کا کچھ حصہ دریا کے اندراور کچھ باہر تھا دریا اور خشکی کے جانور دونوں طرف سے اسے کھارہے تھے بلکہ کھاتے کھاتے ایک دوسرے سے لڑنے لگتے تھے، اس منظر نے حضرت ابراہیم(ع) کو ایک ایسے مسئلہ کی فکر میں ڈال دیا جس کی کیفیت سب تفصیل سے جاننا چاہتے ہیں اور وہ ہے موت کے بعد مردوں کے زندہ ہونے کی کیفیت ابراہیم(ع) سوچنے لگے کہ اگر ایسا ہی انسانی جسم کے ساتھ ہو اور انسان کا بدن جانوروں کے

بدن کا جزء بن جائے تو قیامت میں اٹھنے کا معاملہ کیسے عمل میں آئے گا جب کہ وہاں انسان کو اسی بدن کے ساتھ اٹھنا ہے۔

حضرت ابراہیم (ع) نے کہا: خدایا مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ اللہ تعالی نے فرمایا: کیا تم اس بات پر ایمان نہیں رکھتے؟ انہوں نے کہا: ایمان تو رکھتا ہوں لیکن چاہتا ہوں دل کو تسلی ہوجائے۔

خدا متعال نے حکم دیا: چار پرندے لے لو اور ان کا گوشت ایک دوسرے سے ملادو پھر اس سارے گوشت کے کئي حصے کردو اور ہر حصہ کو ایک پہاڑ پر رکھ دو اس کے بعد ان پرندوں کو پکارو تاکہ میدان حشر کا منظر دیکھ سکو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا تو انتہائي حیرت کے ساتھ دیکھا کہ پرندوں کے اجزاء مختلف مقامات سے جمع ہوکر ان کے پاس آگئے ہیں اور ان کی ایک نئي زندگی کا آغاز ہوگیا ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن کہتا ہے:

"اس وقت (کو یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا: خدایا: مجھے دکھا دے تو کیسے مردوں کو زندہ کرتا ہے، فرمایا: کیا تم ایمان نہیں لائے۔ کہنے لگے: کیوں نہیں، میں چاہتا ہوں میرے دل کو اطمینان ہوجائے فرمایا: یہ بات ہے تو چار پرندے انتخاب کرلو (ذبح کرنے کے بعد) انہیں ٹکڑے ٹکڑے کرلو (پھر ان کے گوشت کو آپس میں ملادو) پھر ہر پہاڑ پر ایک حصہ رکھ دو، پھر انہیں پکارو، وہ تیزی سے تمہارے پاس آئیں گے، اور جان لو کہ خدا غالب اور حکیم ہے"۔[(۱)] (وہ مردوں کے اجزائے بدن کو بھی جانتا ہے اور انہیں جمع کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہے۔)

چند اہم نکات

۱۔ چار پرندے: اس میں شک نہیں کہ مذکورہ چار پرندے مختلف قسم کے پرندوں میں سے تھے کیونکہ اس کے بغیر حضرت ابراہیم کا مقصد پورا نہیں ہوسکتا ہے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ ہر ایک کے اجزاء اس

---

(۱) سورہ بقرہ آیت ۲۵۹

کے اصلی بدن میں واپس آئیں اور یہ مختلف قسم کے ہونے کی صورت میں ہی ظاہر ہو سکتا تھا_ مشہور روایت کے مطابق وہ چار پرندے اس طرح تھے مور، مرغ، کبوتر اور کوا جو کہ کئي پہلوئوں سے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں_

بعض ان پرندوں کو انسانوں کی مختلف صفات اور جذبات کا مظہر سمجھتے ہیں_

مور: خود نمائي، زیبائش اور تکبر کا مظہر ہے_

مرغ: شدید جنسی میلانات کا مظہر ہے_

کبوتر: لہوو لعب اور کھیل کود کا مظہر ہے_

کوا: لمبی چوڑی آرزئوں اور تمنائوں کا مظہر ہے_

۲_ پہاڑوں کی تعداد: جن پہاڑوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پرندوں کے اجزار کھے تھے ان کی تعدا کی صراحت قرآن حکیم میں نہیں ہے لیکن روایات اہل بیت میں یہ تعداد دس بتائي گئي ہے_[۱]

۳_ واقعہ کب رونما ہوا: جب حضرت ابراہیم بابل میں تھے یا جب شام چلے آئے تھے، یوں لگتا ہے، یہ شام میں آنے کے بعد کا واقعہ ہے کیونکہ سرزمین بابل میں پہاڑ نہیں ہیں_

اسماعیل (ع) اور ہاجرہ(ع) کو منتقل کرنے کا حکم

سالہا گذرگئے کہ جناب ابراہیم(ع) نے اس صالح فرزند کے انتظار اور خواہش میں زندگی بسر کرتے رہے، انھوں نے عرض کیا: "پروردگارا: مجھے ایک فرزند صالح عطا فرما_"[۲]

آخر کار خدا نے ان کی دعا قبول کرلي، پہلے انھیں اسماعیل(ع) اور پھر اسحاق(ع) مرحمت فرمایا کہ جن میں سے ہر ایک بزرگ پیغمبر اور صاحب منزلت تھے_

---

(۱) اسی لئے بعض روایات میں آیا ہے کہ اگر کوئي شخص وصیت کرجائے کہ اس کے مال کا ایک جزء فلاں سلسلے میں صرف کرنا اور اس کی مقدار معین نہ کرجائے تو مال کا دسواں حصہ دینا کافی ہے_

(۲) سورہ صافات آیت ۱۰۰

آپ نے اپنی کنیزہاجرہ کو اپنی بیوی بنا لیا تھا _ اس سے انہیں اسماعیل جیسا بیٹا نصیب ہوا آپ کی پہلی بیوی سارہ نے ان سے حسد کیا یہی حسد سبب بنا کہ آپ ہاجرہ اور اپنے شیر خوار بچے کو حکم خدا سے فلسطین سے لے کر مکہ کی جلتی ہوئي سنگلاخ پہاڑوں کی سرزمین میں لے گئے یہ وہ علاقہ تھا جہاں پانی کی ایک بوند بھی دستیاب نہ تھی آپ (ع) حکم خدا سے ایک عظیم امتحان سے گزرتے ہوئے انہیں وہاں چھوڑ کر واپس فلسطین آگئے _

وہاں چشمہ زمزم پیدا ہوا اس اثنا میں جرہم قبیلہ ادھر سے گزرا اس نے جناب ہاجرہ سے وہاں قیام کی اجازت چاہی _ گویا واقعات کا ایک طولانی سلسلہ ہے کہ جو اس علاقے کی آبادی کا باعث بنا _

حضرت ابراہیم (ع) نے خدا سے دعا کی تھی کہ اس جگہ کو آباد اور پر برکت شہر بنادے اور لوگوں کے دل میری اولاد کی طرف مائل کردے ان کی اولاد وہاں پھلنے پھولنے لگی تھی _[1]

یہ بات جاذب نظر ہے کہ بعض مورخین نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم ہاجرہ اور شیر خوار اسماعیل کو مکہ میں چھوڑ کر واپس جانا چاہتے تھے تو جناب ہاجرہ نے فریادکي: اے ابراہیم (ع) آپ کو کس نے حکم دیا ہے کہ ہمیں ایسی جگہ پر چھوڑ جائیں کہ جہاں نہ کوئي سبزہ ہے ، نہ دودھ دینے والا کوئي جانور، یہاں تک کہ یہاں پانی کا ایک گھونٹ بھی نہیں ہے آپ پھر بھی ہمیں بغیر زادو توشہ اور مونس ومددگار کے چھوڑے جارہے ہیں _

حضرت ابراہیم (ع) نے مختصر سا جواب دیا : میرے پروردگار نے مجھے یہی حکم دیا ہے _

ہاجرہ نے یہ سنا توکہنے لگیں : اگر ایسا ہے تو پھر خدا ہرگز ہمیں یونہی نہیں چھوڑے گا _

ابراہیم (ع) نے حکم خدا کی اطاعت کی اور انہیں سرزمین مکہ میں لے گئے جو ایسی خشک اور بے آب وگیاہ تھی کہ وہاں کسی پرندے کا بھی نام ونشان نہ تھا جب ابراہیم انہیں چھوڑ کر تنہا واپس ہولئے تو ان کی اہلیہ رونے لگیں کہ ایک عورت اور ایک شیر خوار بچہ اس بے آب وگیاہ بیابان میں کیا کریں گے _

اس خاتون کے گرم آنسو اور ادھر بچے کا نالہ وزاری اس منظر نے ابراہیم (ع) کا دل ہلاکے رکھ دیا _

---

(۱)سورہ ابراہیم ایت ۳۷ تا ۴۱

انہوں نے بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا:

خدا وندا: میں تیرے حکم پر اپنی بیوی اور بچے کو اس جلادینے والے بے آب وگیاہ بیابان میں تنہا چھوڑ رہا ہوں، تاکہ تیرا نام بلند اور تیرا گھر آباد ہو_

یہ کہہ کر غم واندوہ اور شدید محبت کے عالم میں الوداع ہوئے_

زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ماں کے پاس آب وغذا کا جو توشہ تھا ختم ہوگیا اور اس کی چھاتی کا دودھ بھی خشک ہوگیا شیر خوار بچے کی بے تابی اور تضرع وزاری نے ماں کو ایسا مضطرب کردیا کہ وہ اپنی پیاس بھول گئي وہ پانی کی تلاش میں اٹھ کھڑی ہوئي، پہلے کوہ صفا کے قریب گئي تو پانی کا کوئي نام ونشان نظر نہ آیا، سراب کی چمک نے اسے کوہ مروہ کی طرف کھینچا تو وہ اس کی طرف دوڑی لیکن وہاں بھی پانی نہ ملا، وہاں ویسی چمک صفاپر دکھائي دی تو پلٹ کر آئي، زندگی کی بقاء اور موت سے مقابلہ کے لئے اس نے سات چکر لگائے، آخر شیر خوار بچہ زندگی کی آخری سانسیں لینے لگا کہ اچانک اس کے پائوں کے پاس انتہائي تعجب خیز طریقہ سے زمزم کا چشمہ ابلنے لگا، ماں اور بچے نے پانی پیا اور موت جو یقینی ہوگئي تھی اس سے بچ نکلے_

زمزم کا پانی گویا آب حیات تھا، ہر طرف سے پرندے اس چشمہ کی طرف آنے لگے، قافلوں نے پرندوں کی پرواز دیکھی تو اپنے رُخ کو اس طرف موڑدیا اور ظاہراً ایک چھوٹے سے خاندان کی فداکاری کے صلے میں ایک عظیم مرکز وجود میں آگیا_

آج خانہ خدا کے پاس اس خاتون اور اس کے فرزند اسماعیل (ع) کا مسکن ہے، ہر سال تقریباً ۲۰ / لاکھ افراد اطراف عالم سے آتے ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ اس مسکن کو جسے مقام اسماعیل کہتے ہیں اپنے طواف میں شامل کریں گویا اس خاتون اور اس کے بیٹے کے مدفن کو کعبہ کا جزء سمجھیں_

اسماعیل (ع) قربان گاہ میں

اسماعیل کا سن ۱۳ / سال کا تھا کہ حضرت ابراہیم نے ایک عجیب اور حیرت انگیز خواب دیکھا، یہ خواب اس عظیم الشان پیغمبر کے لئے ایک اور آزمائش کو بیان کرتا تھا_ انھوں نے خواب دیکھا کہ انھیں خدا کی طرف

سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے قربانی کریں اور اسے ذبح کردیں۔

ابراہیم(ع) وحشت زدہ خواب سے بیدار ہوئے ،وہ جانتے تھے کہ پیغمبروں کے خواب حقیقت اور شیطانی وسوسوں سے دور ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود دو راتوں میں بھی یہی خواب دیکھا جو اس امر کے لازم ہونے اور اسے جلد انجام دینے کے لئے تاکید تھی۔

کہتے ہیں کہ پہلی مرتبہ "شب ترویہ" (آٹھ ذی الحجہ کی رات) یہ خواب دیکھا اور "عرفہ" اور "عید قربان" (نویں اور دسویں ذی الحجہ) کی راتوں میں خواب کا تکرار ہوا۔ لہذا اب ان کے لئے ذراسا بھی شک باقی نہ رہا کہ یہ خدا کا قطعی فرمان ہے۔

ابراہیم(ع) جو بارہا امتحان خداوندی کی گرم بھٹی سے سرفراز ہو کر باہر آچکے تھے،اس دفعہ بھی چاہئے کہ بحر عشق میں کود پڑیں اور خداوند عالم کے فرمان کے سامنے سر جھکادیں ،اور اس فرزند کو جس کے انتظار میں عمر کا ایک حصہ گذار دیا تھا اور اب وہ ایک آبرومند نوجوان تھا، اسے اپنے ہاتھ سے ذبح کردیں۔

لیکن ضروری ہے کہ ہر چیز سے پہلے اپنے فرزند کو اس کام کے لئے آمادہ کریں ، لہذا اس کی طرف رخ کرکے فرمایا :" میرے بیٹے : میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کررہاہوں ، اب تم دیکھو: تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے"؟ (۱)

بیٹا بھی تو ایثار پیشہ باپ کے وجود کا ایک حصہ تھا اور جس نے صبرو استقامت اور ایمان کا درس اپنی چھوٹی سی عمر میں اسی کے مکتب میں پڑھا تھا ، اس نے خوشی خوشی خلوص دل کے ساتھ اس فرمان الٰہی کا استقبال کیا اور صراحت اور قاطعیت کے ساتھ کہا:

"اباجان : جو حکم آپ کو دیا گیا ہے اس کی تعمیل کیجئے"۔ (۲)

میری طرف سے بالکل مطمئن رہیئے۔" انشاء اللہ آپ مجھے صابرین میں سے پائیں گے"۔ (۳)

---

(۱)سورہ صافات آیت ۱۰۲

(۲)سورہ صافات آیت ۱۰۲

(۳)سورہ صافات آیت ۱۰۲

باپ اور بیٹے کی یہ باتیں کس قدر معنی خیز ہیں اور کتنی باریکیاں ان میں چھپی ہوئی ہیں ۔

ایک طرف تو باپ، ۱۳/ سالہ بیٹے کے سامنے اسے ذبح کرنے کی بات بڑی صراحت کے ساتھ کرتا ہے اور اس سے اس کی رائے معلوم کرتا ہے اس کے لئے مستقل شخصیت اور ارادے کی آزادی کا قائل ہوتا ہے ، وہ ہرگز اپنے بیٹے کو دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا اور اسے اندھیرے میں رکھتے ہوئے امتحان کے اس عظیم میدان میں آنے کی دعوت نہیں دیتا وہ چاہتا ہے کہ بیٹا بھی اس عظیم امتحان میں پورے دل کے ساتھ شرکت کرے اور باپ کی طرح تسلیم ورضا کا مزہ چکھے ۔

دوسری طرف بیٹا بھی یہ چاہتا ہے کہ باپ اپنے عزم وارادہ میں پکا اور مضبوط رہے، یہ نہیں کہتا کہ مجھے ذبح کریں بلکہ کہتا ہے : جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے بجالائیں میں اس کے امر و فرمان کے سامنے سر تسلیم خم ہوں ، خصوصاً باپ کو "یا ابت " (ابا جان :) کہہ کر مخاطب کرتا ہے ،تاکہ اس بات کی نشاندہی کردے کہ اس مسئلے پر جذبات فرزند و پدر کا سوئي کی نوک کے برابر بھی اثر نہیں ، کیونکہ فرمان خدا ہر چیز پر حاکم ہے ۔

اور تیسری طرف سے پروردگار کی بارگاہ میں مراتب اداب کی اعلی ترین طریقے سے پاسداری کرتا ہے ،ہرگز اپنے ایمان اور عزم وارادہ کی قوت پر بھروسہ نہیں کرتا ، بلکہ خدا کی مشیت اور اس کے ارادہ پر تکیہ کرتا ہے اور اس عبادت کے ساتھ اس سے پامردی اور استقامت کی توفیق چاہتا ہے ۔

اس طرح سے باپ بھی اور بیٹا بھی اس عظیم آزمائش کے پہلے مرحلے کو مکمل کامیابی کے ساتھ گزاردیتے ہیں ۔

شیطانی وسوسہ

شیطان نے بہت ہاتھ پائوں مارے کہ کوئي ایسا کام کرے کہ حضرت ابراہیم (ع) اس میدان سے کامیاب ہو کر نہ نکلیں ، کبھی وہ (اسمعیل کي) ماں ہاجرہ کے پاس آیا اور ان سے کہا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ ابراہیم نے کیا ارادہ کیا ہے ؟ وہ چاہتاہے کہ آج اپنے بیٹے کو ذبح کردے ۔

ہاجرہ نے کہا: دور ہوجا ، محال اور نہ ہونے والی بات نہ کر، کیونکہ وہ تو بہت مہربان ہے اپنے بیٹے کو

کیسے ذبح کرسکتا ہے ؟ اصولاً کیا دنیا میں کوئي ایسا انسان پیدا ہوسکتا ہے جو اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کردے ؟

شیطان نے اپنے وسوسہ کو جاری رکھتے ہوئے کہا: اس کا دعوی ہے کہ خدانے اسے حکم دیا ہے_ہاجرہ نے کہا: اگر خدانے اسے حکم دیا ہے توپھر اسے اطاعت کرنا چاہیے، اور سوائے رضاو تسلیم کے کوئي دوسری راہ نہیں ہے_

پھر شیطان ان کے بیٹے اسماعیل(ع) کے پاس آیا، اور انھیں ورغلانے لگا، ان سے بھی اسے کچھ حاصل نہ ہوسکا، کیونکہ اس نے اسماعیل (ع) کو تسلیم ورضا کا پیکر پایا_

آخرمیں حضرت ابراہیم (ع) کے پاس آیا اور ان سے کہا: ابراہیم(ع) : جو خواب تم نے دیکھا ہے وہ شیطانی خواب ہے، تم شیطان کی اطاعت نہ کرو_

ابراہیم (ع) نے نور ایمان اور نبوت کے پرتو میں اسے پہچان لیا: چلاکر کہا:"دورہوجااے دشمن خدا_"

ایک حدیث میں منقول ہے کہ حضرت ابراہیم (ع) پہلے" مشعرالحرام" میں آئے تاکہ بیٹے کی قربانی دیں، تو شیطان ان کے پیچھے دوڑا_ وہ" جمرہ اولی" کے پاس آئے شیطان کو دیکھا، اس کو سات پتھر مارے، اس کے بعد وہاں سے جمرہ دوم پر ائے وہاں شیطان کو دیکھا تو دوبارہ سات پتھر اسے مارے یہاں تک کہ" جمرہ عقبہ" میں آئے تو سات اور پتھر اسے مارے _(اور اسے ہمیشہ کے لئے اپنے سے مایوس کردیا)_

میری والدہ کو سلام کہنا

اس دوران کیا کیا حالات پیش آئے، قرآن نے انھیں تشریح کے ساتھ بیان نہیں کیا اور صرف اس عجیب ماجرے کے نہایت حساس پہلو ذکرکئے ہیں_

بعض نے لکھا ہے کہ فداکار بیٹے نے اس بنا پر کہ باپ کی اس ماموریت کی انجام دہی میں مدد کرے اور ماں کے رنج واندوہ میں کمی کرے جس وقت وہ اسے سرزمین" منی" کے خشک اور جلاڈالنے والے گرم

پہاڑوں کے درمیان ، قربان گاہ میں لائے تو باپ سے کہا: اباجان :رسی کو مضبوطی کے ساتھ باندھ دیجئے، تاکہ میں فرمان خداوندی کے اجراء کے وقت ہاتھ پائوں نہ ہلا سکوں ،مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس سے میرے اجر میں کمی واقع نہ ہوجائے _

اباجان :چھری تیز کرلیجیے اور تیزی کے ساتھ میرے گلے پر چلایئےا کہ اسے برداشت کرنا مجھ پر بھی (اور آپ پر بھی) زیادہ آسان ہوجائے _

اباجان : میرا کرتا پہلے ہی میرے بدن سے اتار لیجئے تاکہ وہ خون آلودنہ ہو، کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کہیں میری ماں اسے دیکھے تو دامن صبراس کے ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے _

پھر مزید کہا: میرا سلام میری ماں کو پہنچادیجئے گا اور اگر کوئي امر مانع نہ ہو تو میرا کرتا اس کے لئے لے جایئےا جو اسکی تسلی خاطر اور تسکین کا باعث بنے گا کیونکہ وہ اس سے بیٹے کی خوشبو سونگھے گی اور جس وقت دل بے قرار ہوگا تو اسے اپنی آغوش میں لے لے گی اس طرح یہ اس کے درددل میں تخفیف کا باعث ہوگا _

باپ بیٹے ایک دوسرے سے مل کررونے لگے

آخروہ حساس لمحے آن پہنچے جب فرمان الہی کی تعمیل ہونا تھی حضرت ابراہیم (ع) نے جب بیٹے کے مقام تسلیم کو دیکھا، اسے اپنی آغوش میں لے لیا، اس کے رخساروں کے بوسے لئے اوراس گھڑی دونوں رونے لگے_ ایسا گریہ تھا کہ ان کے جذبات اور لقائے خدا کے لئے ان کا شوق ظاہر ہوتا تھا _

قرآن مختصر اور معنی خیزعبارت میں صرف اتنی سی بات کہتا ہے : "جب دونوں آمادہ وتیار ہوگئے اور (باپ) ابراہیم (ع) نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا"(۱)

قرآن یہاں پھر اختصار کے ساتھ گزرگیا ہے اور سننے والے کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے احساسات کی موجوں کی ساتھ قصے کو سمجھے _

---

(۱) سورہ صافات آیت ۱۰۳

بعض نے کہا ہے کہ "تلہ للجبین"_سے مراد یہ تھی کہ پیشانی خود اس کی فرمائش پر زمین پر رکھی کہ مبادا ان کی نگاہ بیٹے کے چہرے پر پڑے اور پدری جذبات جوش میں آجائیں اور فرمان خدا کے اجراء میں مانع ہوجائیں_

بہر حال حضرت ابراہیم نے بیٹے کے چہرے کو خاک پر رکھا اور چھری کو حرکت دی اور تیزی اور طاقت کے ساتھ اسے بیٹے کے گلے پر پھیر دیا جب کہ ان کی روح ہیجان میں تھی اور صرف عشق خداہی انھیں اپنی راہ میں کسی شک کے بغیر آگے بڑھا رہا تھا_

لیکن تیزدھار چھری نے بیٹے کے لطیف ونازک گلے پر معمولی سا بھی اثر نہ کیا_

حضرت ابراہیم(ع) حیرت میں ڈوب گئے ،دوبارہ چھری کو چلایا ، لیکن پھر بھی وہ کارگر ثابت نہ ہوئي ، ہاں : خلیل تو کہتے ہیں کہ "کاٹ" لیکن خداوند جلیل یہ حکم دے رہا ہے کہ "نہ کاٹ " اور چھری تو صرف اسی کی فرمانبردار ہے_

یہ وہ منزل ہے کہ جہاں قرآن ایک مختصر اور معنی خیز جملے کے ساتھ انتظار کو ختم کرتے ہوئے کہتا ہے:" اس وقت ہم نے ندادی (اور پکار کر کہا) کہ اے ابراہیم : خواب میں جو حکم تمھیں دیا گیا تھا وہ تم نے پورا کردیا ، ہم نیکو کاروں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں_ "(۱)

ہم ہی انھیں امتحان میں کامیابی کی توفیق دیتے ہیں اور ہم ایسا بھی نہیں ہونے دیں گے کہ ان کا فرزند دل بند ان کے ہاتھ ہی سے چلاجائے ہاں : جو شخص سرتاپا ہمارے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے اور اس نے نیکی کو اعلی حد تک پہنچا دیا ہے ، اس کی اس کے سوا اور کوئي جزا نہیں ہوگی_

اس کے بعد مزید کہتا ہے:" بے شک یہ اہم اور آشکار امتحان ہے_ "(۲)

بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا ، وہ بھی نیک اور لائق بیٹا ، اس باپ کے لئے جس نے ایک عمر ایسے

---

(۱)سورہ صافات آیات ۱۰۴

(۲) سورہ صافات آیات ۱۰۶

فرزند کے انتظار میں گذاری ہو، آسان کام نہیں ہے _ ایسے فرزند کی یاد کس طرح دل سے نکال سکتا تھا ؟اس سے بھی بالا تر یہ کہ وہ انتہائی تسلیم ورضا کے ساتھ ماتھے پر شکن لائے بغیر ایسے فرمان کی تعمیل کے لئے آگے بڑھے اور اس کے تمام مقدمات کو آخری مرحلے تک انجام دے ، اس طور پر کہ روحانی اور عملی آمادگی کے لحاظ سے کوئی کسر باقی نہ چھوڑے _

اس سے بھی بڑھ کر عجیب، اس فرمان کے آگے اس نوجوان کی اطاعت شعاری کی انتہا ،وہ خوشی خوشی ، اطمینان قلب کے ساتھ پروردگار کے لطف سے ، اس کے ارادے کے سامنے ، سر تسلیم خم کرتے ہوئے ، ذبح کے استقبال کے لئے آگے بڑھا _

جبرئیل (ع) کی فریاد تکبیر

جس وقت یہ کام انجام پاچکا تو جبرئیل نے (تعجب کرتے ہوئے) پکار کر کہا " اللہ اکبر"" اللہ اکبر" ابراہیم (ع) کے فرزند نے کہا : " لاالہ الااللہ و اللہ اکبر "_ اور عظیم فداکار باپ نے بھی کہا " اللہ اکبر و اللہ الحمد"_

اور یہ ان تکبیروں کے مشابہ ہے جو ہم عید قربان کے دن پڑھتے ہیں _

ہم جانتے ہیں کہ اسلامی روایات میں عید الاضحی کے بارے میں جو احکام آئے ہیں ان میں کچھ مخصوص تکبیریں ہیں جو تمام مسلمان پڑھتے ہیں چاہے وہ مراسم حج میں شریک ہوں اوریا منی میں موجود ہوں اور چاہے دوسرے مقامات پر ہوں _ فرق اتنا ہے کہ جو منی میں ہیں وہ ان نمازوں کے بعد پڑھتے ہیں جن سے پہلی عید کے دن کی نماز ظہر ہے اور جو منی میں نہیں ہوتے وہ ان نمازوں کے بعد تکرار کرتے ہیں اور ان تکبیرات کی صورت اس طرح ہے :

" اللہ اکبر، اللہ اکبر، لاالہ الااللہ ، اللہ اکبر ، اللہ اکبر، وللہ الحمد، اللہ اکبر علی ماھدانا"_

جس وقت ہم اس حکم کا اس حدیث کے ساتھ موازنہ کرکے دیکھتے ہیں ، جسے ہم پہلے نقل کرچکے

ہیں _تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تکبیریں حقیقت میں جبرئیل(ع) اور اسماعیل (ع) اور ان کے باپ ابراہیم کی تکبیروں کا مجموعہ ہیں ، اور کچھ اس پر اضافہ ہے _دوسرے لفظوں میں یہ الفاظ حضرت ابراہیم(ع) اور حضرت اسماعیل کی اس عظیم آزمائش میں کامیابی کی یاد لوگوں کی نظروں میں زندہ کرتے ہیں ، اور تمام مسلمانوں کو ایک پیغام الہی دیتے ہیں چاہے وہ منی میں ہوں یا منی کے علاوہ دوسرے مقامات پر _"(۱)

ذبح عظیم

لیکن اس غرض سے کہ ابراہیم(ع) کا پروگرام بھی نامکمل نہ رہ جائے اور خدا کی بارگاہ میں ان کی طرف سے قربانی بھی ہوجائے اور ابرہیم کی آرزو پوری ہوجائے ، خدا نے ایک بہت بڑا اینڈھا بھیج دیا تاکہ بیٹے کی جگہ اس کی قربانی کریں اور مراسم "حج" اور سرزمین "منی" میں آنے والوں کے لئے اپنی سنت چھوڑجائیں چنانچہ قرآن کہتا ہے :"ہم نے ذبح عظیم کو اس کا فدیہ قراردیا _"(۲)(۲)

اس ذبح کی عظمت کی ایک نشانی یہ ہے کہ زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ ہر سال زیادہ وسعت پارہی ہے _

اس وقت ہر سال اس ذبح عظیم کی یاد میں بیس لاکھ سے زیادہ" منی "میں جانورذبح کیے جاتے ہیں اوراس یاد کو زندہ کیا جاتاہے_

---

(۱) سورہ حجر آیت ۵۱

(۲)سورہ صافات آیات ۱۰۷

(۳) اس بارے میں کہ اس ذبح کی عظمت کس لحاظ سے تھی ، جسمانی اور ظاہری لحاظ سے یا اس جہت سے کہ فرزند ابراہیم کا فدیہ تھی یا اس لحاظ سے کہ خدا کی راہ میں اور خدا کے لئے تھی یا اس لحاظ سے کہ قربانی خدا کی طرف سے ابراہیم کے لئے بھیجی گئی تھی _

مفسرین نے اس سلسلے میں بہت کچھ کہا، لیکن کوئی مانع نہیں کہ یہ تمام جہات ذبح عظیم میں جمع ہوں اور وہ مختلف جہات سے عظمت کی حامل ہو_

وہ بہت بڑا اینڈھا ابراہیم کو کس طرح دیا گیا اس بارے میں زیادہ تر اس بات کے معتقد ہیں کہ اسے جبرئیل لائے تھے، بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ "مني" کے پہاڑوں کے دامن سے نیچے اترا تھا۔بہرحال جو کچھ بھی تھا خدا کے حکم اور اس کے ارادے سے تھا، خدانے نہ صرف اس دن کے عظیم امتحان میں حضرت ابراہیم کی کامیابی کی تعریف وتوصیف کی بلکہ اس کی یاد کو جاویدانی بنادیا۔

جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے:"ہم نے ابراہیم کے نیک نام کو بعد کی امتوں میں باقی رہنے والا بنایا۔"[۱]

وہ آنے والی سب نسلوں اور لوگوں کے لئے نمونہ اور تمام پاکباز اور کوئے دوست کے دلدادہ عاشقوں کے لئے راہنما بن گئے اور ہم نے ان کے طرز عمل کو رہتی دنیا تک کے لئے حج کی سنت کے طور پر جاویدانی بنادیا وہ عظیم پیغمبروں کے باپ تھے وہ امت اسلامی اور پیغمبر اسلام کے باپ تھے۔

" ابراہیم پر سلام (جو مخلص اور پاکباز تھے)۔"[۲]"ہاں" ہم اسی طرح سے نیکو کاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔"[۳] عظمت دنیا کا صلہ، تمام زمانوں میں باقی رہنے والا کا صلہ، خدائے بزرگ کے لائق درودوسلام کا صلہ۔

ذبیح اللہ کون ہے؟

اس بارے میں کہ حضرات ابراہیم کے دونوں فرزندوں (اسماعیل (ع) اور اسحاق (ع)) میں سے کون قربان گاہ میں لایا گیا اور کس نے ذبیح اللہ کا لقب پایا؟ مفسرین کے درمیان شدید بحث ہے ایک گروہ حضرت اسحاق (ع) کو "ذبیح" جانتا ہے اور ایک جماعت حضرت اسماعیل (ع)، کو پہلے نظریہ کو بہت سے مفسرین اہل سنت اور دوسرے نظریہ کو مفسرین شیعہ نے اختیار کیا ہے، لیکن جو کچھ قرآن کی مختلف آیات کے ظاہر سے ہم آہنگ ہے وہ یہی ہے کہ "ذبیح" اسماعیل (ع)" تھے۔

---

(۱)سورہ صافات آیت ۱۰۸

(۲)سورہ صافات آیت ۱۰۹

(۳) سورہ صافات آیت ۱۱۰

جناب اسحاق کی بشارت

یہ امر جاذب نظر ہے کہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے واقعہ سے شروع کی گئي ہے (وہی فرشتے کہ جو آپ کے پاس انسانی لباس میں آئے تھے پہلے انھوں نے آپ کو ایک ذی وقار بیٹے کی پیدائش کی بشارت دی اور پھر قوم لوط کے دردناک انجام کی خبردی)۔

ارشادفرمایا: میرے بندوں کو ابراہیم کے مہمانوں کے بارے میں خبردو۔" [1]

یہ بن بلائے مہمان وہی فرشتے تھے جنہوں نے" ابراہیم (ع) کے پاس پہنچ کرپہلے انجانے طورپر اسے سلام کیا۔" [2]

جیسا کہ ایک بزرگوار میزبان کا فریضہ ہے، ابراہیم(ع) نے ان کی پذیرائي کا اہتمام کیا فورا اُن کے لئے مناسب غذافراہم کی لیکن جب دسترخوان بچھایا گیاتو انجانے مہمانوں نے غذاکی طرف ہاتھ نہ بڑھایا تو حضرت ابراہیم(ع) کو اس پر وحشت ہوئي، انھوں نے اپنی پریشانی چھپائي نہیں صراحت سے ان سے کہا:"ہم تم سے خوفزدہ ہیں۔" [3]

یہ خوف اس رواج کی بناء پر تھا کہ اس زمانے میں اور بعد میں بھی بلکہ ہمارے زمانے تک بعض قوموں کا معمول ہے کہ جب کوئي شخص کسی کا نان نمک کھالیتا ہے تو اسے ضرر نہیں پہنچاتا اور اپنے آپ کو اس کا ممنون احسان سمجھتا ہے لہذا کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھانے کو برا سمجھتا ہے اور اسے کینہ وعداوت کی دلیل شمار کیا جاتاہے۔

لیکن زیادہ دیرنہ گذری تھی کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کوپریشانی سے نکال دیا اور"ان سے کہا:"ڈرو نہیں ہم تجھے ایک عالم ودانا بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔" [4]

---

(۱) سورہ حجر آیت ۵۱

(۲) سورہ حجر آیت ۵۲

(۳) سورہ حجر آیت۵۲

(۴)سورہ فجر آیت ۵۳

یہ کہ غلام علیم(صاحب علم لڑکے) سے کون مراد ہے؟

قرآن کی دیگر آیات کو سامنے رکھتے ہوئے واضح ہوجاتاہے کہ اس سے مراداسحاق ہیں کیونکہ فرشتوں نے جب حضرت ابراہیم کویہ بشارت دی تو ان کی بیوی سارہ جوظاہراً ایک بانجھ عورت تھی وہ بھی موجود تھی انھوں نے اسے بھی یہ بشارت دي_ (۱)

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ سارہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ تھیں اس سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا سے صاحب اولاد تھے حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کے فرزند تھے (حضرت ہاجرہ وہ کنیز تھیں جنھیں حضرت ابراہیم نے زوجیت کے لئے انتخاب کیا تھا) لیکن حضرت ابراہیم(ع) اچھی طرح جانتے تھے کہ طبیعی اصولوں کے لحاظ سے ان سے ایسے بیٹے کی پیدائش بہت بعید ہے اگرچہ خدا کی قدرت کاملہ کے لئے کوئي چیز محال نہیں ہے، مگر انھوں نے معمول کے طبیعی قوانین کی طرف توجہ کی جس نے ان کے تعجب کو ابھارا لہذا انھوں نے کہا مجھے ایسی بشارت دیتے ہو حالانکہ میں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گیا ہوں، واقعاً مجھے کس چیز کی بشارت دے رہے ہو_ (۲)

"کیا تمہاری یہ بشارت حکم الہی سے ہے یا خود تمہاری طرف سے ہے صراحت سے کہو تاکہ مجھے زیادہ اطمینان ہو"_

"ممکن ہے کہا جائے کہ اس لحاظ سے ابراہیم ایک اچھے تجربے سے گذرے تھے کہ بڑھاپے میں ہی ان کے بیٹے اسماعیل پیدا ہوئے تھے لہذا نئے بیٹے یعنی حضرت اسحاق کی پیدائش کے بارے میں انھیں تعجب نہیں کرنا چاہئے تھا لیکن معلوم ہونا چاہئے، کہ بعض مفسرین کے بقول حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق کی پیدائش میں دس سال سے زیادہ کا فاصلہ تھا لہذابڑھاپے میں دس سال گذر جائیں تو بچے کی پیدائش کا احتمال بہت ہی کم ہوتا ہے_

---

(۱) سورہ ہودکی آیہ ۷۱میں ہے"اس کی بیوی کھڑی تھی ،وہ ہنسی اور ہم نے اسے اسحاق کی بشارت دي"

(۲)سورہ حجر ایت ۵۴

ثانیاً اگر کوئي واقعہ خلاف معمول ہو اگرچہ استثنائي طورپر ہو، اس سے مشابہ مواقع پر تعجب کرنے سے مانع نہیں ہے"_
کیونکہ ایسے سن وسال میں بچے کی پیدائش بہرحال ایک امر عجیب ہے، کہتے ہیں کہ جناب اسماعیل کی پیدائش کے وقت جناب ابرہیم (ع) کی ۹۹/ سال کی عمر تھی اور جناب اسماعیل کی ولادت کے وقت ۱۱۲/کی عمر ہوچکی تھي_[1]
بہرحال فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تردد یا زیادہ تعجب کا موقع نہ دیا ، اور ان سے صراحت وقاطعیت سے کہا ہم تجھے حق کے ساتھ بشارت دے رہے ہیں_"[2]
وہ بشارت کہ جو خدا کی طرف سے ہے اور اس کے حکم سے ہے اسی بناء پر یہ حق ہے مسلم ہے_
اس کے بعد اس لئے کہ مبادا ابراہیم مایوس وناامید ہوں تاکید کے طورپر کہنے لگے :"اب جبکہ ایسا ہے تو مایوس ہونے والوں میں سے نہ ہو"_
لیکن ابراہیم علیہ السلام نے فوراً ان کے اس خیال کو دور کردیا کہ یہاں پر مایوسی اور رحمت خدا سے ناامیدی کا غلبہ نہیں ہے اور واضح کیا کہ یہ تو صرف طبیع معمولات کے حوالے سے تعجب ہے، لہذا صراحت سے کہا: گمراہوں کے سوا اپنے پروردگار کی رحمت سے کون مایوس ہوگا_"[3]
وہی گمراہ کہ جنھوں نے خدا کو اچھی طرح نہیں پہچانا اور اس کی بے پایاں قدرت پر ان کی نگاہ نہیں_ وہ خدا کہ جو مشت خاک سے ایسا عجیب وغریب انسان پیدا کرتا ہے اور ناچیز نطفہ سے ایک مکمل بچہ وجود میں لاتا ہے خرمے کا خشک درخت جس کے حکم سے پھل سے لدجاتاہے اور جلانے والی آگ جس کے حکم سے گلزار ہوجاتی ہے، کون شخص ایسے پروردگار کی قدرت میں شک کرے یا اس کی رحمت سے مایوس ہو_

---

(۱)سورہ حجر ایت ۵۵

(۲) سورہ حجر آیت ۵۳

(۳)سورہ حجر آیت ۵۵

حضرت ابراہیم (ع) کے ہاتھوں خانہ کعبہ کی تعمیر نو

قرآن کی مختلف آیات، احادیث اور تواریخ اسلامی سے واضح ہوتا ہے خانہ کعبہ حضرت ابراہیم سے پہلے، بلکہ حضرت آدم (ع) کے زمانے میں موجود تھا کیونکہ سورہ ابراہیم میں حضرت ابراہیم (ع) جیسے عظیم پیغمبر کی زبانی یوں آیا ہے:

پروردگار: میں اپنی ذریت میں سے (بعض کو) اس بے آب وگیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس بسارہا ہوں_"(۱)

یہ آیت واضح طور پر گواہی دیتی ہے کہ جب حضرت ابراہیم اپنے شیر خوار بیٹے اسماعیل اور اپنی زوجہ کے ساتھ سرزمین مکہ میں آئے تو خانہ کعبہ کے آثار موجود تھے_

اسی طرح سورہ آل عمران میں بھی ہے:

"پہلا گھر جو عبادت خدا کی خاطر انسانوں کے لئے بنایا گیا وہ سرزمین مکہ میں تھا"_(۲)

یہ مسلم ہے کہ عبادت خدا اور مرکز عبادت کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے نہیں پڑی بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے یہ سلسلہ جاری تھا_

اتفاقاً قرآنی کی تعبیر بھی اس معنی کو تقویت دیتی ہے کہ فرمایا گیا ہے: یاد کرو اس وقت کو جب ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام (جب اسماعیل علیہ السلام کچھ بڑے ہوگئے تو) خانہ کعبہ کی بنیادوں کو اونچا کررہے تھے اور کہتے تھے:"پروردگارا ہم سے قبول فرما، توسننے والا اور جاننے والا ہے_"(۳)

آیت کا یہ انداز بتاتا ہے کہ خانہ کعبہ کی بنیادیں موجود تھیں اور ابراہیم(ع) اور اسماعیل(ع) اس کے ستون بلند کررہے تھے_

نہج البلاغہ کے مشہور خطبہ قاصعہ میں بھی ہے:

---

(۱)سورہ ابراہیم آیت ۳۷

(۲)سورہ ال عمران ایت ۹۶

(۳)سورہ بقرہ آیت ۱۲۷

"کیا دیکھتے نہیں کہ ہو کہ خدا نے آدم سے لے کر آج تک کچھ پتھروں کے ذریعہ ذریعہ امتحان لیا (وہ پتھر کہ) جنھیں اپنا محترم گھر قرار دیا، پھر آدم اور اولاد آدم کو حکم دیا کہ اس کے گرد طواف کریں"_

مختصریہ کہ آیات قرآن اور روایات ،تاریخ کی اس مشہور بات کی تائید کرتی ہیں کہ خدا کعبہ پہلے پہل حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں بنا_ پھر طوفان نوح (ع) میں گرگیا_ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں اس کی تعمیر نو ہوئی_

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو انعام میں امامت ملي

قرآن کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے اہم ترین موڑ یعنی ان کی بڑی بڑی آزمائش وں اوران میں ان کی کامیابی کے متعلق گفتگو کرتا ہے وہ آزمائش یں جنھوں نے ابراہیم علیہ السلام کی عظمت، مقام اور شخصیت کو مکمل طور پر نکھار دیا اور ان کی شخصیت کی بلندی کو روشن کردیا، ارشاد ہوتا ہے:

"اس وقت کو یاد کرو جب خدا نے ابراہیم کو مختلف طریقوں سے آزمایا اور وہ ان آزمائش وں میں اچھی طرح سے کامیاب ہوئے_"(۱)

جب ابراہیم علیہ السلام ان امتحانات میں کامیاب ہوگئے تو وہ منزل آئي کہ خدا انھیں انعام دے ،تو فرمایا: "میں تمہیں لوگوں کا امام، رہبر اورپیشوا قرار دیتا ہوں_"(۲)

" ابراہیم علیہ السلام نے درخواست کی کہ میری ذریت اور خاندان سے بھی آئمہ قرار دے "تاکہ یہ رشتہ نبوت و امامت منقطع نہ ہو، اور صرف مجھ سے قائم نہ رہے_"(۳)

خدا نے اس کے جواب میں فرمایا: "میرا عہدہ یعنی مقام امامت ظالموں تک ہرگز نہیں پہنچے گا_"(۴)

---

(۱) سورہ بقرہ آیت ۱۲۴

(۲) سورہ بقرہ آیت ۱۲۴

(۳) سورہ بقرہ آیت ۱۲۴

(۴) سورہ بقرہ آیت ۱۲۴

یعنی ہم نے تمہاری درخواست قبول کرلی ہے لیکن تمہاری ذریت میں سے صرف وہ لوگ اس مقام کے لائق ہیں جو پاک اور معصوم ہیں ـ

ابراہیم علیہ السلام کا کن چیزوں کے ذریعہ امتحان لیا گیا

آیات قرآن سے اور ابراہیم علیہ السلام کے وہ نظر نواز اعمال جن کی خدانے تعریف کی ہے، ان کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کلمات (وہ جملے جو خدانے ابراہیم علیہ السلام کو سکھائے) در اصل ذمہ داریوں کا ایک گراں اور مشکل سلسلہ تھا جو خدانے ابراہیم علیہ السلام کے ذمہ کیا اور اس مخلص پیغمبر نے انہیں بہترین طریقے سے انجام دیا ـ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحانات میں یہ امور شامل تھے :

(۱)بیٹے کو قربان گاہ میں لے جانا اور فرمان خدا سے اسے قربان کرنے کے لئے پر عزم آمادگی کا مظاہرہ کرنا ـ

(۲) اپنی بیویاں اور بیٹے کو مکہ کی خشک اور بے آب وگیاہ سرزمین میں لے جانا جہاں کوئي انسان نہ بستا تھا ـ

(۳) بابل کے بت پرستوں کے مقابلے میں قیام کرنا ،بتوں کو توڑنا اور اس تاریخی مقدموں میں پیش ہونا اور نتیجتاً آگ میں پھینکا جانا اور ان تمام مراحل میں اطمینان وایمان کا ثبوت دینا ـ

(۴) بت پرستوں کی سرزمین سے ہجرت کرنا اور اپنی زندگی کے سرمائے کو ٹھوکرمارنا اور دیگر علاقوں میں جاکرپیغام حق سنانا ، ایسے اور بھی بہت سے امورہیں ـ

حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ہرایک بہت سخت اور مشکل آزمائش تھی لیکن ابراہیم علیہ السلام ایمانی قوت کے ذریعہ ان تمام امتحانات میں‌پورا اترے اورثابت کیا کہ وہ مقام" امامت "کی اہلیت رکھتے تھے ـ

امام کسے کہتے ہیں ؟

قرآن کریم سے اجمالاً یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کو جو مقام امامت بخشا گیا وہ مقام نبوت ورسالت سے بالاتر تھا_"

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں :

"خداوندعالم نے نبی بنانے سے قبل ابراہیم علیہ السلام کو عبد قرار دیا، اور اللہ نے انہیں رسول بنانے سے قبل نبی قرار دیا، اور انہیں خلیل بنانے سے پہلے اپنی رسالت کے لئے منتخب کیا اور اس سے پہلے کہ امام بناتا انھیں اپنا کلیل بنایا جب یہ تمام مقامات و مناصب انہیں حاصل ہو چکے تو اللہ نے فرمایا میں تمہیں انسانوں کے لئے امام بناتا ہو ں حضرت ابراہیم کو یہ مقام عظیم دیا تو انہوں نے عرض کیا : خدایا میری ذریت میں سے بھی امام قرار دے _ ارشاد ہوا : میرا عہدہ ظالموں تک نہیں پہنچے گا، بے وقوف شخص متقی لوگوں کا امام نہیں ہو سکتا _

۳ انبیاء علیہم السلام کے واقعات

حضرت لوط علیہ السلام

جناب لوط علیہ السلام خدا کے عظیم پیغمبر تھے اور حضرت ابراہیم (ع) کے ہم عصر تھے اور جناب ابراہیم(ع) سے قریبی رشتہ داری تھی (کہا جاتاہے کہ آپ جناب ابراہیم(ع) کے خالہ زاد بھائی تھے)۔

یہ بات مسلمہ ہے کہ ابراہیم(ع) عراق اور سرزمین بابل سے ہجرت کرنے کے بعد شامات کی طرف گئے، کہتے ہیں کہ لوط بھی ان کے ساتھ تھے لیکن کچھ مدت کے بعد (توحید کی طرف دعوت دینے اور فتنہ وفساد سے مبارزہ کے لئے) "شہر سدوم" کی طرف گئے۔

" سدوم " قوم لوط کے ایک شہر اور آبادی کا نام تھا جو شامات (ملک اردن میں)" بحر المیت" کے قریب واقع تھا جو آباد اور درختوں اور سبزہ زار سے بھرا تھا، لیکن اس بدکارو بے غیرت قوم پر عذاب الہی کے نازل ہونے کے بعد، ان کے شہر مسمار اور تہ وبالا ہوگئے، چنانچہ انہیں " مدائن موتفکات"۔ (تہ وبالاہونے والے شہر) کہتے ہیں۔

بعض کا نظریہ، یہ ہے کہ ان شہروں کے ویرانے زیر آب آگئے ہیں، اور ان کا دعوی ہے کہ انہوں نے "بحر المیت" کے ایک گوشہ میں کچھ ستون اور دوسرے آثار جوان شہروں کے خرابوں پر دلالت کرتے ہیں دیکھے ہیں۔

جب کہ بعض لوگوں کا نظریہ ہے کہ قوم لوط کے شہر زیر اب نہیں ائے، اور اب بھی "بحر المیت" کے قریب ایک علاقہ ہے جو سیاہ پتھروں کے نیچے ڈھکا ہوا ہے، احتمال ہے کہ قوم لوط کے شہروں کی جگہ یہیں ہو۔

اور یہ بھی کہا ہے کہ ابراہیم (ع) کا مرکز شہر" جبرون" میں تھا ، جو شہر" سدوم " سے چنداں دور فاصلہ پر نہیں تھا، اور جس وقت زلزلہ یا صاعقہ کے زیراثران کے شہروں کو آگ لگی تو اس وقت ابراہیم جبرون کے قریب کھڑے ہوئے تھے، اور شہر سے جو دھنواں اٹھ رہا تھا اسے اپنی آنکھ سے دیکھ رہے تھے _

اس گفتگو کے مجموعہ سے ان شہروں کے قریباً حدودواضح ہوگئے، اگرچہ ان کے جزئیات کے ابھی تک پردہ ابہام میں ہیں _

قوم لوط کا سب سے بڑا اخلاقی انحراف

قرآن کریم اس عظیم پیغمبر اور ان کی قوم کے واقعہ کو اس طرح شروع کرتا ہے کہ "لوط کی قوم نے خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں کی تکذیب کي_"(۱)

" مرسلین "رسولوں کو جمع کی صورت میں بیان کرنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت ایک ہوتی ہے لہذا کسی بھی پیغمبر کی تکذیب سب کی تکذیب شمار کی جاتی ہے یا پھر اس لئے ہے کہ وہ گزشتہ کسی بھی پیغمبر پر ایمان نہیں رکھتے تھے_پھر فرمایا گیا ہے: میں تمہارے لئے امین رسول ہوں _

اب جبکہ صورت حال یہ ہے تو پرہیزگاری اختیار کرو ، خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ،کیونکہ میں راہ سعادت کا رہبر ہوں_"(۲)

کیا اب تک تم نے مجھ سے کوئي خیانت دیکھی ہے ؟اس کے بعد وحی الہی اور تمہارے رب کا پیغام پہنچانے میں بھی یقینا امانت کو مدنظر رکھوں گا _

یہ نہ سمجھوکہ یہ دعوت الہی میرے گزراوقات کا ایک ذریعہ ہے یا کسی مادی مقصد کو پیش نظر رکھ کر ایسا کام کررہاہوں ، نہ، میں تو ذرہ بھر بھی تم سے اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف عالمین کے رب کے پاس ہے_"(۳)

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۱۶۱

(۲)سورہ شعراء آیت ۱۶۲

(۳)سورہ شعراء آیت ۱۶۳

پھروہ ان کے ناشائستہ اعمال اوران کی کچھ اخلاقی بے راہروی کی باتوں کو بیان کرتے ہیں اورچونکہ ان کا بڑا انحراف اور ہم جنس بازی تھا لہذا اسی بات پرزیادہ زوردے کرکہتے ہیں : آیا تم ساری دنیا میں صرف مردوں کے پاس ہی جاتے ہو "_(۱)

یعني باوجودیکہ خداوندعالم نے اس قدر جنس مخالف تمہارے لئے خلق فرمائي ہے جن سے صحیح طریقے سے شادی کرکے پاک وپاکیزہ اور اطمینان بخش زندگی بسر کرسکتے ہو ں
خداکی اس پاک اور فطری نعمت کوچھوڑکر تم نے خود کو اس طرح کے پست اور حیا سوزکام سے آلودہ کرلیا ہے _
"اپنی ازواج کوترک کردیتے ہو جنھیں خدانے تمہارے لئے خلق فرمایاہے تم تو تجاوز کرنے والی قوم ہو_"(۲)
یقینا کسی روحانی یا جسمانی فطری ضرورت نے تمہیں اس بے راہروی پر آماوہ نہیں کیا بلکہ یہ تمہاری سرکشی ہے جس نے تمہارے دامن کو اس شرمناک فعل کی گندگی سے آلودہ کردیا ہے _
تمہارے کام کی مثال ایسے ہے جیسے کوئي شخص خوشبودار میوے ،مقوی اور صحیح سالم غذائیں چھوڑکرزہر آلوداور مارڈالنے والی غذائوں کو استعمال کرے یہ فطری خواہش نہیں بلکہ سرکشی ہے _

جہاں پر عفت ایک عیب ہو

قوم لوط کے افراد جو بادہ شہوت وغرور سے مست ہوچکے تھے، اس رہبر الہی کی نصیحتوں کو جان ودل سے قبول کرنے اور خود کو اس دلدل سے باہرنکالنے کی بجائے اس کے مقابلے پر تل گئے اوران سے کہا : اے لوط(ع) کافی ہوچکا ہے ،اب خاموش رہو اگر ان باتوں سے بازنہ آئے تو تمہارا شمار بھی اس شہر سے نکال دیئے انے والوں میں سے ہوگا "_(۳)

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۱۶۵

(۲)سورہ شعراء آیت ۱۶۶

(۳)سورہ شعرا آیت ۱۶۷

تمہاری باتیں ہماری فکر اور آرام میں خلل ڈال رہی ہیں ہم ان باتوں کے سننے کے ہرگز روادار نہیں ، اگر تمہاری یہی حالت رہی تو ہم تمہیں سزادیں گے جو کم از کم جلاوطنی کی صورت میں ہوگی ہے _قرآن مجیدمیں ایک اور مقام پر ہے کہ انھوں نے اپنی اس دھکی کو عملی جامہ بھی پہنایا اور حکم دیا کہ لوط(ع) کے خاندان کو شہر سے باہرنکال دو کیونکہ وہ پاک لوگ ہیں اور گناہ نہیں کرتے _

ان گمراہ اور گناہ سے آلود لوگوں کی جسارت اس حدتک جاپہنچی کہ تقوی اور طہارت ان کے درمیان بہت بڑا عیب سمجھا جانے لگا اورناپاکی اور گناہ سے آلودگی سرمایہ افتخار اور یہ کسی معاشرے کی تباہی کی علامت ہوتی ہے جو تیزی کے ساتھ برائیوں کی طرف بڑھ رہا ہوتا ہے _اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فاسق وفاجر گروہ نے ایسے پاک وپاکیزہ لوگوں کوپہلے باہرنکال دیا جوان کوان کے بے ہودہ اعمال سے روکا کرتے تھے لہذا انھوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو بھی یہی دھمکی دی کہ اگر تم نے اپنے اس تبلیغی سلسلے کو جاری رکھا تو تمہارا بھی وہی انجام ہوگا_بعض تفسیروں میں صراحت کے ساتھ تحریر ہے کہ وہ پاک دامن لوگوں کو بدترین طریقے سے جلاوطن کردیا کرتے تھے _

قرآن کہتا ہے ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں تھا کہ ایک دوسرے سے کہا: "لوط کے خاندان کو اپنے شہر اور علاقے سے نکال باہر کرو کیونکہ یہ برے پاکباز لوگ ہیں اور یہ اپنے تیئں ہم سے ہم آہنگ نہیں کرسکتے"_(۱)

یہ ایک ایسا جواب ہے جو ان کی فکری پستی اور انتہائي اخلاقی تنزل کا آئینہ دار ہے _

جی ہاں : مجرم اور گناہ سے آلودہ ماحول میں پاکیزگی ایک جرم وعیب ہوا کرتی ہےیوسف جیسے پاکدامن کو عفت وپارسائي کے جرم میں زندانوں میں ڈالا جاتا ہے جبکہ زلیخائیں اس ماحول میں آزاد اور صاحب جاہ ومقام ،ہوا کرتی ہیں اور قوم لوط(ع) اپنے اپنے گھروں میں آرام وآسا آش کے ساتھ رہتی ہے _

---

(۱) سورہ شعراء آیت ۱۶۷

یہیں پر قرآن مجید کا مصداق واضح ہوجاتاہے جووہ گمراہ لوگوں کے بارے میں کہتا ہے کہ:
ہم (ان کے اپنے اعمال کی بناپر) ان کے دلوں پر مہر لگادیتے ہیں اور ان کی آنکھوں پرپردے ڈال دیتے اور ان کے کان بہرے ہوجائے_
ایک احتمال یہ بھی ہے کہ وہ گناہوں کی دلدل میں اس حدتک پھنس چکے تھے کہ لوط کے خاندان کا تمسخراڑا کر کہتے تھے کہ وہ ہمیں ناپاک سمجھتے ہیں اور خودبڑے پاکباز بنتے ہیں ، یہ کیسا مذاق ہے؟
یہ عجیب بات نہیں تو اور کیا ہے کہ بے حیائي اور بے شرمی کے فعل سے مانوس ہوجانے کی وجہ سے انسان کی حس شناخت ہی یکسر بدل جائے یہ بالکل اس چمڑا رنگنے والے کی مثال ہے جوبدبو سے مانوس ہوچکا تھا اور جب ایک مرتبہ وہ عطاروں کے بازار سے گزررہا تھا تو عطر کی نامانوس بوکی وجہ سے بے ہوش ہوگیا، جب اسے حکیم کے پاس لے گئے تو اس نے حکم دیا کہ اسے دوبارہ چمڑا رنگنے والوں کے بازار میں لے جایاجائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ ہوش میں آگیا اور مرنے سے بچ گیا یہ واقعاًاس بارے میں ایک دلچسپ حسی مثال ہے_

۳۰/سال سعی وکوشش

جناب لوط علیہ السلام نے اس قوم کو تیس سال تک تبلیغ کي، لیکن اپنے خاندان کے سوا(اور وہ بھی بیوی کو مستثنی کرکے کیونکہ وہ مشرکین کے ساتھ ہم عقیدہ ہوگئي تھي)، اور کوئي آپ پر ایمان نہیں لایا_
لیکن حضرت لوط علیہ السلام نے ان دھمکیوں کی کوئي پرواہ نہ کی اور اپنا کام جاری رکھا اور کہا:" میں تمہارے ان کاموں کا دشمن ہوں_"[۱]
یعنی میں اپنا احتجاج برابر جاری رکھوں گا ، تم جو کچھ میرا بگاڑنا چاہتے ہو بگاڑ لو ،مجھے راہ خدا اور برائیوں کے خلاف جہاد کے سلسلے میں ان دھمکیوں کی قطعاً کوئي پرواہ نہیں ہے_

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۱۶۷

اس احتجاج میں اور بھی بہت سے لوگ جناب لوط علیہ السلام کے ہمنوا ہو چکے تھے، یہ اور بات ہے کہ سرکش قوم نے آخرکار انھیں جلاوطن کردیا _

لائق توجہ بات یہ کہ حضرت لوط علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "تمہارے اعمال کا دشمن ہوں "یعنی مجھے تمہاری ذات سے دشمنی نہیں بلکہ تمہارے شرمناک اعمال سے نفرت ہے اگر ان اعمال کو اپنے سے دور کردو تو پھر تم میرے پکے دوست بن جاوگے _

بہرحال جناب لوط علیہ السلام کی ذمہ داری کا آخری مرحلہ آن پہنچا لہذا وقت آپہنچا کہ جناب لوط علیہ السلام خود کو بھی اور جو لوگ ان پر ایمان لاچکے ہیں انھیں بھی اس گناہ آلود علاقے سے باہر نکال کرلے جائیں تاکہ ہولناک عذاب اس بے حیا قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لے _

حضرت لوط علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں دست دعا بلند کرکے کہا:

"پروردگار: جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں مجھے اور میرے خاندان کو اس سے نجات دے _"(۱)

یہ ہے گناہ گاروں کا انجام

آخرکار حضرت لوط علیہ السلام کی دعا مستجاب ہوئی اور خدا کی طرف سے اس قوم تباہ کار کے خلاف سخت سزا کا حکم صادر ہوا ، وہ فرشتے جو عذاب نازل کرنے پر مامور تھے قبل اس کے کہ سرزمین لوط پر اپنا فرض ادا کرنے کے لئے جاتے، حضرت ابراہیم (ع) کے پاس ایک اور پیغام لے کر گئے اور وہ پیغام تھا، حضرت ابراہیم (ع) کو فرزند کی پیدائش کی خوشخبری تھی _

" اس کی وضاحت یہ ہے کہ:ابراہیم شام کی طرف جلا وطن ہونے کے بعد لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دینے اور ہر قسم کے شرک و بت پرستی کے خلاف مبارزہ کرنے میں مصروف تھے،حضرت "لوط"جو ایک عظیم پیغمبر تھے،ان ہی کے زمانہ میں ہوئے ہیں اور احتمال یہ ہے کہ اپ ہی کی طرف سے مامور ہوئے

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۱۶۹

تھے، کہ گمراہوں کو تبلیغ وہدایت کرنے کے لئے شام کے ایک علاقہ (یعنی سدوم کے شہروں کی طرف) سفر کریں، وہ ایک ایسی گناہگار قوم کے درمیان ائے جو شرک اور بہت سے گناہوں میں الودہ تھی، اور سب سے قبیح گناہ اغلام اور لواطت تھی، اخرکار فرشتوں کا ایک گروہ، اس قوم کی ہلاکت پر ما مور ہوا لیکن وہ پہلے ابراہیم (ع) کے پاس ائے_

ابراہیم (ع) مہمانوں کی وضع و قطع سے سمجھ گئے کہ یہ کسی اہم کام کے لئے جارہے ہیں، اور صرف بیٹے کی ولادت کی بشارت کے لئے نہیں ائے، کیونکہ اس قسم کی بشارت کے لئے تو ایک ہی شخص کافی تھا، یا اس عجلت کی وجہ ہے جو وہ چلنے کے لئے کر رہے تھے، اس سے محسوس کیا کہ کوئي اہم ڈیوٹی رکھتے ہیں"_ قران میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کا ذکر ہے چنانچہ کہا گیا ہے: جس وقت ہمارے ایلچی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت لے کر گئے _انھیں اسحاق اور یعقوب کے پیدا ہونے کی خوش خبری سنائي اور پھر (قوم لوط کی بستی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)کہا کہ ہم اس شہر اور اس میں رہنے والوں کو ہلاک کردیں گے کیونکہ یہ لوگ ظالم ہیں_ "(۱)

چونکہ فرشتوں نے "هذه القرية"_ کہا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم لوط اسی مقام کے قرب جوار میں رہتی تھی جہاں حضرت ابراہیم (ع) رہتے تھے_، اور اس قوم کو لفظ "ظالم" سے یاد کرنا اس وجہ سے تھا کہ وہ اپنے نفوس پر ظلم کرتے تھے یہاں تک کہ اس طرف سے گزرنے والے مسافروں اور قافلوں پر بھی ستم کرتے تھے_

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات سنی تو انھیں حضرت لوط پیغمبر خدا کی فکر ہوئي اور کہا: "اس آبادی میں تو لوط بھی ہے"_ (۲)

اس پر کیا گزرے گی؟

مگر فرشتوں نے فوراً جواب دیا: "آپ فکر نہ کریں ہم ان سب لوگوں سے خوب واقف ہیں جو اس

---

(۱)سورہ عنکبوت آیت ۳۱

(۲)سورہ عنکبوت آیت ۳۲

بستی میں رہتے ہیں"_[1]

ہم اندھا دھند عذاب نازل نہیں کریں گے ہمارا پروگرام نہایت سنجیدہ اور نپاتلا ہے _

فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ" ہم لوط(ع) اور اس کے خاندان کو نجات دیں گے بجز اس کی بیوی کے کہ جو اس قوم کے ساتھ ہی بتلائے عذاب ہوگی "_[2]

صرف ایک خاندان مومن اور پاک

قرآن سے بخوبی ثابت ہوتاہے کہ اس علاقے کی تمام آبادیوں اور بستیوں میں صرف ایک ہی خاندان مومن اور پاک نفس تھا اور خدانے بھی اسے عذاب سے نجات دی جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے :

"ہم نے وہاں ایک خاندان کے سوائے کوئی بھی مسلمان نہ پایا _"[3]

یہاں تک کہ حضرت لوط کی زوجہ بھی مومنین کی صف سے خارج تھی اس لئے وہ بھی عذاب میں گرفتار ہوئی _

وہ عورت جو خانوادہ نبوت میں شامل تھی اسے تو "مو منین اور مسلمین " سے جدا نہیں ہونا چاہیئے تھا مگر وہ اپنے کفرو شرک اور بت پرستی کی وجہ سے اس صنف سے جدا ہوگئی _

اس طرح کلام سے واضح ہوتاہے کہ وہ عورت منحرف العقیدہ تھی کچھ بعید نہیں کہ اس میں یہ بد عقیدگی اس مشرک معاشرے کے اثر سے پیدا ہوگئی ہو ا،ور ابتدا میں مومن و موحد ہو اس صورت میں حضرت لوط پر یہ اعتراض نہیں ہوتا کہ انھوں نے ایسی مشرکہ سے نکاح ہی کیوں کیا تھا ؟

یہ خیال بھی ہوتاہے کہ اگر کچھ اور لوگ حضرت لوط علیہ السلام پر ایمان لائے ہوں گے تو وہ حتماً نزول عذاب سے پہلے اس گناہ آلود زمین سے ہجرت کرگئے ہوں گے ،تنہا حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے اہل

---

(۱)سورہ عنکبوت آیت ۳۲

(۲)سورہ عنکبوت آیت ۳۲

(۳)سورہ ذاریات آیت ۳۶

وعیال اس مقام پر اس توقع سے آخری وقت تک ٹھہرے ہوں گے کہ ممکن ہے ان کی تبلیغ اورڈرانے کا لوگوں پر اثرہو_

یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرشتوں کی گفتگو ختم ہوگئي اور وہ حضرت لوط علیہ السلام کے علاقے کی طرف روانہ ہوگئے_

حضرت لوط علیہ السلام مہمانوں کو دیکھ کر پریشان ہوگئے

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

"جب ہمارے رسول، لوط(ع) کے پاس آئے تو وہ ان کے آنے پر بہت ہی ناراحت اورپریشان ہوئے ، ان کی فکر اورروح مضطرب ہوئي اور غم واندوہ نے انہیں گھیرلیا_"(۱)

اسلامی روایات اورتفاسیر میں آیا ہے کہ حضرت لوط اس وقت اپنے کھیت میں کام کررہے تھے، اچانک انہوں نے خوبصورت نوجوانوں کو دیکھا جو ان کی طرف آرہے تھے وہ ان کے یہاں مہمان ہونا چاہتے تھے ،اب حضرت لوط(ع) مہمانوں کی پذیرائي بھی چاہتے تھے لیکن اس حقیقت کی طرف بھی ان کی توجہ تھی کہ ایسے شہر میں جو انحراف جنسی کی آلودگی میں غرق ہے_

ان خوبصورت نوجوانوں کا آنا طرح طرح کے مسائل کا موجب ہے اور ان کی آبروریزی کا بھی احتمال ہے، اس وجہ سے حضرت لوط سخت مشکل سے دوچار ہوگئے یہ مسائل ،روح فرسا افکار کی صورت میں ان کے دماغ میں ابھرے اور انہوں نے آہستہ آہستہ اپنے آپ سے کہنا شروع کیا آج بہت سخت اورو حشتناک دن ہے_"(۲)

بہرحال حضرت لوط علیہ السلام کے پاس اس کے علاوہ کوئي چارہ کارنہ تھا کہ وہ اپنے نووارد مہمانوں کو اپنے گھرلے جاتے، لیکن اس بناء پر کہ وہ غفلت میں نہ رہیں راستے میں چندمرتبہ ان کے گوش گزار کردیا

---

(۱) سورہ ہودآیت ۷۷

(۲) سورہ ہودآیت ۷۷

کہ اس شہر میں شریر اور منحرف لوگ رہتے ہیں تاکہ اگر مہمان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو صورت حال کا اندازہ کرلیں ۔
خداوند عالم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ جب تک یہ پیغمبر تین مرتبہ اس قوم کی برائي اور انحراف کی گواہی نہ دے انہیں عذاب نہ دیا جائے (یعنی یہاں تک کہ ایک گنہگار قوم سے متعلق بھی حکم خدا عدالت کے ایک عادلانہ فیصلے کی روشنی میں انجام پائے) اور ان رسولوں نے راستے میں تین مرتبہ لوط علیہ السلام کی گواہی سن لی ۔
حضرت لوط علیہ السلام نے مہمانوں کو اتنی دیر تک (کھیت میں) ٹھہرائے رکھا کہ رات ہوگئي تاکہ شاید اس طرح اس شریر اور آلودہ قوم کی آنکھ سے بچ کر حفظ آبرو کے ساتھ ان کی پذیرائي کر سکیں لیکن جب انسان کا دشمن خود اس کے گھر کے اندر موجود ہو تو پھر کیا کیا جاسکتا ہے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کو جو ایک بے ایمان عورت تھی اور اس گنہگار قوم کی مدد کرتی تھی جب اسے ان نوجوانوں اور خوبصورت مہمانوں کے آنے کی خبر ہوئي تو چھت پر چڑھ گئي پہلے اس نے تالی بجائي پھر آگ روشن کرکے اس کے دھوئیں کے ذریعے اس نے منحرف قوم کے بعض لوگوں کو آگاہ کیا کہ لقمہ تر جال میں پھنس چکا ہے ۔

قوم لوط(ع) آپ کے گھر میں داخل ہوگئي

شہر والوں کو جب لوط علیہ السلام کے پاس آنے والے نئے مہمانوں کا پتہ چلا تو وہ ان کے گھر کی طرف چل پڑے، راستے میں وہ ایک دوسرے کو خوشخبری دیتے تھے ۔ گمراہی کی شرمناک وادی میں بھٹکنے والے ان افراد کا خیال تھا کہ گویا نرمال ان کے ہاتھ آگیا ہے خوبصورت اور خوش رنگ نوجوان اور وہ بھی لوط کے گھر میں ۔
قرآن میں اس جگہ اہل مدینہ استعمال ہوا ہے اور یہ کی تعبیر نشاندہی کرتی ہے کہ کم از کم شہر کے بہت سے لوگ ٹولیوں میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کی طرف چل پڑے، اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ وہ کس حد تک بے شرم، ذلیل اور جسور تھے خصوصا لفظ "یستبشرون "(ایک دوسرے کو بشارت دیتے تھے) ان کی

آلودگی کی گہرائی کی حکایت کرتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا شرمناک عمل ہے کہ شاید کسی نے اس کی نظیر جانوروں میں بھی بہت ہی کم دیکھی ہوگی اور یہ عمل اگر کوئی انجام دیتا بھی ہے تو کم از کم چھپ چھپا کر اور احساس شرمندگی کے ساتھ ایسا کرتا ہے لیکن یہ بدکار اور کمینہ صفت قوم کھلم کھلا ایک دوسرے کو مبارکباد دیتی تھی_

حضرت لوط علیہ السلام نے جب ان کا شور وغل سنا تو بہت گھبرائے اور مضطرب ہوئے انھیں اپنے مہمانوں کے بارے میں بہت خوف ہوا کیونکہ ابھی تک وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ مہمان مامورین عذاب ہیں اور قادر وقاہر خدا کے فرشتے ہیں لہذا وہ ان کے سامنے کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے: یہ میرے مہمان ہیں، میری آبرو نہ گنوائو_"(۱)

یعنی اگر تم خدا، پیغمبر اور جزاء وسزا کے مسئلہ سے صرف نظر کرلو تو بھی کم از کم یہ انسانی مسئلہ ہے اور یہ بات تو سب انسانوں میں چاہے مومن ہوں یا کافر، موجود ہے کہ وہ مہمانوں کا احترام کرتے ہیں تم کیسے انسان ہو کہ اتنی سی بات بھی نہیں مانتے ہو اگر تمہارا کوئی دین نہیں تو کم از کم آزاد انسان تو بنو_ اس کے بعد آپ نے مزید کہا: آئو خدا سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے سامنے شرمسار نہ کرو_"(۲)

لیکن، وہ بہت جسور اور منہ پھٹ تھے بجائے اس کے کہ وہ شرمندہ ہوتے کہ انہوں نے اللہ کے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام سے کے سا مطالبہ کیا ہے الٹا اس طرح سے پیش آئے جیسے لوط علیہ السلام سے کوئی جرم سرزد ہوا ہے انھوں نے زبان اعتراض درازکی اور کہنے لگے: "کیا ہم نے تجھ سے نہ کہا تھا کہ دنیا والوں کو اپنے یہاں مہمان نہ ٹھہرانا اور کسی کو اپنے یہاں نہ آئے دینا_"(۳)

تم نے اس کی خلاف ورزی کیوں کی اور ہمارے کہنے پر عمل کیوں نہ کیا_

یہ اس بناء پر تھا کہ یہ قوم انتہائی کم ظرف اور کنجوس تھی یہ لوگ ہرگز کسی کو اپنے یہاں مہمان نہیں ٹھہراتے تھے اور اتفاق سے ان کے شہر قافلوں کے راستے میں پڑتے تھے کہتے ہیں کہ انھوں نے یہ کام بعض

---

(۱)سورہ حجر آیت ۶۸

(۲)سورہ حجر آیت ۶۹

(۳)سورہ حجر آیت ۷۰

آنے والوں کے ساتھ اس لئے کیا کوئي ان کے یہاں ٹھہرے نہ ،آہستہ آہستہ ان کی عادت بن گئي لہذا جب حضرت لوط علیہ السلام کو شہر میں کسی مسافر کے آنے کی خبر ہوتی تو اسے اپنے گھر میں دعوت دیتے تاکہ وہ کہیں ان کے چنگل میں نہ پھنس جائے ان لوگوں کو جب اس کا پتہ چلاتو بہت سیخ پا ہوئے اور حضرت لوط علیہ السلام سے کھل کر کہنے لگے کہ تمھیں کوئي حق نہیں پہنچتا کہ اب تم کسی مہمان کو اپنے گھرلے جاؤ۔

اے کاش میں تم سے مقابلہ کر سکتا

بہر حال جب حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی یہ جسارت اور کمینہ پن دیکھی تو انھوں نے ایک طریقہ اختیار کیا تاکہ انھیں خواب غفلت اور انحراف وبے حیائي کی مستی سے بیدار کرسکیں۔ آپ نے کہا : تم کیوں انحراف کے راستے پر چلتے ہو اگر تمہارا مقصد جنسی تقاضوں کو پورا کرنا ہے تو جائز اور صحیح طریقے سے شادی کر کے انھیں پورا کیوں نہیں کرتے ،،یہ میری بیٹیاں ہیں (تیار ہوں کہ انھیں تمہاری زوجیت میں دے دوں) اگر تم صحیح کام انجام دینا چاہتے ہو تو اس کا راستہ یہ ہے۔"[(۱)]

اس میں شک نہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کی توچند بیٹیاں تھیں اور ان افراد کی تعداد زیادہ تھی لیکن مقصدیہ تھا کہ ان پر اتمام حجت کیا جائے اور کہا جائے کہ میں اپنے مہمانوں کے احترام اور حفاظت اور تمہیں برائي کی دلدل سے نکالنے کے لئے اس حد تک ایثار کے لئے تیار ہوں۔یہ بات واضح ہے کہ جناب لوط یونہی اپنی لڑکیوں کا عقد ان مشرکوں اور گمراہوں سے نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ مقصد یہ تھا کہ پہلے ایمان لے او تاکہ بعد میں اپنے لڑکیوں کی شادی تم سے کردوں۔

لیکن افسوس شہوت، انحراف اور ہٹ دھرمی کے اس عالم میں ان میں ذرہ بھر بھی انسانی اخلاق اور جذبہ باقی ہوتا تو کم از کم اس امر کے لئے کافی تھا کہ وہ شرمندہ ہوتے اور پلٹ جاتے، مگرنہ صرف یہ کہ وہ شرمندہ نہ ہوئے بلکہ اپنی جسارت میں اور بڑھ گئے اور چاہا کہ حضرت لوط کے مہمانوں کی طرف ہاتھ بڑھائیں۔

---

(۱)سورہ حجر آیت ۷۱

وہ قوم حرص اور شوق کے عالم میں اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے بڑی تیزی سے لوط کی طرف آئي۔

مگر اس تباہ کار قوم نے نبی خدا حضرت لوط(ع) کو بڑی بے شرمی سے جواب دیا :

"تو خود اچھی طرح سے جانتا ہے کہ ہمارا تیری بیٹیوں میں کوئي حق نہیں ، اوریقینا تو جانتا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔"[۱]

یہ وہ مقام تھا کہ اس بزرگوار پیغمبر نے اپنے آپ کو ایک محاصرے میں گھرا ہوا پایا اور انہوں نے ناراحتی وپریشانی کے عالم میں فریاد کی :اے کاش : مجھ میں اتنی طاقت ہوتی کہ میں اپنے مہمانوں کا دفاع کر سکتا اورتم جیسے سرپھروں کی سرکوبی کرسکتا "۔[۲]

یا کوئي مستحکم سہارا ہوتا ، کوئي قوم و قبیلہ میرے پیروکارں میں سے ہوتا اور میرے کوئي طاقتور ہم پیمان ہوتے کہ جن کی مدد سے تم منحرف لوگوں کا مقابلہ کرتا۔[۳]

اے لوط(ع) آپ پریشان نہ ہویئے

آخر کار پروردگار کے رسولوں نے حضرت لوط کی شدید پریشانی دیکھی اوردیکھا کہ وہ روحانی طورپر کس اضطراب کا شکار ہیں تو انہوں نے اپنے اسرار کار سے پردہ اٹھایا اور ان سے کہا :" اے لوط(ع) : ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں ، پریشان نہ ہو مطمئ ن رہو کہ وہ ہرگز تجھ پر دسترس حاصل نہیں کرسکیں گے"۔[۴]

قران میں دوسری جگہ پر ہے :[۵]

یہ آیت نشاندہی کرتی ہے کہ اس وقت حملہ آورقوم پروردگار کے ارادے سے اپنی بینائي کھوبیٹھی تھي

---

(۱)سورہ ہودآیت ۷۹

(۲)سورہ ہود آیت ۸۰

(۳)سورہ ہود آیت ۸۰

(۴)سورہ ہود آیت ۸۱

(۵)وہ لوط علیہ السلام کے مہمانوں کے بارے میں تجاوز کا ارادہ رکھتے تھے لیکن ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کردیں۔

اور حملے کی طاقت نہیں رکھتی تھی بعض روایات میں بھی ہے کہ ایک فرشتے نے مٹھی بھر خاک ان کے چہروں پر پھینکی جس سے وہ نابینا ہوگئے_

بہرحال جب لوط اپنے مہمانوں کے بارے میں ان کی ماموریت کے بارے میں آگاہ ہوئے تو یہ بات اس عظیم پیغمبر کے جلتے ہوئے دل کے لئے ٹھنڈک کی مانند تھي، ایک دم انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے دل سے غم کا بار گراں ختم ہوگیا ہے اور ان کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں ، ایسا ہوا جیسے ایک شدید بیماری کی نظر مسیحا پر جاپڑے، انہوں نے سکھ کا سانس لیا اور سمجھ گئے کہ غم واندوہ کا زمانہ ختم ہورہاہے اور اس بے شرم حیوان صفت قوم کے چنگل سے نجات پانے کا اور خوشی کا وقت آپہنچا ہے_

مہمانوں نے فوراً لوط علیہ السلام کو حکم دیا : تم تاریکی شب میں اپنے خاندان کو اپنے ساتھ لے لو اور اس سرزمین سے نکل جائو لیکن یہ پابندی ہے کہ " تم میں سے کوئي شخص پس پشت نہ دیکھے_ "[۱]

اس حکم کی خلاف ورزی فقط تمہاری معصیت کار بیوی کرے گی کہ جو تمہاری گنہگار قوم کو پہنچنے والی مصیبت میں گرفتار ہوگی_"[۲]

---

(۱)"ولا یلتفت منکم احد"_کی تفسیر میں مفسیرین نے چند احتمال ذکر کیے ہیں :

پہلا یہ کوئي شخص اپنی پس پشت نہ دیکھے_

دوسرا یہ کہ شہر میں سے مال اور وسائل لے جانے کی فکر نہ کرے بلکہ صرف اپنے آپ کو اس ہلاکت سے نکال لے جائے_

تیسرا یہ کہ اس خاندان کے اس چھوٹے سے قافلہ میں سے کوئي شخص پیچھے نہ رہ جائے_

چوتھا یہ کہ تمہارے نکلنے کے وقت زمین ہلنے لگے گی اور عذاب کے آثار نمایاں ہوجائیں گے لہذا اپنے پس پشت نگاہ نہ کرنا اور جلدی سے دور نکل جانا_

البتہ کوئي مانع نہیں ہے کہ یہ سب احتمالات اس آیت کے مفہوم میں جمع ہوں

(۲)سورہ ہود آیت ۸۱

کیا صبح قریب نہیں ہے؟

بالآخر انھوں نے لوط سے آخری بات کہي: "نزول عذاب کا لمحہ اور وعدہ کی تکمیل کا موقع صبح ہے اور صبح کی پہلی شعاع کے ساتھ ہی اس قوم کی زندگی غروب ہوجائے گی_"(۱)

ابھی اٹھ کھڑے ہو اور جتنا جلدی ممکن ہو شہر سے نکل جائو"کیا صبح نزدیک نہیں ہے_"(۲)

بعض روایات میں ہے کہ جب ملائکہ نے کہا کہ عذاب کے وعدہ پر عمل درآمد صبح کے وقت ہوگا تو حضرت لوط علیہ السلام کو جو اس آلودہ قوم سے سخت ناراحت اورپریشان تھے، وہی قوم کہ جس نے اپنے شرمناک اعمال سے ان کا دل مجروح کررکھا تھا اور ان کی روح کو غم واندوہ سے بھردیا تھا، فرشتوں سے خواہش کی کہ اب جب کہ ان کو نابودہی ہونا ہے تو کیا ہی اچھا ہو کہ جلدی ایسا ہو لیکن انہوں نے حضرت لوط کی دلجوئي اور تسلی کے لئے کہا : کیا صبح نزدیک نہیں ہے ؟

آخرکار عذاب کا لمحہ آن پہنچا اور لوط پیغمبر علیہ السلام کے انتظار کے لمحے ختم ہوئے ، جیسا کہ قرآن کہتا ہے :

"جس وقت ہمارا فرمان آن پہنچا تو ہم نے اس زمین کو زیروزبر کردیا اور ان کے سروں پر مٹیلے پتھروں کی پیہم بارش برسائي_"(۳)

پتھروں کی یہ بارش اس قدر تیز اور پے درپے تھی کہ گویا پتھر ایک دوسرے پر سوار تھے_ لیکن یہ معمولی پتھر نہ تھے بلکہ تیرے پروردگار کے یہاں معین اور مخصوص تھے "مسومۃ عند ربک "_ البتہ یہ تصور نہ کریں کہ یہ پتھر قوم لوط کے ساتھ ہی مخصوص تھے بلکہ" یہ کسی ظالم قوم اور جمعیت سے دور نہیں ہیں_ "(۴)

اس بے راہ روااور منحرف قوم نے اپنے اوپر بھی ظلم کیا اور اپنے معاشرے پر بھی وہ اپنی قوم کی تقدیر

---

(۱)سورہ ہود آیت ۸۱

(۲)سورہ ہود آیت ۸۱

(۳)سورہ ہود آیت ۸۲

(۴)سورہ ہود آیت ۸۳

سے بھی کھیلے اور انسانی ایمان و اخلاق کا بھی مذاق اڑایا ،جب ان کے ہمدرد رہبر نے داد وفریاد کی تو انہوں نے کان نہ دھرے اور تمسخر کیا اعلی ڈھٹائي ، بے شرمی اور بے حیائي یہاں تک آپہنچی کہ وہ اپنے رہبر کے مہمانوں کی حرمت وعزت پر تجاوز کے لئے بھی اٹھ کھڑے ہوئے _

یہ وہ لوگ تھے کہ جنھوں نے ہر چیز کو الٹ کر رکھ دیا ان کے شہروں کو بھی الٹ جانا چاہئے تھا فقط یہی نہیں کہ ان کے شہر تباہ وبرباد ہوجاتے بلکہ ان پر پتھروں کی بارش بھی ہونا چاہئے تھی تاکہ ان کے آخری آثار حیات بھی درہم وبرہم ہوجائیں اور وہ ان پتھروں میں دفن ہوجائیں اس سے کہ ان کا نام ونشان اس سرزمین میں نظر نہ آئے، صرف وحشت ناک ، تباہ وبرباد.بیابان ، خاموش قبرستان اور پتھروں میں دبے ہوئے مردوں کے علاوہ ان میں کچھ باقی نہ رہے _

کیا صرف قوم لوط(ع) کو یہ سزا ملنی چاہئے نہیں ،یقینا ہر گز نہیں بلکہ ہر منحرف گروہ اور ستم پیشہ قوم کے لئے ایسا ہی انجام انتظار میں ہے کبھی سنگریزوں کی بارش کے نیچے ، کبھی آگ اگلتے بموں کے نیچے اور کبھی معاشرے کے لئے تباہ کن اختلافات کے تحت خلاصہ یہ کہ ہر ستمگر کو کسی نہ کسی صورت میں ایسے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا _

صبح کے وقت نزول عذاب کیوں ؟

یہاں پرذہن میں یہ سوال پیدا ہوتاہے کہ نزول عذاب کے لئے صبح کا وقت کیوں منتخب کیا گیا رات کے وقت ہی عذاب کیوں نازل نہیں ہوا ؟

ایسا اس لئے تھا کہ جب حضرت لوط(ع) کے گھر پر چڑھ آنے والے افراد اندھے ہوگئے اور قوم کے پاس لوٹ کر گئے اور واقعہ بیان کیا تو وہ کچھ غور وفکر کرنے لگے، معاملہ کیا ہے خدا نے صبح تک انہیں مہلت دی کہ شاید.بیدار ہوجائیں اور اس کی بارگاہ کی طرف رجوع کریں اور توبہ کریں یا یہ کہ خدا نہیں چاہتا تھا کہ رات کی تاریکی میں ان پر شب خون مارا جائے اسی بناء پر حکم دیا کہ صبح تک ماموعذاب سے ہاتھ روکے رکھیں_تفاسیر میں اس کے بارے میں تقریباً کچھ نہیں لکھا گیا لیکن جو کچھ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ اس سلسلے

میں پند قابل مطالعہ احتمالات ہیں ۔

زیرو زبر کیوں کیا گیا

ہم کہہ چکے ہیں کہ عذاب کی گناہ سے کچھ نہ کچھ مناسبت ہونا چاہئے، اس قوم نے انحراف جنسی کے ذریعہ چونکہ ہر چیز کو الٹ پلٹ کردیا تھا لہذا خدا نے بھی ان شہروں کو زیرو زبر کردیا اور چونکہ روایات کے مطابق ان کے منہ سے ہمیشہ رکیک اور گندی گندگی کی بارش ہوتی تھی لہذا خدانے بھی ان پر پتھروں کی بارش برسائی ۔

جس نکتے کا ہم آخر میں ذکر ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ جنسی انحراف کی طرف افراد کے میلان کے بہت سے علل واسباب ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات ماں باپ کا اپنی اولاد سے سلوک یا ہم جنس اولاد کی نگرانی نہ کرنا ، ان کے طرز معاشرت اور ایک ہی جگہ پر سونا وغیرہ بھی ہوسکتا ہے اس آلودگی کا ایک عامل بن جائے ۔

بعض اوقات ممکن ہے کہ اس انحراف سے ایک اور اخلاقی انحراف جنم لے لے، یہ امر قابل توجہ ہے کہ قوم لوط کے حالات میں ہے کہ ان کے اس گناہ میں آلودہ ہونے کا ایک سبب یہ تھا کہ وہ بخیل اور کنجوس لوگ تھے اور چونکہ ان کے شہر شام جانے والے قافلوں کے راستے میں پڑتے تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ مہمانوں اور مسافروں کی پذیرائي کریں لہذا ابتداء میں وہ اس طرح ظاہر کرتے تھے کہ وہ چاہتے تھے کہ مہمانوں اور مسافروں کو اپنے سے دور بھگائیں لیکن تدریجاًیہ عمل ان کی عادت بن گیا اور انحراف جنسی کے میلانات آہستہ آہستہ ان کے وجود میں بیدار ہوگئے اور معاملہ یہاں تک جاپہنچا کہ وہ سر سے لے کر پائوں تک اس میں آلودہ ہوگئے ۔ (۱)

(۱) یہاں تک کے فضول قسم کا مذاق جو کبھی کبھی لڑکوں کے درمیان اپنے ہم جنسوں کے بارے میں ہوتا ہے بعض اوقات ان انحرافات کی طرف کھینچ لے جانے کا سبب بن جاتا ہے ۔

قوم لوط(ع) کا اخلاق

اسلامی روایات وتواریخ میں جنسی انحراف کے ساتھ ساتھ قوم لوط(ع) کے برے اور شرمناک اعمال اور گھٹیا کردار بھی بیان ہوا ہے_

کہا گیا ہے کہ ان کی مجالس اور بیٹھکیں طرح طرح کے منکرات اور برے اعمال سے آلودہ تھیں وہ آپس میں رکیک جملوں ، فحش کلامی اور پھبتیوں کا تبادلہ کرتے تھے ایک دوسرے کی پشت پر مکے مارتے تھے قمار بازی کرتے تھے بچوں والے کھیل کھیلتے تھے گزرنے والوں کو کنکریاں مارتے تھے طرح طرح کے آلات موسیقی استعمال کرتے تھے اور لوگوں کے سامنے برہنہ ہو جاتے تھے اور اپنی شرمگاہوں کو ننگا کردیتے تھے_

واضح ہے کہ اس قسم کے گندے ماحول میں ہر روز انحراف اور بدی نئي شکل میں رونما ہوتی ہے اور وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جاتی ہے ایسے ماحول میں اصولی طور پر برائي کا تصور ختم ہوجاتاہے اور لوگ اس طرح سے اس راہ پر چلتے ہیں کہ کوئي کام ان کی نظر میں برا اور قبیح نہیں رہتا ان سے زیادہ بد بخت وہ قومیں ہیں جو علم کی پیش رفت کے زمانے میں انہی راہوں پر گامزن ہیں ،بعض اوقات تو ان کے اعمال اس قدر شرمناک اور رسوا کن ہوتے ہیں کہ قوم لوط کے اعمال بھول جاتے ہیں_

حضرت لوط (ع) کی بیوی کافروں کے لئے مثال

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے "خدا نے کافروں کے لئے ایک مثال بیان کی ہے"نوح علیہ السلام کی بیوی کی مثال اور لوط علیہ السلام کی بیوی کی مثال "وہ دونوں ہمارے دوصالح بندوں کے ماتحت تھیں لیکن انہوں نے ان سے خیانت کي، لیکن ان دو عظیم پیغمبروں سے ان کے ارتباط نے عذاب الہی کے مقابلہ میں انھیں کوئي نفع نہیں دیا اور ان سے کہا گیا کہ تم بھی آگ میں داخل ہونے والے لوگوں کے ساتھ آگ میں داخل ہوجائو_ "[۱]

---

(۱) سورہ تحریم آیت ۱۰

حضرت نوح کی بیوی کا نام "والھہ" اور حضرت لوط کی بیوی کا نام "والعۃ"تھا ۱ اور بعض نے اس کے بر عکس لکھا ہے یعنی نوح کی بیوی کانام"والعۃ" اور لوط کی بیوی کا نام "والھہ" یا "واہلہ" کہا ہے۔

بہرحال ان دونوں عورتوں نے ان دونوں عظیم پیغمبروں کے ساتھ خیانت کی، البتہ ان کی خیانت جائدہ عفت سے انحراف ہرگزنہیں تھا کیونکہ کسی پیغمبر کی بیوی ہرگز بے عفتی سے آلودہ نہیں ہوتی جیسا کہ پیغمبر اسلام سے ایک حدیث میں صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے:

"کسی بھی پیغمبر کی بیوی ہرگز منافی عفت عمل سے آلودہ نہیں ہوئی"۔

حضرت لوط کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ وہ اس پیغمبر کے دشمنوں کے ساتھ تعاون کرتی تھی اور ان کے گھر کے راز انھیں بتاتی تھی اور حضرت نوح (ع) کی بیوی بھی ایسی ہی تھی۔

حضرت یوسف اور یعقوب (علیہما السلام)

داستان عشق یا پاکیزگی کا بہترین سبق

حضرت یوسف (ع) کے واقعہ کو بیان کرنے سے پہلے چند چیزوں کا بیان کرنا ضروری ہے:

١_ بے ہدف داستان پردازوں یا پست اور غلیظ مقاصد رکھنے والوں نے اس اصلاح کنندہ واقعہ کو ہوس بازوں کے لئے ایک عاشقانہ داستان بنانے اور حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے واقعات کے حقیقی چہرے کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے،یہاں تک کہ انھوں نے اسے ایک رومانی فلم بنا کر پردہ سیمیں پر پیش کرنا چاہا ہے ، لیکن قرآن مجید نے کہ جس کی ہر چیز نمونہ اور اسوہ ہے اس واقعے کے مختلف مناظر سے پیش کرتے ہوئے اعلی ترین عفت وپاکدامني، خوداري، تقوی ، ایمان اور ضبط نفس کے درس دئے ہیں اس طرح سے کہ ایک شخص اسے جتنی مرتبہ بھی پڑھے ان قوی جذبوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا_

اسی بنا پر قرآن نے اسے "احسن القصص" (بہترین داستان) جیسا خوبصورت نام دیا ہے اور اس میں صاحبان فکرونظر کے لئے متعدد عبرتیں بیان کی ہیں_

قہرمان پاکیزگي

٢_اس واقعہ میں غوروفکر سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قرآن تمام پہلوئوں سے معجزہ ہے اور اپنے واقعات میں جو ہیرو پیش کرتا ہے وہ حقیقی ہیرو ہوتے ہیں نہ کہ خیالی_کہ جن میں سے ہر ایک اپنی نوعیت کے

اعتبار سے بے نظیر ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم، وہ بت شکن ہیرو، جن کی روح بلند تھی اور جو طاغوتیوں کی کسی سازش میں نہ آئے۔

حضرت نوح، طویل اور پربرکت عمرمیں۔ صبر و استقامت، پامردی اور دلسوزی کے ہیرو بنے۔

حضرت موسی وہ ہیرو کہ جنہوں نے ایک سرکش اور عصیان گر طاغوت کے مقابلے کے لئے ایک ہٹ دھرم قوم کو تیار کرلیا۔

حضرت یوسف; ایک خوبصورت، ہوس باز اور حیلہ گر عورت کے مقابلے میں پاکیزگی، پارسائي اور تقوی کے ہیرو بنے۔

علاوہ ازیں اس واقعے میں قرآنی وحی کی قدرت بیان اس طرح جھلکتی ہے کہ انسان حیرت زدہ ہو جاتا ہے کیونکہ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کئي مواقع پر یہ واقعہ عشق کے بہت ہی باریک مسائل تک جا پہنچتا ہے اور قرآن انہیں چھوڑ کر ایک طرف سے گزرے بغیر ان تمام مناظر کو ان کی باریکیوں کے ساتھ اس طرح سے بیان کرتا ہے کہ سامع میں ذرہ بھر منفی اور غیر مطلوب احساس پیدا نہیں ہوتا۔ قرآن تمام واقعات کے تن سے گزرتا ہے لیکن تمام مقامات پر تقوی وپاکیزگی کی قوی شعاعوں نے مباحث کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

حضرت یوسف(ع) کا واقعہ اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد

۳۔ اس میں شک نہیں کہ قبل از اسلام بھی داستان یوسف لوگوں میں مشہور تھی کیونکہ توریت میں سفر پیدائش کی چودہ فصلوں (فصل ۳۷ تا ۵۰) میں یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔ البتہ ان چودہ فصلوں کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ توریت میں جو کچھ ہے وہ قرآن سے بہت ہی مختلف ہے۔ ان اختلافات کے موازنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ قرآن میں آیا ہے وہ کس حد تک پیراستہ اور ہر قسم کے خرافات سے پاک ہے۔ یہ جو قرآن پیغمبر سے کہتا ہے :"اس سے پہلے آپ کو علم نہیں تھا،، اس عبرت انگیز داستان کی خالص واقعیت سے ان کی عدم آگہی کی طرف اشارہ ہے۔ (اگر احسن القصص سے مراد واقعہ یوسف ہو)۔

موجودہ توریت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب نے جب حضرت یوسف کی خون آلود قمیص دیکھی تو کہا :"یہ میرے بیٹے کی قبا ہے جسے جانور نے کھا لیا ہے یقینا یوسف چیر پھاڑڈالا گیا ہے _"

پھر یعقوب نے اپنا گریبان چاک کیا ٹاٹ اپنی کمر سے باندھا اور مدت درازتک اپنے بیٹے کے لئے گریہ کرتے رہے، تمام بیٹوں اور بیٹیوں نے انہیں تسلی دینے میں کسر اٹھا نہ رکھی لیکن انہیں قرار نہ آیا اور کہا کہ میں اپنے بیٹے کے ساتھ اسی طرح غمزدہ قبر میں جائوں گا _

جبکہ قرآن کہتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی فراست سے بیٹوں کے جھوٹ کو بھانپ گئے اور انہوں نے اس مصیبت میں داد وفریاد نہیں کی اور نہ اضطراب دکھایا بلکہ جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اس مصیبت کا بڑے صبر سے سامنا کیا اگرچہ ان کا دل جل رہا تھا، آنکھیں اشکبار تھیں ، فطری طورپر کثرت گریہ سے ان کی بینائی جاتی رہی _ لیکن قرآن کی تعبیر کے مطابق انہوں نے صبر جمیل کا مظاہرہ کیا اور اپنے اوپر قابو رکھا (کظیمہ) انہوں نے گریبان چاک کرنے ، دادو فریاد کرنے اورپھٹے پرانے کپڑے پہنے سے گریز کیا جو کہ عزاداری کی مخصوص علامات تھیں _

بہر حال اسلام کے بعد بھی یہ واقعہ مشرق مغرب کے مورخین کی تحریروں میں بعض اوقات حاشیہ آرائي کے ساتھ آیا ہے فارسی اشعار میں سب سے پہلے "یوسف زلیخا ،،کے قصے کی نسبت فردوسی کی طرف دی جاتی ہے اس کے بعد شہاب الدین عمق اور مسعودی قمی کی "یوسف زلیخا" ہے اور ان کے بعد نویں صدی کے مشہور شاعر عبدالرحمن جامی کي "یوسف زلیخا "ہے _

احسن القصص

۴_ قران میں داستان یوسف کو شروع کرتے ہوئے خدا فرماتا ہے:"ہم اس قران کے ذریعہ (جو اپ پر وحی ہوتی ہے)،کے ذریعہ "احسن القصص "بیان کرتے ہیں "_ (۱)

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۳

یہ واقعہ کیسے بہترین نہ ہو جب کہ اس کے ہیجان انگیز پیچ وخم میں زندگی کے اعلی ترین دروس کی تصویر کشی کی گئي ہے ۔اس واقعے میں ہرچیز پر خدا کے ارادے کی حاکمیت کا ہم اچھی طرح مشاہدہ کرتے ہیں ۔

حسد کرنے والوں کا منحوس انجام ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اوران کی سازشوں کو نقش بر آب ہو تے ہو ئے دیکھتے ہیں ۔

بے عفتی کی عارو ننگ اور پارسائي وتقوی کی عظمت وشکوہ اس کی سطور میں ہم مجسم پاتے ہیں کنویں کی گہرائي میں ایک ننھے بچے کی تنہائي، زندان کی تاریک کو ٹھری میں ایک بے گناہ قیدی کے شب وروز ، یاس ونا امیدی کے سیاہ پردوں کے پیچھے نو ر امید کی تجلی اور آخر کار ایک وسیع حکو مت کی عظمت وشکوہ کہ جو آگاہی و امانت کا نتیجہ ہے یہ تمام چیزیں اس داستان میں انسان کی آنکھوں کے سامنے سا تھ سا تھ گزرتی ہیں ۔

وہ لمحے کہ جب ایک معنی خیز خواب سے ایک قوم کی سر نوشت بدل جاتی ہے ۔

وہ وقت کہ جب ایک قوم کی زندگی ایک بیدا ر خدائي زمام دار کے علم وآگہی کے زیر سا یہ نابودی سے نجات پا لیتی ہے ۔

اور ایسے ہی دسیوں درس ، جس داستا ن میں مو جود ہوں وہ کیوں نہ "احسن القصص"ہو ۔

البتہ یہی کافی نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان "احسن القصص" ہے اہم بات یہ ہے کہ ہم میں یہ لیاقت ہو کہ یہ عظیم درس ہماری روح میں اتر جائے ۔

بہت سے ایسے لوگ ہیں جو حضرت یوسف (ع) کے واقعہ کو ایک اچھے رومانوی واقعہ کے عنوان سے دیکھتے ہیں، ان جا نو روں کی طرح جنھیں ایک سر سبز وشاداب اور پھل پھول سے لدے ہوئے باغ میں صرف کچھ گھا س نظر پڑتی ہے کہ جو ان کی بھو ک کو زائل کردے ۔

ابھی تک بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ جو اس داستا ن کو جھو ٹے پر وبال دے کر کو شش کرتے ہیں کہ اس سے ایک سیکسی (s e x s i)داستان بنا لیں جب کہ اس واقعہ کے لئے یہ بات نا شائستہ ہے اور اصل داستان میں تمام اعلی انسا نی قدریں جمع ہیں آئندہ صفحات میں ہم دیکھیں گے کہ اس واقعہ کے جامع خو

بصورت پیچ و خم کو نظر انداز کر کے نہیں گزرا جا سکتا ایک شاعر شیریں سخن کے بقول :

"کبھی کبھی اس داستان کے پر کشش پہلوئوں کی مہک انسان کو اس طرح سر مست کر دیتی ہے کہ وہ بے خود ہو جاتا ہے۔"

امید کی کرن اور مشکلات کی ابتداء

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے کا آغاز قرآن ان کے عجیب اور معنی خیز خواب سے کرتا ہے کیونکہ یہ خواب دراصل حضرت یوسف کی تلاطم خیز زندگی کا پہلا موڑ شمار ہوتا ہے ۔

ایک دن صبح سویرے آپ بڑے شوق اور وارفتگی سے باپ کے پاس آئے اور انہیں ایک نیا واقعہ سنایا جو ظاہراً کوئ زیادہ اہم نہ تھا لیکن درحقیقت ان کی زندگی میں ایک تازہ باب کھلنے کا پتہ دے رہا تھا ۔

"یوسف نے کہا : ابا جان :

"میں نے کل رات گیارہ ستاروں کو دیکھا کہ وہ آسمان سے نیچے اتر ئے سورج اور چاند ان کے ہمراہ تھے' سب کے سب میرے پاس آئے اور میرے سامنے سجدہ کیا ۔"(۱)

حضرت یوسف (ع) نے یہ خواب شب جمعہ دیکھا تھا کہ جو شب قدر بھی تھی (وہ رات جو مقدرات کے تعین کی رات ہے) ۔

یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یوسف نے جب یہ خواب دیکھا اس وقت آپ کی عمر کتنے سال تھی' اس سلسلے میں بعض نے نو سال' بعض نے بارہ سال اور بعض نے سات سال عمر لکھی ہے جو بات مسلم ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت آپ بہت کم سن تھے ۔

اس ہیجان انگیز اور معنی خیز خواب پر خدا کے پیغمبر یعقوب فکر میں ڈوب گئے کہ سورج ،چاند اور آسمان کے گیارہ ستارے ،وہ گیارہ ستارہ نیچے اترے اور میرے بیٹے یوسف کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے ۔

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۴

یہ کس قدر معنی آفریں ہے یقینا سورج اورچاند میں اور اس کی ماں (یاپاییں اور اس کی خالہ) ہیں اور گیارہ ستارے اس کے بھائي ہیں میرے بیٹے کی قدر ومنزلت اور مقام اس قدر بلند ہو گا کہ آسمان کے ستارے ، سورج اورچاند اس کے آستانہ پر جبیں سائي کریں گے یہ بارگاہ الہی میں اس قدر عزیز اور باوقار ہو گا کہ آسمان والے بھی اس کے سامنے خضوع کریں گے کتنا پر شکوہ اورپر کشش خواب ہے_ لہذا پریشانی اور اضطراب کے انداز میں کہ جس میں ایک مسرت بھی تھی ،اپنے بیٹے سے کہنے لگے "میرے بیٹے: اپنا یہ خواب بھائیوں کو نہ بتانا، کیونکہ وہ تیرے خلاف خطرناک سازش کریں گے ،میں جانتا ہوں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے_(۲) وہ موقع کی تاڑ میں ہے تا کہ اپنے وسوسوں کا آغاز کرے ، کینہ وحسد کی آگ بھڑکائے یہاں تک کہ بھائیوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنادے_ لیکن یہ خواب صرف مستقبل میں یوسف کے مقام کی ظاہری ومادی عظمت بیان نہیں کرتا تھا بلکہ نشاندہی کرتا تھا کہ وہ مقام نبوت تک بھی پہچنیں گے کیونکہ آسمان والوں کا سجدہ کرنا آسمانی مقام کے بلندی پر پہنچنے کی دلیل ہے اسی لئے تو ان کے پدر بزرگوار حضرت یعقوب نے مزید کہا : اور اس طرح تیرا پروردگار تجھے منتخب کرے گا_" اور تجھے تعبیر خواب کا علم دے گا اور اپنی نعمت تجھ پر اور آل یعقوب(ع) پر تمام کرے گا، جیسے اس نے قبل ازیان تیرے باپ ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق(ع) پر تمام کی ہاں تیرا پروردگار عالم ہے اور حکمت کے مطابق کام کرتا ہے_"(۳)

بھائیوں کی سازش

یہاں سے یوسف(ع) کے بھائیوں کی یوسف(ع) کے خلاف سازش شروع ہوتی ہے ،قران میں ان بہت سے اصلاحی دروس کی طرح اشارہ کیا گیا ہے جو اس داستان میں موجودہیں ، ارشاد ہوتا ہے :"یقینا یوسف اور اس کے بھائیوں کی داستان میں سوال کرنے والوں کے لئے نشانیاں تھیں_"(۴)

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۵

(۲)سورہ یوسف آیت ۵

(۳)سورہ یوسف آیت ۶

(۴)سورہ یوسف آیت ۷

اس سے بڑھ کر اور کیا درس ہوگا کہ چند طاقتور افراد ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کہ جس کا سرچشمہ حسد تھا ظاہراً ایک کمزور اور تنہا شخص کو نابود کرنے کے لئے اپنی تمام تر کوشش صرف کرتے ہیں مگر اس کام سے انہیں خبر نہیں ہوتی کہ وہ اسے ایک حکومت کے تخت پر بٹھا رہے ہیں اور ایک وسیع مملکت کا فرماں روا بنا رہے ہیں اور آخر کا وہ سب اس کے سامنے سر تعظیم و تسلیم خم کرتے ہیں یہ امر نشاندہی کرتا ہے کہ جب خدا کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اتنی طاقت رکھتا ہے کہ اس کام کو اس کے مخالفین کے ہاتھوں پایہ تکمیل تک پہنچا دے تاکہ یہ واضح ہوجائے گا کہ ایک پاک اور صاحب ایمان انسان اکیلا نہیں ہے اور اگر سارا جہان اس کی نابودی پر کمر باندھ لے لیکن خدا نہ چاہے تو کوئی اس کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا_

حضرت یعقوب(ع) کے بارہ بیٹے تھے ان میں یوسف اور بنیا مین ایک ماں سے تھے ان کی والدہ کا نام "راحیل" تھا یعقوب (ع) ان دونوں بیٹوں سے خصوصاًیوسف سے زیادہ محبت کرتے تھے کیونکہ ایک تو یہ ان کے چھوٹے بیٹے تھے لہذا فطرتاً زیادہ توجہ اور محبت کے محتاج تھے اور دوسرا ان کی والدہ "راحیل"فوت ہوچکی تھیں اس بناء پر بھی انہیں زیادہ توجہ اور محبت کی ضرورت تھی علاوہ ازیں خصوصیت کے ساتھ حضرت یوسف میں نابغہ اور غیر معمولی شخصیت ہونے کے آثار نمایاں تھے؟ مجموعی طور پر ان سب باتوں کی بناء پر حضرت یعقوب واضح طور پر ان سے زیادہ پیار محبت کا برتاؤ کرتے تھے_

حاسد بھائیوں کی توجہ ان پہلوئوں کی طرف نہیں تھی اور وہ اس پر بہت ناراحت اور ناراض تھے_ خصوصاً شاید مائوں کے الگ الگ ہونے کی وجہ سے بھی فطرتاً ان میں رقابت موجود تھی لہذا وہ اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے: یوسف اور اس کے بھائی کو باپ ہم سے زیادہ پیار کرتا ہے حالانکہ ہم طاقتور اور مفید لوگ ہیں_"[۱]

اور باپ کے امور کو بہتر طور پر چلا سکتے ہیں اس لئے اسے ان چھوٹے بچوں کی نسبت ہم سے زیادہ محبت کرنا چاہئے جب کہ ان سے تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا، اس طرح یک طرفہ فیصلہ کرتے ہوئے انہوں نے اپنے باپ کے خلاف کہا کہ" ہمارا باپ واضح گمراہی میں ہے_"[۲]

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۸

(۲)سورہ یوسف آیت ۸

حسد اور کینے کی آگ نے انہیں اجازت نہ دی کہ وہ معاملے کے تمام اطراف پر غور وفکر کرتے اور ان دو بچوں سے اظہار محبت پر باپ کے دلائل معلوم کرتے کیونکہ ہمیشہ ذاتی مفادات ہر شخص کی فکر پر پردہ ڈال دیتے ہیں اور اسے یک طرفہ فیصلوں پر آمادہ کردیتے ہیں کہ جن کا نتیجہ حق وعدالت کے راستے سے گمراہی ہے_ البتہ ان کی مراد دین ومذہب کے اعتبار سے گمراہی نہ تھی کیونکہ بعد میں آنے والی گفتگو نشاندہی کرتی ہیں کہ اپنے باپ کی عظمت او رنبوت پر ان کا عقیدہ تھا اور انہیں صرف ان کے طرز معاشرت پر اعتراض تھا_

یوسف (ع) کو قتل کردیا جائے

بغض، حسد اور کینے کے جذبات نے آخر کار بھائیوں کو ایک منصوبہ بنانے پر آمادہ کیا وہ ایک جگہ جمع ہوئے اوردو تجاویز اان کے سامنے تھیں کہنے لگے :"یایوسف کو قتل کردو یا اسے دور دراز کے کسی علاقے میں پھینک آئو تاکہ باپ کی محبت کا پورا رخ ہماری طرف ہو جائے "_(۱)

یہ ٹھیک ہے کہ اس کام پر تمہیں احساس گناہ ہوگا اور وجدان کی ندامت ہوگی کیونکہ اپنے چھوٹے بھائے پر یہ ظلم کرو گے لیکن اس گناہ کی تلافی ممکن ہے ،توبہ کرلینا" اور اس کے بعد صالح جمعیت بن جانا "_(۲)

لیکن بھائیوں میں سے ایک بہت سمجھدار تھا یا اس کا ضمیر نسبتاًزیادہ بیدار تھا اسی لئے اس نے یوسف(ع) کو قتل کرنے کے منصوبے کی مخالفت کی اور اسی طرح کسی دور دراز علاقے میں پھینک آنے کی تجویز پیش کي،کیونکہ اس منصوبے میں یوسف(ع) کی ہلاکت کا خطرہ تھا_ اس نے ایک تیسرا منصبوبہ پیش کیا،وہ کہنے لگا:"اگر تمہیں ایسا کام کرنے پر اصرار ہی ہے تو یوسف(ع) کو قتل نہ کرو بلکہ اسے کسی کنویں میں پھینک دو(اس طرح سے کہ وہ زندہ رہے)تاکہ راہ گزاروں کے کسی قافلے کے ہاتھ لگ جائے اور وہ اسے اپنے ساتھ لے جائیں اور اس طرح یہ ہماری اور باپ کی آنکھوں سے دور ہو جائے_(۳)

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۹

(۲)سورہ یوسف آیت ۹

(۳)سورہ یوسف آیت ۱۰

منحوس سازش

یوسف (ع) کے بھائیوں نے جب یوسف کو کنویں میں ڈالنے کی آخری سازش پر اتفاق کرلیا تو یہ سوچنے لگے کہ یوسف کو کس طرح لے کر جائیں لہذا اس مقصد کے لئے انہوں نے ایک اور منصوبہ تیار کیا اس کے لئے وہ باپ کے پاس آئے اور اپنے حق جتانے کے انداز میں، نرم ونازک لہجے میں محبت بھرے شکوے کی صورت میں کہنے لگے:"ابا جان: آپ یوسف کو کیوں کبھی اپنے سے جدا نہیں کرتے اور ہمارے سپرد نہیں کرتے آپ ہمیں بھائی کے بارے میں امین کیوں نہیں سمجھتے حالانکہ ہم یقینا اس کے خیر خواہ ہیں"۔(۱)

آیئے: جس کا آپ ہمیں متہم سمجھتے ہیں اسے جانے دیجئے، علاوہ ازیں ہمارا بھائی نو عمر ہے، اس کا بھی حق ہے 'اسے بھی شہر سے باہر کی آزاد فضا میں گھومنے پھرنے کی ضرورت ہے 'اسے گھر کے اندر قید کردینا درست نہیں، کل اسے ہمارے ساتھ بھیجئے تاکہ یہ شہر سے باہر نکلے، چلے پھرے، درختوں کے پھل کھائے، کھیلے کودے اور سیر و تفریح کرے "۔(۲)

اور اگر آپ کو اس کی سلامتی کا خیال ہے اور پریشانی ہے "تو ہم سب اپنے بھائی کے محافظ ونگھبان ہوں گے"۔(۳) کیونکہ آخر یہ ہمارا بھائی ہے اور ہماری جان کے برابر ہے۔اس طرح انہوں نے بھائی کو باپ سے جدا کرنے کا بڑا ماہرانہ منصوبہ تیار کیا، ہوسکتا ہے انہوں نے یہ باتیں یوسف کے سامنے کی ہوں تاکہ وہ بھی باپ سے تقاضا کریں اور ان سے صحرا کی طرف جانے کی اجازت لے لیں۔

اس منصوبہ میں ایک طرف باپ کے لئے انہوں نے یہ مشکل پیدا کردی تھی کہ اگر وہ یوسف کو ہمارے سپرد نہیں کرتے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ہمیں متہم سمجھتے ہیں اور دوسری طرف کھیل کود اور سیر وتفریح کے لئے شہر سے باہر جانے کی یوسف کے لئے تحریک تھی۔

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۱۱

(۲)سورہ یوسف آیت ۱۲

(۳)سورہ یوسف آیت ۱۲

کنعان کے بھیڑئے

حضرت یعقوب علیہ السلام نے برادران یوسف کی باتوں کے جواب میں بجائے اس کے کہ انہیں برے ارادے کا الزام دیتے، کہنے لگے کہ میں جو تمہارے ساتھ یوسف کو بھیجنے پر تیار نہیں ہوں تو اس کی دو وجوہ ہیں: "پہلی یہ کہ یوسف کی جدائي میرے لئے غم انگیز ہے"_[۱] اور دوسری یہ کہ ہو سکتا ہے کہ ان کے اردگرد کے بیابانوں میں خونخوار بھیڑئے ہوں "اور مجھے ڈرہے کہ مباداکوئي بھیڑیا میرے فرزند دلبند کو کھا جائے اور تم اپنے کھیل کود، سیر و تفریح اور دوسرے کاموں میں مشغول رہو"_[۲]

یہ بالکل فطری امر تھا کہ اس سفر میں بھائي اپنے آپ میں مشغول ہوں اور اپنے چھوٹے بھائي سے غافل ہوں اور بھیڑیوں سے بھرے اس بیابان میں کوئي بھیڑیا یوسف کو اٹھائے البتہ بھائیوں کے پاس باپ کی پہلی دلیل کا کوئي جواب نہ تھا کیونکہ یوسف کی جدائي کا غم ایسی چیز نہ تھی کہ جس کی وہ تلافی کر سکتے بلکہ شاید اس بات نے بھائیوں کے دل میں حسد کی آگ کو اور بھڑکا دیا ہو_

دوسری طرف بیٹے کو باہر لے جانے کے بارے میں باپ کی دلیل کا جواب تھا کہ جس کے ذکر کی چنداں ضرورت نہ تھی اور وہ یہ کہ آخر کار بیٹے کو نشوونما اور تربیت کے لئے چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے باپ سے جدا ہونا ہے اور اگر وہ "نورستہ" کے پودے کی طرح ہمیشہ باپ کے زیر سایہ رہے تو نشوونما نہیں پاسکے گا اور بیٹے کے تکامل وارتقاء کے لئے باپ مجبور ہے کہ یہ جدائي برداشت کرے آج کھیل کود ہے کل تحصیل علم و دانش ہے پرسوں زندگی کے لئے کسب وکار اور سعی وکوشش ہے اخر کار جدائي ضروری ہے_

لہذا اصلاً انہوں نے اس کا جواب نہیں دیا بلکہ دوسری دلیل کا جواب شروع کیا کہ جو ان کی نگاہ میں اہم اور بنیادی تھی اور کہنے لگے: "کیسے ممکن ہے کہ ہمارے بھائي کو بھیڑیا کھاجائے حالانکہ ہم طاقتور لوگ ہیں اگر ایسا ہو جائے تو ہم زیاں کا روبدبخت ہوں گے"[۳]

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۱۳

(۲)سورہ یوسف آیت ۱۳

(۳)سورہ یوسف آیت ۱۴

یعنی کیا ہم مردہ ہیں کہ بیٹھ جائیں اور دیکھتے رہیں گے اور بھیڑیا ہمارے بھائي کو کھا جائے گا ، بھا ئي کو بھائي سے جو تعلق ہو تا ہے اس کے علاوہ جو بات اس کی حفاظت پر ہمیں ابھارتی ہے یہ ہے کہ ہماری لوگوں میں عزت وآبرو ہے ، لوگ ہمارے متعلق کیا کہیں گے ،یہی نا کہ طاقتور موٹی گردنوں والے بیٹھے رہے اور اپنے بھائي پر بھیڑئے کو حملہ کرتے دیکھتے رہے کیا پھر ہم لوگوں میں جینے کے قابل رہیں گے ۔[1]

انہوں نے ضمناً باپ کی اس بات کا بھی جواب دیا کہ ہو سکتا ہے تم کھیل کود میں لگ جائو اور یوسف سے غافل ہو جائو اور وہ یہ کہ یہ مسئلہ گویا ساری دولت اور عزت وآبرو کے ضائع ہو نے کا ہے ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ کھیل کود ہمیں غافل کردے کیونکہ اس صورت میں ہم لوگ بے وقعت ہوجائیں گے اور ہماری کوئي قدر وقیمت نہیں ہو گی ۔

بہر حال انہوں نے بہت حیلے کئے خصو صاًحضرت یو سف کے معصوم جذبات کو تحریک کیا اور انہیں شوق دلا یا کہ وہ شہر سے باہر تفریح کے لئے جائیں اور شاید یہ ان کے لئے پہلا موقع تھا کہ وہ باپ کو اس کے لئے راضی کریں اور بہر صورت اس کام کے لئے ان کی رضا مندی حاصل کریں ۔

یہ احتمال بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت یعقوب (ع) نے کنائے کی زبان میں بات کی تھی اور ان کی نظر بھیڑیا صفت انسانوں کی طرف تھی ، جیسے یوسف کے بعض بھائي تھے

---

(۱)یہاں یہ سوال سامنے اتا ہے کہ تمام خطرات میں سے حضرت یعقوب (ع) نے صرف بھیڑئے کے حملے کے خطرے کی نشاندہی کیوں کی تھی ۔

بعض کہتے ہیں کہ کنعان کا بیابان بھیڑیوں کا مرکز تھا ، اس لئے زیادہ خطرہ اسی طرف سے محسوس ہوتا تھا ۔

بعض دیگر کہتے ہیں کہ یہ ایک خواب کی وجہ سے تھا کہ جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے پہلے دیکھا تھا کہ بھیڑیوں نے ان کے بیٹے یوسف پر حملہ کر دیا ہے ۔

روتے ہوئے جناب یوسف(ع) کو وداع کیا

آخرکار بھائي کامیاب ہوگئے_انہوں نے باپ کو راضی کرلیا کہ وہ یوسف(ع) کو ان کے ساتھ بھیج دے_ وہ رات انہوں نے اس خوش خیالی کے ساتھ گزاری کہ کل یوسف(ع) کے بارے میں ان کا منصوبہ عملی شکل اختیار کرے گا اور راستے کی رکاوٹ اس بھائي کو ہمیشہ کے لئے راستے سے ہٹادیں گے_پریشانی انہیں صرف یہ تھی کہ باپ پشیمان نہ ہور اور اپنی بات واپس نہ لے لے_

صبح سویرے وہ باپ کے پاس گئے اوریوسف(ع) کی حفاظت کے بارے میں باپ نے ہدایات دہرائیں_ انہوں نے بھی اظہار اطاعت کیا_ باپ کے سامنے اسے بڑی محبت و احترام سے اٹھایا اور چل پڑے_

کہتے ہیں شہر کے دروازے تک باپ ان کے ساتھ آئے اور آخری دفعہ یوسف(ع) کو ان سے لے کر اپنے سینے سے لگایا_ آنسو ان کی آنکھوں سے برس رہے تھے_ پھریوسف(ع) کو ان کے سپرد کرکے ان سے جدا ہوگئے لیکن حضرت یعقوب(ع) کی آنکھیں اسی طرح بیٹوں کے پیچھے تھیں_ جہاں تک باپ کی آنکھیں کام کرتی تھیں وہ بھی یوسف(ع) پر نوازش اور محبت کرتے رہے لیکن جب انہیں اطمینان ہوگیا کہ اب باپ انہیں نہیں دیکھ سکتا تو اچانک انہوں نے آنکھیں پھیر لیں_ سالہاسال سے حسد کی وجہ سے جو ان کے اندرتہ بہ تہ بغض و کینہ موجود تھا وہ حضرت یوسف(ع) پر نکلنے لگا_ ہر طرف سے اسے مارنے لگے وہ ایک سے بچ کر دوسرے کی پناہ لیتے لیکن کوئي انہیں پناہ نہ دیتا_

یوسف کی ہنسی اور ان کا رونا

ایک روایت میں ہے کہ اس طوفان بلاء میں حضرت یوسف آنسوبہار ہے تھے اور جب وہ انہیں کنویں میں پھینکنے لگے تو اچانک حضرت یوسف ہنسنے لگے ،بھائیوں کو بہت تعجب ہوا یہ ہنسنے کا کونسا مقام ہے گویا یوسف نے اس مسئلے کو مذاق سمجھا ہے اور بات سے بے خبر ہے کہ سیاہ وقت اور بدبختی اس کے انتظار میں ہے

لیکن یوسف (ع) نے اس ہنسنے کے مقصد سے پردہ اٹھایا اور سب کو عظیم درس دیا، وہ کہنے لگے :

"یں نہیں بھو لتا کہ ایک دن تم طاقتور بھائیوں، تمہارے قوی بازووں اور بہت زیادہ جسمانی طاقت پر میں نے نظر ڈالی تو یں بہت خوش ہوا اور یں نے اپنے آپ سے کہا کہ جس کے اتنے دوست اور مددگار ہوں اسے سخت حوادث کا کیا غم ہے اس دن یں نے تم پر بھروسہ کیا اور پناہ لیتا ہوں اور تم مجھے پناہ نہیں دیتے خدا نے تمہیں مجھ پر مسلط کیا ہے تاکہ یں یہ درس سیکھ لوں کہ اس کے غیر پریہاں تک کہ بھائیوں پر بھی بھروسہ نہ کروں"؟

اس کے آگے قران مزید کہتا ہے:"اس وقت ہم نے یوسف (ع) کی طرف وحی بھیجی، اسے تسلی دی اور اس کی دلجوئی کی اور اس سے کہا کہ غم نہ کھاو "ایک دن ایسا ائے گا کہ تم انھیں ان تمام منحوس سازشوں اور منصوبوں سے اگاہ کروگے اور وہ تمہیں پہچان نہیں سکیں گے"_(۱)

وہ دن کہ جب تم تخت حکومت پر تکیہ لگائے ہوگے اور تمہارے یہ بھائي تمہاری طرف دست نیاز پھیلائیں گے اور ایسے تشنہ کاموں کی طرح کہ جو چشمۂ خوش گوارکی تلاش میں تپتے ہوئے بیابان میں سرگرداں ہوتے ہیں تمہارے پاس بڑے انکسار اور فروتنی سے آئیں گے لیکن تم اتنے بلند مقام پرپہنچے ہوں گے کہ انہیں خیال بھی نہ ہوگا کہ تم ان کے بھائي ہو اس روز تم ان سے کہوگے کہ کیا تم ہی تھے جنہوں نے اپنے چھوٹے بھائي یوسف کے ساتھ یہ سلوک کیا اور اس دن یہ کس قدر شرمسار اور پشیمان ہوں گے_(۲)

اس نکتہ کی طرف توجہ ضروری ہے کہ انھوں نے اتفاق کیا کہ اسے کنویں کی مخفی جگہ پرڈال دیں یہ جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے حضرت یوسف (ع) کو کنویں میں پھینکا نہیں تھا بلکہ نیچے لے گئے تھے، کنویں کي

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۱۵

(۲) سورہ یوسف کی آیت ۲۲ کے قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وحی الہی وحی نبوت نہ تھی بلکہ یوسف کے دل پر الہام تھا تاکہ وہ جان لے کہ وہ تنہا نہیں ہے اور اس کا ایک حافظ ونگہبان ہے، اس وحی نے قلب یوسف پر امید کی ضیا پاشی کی اور یاس ونا امیدی کی تاریکیوں کو اس کی روح سے نکال دیا_

تہ میں ایک چبوترا سا نیچے جانے والوں کے لئے بنایا جاتا ہے اور سطح اب کے قریب ہوتا ہے انھوں نے حضرت یوسف (ع) کی کمر میں طناب ڈال کر وہاں تک پہنچایا اور وہاں چھوڑدیا۔

جناب یوسف (ع) برہنہ کنویں

میں یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ جس وقت حضرت یوسف کے بھائیوں نے انہیں کنویں میں پھینکا تو ان کا کرتہ اتار لیا اور ان کا بدن برہنہ ہو گیا تو یوسف (ع) نے بہت داد و فریاد کی کہ کم از کم میرا کرتہ تو مجھے دے دو تا کہ اگر میں زندہ رہوں تو میرا بدن ڈھا پنے اور اگر مر جاؤں تو میرا کفن بن جائے۔ بھائی کہنے لگے: اسی سورج، چاند اور ستاروں سے کہہ جنہیں خواب میں دیکھا تھا، تقاضا کرو کہ اس کنویں میں تیرے مونس و غمخوار ہوں اور تجھے لباس پہنائیں۔

یوسف (ع) کے بھائیوں نے جو منصوبہ بنا رکھا تھا اس پر انہوں نے اپنی خواہش کے مطابق عمل کر لیا۔ لیکن آخر کار انہیں واپس لوٹنے کے بارے میں سوچنا تھا کہ جا کر کوئی ایسی بات کریں کہ باپ کو یقین آجائے کہ یوسف کسی سازش کے تحت نہیں بلکہ طبیعی طور پر وادی عدم میں چلا گیا ہے اور اس طرح وہ باپ کی نوازشات کو اپنی جانب موڑ سکیں۔

ذلیل کنندہ جھوٹ

قرآن کہتا ہے: "رات کے وقت بھائی روتے ہوئے ائے"۔ (۱)

ان کے جھوٹے آنسوؤں اور ٹسوے بہانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جھوٹا رونا بھی ممکن ہے اور صرف روتی ہوئی آنکھ سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔

باپ جو بڑی بے تابی اور بے قراری سے اپنے فرزند دلبند یوسف کی واپسی کے انتظار میں تھا اس نے جب انہیں واپس آتے دیکھا اور یوسف ان میں دکھائی نہ دیا تو وہ لرز گئے اور کانپ اٹھے۔ حالات پوچھے

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۱۶

تو انہوں نے کہا :"ابا جانہم گئے اور ہم (سواری اورتیر اندازی کے) مقابلوں میں مشغول ہوگئے اوریوسف کہ چھوٹا تھا اور ہم سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا ہم اسے اپنے سامان کے پاس چھوڑگئے ،اس کام میں ہم اتنے محو ہو گئے کہ ہرچیز یہاں تک کہ بھائی کو بھی بھول گئے ،اس اثنا میں ایک بے رحم بھیڑیا اس طرف آپہنچا اور اس نے اسے چیرپھاڑ کھایا "_[۱]"لیکن ہم جانتے ہیں کہ تم ہر گز ہماری باتوں کا یقین نہیں کرو گے اگر چہ ہم سچے ہوں کیونکہ تم نے پہلے ہی اس قسم کی پیش بینی کی تھی لہذا اسے بہانہ سمجھو گے_"[۲]

بھائیوں کی باتیں بڑی سوچی سمجھی تھیں پہلی بات یہ کہ انہوں نے باپ کو یا"اے ہمارے والد"کے لفظ سے مخاطب کیا کہ جس میں ایک جذباتی پہلو تھا_دوسری بات یہ ہے کہ فطری طورپر ایسی تفریح گاہ میں طاقتور بھائی بھاگ دوڑ میں مشغول ہوں گے اورچھوٹے کو سامان کی نگہداشت پر مقرر کریں گے اور اس کے علاوہ انہوں نے باپ کو غفلت میں رکھنے کے لئے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور روتی ہوئی آنکھوں سے کہا کہ تم ہرگزیقین نہیں کرو گے اگرچہ ہم سچ بول رہے ہوں نیز اس بناء پر کہ باپ کو ایک زندہ نشانی بھی پیش کریں "وہ یوسف کی قمیض کو جھوٹے خون میں تر کئے ہوئے تھے "_[۳](وہ خون انہوں نے بکری یا بھیڑکے بچے یا ہرن کا لگا رکھا تھا)_"

لیکن "دردغ گو حافظہ ندارد"اورایک حقیقی واقعہ کے مختلف پہلو ہوتے ہیں اور اس کے مختلف کوائف اور مسائل ہوتے ہیں ،ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ان سب کو ایک فرضی کہانی میں سمویا جاسکے لہذا برادران یوسف بھی اس نکتے سے غافل رہے کہ کم از کم یوسف کے کرتے کو چند جگہ سے پھاڑ لیتے تاکہ وہ بھیڑئے کے حملے کی دلیل بن سکے وہ بھائی کی قمیص کو اس کے بدن سے صحیح سالم اتار کر خون آلود کر کے باپ کے پاس لے آئے، سمجھدار اور تجربہ کار باپ کی جب اس کرتے پر نگاہ پڑی تو وہ سب کچھ سمجھ گئے اور کہنے لگے کہ تم جھوٹ بولتے ہو "بلکہ نفسانی ہو اور ہوس نے تمہار ے لئے یہ کام پسندیدہ بنادیاہے "_[۴] اور یہ شیطانی سازشیں ہیں _

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۱۷

(۲)سورہ یوسف آیت ۱۷

(۳)سورہ یوسف آیت ۱۸

(۴)سورہ یوسف آیت ۱۸

مہربان بھیڑیا

جناب یعقوب نے کرتہ اٹھایا اور اس کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور کہا تو پھر اسمیں بھیڑیئے ے پنجوں اور دانتوں کے نشان کیوں نہیں ہیں_؟

ایک اور روایت کے مطابق: حضرت یقوب(ع) نے کرتہ اپنے منہ پر ڈال لیا، فریاد کرنے لگے اور آنسو بہانے لگے ، اور کہہ رہے تھے: یہ کیسا مہربان بھیڑیا تھا جس نے میرے بیٹے کو تو کھا لیا لیکن اس کے کرتے کو تو ذرہ بھر نقصان نہ پہنچایا؟ اس کے بعد وہ بے ہوش ہو کر خشک لکڑی کی طرح زمین پر گر پڑے بعض بھائیوں نے فریاد کی: اے وائے ہو ہم پر روز قیامت عدل الہی کی عدالت میں ہم بھائي بھی ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں اور باپ کو بھی ہم نے قتل کردیا ہے ، ادھر باپ اسی طرح سحری تک بے ہوش رہے لیکن سحر گاہی کی نسیم سرد کے جھونکے ان کے چہرے پر پڑے تو وہ ہوش میں آگئے_

باوجودیکہ یعقوب کے دل میں آگ لگی ہوئي تھی، ان کی روح جل رہی تھی لیکن زبان سے ہرگز ایسی بات نہ کہتے تھے جو ناشکری، یاس و ناامیدی اور جزع وفزع کی نشانی ہو بلکہ کہا: میں صبر کروں گا، صبر جمیل، ایسی شکیبائي جو شکر گزاری اور حمد خدا کے ساتھ ہو"_(۱) اس کے بعد جناب یعقوب کہنے لگے "جو کچھ تم کہتے ہو اس کے مقابلے میں خدا سے مدد طلب کرتا ہوں"(۲)

میں اس سے چاہتا ہوں کہ جام صبر کی تلخی میرے حلق میں شیریں زبان; نادرست اور غلط بات سے آلودہ نہ ہو_

انہوں نے یہ نہیں کہا کہ یوسف کی موت کی مصیبت پر مجھے شکیبائي دے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یوسف قتل نہیں ہوئے بلکہ کہا کہ جو کچھ تم کہتے ہو کہ جس کا نتیجہ بہر حال اپنے بیٹے سے میری جدائي ہے، میں صبر طلب کرتا ہوں_

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۱۸

(۲)سورہ یوسف آیت ۱۸

ایک ترک اولی کے بدلے

ابو حمزہ ثمالی نے ایک روایت امام سجاد علیہ السلام سے نقل کی ہے ابو حمزہ کہتے ہیں :

جمعہ کے دن میں مدینہ منورہ میں تھا نماز صبح میں نے امام سجادعلیہ السلام کے ساتھ پڑھی جس وقت امام نماز اور تسبیح سے فارغ ہوئے تو گھر کی طرف چل پڑے میں آپ کے ساتھ تھا ـ

آپ نے خادمہ کو آوازدی اور کہا :

خیال رکھنا ، جو سائل اور ضرورت مند گھر کے دووازے سے گزرے اسے کھانا دینا کیونکہ آج جمعہ کا دن ہے ـ

ابو حمزہ کہتے ہیں :

میں نے کہا : ہر وہ شخص جو مدد کا تقاضا کرتا ہے مستحق نہیں ہوتا ، تو امام نے فرمایا :

ٹھیک ہے ، لیکن میں اس سے ڈرتا ہوں کہ ان میں مستحق افراد ہوں اور انہیں غذا نہ دیں اور اپنے گھر کے دروازے سے دھتکار دیں تو کہیں ہمارے گھر والوں پر وہی مصیبت نہ آن پڑے جو یعقوب اور آل یعقوب پر آن پڑی تھی ـ

اس کے بعد اپ نے فرمایا :

ان سب کو کھانا دو کہ (کیا تم نے سنا نہیں ہے کہ) یعقوب کے لئے ہر روز ایک گو سفند ذبح کی جاتی تھی اس کا ایک حصہ مستحقین کو دیا جاتا تھا ایک حصہ وہ خود اور ان کی اولاد کھا تے تھے ایک دن ایک سائل آیا وہ مومن اور روزہ دار تھا خدا کے نزدیک اس کی بڑی قدر ومنزلت تھی وہ شہر (کنعان) سے گزرا شب جمعہ تھی افطار کے وقت وہ دروازہ یعقوب پر آیا اور کہنے لگا بچی کچی غذا سے مدد کے طالب غریب ومسافر بھو کے مہمان کی مدد کرو ، اس نے یہ بات کئي مرتبہ دہرائي انہوں نے سنا تو سہی لیکن اس کی بات کو باور نہ کیا جب وہ مایوس ہوگیا اور رات کی تاریکی ہر طرف چھا گئي تو وہ لوٹ گیا، جاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اس نے

بارگاہ الہی میں بھوک کی شکایت کی رات اس نے بھوک ہی میں گزاری اور صبح اسی طرح روزہ رکھا جب کہ وہ صبر کئے ہوئے تھا اور خدا کی حمدوثنا کرتا تھا لیکن حضرت یعقوب (ع) اور ان کے گھر والے مکمل طور پر سیر تھے اور صبح کے وقت ان کا کچھ کھانا بچا بھی رہ گیا تھا ـ

امام نے اس کے بعد مزید فرمایا: خدا نے اسی صبح یعقوب کی طرف وحی بھیجی: اے یعقوب: تو نے میرے بندے کو خوار کیا ہے اور میرے غضب کو بھڑکایا ہے اور تو اور تیری اولاد نزول سزا کی مستحق ہو گئي ہے اے یعقوب: میں اپنے دوستوں کو زیادہ جلدی سرزنش کرتا اور سزا دیتا ہوں اور یہ اس لئے کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں ـ

یہ امر قابل توجہ ہے کہ اس حدیث کے بعد ہے کہ ابو حمزہ ثمالی کہتے ہیں:

میں نے امام سجاد سے پوچھا: کہ یوسف نے وہ خواب کس موقع پر دیکھا تھا؟

امام نے فرمایا: اسی رات ـ

اس حدیث سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء واولیاء کے حق سے ایک چھوٹی سی لغزش یا زیادہ صریح الفاظ میں ایک "ترک اولی" کہ جو گناہ اور معصیت بھی شمار نہیں ہوتا تھا (کیونکہ اس سائل کی حالت حضرت یعقوب علیہ السلام پر واضح نہیں تھی) بعض اوقات خدا کی طرف سے ان کی تنبیہ کا سبب بنتا ہے اور یہ صرف اس لئے ہے کہ ان کا بلند وبالا مقام تقاضا کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی بات اور عمل کی طرف متوجہ رہیں کیونکہ: "حسنات الا برار سیئا ت المقربین "[۱]

وہ کام جو نیک لوگوں کے لئے نیکی شمار ہوتے ہیں مقربین بارگاہ الہی کے لئے برائي ہیں ـ

---

(۱) حضرت یوسف (ع) کی دلکش دعا روایات اہل بیت اور طرق اہل سنت میں ہے کہ جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کنویں کی تہ میں پہنچ گئے تو ان کی امید ہر طرف سے منقطع ہو گئي اور ان کی تمام تر توجہ ذات خدا کی طرف ہو گئي انہوں نے اپنے خدا سے مناجات کی اور جبرئیل کی تعلیم سے رازونیاز کرنے لگے کہ جو روایات میں مختلف عبارتوں میں منقول ہے ـ

سرزمین مصر کی جانب

یوسف(ع) نے کنویں کی وحشت ناک تاریکی اورہو لناک تنہائي میں بہت تلخ گھڑیاں گزاریں لیکن خداپر ایمان اور ایمان کے زیر سایہ ایک اطمینان نے ان کے دل میں نورامید کی کرنیں روشن کردیں تھیں اور انہیں ایک توانائي بخشی تا کہ وہ اس ہو لناک تنہائي کو برداشت کریں اور آزمائش کی اس بھٹی سے کا میابی کے ساتھ نکل آئیں ،اس حالت میں وہ کتنے دن رہے ، یہ خدا جانتا ہے بعض مفسرین نے تین دن لکھے ہیں اور بعض نے دو دن ،بہر حال "ایک قافلہ آپہنچا"(۱)

اور اس قافلے نے وہیں نزدیک ہی پڑا ئوڈالا ،واضح ہے کہ قافلے کی پہلی ضرورت یہی ہوتی ہے کہ

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے خدا سےیوں مناجات کی :

بارالہا : اے وہ جو غریب ومسافرکا مونس ہے اورتنہائي کا ساتھی ہے اے وہ جو ہر خائف کی پناہ گاہ ہے ہر غم کو بر طرف کرنے والا ہے ،ہر فریاد سے آگاہ ہے ،ہر شکایت کرنے والے کی آخری امید ہے اورہر مجمع میں موجود ہے اے حی : اے قیوم : اے زندہ : اے ساری کائنات کے حافظ ونگہبان میں تجھ سے چاہتا ہوں کہ اپنی امید میرے دل میں ڈال دے تاکہ تیرے علاوہ کوئي فکر نہ رکھوں اور تجھ سے چاہتاہوں کہ میرے لئے اس عظیم مشکل سے راہ نجات پیدا کردے کہ توہر چیزپر قادرہے

یہ امر جاذب نظرہے کہ اس حدیث کے ذیل میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت یوسف کی آواز سنی تو عرض کیا :

"الھنا نسمع صوتا ودعا ء ، الصوت صوت صبی والد عا ء دعا ء البتی "

(پروردگار: ہم آواز اوردعا سن رہے ہیں آواز تو بچے کی ہے لیکن دعا نبی کی ہے _)

ایک روایت میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب جبرائیل (ع) نے حضرت یوسف کو یہ دعا تعلیم کي:

پروردگارا : میں تجھ سے دعا کرتا ہوں ،اے وہ کہ حمد وتعریف تیرے لئے ہے ،تیرے علاوہ کوئي معبود نہیں ،تو ہے جو بندوں کو نعمت بخشتا ہے ،آسمانوں اورزمین کا پیدا کرنے والا ہے صاحب جلال واکرام ہے ،میں درخواست کرتا ہوں کہ محمد وآل محمد (ص) پر درود بھیج اورجس میں میں ہوں اس سے مجھے کشائش ونجات عطا فرما

لیکن کوئي مانع نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دونوں دعائیں کی ہوں _

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۱۹

وہ پانی حاصل کرے اس لئے انہوں نے پانی پر مامور شخص کو پانی کی تلاش میں بھیجا "_[۱]

اس نے اپنا ڈول کنویں کی تہ میں ڈالا جس سے جناب یوسف (ع) کنویں کے اندر متوجہ ہوئے کہ کنویں کے اوپر سے کوئی آواز آرہی ہے ساتھ ہی دیکھا کہ ڈول اور رسی تیزی سے نیچے آرہی ہے انہوں نے موقع غنیمت جانا اور اس عطیئہ الٰہی سے فائدہ اٹھایا اور فوراً اس سے لپٹ گئے بہشتی نے محسوس کیا کہ اس کا ڈول اندازے سے زیادہ بھاری ہے جب اس نے زور لگا کر اسے اوپر کھینچا تو اچانک اس کی نظر ایک چاند سے بچے پر پڑی وہ چلایا: خوشخبری ہو: "یہ تو پانی کے بجائے بچہ ہے"[۲] آہستہ آہستہ قافلے میں سے چند لوگوں کو اس بات کا پتہ چل گیا لیکن اس بناء پر کہ دوسروں کو پتہ نہ چلے اور یہ خود ہی مصر میں اس خوبصورت بچے کو ایک غلام کے طور پر بیچ دیں "اسے انہوں نے ایک اچھا سرمایہ سمجھتے ہوئے دوسروں سے مخفی رکھا "[۳]

جناب یوسف (ع) کو کم داموں میں بیچنا

"آخر کار انہوں نے یوسف کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ دیا ، اور وہ اس کے بیچنے کے سلسلے میں بے رغبت تھے (تا کہ ان کا راز فاش نہ ہوں)"_

[۴] اگر چہ یوسف (ع) کو بیچنے والے کون لوگ تھے ،بعض لوگوں نے ان کو برادران یوسف (ع) بتایا ہے، لیکن قران سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ قافلہ والوں نے یوسف (ع) کو بیچا تھا_[۵]

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۱۹

(۲)سورہ یوسف آیت ۱۹

(۳) سورہ یوسف آیت ۱۹

(۴)سورہ یوسف آیت ۲۰

(۵)یہاں یہ سوال سامنے اتا ہے کہ انھوں نے حضرت یوسف (ع) کو تھوڑی سی قیمت پر کیوں بیچ دیا،قران نے اسے "ثمن بخس" سے تعبیر کیا ہے کیونکہ حضرت یوسف (ع) کم از کم ایک قیمتی غلام سمجھے جاسکتے تھے

لیکن یہ معمول کی بات ہے کہ ہمیشہ چوریا ایسے افراد جن کے ہاتھ کوئی اہم سرمایہ بغیر کسی زحمت کے اجائے تو وہ اس خوف سے کہ کہیں دوسروں کو معلوم نہ ہو جائے اسے فوراً بیچ دیتے ہیں اور یہ فطری بات ہے کہ اس جلدبازی میں وہ زیادہ قیمت حاصل نہیں کر سکتے

اس بارے میں کہ انہوں نے حضرت یوسف کو کتنے داموں میں بیچا اور پھر یہ رقم آپس میں کس طرح تقسیم کی، اس سلسلے میں بھی مفسرین میں اختلاف ہے بعض نے یہ رقم ۲۰/ درہم، بعض نے ۲۲/ درہم، بعض نے ۴۰/ درہم اور بعض نے ۱۸/ درہم لکھی ہے اور اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ بیچنے والوں کی تعداد دس بیان کی جاتی ہے، اس ناچیز رقم میں سے ہر ایک کا حصہ واضح ہو جاتا ہے_

عزیز مصر کے محل میں

حضرت یوسف (ع) کی داستان جب یہاں تک پہنچی کہ بھائی انہیں کنویں میں پھینک چکے تو بہر صورت بھائیوں کے ساتھ والا مسئلہ ختم ہوگیا اب اس ننھے بچے کی زندگی کا ایک نیا مرحلہ مصر میں شروع ہوا اس طرح سے کہ آخر کار یوسف مصر لائے گئے وہاں انہیں فروخت کے لئے پیش کیا گیا چونکہ یہ ایک نفیس تحفہ تھا لہذا معمول کے مطابق "عزیز مصر" کو نصیب ہوا کہ جو درحقیقت فرعونوں کی طرف سے وزیر اعظم تھا اور ایسے ہی لوگ "تمام پہلوئوں سے ممتاز اس غلام" کی زیادہ قیمت دے سکتے تھے، اب دیکھتے ہیں کہ عزیز مصر کے گھر یوسف پر کیا گزرتی ہے_

قرآن کہتا ہے:" جس نے مصر میں یوسف کو خریدا اس نے اپنی بیوی سے اس کی سفارش کی اور کہا کہ اس غلام کی منزلت کا احترام کرنا اور اسے غلاموں والی نگاہ سے نہ دیکھنا کیونکہ ہمیں امید ہے کہ مستقبل میں ہم اس غلام سے بہت فائدہ اٹھائیں گے یا اسے فرزند کے طور پر اپنا لیں گے_"(۱)

اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیز مصر کی کوئی اولاد نہ تھی اور وہ بیٹے کے شوق میں زندگی بسر کر رہا تھا جب اس کی آنکھ اس خوبصورت اور آبرومند بچے پر پڑی تو اس کے دل میں آیا کہ یہ اس کے بیٹے کے طور پر ہو_

اس کے بعد قرآن مجید کہتا ہے:"اس طرح اس سرزمین میں ہم نے یوسف کو متمکن اور صاحب نعمت و اختیار کیا، ہم نے یہ کام کیا تاکہ ان کو تعبیر خواب کا علم عطا ہو_"(۲)

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۲۱

(۲)سورہ یوسف آیت ۲۱

جناب یوسف (ع) کی پاکیزگی کا انعام

یہاں پرایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علم تعبیر خواب اور عزیز مصر کے محل میں حضرت یوسف کی موجودگی کا کیا ربط ہے کہ اسے کس طرف "لنعلمہ" کی "لام" کہ جو لام غایت ہے کہ ذریعے اشارہ کیا گیا ہے _

لیکن اگر ہم اس نکتے کی طرف توجہ دیں تو ہو سکتا ہے مذکورہ سوال کا جواب واضح ہو جائے کہ خداوندعالم بہت سی علمی نعمتیں اورعنایات; گناہ سے پرہیز اور سرکش ہوا وہوس کے مقابلے میں استقامت کی وجہ سے بخشتا ہے دوسرے لفظوں میں یہ نعمات کہ جو دل کی نورانیت کا ثمرہ ہیں ، ایک انعام ہیں کہ جو خدا اس قسم کے اشخاص کو بخشتا ہے _

"ابن سیرین" تعبیر خواب جاننے میں بڑے مشہورہیں انکے حالات میں لکھا ہے کہ وہ کپڑا بیچا کرتے تھے اور بہت ہی خوبصورت تھے ایک عورت انہیں اپنا دل دے بیٹھی بڑے حیلے بہانے کر کے انہیں اپنے گھر میں لے گئي اور دروازے بند کرلئے ، لیکن انہوں نے عورت کی ہوس کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا اور مسلسل اس عظیم گناہ کے مفاسد اس کے سامنے بیان کرتے رہے لیکن اس عورت کی ہوس کی آگ اس قدر سرکش تھی کہ وعظ و نصیحت کا پانی اسے نہیں بجھا سکتا تھا _

"ابن سیرین" کو اس چنگل سے نجات پانے کے لئے ایک تدبیر سوجھی وہ اٹھے اور اپنے بدن کو اس گھر میں موجود گند ی چیزوں سے اس طرح کثیف ،آلودہ اور نفرت انگیز کر لیا کہ جب عورت نے یہ منظر دیکھا تو ان سے متنفر ہو گئي اور انہیں گھر سے باہر نکال دیا _

کہتے ہیں اس واقعے کے بعد ابن سیرین کو تعبیر خواب کے بارے میں بہت فراست نصیب ہوئي اور ان کی تعبیر سے متعلق کتابوں میں عجیب وغریب واقعات لکھے ہوئے ہیں کہ جو اس سلسلے میں ان کی گہری معلومات کی خبر دیتے ہیں _ اس بناء پر ممکن ہے کہ یہ خاص علم وآگاہی حضرت یوسف کو عزیز مصر کی بیوی کی انتہائي قوت جزب کے مقابلے میں نفس پر کنٹرول رکھنے کی بناء پر حاصل ہوئي ہو _

جی ہاں : انہوں نے بہت سی چیزیں اس شور وغل کے ماحول میں سیکھیں ان کے دل میں ہمیشہ غم

واندوہ کا ایک طوفان موجزن ہوتا تھا کیونکہ ان حالات میں وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے ،اس دور میں وہ مسلسل خود سازی اور تہذیب نفس میں مشغول تھے ـ

قرآن کہتا ہے :"جب وہ بلوغ اور جسم وروح کے تکامل کے مرحلے میں پہنچا اور انوار وحی قبول کرنے کے قابل ہو گیا ،تو ہم نے اسے حکم (نبوت) اور علم دیا ـ" [۱]

عزیز مصر کی بیوی کا عشق سوزاں

حضرت یوسف(ع) نے اپنے خوبصورت ،پر کشش اور ملکوتی چہرے سے نہ صرف عزیز مصر کو اپنی طرف جذب کرلیا بلکہ عزیز کی بیوی بھی بہت جلد آپ کی گرویدہ ہوگئي آپ کا عشق اس کی روح کی گہرائیوں میں اتر گیا جوں جوں وقت گزر تا گیا اس کے عشق کی حدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا لیکن یوسف کہ جو پاکیزہ اور پرہیزگار انسان تھے انہیں خدا کے علاوہ کسی کی کوئي فکر اور سوچ نہ تھی ان کے دل نے عشق سوزاں کو اور بھڑکا دیا

ایک تو اسے اولاد ہونے کا ارمان تھا ،دوسرا اس کی رنگینیوں سے بھرپور اشراف کی زندگی تھی ،تیسرا داخلی زندگی میں اسے کوئي پریشانی اور مسئلہ نہ تھا جیسا کہ اشراف اور نازو نعمت میں پلنے والوں کی زندگی ہوتی ہے اورچوتھا دربار مصر میں کسی قسم کی کوئي پابندی اور قدغن نہ تھی ان حالات میں وہ عورت کہ جو ایمان وتقوی سے بھی بے بہرہ تھی شیطانی وسوسوں کی موجوں میں غوطہ زن ہوگئي یہاں تک کہ اس نے ارادہ کرلیا کہ اپنے دل کا راز یوسف سے بیان کرے اور اپنے دل کی تمنا ان سے پورا کرنے کا تقاضا کرے ـ

اپنے مقصد کے حصول کی خاطر اس نے ہرذریعہ اور ہر طور طریقہ اختیار کیا اوربڑی خواہش کے ساتھ کوشش کی کہ ان کے دل کو متاثر کرے جیسا کہ قرآن کہتا ہے :"جس عورت کے گھر یوسف تھے اس نے اپنی آرزو پوری کرنے کے لئے پیہم ان سے تقاضا کیا ـ"[۲]

آخر کار جو آخری راستہ اسے نظر آیا یہ تھا کہ ایک دن انھیں تنہا اپنی خلوت گاہ میں پھنسالے اور ان

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۲۲

(۲)سورہ یوسف آیت ۲۳

کے جذبات ابھارنے کے لئے تمام وسائل سے کام لے جاذب ترین لباس پہنے ، بہترین بناؤ سنگھار کرے بہت مہک دار عطر لگائے اور اس طرح سے آرائش وزیبائش کرے کہ یوسف جیسے قوی انسان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردے ـ

قرآن کہتا ہے :" اس نے سارے دروازوں کو اچھی طرح بند کر لیا اور کہا آئو میں تمہارے لئے حاضر ہوں "[۱]

زلیخا نے ساتوں دروازے بند کردئے

اس نے تمام دروازے مضبوطی سے بند کئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یوسف کو محل کی ایسی جگہ پرلے گئي کہ جہاں کمرے بنے ہوئے تھے اور جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے اس نے سات دروازے بند کئے تا کہ یوسف کے لئے فرار کی کوئي راہ باقی نہ رہے ـ

علاوہ ازیں شاید وہ اس طرح حضرت یوسف کو سمجھانا چاہتی تھی کہ وہ راز فاش ہونے سے پریشان نہ ہوں کیونکہ ان بنددروازوں کے ہوتے ہوئے کسی شخص کے بس میں نہیں کہ وہ اندر آسکے ـ

جب حضرت یوسف (ع) نے دیکھا کہ تمام حالات لغزش وگناہ کی حمایت میں ہیں اور ان کے لئے کوئي راستہ باقی نہیں رہ گیا تو انہوں نے زلیخا کو بس یہ جواب دیا :"میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں"ـ[۲]

اس طرح حضرت یوسف نے زوجہ ء عزیز کی خواہش کو قطعی و حتمی طورپر رد کردیا اور اسے سمجھایا کہ وہ ہرگز اس کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کریں گے آپ نے ضمناً اسے اور تمام افراد کو یہ حقیقت سمجھادی کہ ایسے سخت اور بحرانی حالات میں شیطانی وسوسوں اور ان سے کہ جو شیطانی اخلاق وعادات رکھتے ہیں نجات کیلئے ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ خدا کی طرف پناہ لی جائے ،وہ خدا جس کے لئے خلوت اور بزم ایک سی ہے اور جس کے ارادے کے سامنے کوئي چیز نہیں ٹھہر سکتی ـ

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۲۳

(۲)سورہ یوسف آیت ۲۳

اس مختصر سے جملے سے انہوں نے عقیدے اور عمل کے لحاظ سے خدا کی وحدانیت کا اعتراف کیا اس کے بعد مزید کہا کہ "تمام چیزوں سے قطع نظر میں اس خواہش کے سامنے کس طرح سے سر تسلیم خم کرلوں جبکہ میں عزیز مصر کے گھر میں رہتا ہوں اس کے دستر خوان پر ہوں اور اس نے مجھے بہت احترام سے رکھا ہوا ہے"۔[1]

"کیا یہ واضح ظلم اور خیانت نہ ہوگی یقینا ستمگار فلاح نہیں پائیں گے۔"[2]

حضرت یوسف(ع) کے دل میں ایک طوفان

یہاں یوسف اور زوجہ عزیز کا معاملہ نہایت باریک مرحلے اور انتہائی حساس کیفیت تک پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق قرآن بہت معنی خیز انداز میں گفتگو کرتا ہے:"عزیز مصر کی بیوی نے اس کا قصد کیا اور اگر یوسف بھی برہان پروردگار نہ دیکھتا تو ایسا ارادہ کرلیتا۔"[3][4]

اس جگہ ایک بت تھا کہ جو زوجہ عزیز کا معبود شمار ہوتا تھا اچانک اس عورت کی نگاہ اس بت پر پڑی اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اسے گھور رہا ہے اور اس کی خیانت آمیز حرکات کو غیض و غضب کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے وہ اٹھی اور اس بت پر کپڑا ڈال دیا یوسف نے یہ منظر دیکھا تو ان کے دل میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہو، اور وہ لرز گئے اور کہنے لگے:

تو تو ایک بے عقل، بے شعور، بے حس، و بے تشخیص عاری بت سے شرم کرتی ہے، کیسے ممکن ہے کہ میں اپنے پروردگار سے شرم نہ کروں جو تمام چیزوں کو جانتا ہے اور تمام مخفی امور اور خلوت گاہوں سے باخبر ہے۔

---

(۱)(۲)سورہ یوسف آیت ۲۳

(۳)سورہ یوسف آیت ۲۴

(۴)اس جملہ کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف ہے، اسی طرح وہ برہان پروردگار جس کے ذریعہ سے جناب یوسف بچ گئے، کے بارے میں اختلاف ہے رجوع کریں تفسیر نمونہ ج۵/۴۱۳

اس احساس نے یوسف کو ایک نئي توانائي اور قوت بخشی اور شدید جنگ کہ جو ان کی روح کی گہرائیوں میں جذبات اور عقل کے درمیان جاری تھی اس میں ان کی مدد کی تاکہ وہ جذبات کی سرکش موجوں کو پیچھے ڈھکیل سکیں_(۱)

قران مجید کہتا ہے :ہم نے یوسف (ع) کو اپنی ایسی برہان پیش کی تاکہ بدی اور فحشاء کو اس سے دور کریں ،کیونکہ وہ ہمارے برگزیدہ اور مخلص بندوں میں سے تھا_(۲) یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ہم نے جو اس کے لئے غیبی اور روحانی مدد بھیجی تاکہ وہ بدی اور گناہ سے رہائي پائے ،تو یہ بے دلیل نہیں تھا وہ ایک ایسا بندہ تھا جس نے اپنے آپ کو معرفت، ایمان پرہیزگاری اور پاکیزہ عمل سے آراستہ کیا ہوا تھا اور اس کا قلب وروح شرک کی تاریکیوں سے پاک اور خالص تھا اسی لئے وہ ایسی خدائي امداد کی اہلیت ولیاقت رکھتا تھا_ اس دلیل کا ذکر نشاندہی کرتا ہے کہ ایسی خدائي امداد جو طغیانی وبحرانی لمحات میں یوسف جیسے نبی کو میسر آئي تھی ان سے مخصوص نہ تھی بلکہ جو شخص بھی خدا کے خالص بندوں اور "عباد اللہ المخلصین" کے زمرے میں آتا ہو ایسی نعمات کے لائق ہے_(۳)

---

(۱)وہ بے بنیاد روایات جو مفسرین نے نقل کی ہے کہ جن کے مطابق حضرت یوسف نے گناہ کا ارادہ کر لیا تھا اچانک حالت مکاشفہ میں جبرئیل یا حضرت یعقوب (ع) کو دیکھا جو اپنی انگلی دانتوں سے کاٹ رہے تھے انھیں دیکھا تو یوسف پیچھے ہٹ گئے، ایسی روایات کی کوئي معتبر سند نہیں ہے، یہ اسرائیلیات کی طرح ہیں اور کوتاہ فکر انسانوں کے دماغوں کی پیداوار ہیں جنھوں نے مقام انبیاء کو بالکل نہیں سمجھا_

(۲)سورہ یوسف ایت ۲۴

(۳)متین وپاکیزہ کلام :قران کے عجیب وغریب پہلوؤں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو اعجاز کی ایک نشانی ہے بھی ہے، یہ ہے کہ اس میں کوئي چھبنے والی ،رکیک،ناموزوں ،مبتذل اور عفت وپاکیزگی سے عاری تعبیر نہیں ہے اور کسی عام ،ان پڑھ جہالت کے ماحول میں پرورش پانے والے کا کلام طرز کا نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر شخص کی باتیں اس کے افکار اور ماحول سے ہم اہنگ ہوتی ہیں قران کی بیان کردہ تمام داستانوں میں ایک حقیقی عشقیہ داستان موجود ہے اور یہ حضرت یوسف اور عزیز مصر کی بیوی کی داستان ہے_ ایک خوبصورت اور ہوس الود عورت کے ایک زیرک اور پاک دل نوجوان سے شعلہ ور عشق کی داستان ہے_ کہنے والے اور لکھنے والے جب ایسے مناظر تک پہنچتے ہیں تو وہ مجبور ہو جاتے ہیں کہ یا تو ہیرو اور اس واقعے کے اصلی مناظر کی تصویر کشی کے لئے قلم کھلا چھوڑدیں اور بزبان اصطلاح حق سخن ادا کردیں اگر چہ اس میں ہزارہا تحریک امیز چھبنے والے اور غیر اخلاقی لفظ اجائیں_ یا وہ مجبور ہو جاتے ہیں کہ زبان وقلم کی نزاکت وعفت کی حفاظت کے لئے کچھ مناظر کو پردہ ابہام میں لپیٹ دیں اور سامعین وقارئین کو سر بستہ طورپربات بتائیں_ کہنے والا اور لکھنے والا کتنی بھی مہارت رکھتا ہو اکثر اوقات ان میں سے کسی ایک مشکل سے دوچار ہو جاتا ہے_ کیا یہ باور کیا سکتا ہے کہ ایک ان پڑھ شخص ایسے شور انگیز عشق کے نہایت حساس لمحات کی دقیق اور مکمل تصوری کشی بھی کرے لیکن بغیر اس کے کہ اس میں معمولی سی تحریک امیز اور عفت سے عاری تعبیر استعمال ہو_ لیکن قراان اس داستان کے حساس ترین مناظر کی تصویر کشی شگفتہ انداز میں متانت وعفت کے ساتھ کرتا ہے ،بغیر اس کے کہ اس میں کوئي واقعہ چھوٹ جائے اور اظہار عجز ہو جب کہ تمام اصول اخلاق وپاکیزگی بیان بھی ہے_ ہم جانتے ہیں کہ اس داستان کے تمام مناظر میں سے زیادہ حساس "خلوت گاہ عشق"کا ماجرا ہے جسے زوجہ عزیز مصر کی بیقراری اور ہوا وہوس نے وجود بخشا_ قران اس واقعے کی وضاحت میں تمام کہنے کی باتیں بھی کہہ گیا ہے لیکن پاکیزہ اور عفت کے اصول سے ہٹ کر اس نے تھوڑی سے بات بھی نہیں کي.

زوجہ عزیز مصر کی رسوائی

یوسف کی انہتائي استقامت نے زوجہ ء عزیز کو تقریبا" مایوس کردیا یوسف اس معرکہ میں اس نا زوادا والی اور سر کش ہوا وہوس والی عورت کے مقابلے میں کا میاب ہو گئے تھے انہوں نے محسوس کیا کہ اس لغزش گاہ میں مزید ٹھہرنا خطر ناک ہے انہوں نے اس محل سے نکل جانے کا ارادہ کیا لہذا وہ تیزی سے قصر کے دروازے کی طرف بھا گے تاکہ دروازہ کھول کر نکل جائيں زوجہ ء عزیز بھی بے اعتنا نہ رہی وہ بھی یوسف کے پیچھے دروازے کی طرف بھاگی تا کہ یوسف کو باہر نکلنے سے روکے اس نے اس مقصد کے لئۓ یوسف کی قمیص پیچھے سے پکڑلی اور اسے اپنی طرف کھینچا اس طرح سے کہ قمیص پیچھے سے لمبائي کے رخ پھٹ گئي ـ"(۱) لیکن جس طرح بھی ہوا یوسف دروازے تک پہنچ گئے اور دروازہ کھول لیا اچانک عزیز مصر کو دروازے کے پیچھے دیکھا جیسا کہ قرآن کہتا ہے:"ان دونوں نے اس عورت کے آقا کو دروازے پر پایا ـ"(۲) اب جبکہ زوجہ عزیز نے ایک طرف اپنے کو رسوائي کے آستا نے پر دیکھا اور دوسری طرف انتقام کی آگ اس کی روح میں بھڑک اٹھی تو پہلی بات جو اسے سو جھی یہ تھی کہ اس نے اپنے آپ کو حق بجانب ظاہر کرتے ہوئے اپنے شو ہر کی طرف رخ کیا اور یوسف پر تہمت لگائي:اس نے پکار کر کہا :"جو شخص تیری اہلیہ سے خیانت کا ارادہ کرے اس کی سزا زندان یا دردناک عذاب کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے ـ"(۳)

یہ امر قابل توجہ ہے کہ اس خیانت کار عورت نے جب تک اپنے آپ کو رسوائي کے آستا نے پر نہیں دیکھا تھا ، بھول چکی تھی کہ وہ عزیز مصر کی بیوی ہے لیکن اس موقع پر اس نے "اہلک"(تیری گھر والی) کا لفظ استعمال کر کے عزیز کی غیرت کو ابھارا کہ میں تیرے ساتھ مخصوص ہوں لہذا کسی دوسرے کو میری طرف حرص کی آنکھ سے نہیں دیکھنا چاہیئے ـ

دوسرا قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ عزیز مصر کی بیوی نے یہ ہر گز نہیں کہا کہ یوسف میرے بارے میں برا ارادہ رکھتا تھا بلکہ عزیز مصر سے اس کی سزا کے بارے میں بات کی اس طرح سے کہ اصل مسئلہ مسلم ہے اور بات صرف اس کی سزا کے بارے میں ہے ایسے لمحے میں جب وہ عورت اپنے آپ کو بھول چکی تھی اس کی یہ نچی تلی گفتگو اس کی انتہائي حیلہ گری کی نشانی ہے ـ

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۲۵ (۲)سورہ یوسف آیت ۲۵ (۳) سورہ یوسف آیت ۲۵

پھر یہ کہ پہلے وہ قید خانے کے بارے میں بات کرتی ہے اور بعد میں گویا وہ قید پر بھی مطمئن نہیں ہے ایک قدم اور آگے بڑھاتی ہے اور "عذاب الیم "کا ذکر کرتی ہے کہ جو سخت جسمانی سزا اور قتل تک بھی ہو سکتی ہے۔

اس مقام پر حضرت یوسف نے خاموشی کو کسی طور پر جائز نہ سمجھا اور صراحت سے زوجہ عزیز مصر کے عشق سے پر دہ اٹھایا انہوں نے کہا : "اس نے مجھے اصرار اور التماس سے اپنی طرف دعوت دی تھی۔" (۱)

واضح ہے اس قسم کے موقع پر ہر شخص ابتداء میں بڑی مشکل سے یہ باور کر سکتا ہے کہ ایک نو خیز جوان غلام کہ جو شادی شدہ نہیں ،بے گناہ ہو اور ایک شوہر دار عورت کہ جو ظاہراًباوقار ہے گنہگار ہو ،اس بناء پر زیادہ الزام زوجہ عزیز کی نسبت یوسف کے دامن پر لگتا تھا۔

شاہد گواہی دیتا ہے

لیکن چونکہ خدا نیک اور پاک افراد کا حامی ومددگار ہے وہ اجازت نہیں دیتا کہ یہ نیک اور پارسا مجاہد نوجوان تہمت کے شعلوں کی لپیٹ میں آئے، لہذا قرآن کہتا ہے: اس موقع اس عورت کے اہل خاندان میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اصلی مجرم کی پہچان کے لئے اس واضح دلیل سے استفادہ کیا جائے کہ اگر یوسف کا کرتہ آگے کی طرف سے پھٹا ہے تو وہ عورت سچ کہتی ہے اور یوسف جھوٹا ہے" اور اگر اس کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو وہ عورت جھوٹی اور یوسف سچا ہے "۔(۲)

اس سے زیادہ مضبوط دلیل اور کیا ہوگی ،کیونکہ زوجہ عزیز کی طرف سے تقاضا تھا تو وہ یوسف کے پیچھے دوڑی ہے اور یوسف اس سے بھاگ رہے تھے کہ وہ ان کے کرتے سے لپٹی ہے ،تو یقینا وہ پیچھے سے پھٹا ہے اور اگر یوسف نے عزیز کی بیوی پر حملہ کیا ہے اور وہ بھاگی ہے یا سامنے سے اپنا دفاع کیا ہے تو یقینا یوسف کا کرتہ آگے سے پھٹا ہے ،یہ امر کس قدر جاذب نظر ہے کہ کرتہ پھٹنے کا سادہ سا مسئلہ بے گناہی کا تعین کردیتا

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۲۶

(۲)سورہ یوسف آیت ۲۷

ہے ،یہی چھوٹی سی چیز ان کی پاکیزگی کی سند اور مجرم کی رسوائي کا سبب ہو گئي ـ

عزیز مصر نے یہ فیصلہ کہ جو بہت ہی جچا تلا تھا بہت پسند کیا یوسف کی قمیص کو غور سے دیکھا "اور جب اس نے دیکھا کہ ان کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے (خصوصا اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ اس دن تک اس نے کبھی یوسف سے کوئي جھوٹ نہیں سنا تھا)

اس نے اپنی بیوی کی طرف رخ کیا اور کہا :

"یہ کام تم عورتوں کے مکر و فریب میں سے ہے ، بے شک تم عورتوں کا مکر وفریب عظیم ہے ـ"(۱)

اس وقت عزیز کو خوف ہوا کہ یہ رسوا کن واقعہ ظاہر نہ ہو جائے اور مصر میں اس کی آبرو نہ جاتی رہے اس نے بہتر سمجھا کہ معاملے کو سمیٹ کر دبا دیا جائے اس نے یوسف کی طرف رخ کیا اور کہا :

" اے یوسف تم صرف نظر کر و اور اس واقعے کے بارے میں کوئي بات نہ کہو"(۲)

پھر اس نے بیوی کی جانب رخ کیا اور کہا :"تم بھی اپنے گناہ سے استغفار کرو کہ تم خطا کاروں میں سے تھي"(۳)

شاہد کون تھا ؟

شاہد کون تھا کہ جس نے یوسف اور عزیز مصر کی فائل اتنی جلدی درست کردی اور مہر لگادی اور بے گناہ کو، گنہگار سے الگ کر دکھایا، اس بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے ـ

بعض نے کہا ہے کہ وہ عزیز مصر کی بیوی کے رشتہ داروں میں سے تھا اور قاعدتاً ایک حکیم ، دانش مند اور سمجھدار شخص تھا ، اس واقعے میں کہ جس کا کوئي عینی شاہد نہ تھا اس نے شگاف پیراہن سے حقیقت معلوم کرلي، کہتے ہیں کہ یہ شخص عزیز مصر کے مشیروں میں سے تھا اور اس وقت اس کے ساتھ تھا ـ

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۲۸

(۲) سورہ یوسف آیت ۲۹

(۳)سورہ یوسف آیت ۲۹

(۴) لفظ (من اھلھا) اس پر گواہ ہے ـ سورہ یوسف ایت ۲۶

دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ شیر خوار بچہ تھا یہ بچہ عزیز مصر کی بیوی کے رشتہ داروں میں سے تھا اس وقت یہ بچہ وہیں قریب تھا یوسف نے عزیز سے خواہش کی اس سے فیصلہ کروا لو، عزیز کو پہلے تو بہت تعجب ہوا کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے لیکن جب وہ شیر خوار حضرت عیسی کی طرح گہوارے میں بول اٹھا اور اس نے گنہگار کو بے گناہ سے الگ کر کے معیار بتا یا تو وہ متوجہ ہوا کہ یوسف ایک غلام نہیں بلکہ نبی ہے یا نبی جیسا ہے۔(۱)

زوجہ عزیز مصر کی ایک اور سازش

زوجہ عزیز کے اظہار عشق کا معاملہ مذکورہ داستان میں اگرچہ خاص لوگوں تک تھا اور خود عزیز نے بھی اسے چھپا نے کی تاکید کی تھی تاہم ایسی باتیں چھپائے نہیں چھپتیں خصوصاً بادشاہوں اور اہل دولت و اقتدار کے تو محلوں کی دیواریں بھی سنتی ہیں بہر حال آخر کار یہ راز قصر سے باہر نکل گیا اور جیسا کہ قرآن کہتا ہے شہر کی کچھ عورتیں اس بارے میں ایک دوسرے سے باتیں کرتی تھیں اور اس بات کا چرچا کرتی تھیں "کہ عزیز کی بیوی نے اپنے غلام سے راہ و رسم پیدا کر لی ہے اور اسے اپنی طرف دعوت دیتی ہے"(۲) "اور غلام کا عشق تو اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر گیا ہے"(۳)

پھر وہ یہ کہہ کر اس پر تنقید کرتیں کہ "ہماری نظر میں تو وہ واضح گمراہی میں ہے"(۴)

واضح ہے کہ ایسی باتیں کرنے والی مصر کے طبقہ امراء کی عورتیں تھیں جن کے لئے فرعونیوں اور مستکبرین کے محلات کی گھٹیا کہانیاں بہت دلچسپ ہوتی تھیں اور وہ ہمیشہ ان کی ٹوہ میں لگی رہتی تھیں۔

اشراف کی یہ عورتیں کہ جو خود بھی زوجہ عزیز کی نسبت ہوس رانی میں کسی طرح کم نہ تھیں ان کی چونکہ یوسف تک رسائی نہیں تھی لہذا بقولے "جانماز آب می کشیدند" مکر و فریب میں لگی ہوئی تھیں اور زوجہ ء عزیز کو

---

(۱)حضرت امام صادق علیہ السلام سے ایک روایت منقول ہے:

"شہادت دینے والا گہوارہ میں ایک چھوٹا بچہ تھا" لیکن توجہ رہے کہ اس حدیث کی کوئی محکم سند نہیں ہے

(۲)سورہ یوسف آیت ۳۰

(۳)سورہ یوسف آیت ۳۰

(۴)سورہ یوسف ۳۰

اس کے عشق پر واضح گراہی میں قرار دیتی تھیں ،یہاں تک کہ بعض مفسرین نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ یہ راز بعض زنان مصر نے ایک سازش کے تحت پھیلایا وہ چاہتی تھیں کہ زوجہ ٔ عزیز مصر اپنی بے گنا ہی ثابت کرنے کے لئے انہیں اپنے محل میں دعوت دے تاکہ وہ خود وہاں یوسف کو دیکھ سکیں ان کا خیال تھا کہ وہ یوسف کے سامنے ہوں تو ہو سکتا ہے اس کی نظر ان کی طرف مائل ہو جائے کہ جو شاید زوجہ عزیز مصر سے بھی بڑھ کر حسین تھیں اور پھر یوسف کے لئے ان کا جمال بھی نیا تھا اور پھر یوسف کے لئے عزیز کی بیوی ماں یا مولی یا ولی نعمت کا مقام رکھتی تھی اور ایسی کوئي صورت ان کے لئے نہ تھی لہذا وہ سمجھتی تھیں کہ زوجہ عزیز کی نسبت ان کے اثر کا احتمال زیادہ ہے ـ

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ کس شخص نے یہ راز فاش کیا تھا ، زوجہ ٔ عزیز تو یہ رسوائي ہر گز گوارا نہ کرتی تھی اور عزیز نے تو خود اسے چھپانے کی تاکید کی تھی رہ گیا وہ حکیم ودانا کہ جس نے اس کا فیصلہ کیا تھا ، اس سے تو ویسے ہی یہ کام بعید نظر آتا ہے بہر حال جیسا کہ ہم نے کہا کہ خرابیوں سے پُر ان محلات میں ایسی کوئي چیز نہیں کہ جسے مخفی رکھا جا سکے اور آخر کار یہ بات نا معلوم افراد کی زبانوں سے درباریوں تک اور ان سے باہر کی طرف پہنچ جاتی ہے اور یہ فطری امر ہے کہ لو گ اسے زیب داستان کے لئے اور بڑھا چڑھا کر دوسروں تک پہنچاتے ہیں ـ

جناب یوسف(ع) کے پاس مصر کی عورتیں

"زوجہ عزیز کو مصر کی حیلہ گر عورتوں کے بارے میں پتہ چلا تو پہلے وہ پریشان ہوئي پھر اسے ایک تدبیر سوجھی اس نے انہیں ایک دعوت پر مدعو کیا فرش سجایا اور قیمتی گاؤ تکئے لگا دیئے وہ آبیٹھیں تو ہر ایک کے ہاتھ میں پھل کاٹنے کے لئے چھری تھمادي"ـ[1](یہ چھریاں پھل کاٹنے کی ضرورت سے زیادہ تیز تھیں)

یہ کام خود اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اپنے شوہر کی پرواہ نہ کرتی تھی اور گزشتہ رسوائي سے اس نے کوئي سبق نہ سیکھا تھا ـ

---

(۱)سورہ یوسف ۳۱

اس کے بعد اس نے یوسف کو حکم دیا کہ" اس مجلس میں داخل ہوتا"۔[۱]
کہ تنقید کرنے والی عورتیں اس کے حسن وجمال کو دیکھ کر اسے اس کے عشق پر ملامت نہ کریں "۔[۲]
زوجہ عزیز نے حضرت یوسف کو کہیں باہر نہیں بٹھا رکھا تھا بلکہ اندر کے کسی کمرے میں کہ غالبا جہاں غذا اور پھل رکھا گیا تھا مشغول رکھا تھا تا کہ وہ محفل میں داخل ہونے والے دروازے سے نہ آئیں بلکہ بالکل غیر متوقع طور پر اور اچانک آئیں۔

مصر کی عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے

زنان مصر جو بعض روایات کے مطابق دس یا اس سے زیادہ تھیں جب انہوں نے زیبا قامت اور نورانی چہرہ دیکھا اور ان کی نظر یوسف کے دلربا چہرے پر پڑی تو انہیں یوں لگا جیسے اس محل میں آفتاب اچانک بادلوں کی اوٹ سے نکل آیا ہے اور آنکھوں کو خیرہ کر رہا ہے۔
وہ اس قدر حیران اور دم بخود ہوئیں کہ انھیں ہاتھ اور پاؤں میں اور ہاتھ اور ترنج بین میں فرق بھول گئیں انہوں نے یوسف کو دیکھتے ہی کہا یہ تو غیر معمولی ہے، وہ خود سے قدر بے خود ہوئیں کہ (ترنج بین کی بجائے) اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی دلکش آنکھوں میں تو عفت وحیا کا نور ضو فشاں ہے اور ان کے معصوم رخسار شرم وحیا سے گلگوں ہیں تو "سب پکار اٹھیں کہ نہیں یہ جوان ہرگز گناہ سے آلودہ نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگوار آسمانی فرشتہ ہے"[۳][۴]

---

(۱)سورہ یوسف ۳۱

(۲)سورہ یوسف ۳۱

(۳)سورہ یوسف آیت ۳۱

(۴)اس بارے میں کہ زنان مصر نے اس وقت اپنے ہاتھوں کی کتنی مقدار کاٹی تھی، مفسرین کے درمیان اختلاف ہے بعض نے یہ بات مبالغہ امیز طور پر نقل کی ہے لیکن قران سے اجمالاًیہی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ہاتھ کاٹ لئے تھے

تو پھر یوسف سے عشق میں مجھے کیوں ملامت کرتی ہو ؟

اس وقت مصر کی عورتیں پوری بازی ہار چکی تھیں ان کے زخمی ہا تھوں سے خون بہہ رہا تھا پریشانی کے عالم میں وہ بے روح مجسّے کی طرح اپنی جگہ چپکی سی بیٹھی تھیں ان کی حالت کہہ رہی تھی کہ وہ بھی نے زوجہ عزیز سے کچھ کم نہیں ہیں ،کیا اس نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور کہا :" یہ ہے وہ شخص جس کے عشق پر تم مجھے طعنے دیتی تھیں "(۱)

گویا زوجہ عزیز چاہتی تھی کہ ان سے کہے کہ تم نے تو یوسف کو ایک مرتبہ دیکھا ہے اوریوں اپنے ہوش و حواس گنوا بیٹھی ہو تو پھر مجھے کیونکر ملامت کرتی ہو جبکہ میں صبح وشام اس کے ساتھ اٹھتی بیٹھی ہوں ،زوجہ عزیز نے جو منصوبہ بنایا تھا اس میں اپنی کامیابی پر وہ بہت مغرور اورپوری صراحت کے ساتھ اپنے گناہ کا اعترف کیا اور کہا : جی ہاں :"میں نے اسے اپنی آرزوپورا کرنے کے لئے دعوت دی تھی لیکن یہ بچا رہا_"(۲)

اس کے بعد بجائے اس کے کہ اپنے گناہ پر اظہا رندامت کرتی یا کم از کم مہمانوں کے سامنے کچھ پردہ پڑا رہنے دیتی اس نے بڑی بے اعتنائي اور سخت انداز میں کہ جس سے اس کا قطعی ارادہ ظاہر ہوتا تھا ، صراحت کے ساتھ اعلان کیا :" اگر اس (یوسف) نے میرا حکم نہ مانا اور میرے عشق سوزاں کے سامنے سر نہ جھکا یا تو یقینا اسے قید میں جانا پڑے گا "(۳)

"نہ صرف یہ کہ میں اسے زندان میں ڈال دوں گی بلکہ قید خانے کے اندر بھی ذلیل و خوار ہو گا_"(۴) فطری امر ہے کہ جب عزیز مصر نے اس واضح خیانت پر اپنی زوجہ سے فقط یہی کہنے پر قناعت کی کہ" اپنے گناہ پر استغفار کر"تو اس کی بیوی رسوائي کی اس منزل تک آپہنچی اصولی طورپر جیسا کہ ہم نے کہا ہے مصر کے فرعون اور عزیزوں کے دربار میں ایسے مسائل کوئي نئي بات نہ تھی_

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۳۲

(۲)سورہ یوسف ۳۲

(۳)سورہ یوسف ایت ۳۲

(۴)سورہ یوسف آیت ۳۲

اے یوسف(ع) قبول کر لو

بعض نے تو اس موقع پر ایک تعجب انگیز روایت نقل کی ہے وہ یہ کہ چند زنان مصر جو اس دعوت میں موجود تھیں وہ زوجہ عزیز کی حمایت میں اٹھ کھڑی ہوئیں اور اسے حق بجانب قراردیا وہ یوسف کے گرد جمع ہو گئیں اور ہر ایک نے یوسف کو رغبت دلانے کے لئے مختلف بات کی ۔

ایک نے کہا : اے جوان : یہ اپنے آپ کو بچانا ، یہ ناز و نخرے آخر کس لئے ؟ کیوں اس عاشق دلدادہ پر رحم نہیں کرتے ؟ اس خیرہ کن جمال دل آرا کو نہیں دیکھتے ؟ کیا تمہارے سینے میں دل نہیں ہے ؟ کیا تم جوان نہیں ہو ؟ کیا تمہیں عشق وزیبائي سے کوئي رغبت نہیں اور کیا تم پتھر اور لکڑی کے بنے ہوئے ہو ۔

دوسری نے کہا : میں حیران ہوں چونکہ حسن و عشق کی وجہ سے میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا لیکن کیا تم سمجھتے نہیں ہو کہ وہ عزیز مصر اور اس ملک کے صاحب اقتدار کی بیوی ہے ؟ کیا تم یہ نہیں سوچتے کہ اس کا دل تمہارے ہاتھ میں ہو تو یہ ساری حکومت تمہارے قبضے میں ہوگی اور تم جو مقام چاہو تمہیں مل جائے گا ؟

تیسری نے کہا : میں حیران ہوں کہ نہ تم اس کے جمال زیبا کی طرف مائل ہو اور نہ اس کے مقام ومال کی طرف لیکن کیا تم یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ ایک خطرناک انتقام جو عورت ہے اور انتقام لینے کی طاقت بھی پوری طرح اس کے ہاتھ میں ہے ؟ کیا تمہیں اس کے وحشتناک اور تاریک زندان کا کوئي خوف نہیں ؟ کیا تم اس قید تنہائي کے عالم غربت وبیچار گی کے بارے میں غور وفکر نہیں کرتے ؟

زندان کی تمنا

ایک طرف عزیز کی دھمکی اور ان آلودہ گناہ عورتوں کا وسوسہ تھا کہ جو اس وقت دلالی کا کھیل کھیل رہیں تھیں اور دوسری طرف یوسف کے لئے ایک شدید بحرانی لمحہ تھا ،ہر طرف سے مشکلات کے طوفان نے انہیں گھیر رکھا تھا لیکن وہ تو پہلے سے اپنے آپ کو اسلحہ سے آراستہ کئے ہوئے تھے نور ایمان 'پاکیزگی اور تقوی نے ان کی روح میں ایک خاص اطمینان پیدا کر رکھا تھا وہ بڑی شجاعت اور عزم سے اپنے موقف پر اڑے

رہے بغیر اس کے کہ وہ ان ہوس باز اور ہوس ران عورتوں سے باتوں میں الجھتے، انہوں نے پرور گار کی بارگاہ کا رخ کیا اور اس طرح سے ان دعا کرنے لگے: بارالہا پروردگار: "جس کی طرف یہ عورتیں مجھے دعوت دیتی ہیں اس کی نسبت قید خانہ اپنی تمام تر سختیوں کے باوجود مجھے زیادہ محب ہے"۔[1]

اس کے بعد چونکہ وہ جانتے تھے کہ تمام حالات میں خصوصاً مشکلات میں لطف الٰہی کے سوا کوئی راہ نجات نہیں کہ جس پر بھروسہ کیا جائے، انہوں نے اپنے آپ کو خدا کے سپرد کیا اور اس سے مدد مانگی اور پکارے: پروردگارا: "اگر تو مجھے ان عورتوں کے مکر اور خطرناک منصوبوں سے نہ بچائے تو میرا دل ان کی طرف مائل ہو جائے گا اور میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں"[2]

خداوندا: میں تیرے فرمان کا احترام کرتے ہوئے اور اپنی پاکدامنی کی حفاظت کرتے ہوئے اس وحشت ناک قید خانے کا استقبال کرتا ہوں وہ قید خانہ کہ جس میں میری روح آزاد ہے اور میرا دامن پاک ہے اس کے بدلے میں اس ظاہری آزادی کو ٹھوکر مارتا ہوں کہ جس میں میری روح کو زندان ہوس نے قید کر رکھا ہو اور جو میرے دامن کو آلودہ کر سکتی ہے۔ خدایا: میری مدد فرما، مجھے قوت بخش، اور میری عقل، ایمان اور تقوی کی طاقت میں اضافہ فرما تاکہ میں ان شیطانی وسوسوں پر کامیابی حاصل کروں۔

اور چونکہ خداوندعالم کا ہمیشہ سے وعدہ ہے کہ وہ مخلص مجاہدین کی (چاہے وہ نفس کے خلاف برسرپیکار ہوں یا ظاہری دشمن کے خلاف) مدد کرے گا، اس نے یوسف کو اس عالم میں تنہا نہ چھوڑا حق تعالی کا لطف وکرم اس کی مدد کو آگے بڑھا، جیسا کہ قرآن کہتا ہے: "اس کے پروردگار نے اس کی اس مخلصانہ دعا کو قبول کیا، ان کے مکر اور سازشوں کو پلٹا دیا، کیونکہ وہ سننے اور جاننے والا ہے"۔[3]

وہ بندوں کی دعا بھی سنتا ہے اور ان کے اندرونی اسرار سے بھی آگاہ ہے اور انہیں مشکلات سے بچانے کی راہ سے بھی واقف ہے۔

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۳۳

(۲)سورہ یوسف ۳۳

(۳)سورہ یوسف ۳۴

بے گناہی کے پاداش میں قید

قصر عزیز میں یوسف کی موجودگی میں زنان مصر کی حیران کن محفل اس شور و غو غا کے عالم میں تمام ہوئی، فطری بات تھی کہ یہ خبر عزیز کے کان تک پہنچ گئي ان تمام واقعات سے واضح ہو گیا کہ یوسف کوئي معمولی انسان نہیں ہے اور اس قدر پاکیزہ ہے کہ کوئي طاقت اسے گناہ پر ابھار نہیں سکتی مختلف حوالوں سے اس کی پاکیزگی کی نشا نیا ں واضح ہو گئیں ـ

یوسف(ع) کی قمیص کا پیچھے سے پھٹا ہونا ، زنان مصر کے وسوسے کے مقابلے میں استقامت کا مظاہرہ کرنا ، قید خانے میں جانے کے لئے آمادہ ہونا اور زوجہ عزیز کی طرف سے قید اور دردناک عذاب کی دھمکیوں کے سامنے سر نہ جھکانا یہ سب اس کی پاکیزگی کی دلیلیں تھیں یہ ایسے دلائل تھے کہ کوئي شخص نہ اسے چھپاسکتا تھا نہ ان کا انکار کر سکتا تھا ان کا لازمی نتیجہ زوجہ عزیز مصر کی ناپاکی اور جرم تھا یہ جرم ثابت ہونے کے بعد عوام میں خاندان عزیز کی جنسی حوالے سے رسوائي کا خوف بڑھ رہا تھا عزیز مصر اور اس کے مشیروں کو اس کے لئے صرف یہی چارہ دکھائي دیا کہ یوسف کو منظر سے ہٹا دیا جائے ، اس طرح سے کہ لوگ اسے اور اس کے نام کو بھول جائیں اس کے لئے ان کی نظر میں بہترین راستہ اسے تاریک قید خانے میں بھیجنا تھا کہ جسے یوسف کو بھلا بھی دیا جائے گا اور وہ یہ بھی سمجھیں گے کہ اصلی مجرم یوسف تھا اسی لئے قرآن کہتا ہے :

"جب انہوں نے (یوسف کی پاکیزگی کی) نشانیاں دیکھ لیں تو پختہ ارادہ کرلیا کہ اسے ایک مدت تک قید میں ڈال دیا جائے "ـ[(۱)]

پہلے اس کے بارے میں ان کا کوئي ارادہ نہ تھا اور پہلی مرتبہ زوجہ عزیز نے یہ بات احتمال کے طور پر پیش کی تھی ، بہر حال اس طرح یوسف پاکدامنی کے گناہ میں قید خانے میں پہنچ گئے اور یہ پہلی مرتبہ نہ تھا کہ ایک قابل اور لائق انسان پاکیزگی کے جرم میں زندان میں گیا ـ

---

(۱)سورہ یوسف ۳۵

زندان کے واقعات

"یوسف کے ساتھ زندان میں داخل ہونے والوں میں دو جوان بھی تھے"_ (۱)

جب انسان کسی معمول کے طریقے سے خبروں تک رسائي حاصل نہ کر سکے تو اس کے لئے دوسرے احساسات کو استعمال کرتا ہے تاکہ حوادث کا اندازہ لگا سکے، خواب بھی اس مقصد کے لئے کار آمد ہو سکتا ہے_

اسی بناء پر دونوں جوان کہ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ کے گھر مشروبات پر ما مور تھا اور دوسرا باورچی خانے کا کنٹرولر دشمنوں کی چغلخوری اور بادشاہ کو زہر دینے کے الزام میں قید تھا ، ایک روز یوسف کے پاس آئے دونوں نے اپنا گزشتہ شب کا خواب سنا یا جو کہ ان کے لئے عجیب تھا ایک نے کہا :

" میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ شراب بنا نے کے لئے انگور نچوڑ رہا ہوں_" (۲)

"دوسرے نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں نے کچھ روٹیا ں سر پر اٹھا رکھی ہیں اور آسمان کے پرندے آتے ہیں اور ان میں سے کھاتے ہیں_" (۳)

اس کے بعد انہوں نے مزید کہا :

" ہمیں ہمارے خواب کی تعبیر بتائو ، کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم نیکو کاروں میں سے ہو_" (۴)

قید خانہ یا مرکز تربیت

حضرت یوسف نے قید خانے میں آتے ہی اپنے نیک اطوار ، حسن اخلاق اور قیدیوں کی دلجوئي ، خدمت اور بیماروں کی عیادت سے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ وہ ایک نیک اور گرہ کشا انسان ہیں اسی لئے قیدی مشکلات میں انہی کی پناہ لینے تھے اور ان سے مدد مانگتے تھے_

---

(۱)سورہ یوسف ۳۶

(۲)سورہ یوسف ۳۶

(۳)سورہ یوسف آیت ۳۶

(۴)سورہ یوسف آیت ۳۶

بہر حال وہ یوسف کہ جو قیدیوں کی ہدایت اور راہنمائي کا کوئي موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے انہوں نے ان دو قید یوں کی طرف سے تعبیر خواب کے لئے رجوع کرنے کو غنیمت جانا اور اس بہانے سے ایسے اہم حقائق بیان کئے جو ان کے تعبیر خواب سے متعلق اپنی آگاہی کے بارے میں کہ جوان دو قیدیوں کے لئے بہت اہمیت رکھتے تھے ، اور تمام انسانوں کے لئے راستہ کھولنے والے تھے آپ نے پہلے تو ان کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے ان سے کہا : تمہارے کھا نے کا راشن آنے سے پہلے وہ ان کے خواب کی تعبیر بتادیں گے_"[۱]

اس کے بعد با ایمان اور خدا پرست یوسف کہ جن کے وجود کی گہرائیوں میں توحید پوری وسعت سے جڑ پکڑ چکی تھی ، نے یہ واضح کرنے کے لئے کہ امر الہی کے بغیر کوئي چیز حقیقت کا روپ اختیار نہیں کرتی ، اپنی بات کو اسی طرح سے جاری رکھا :"تعبیر خواب کے متعلق میرا یہ علم ودانش ان امور میں سے ہے کہ جن کی تعلیم مجھے میرے پروردگا نے دی ہے" [۲]

نیز اس بناء پر کہ وہ یہ خیال نہ کریں کہ خدا کوئي چیز بغیر کسی بنیاد کے بخش دیتا ہے ، آپ نے مزید فرمایا :"میں نے ان لوگوں کا دین ومذہب ترک کررکھا ہے کہ جو خدا پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے منکرہیں اور اس نور ایمان اور تقوی نے مجھے اس نعمت کے لائق بنایا ہے" [۳]

اس قوم وملت سے مصر کے بت پرست لوگ یا کنعان کے بت پرست مرادہیں مجھے ایسے عقائد سے الگ ہی ہونا چا ہیئے یونکہ یہ انسان کی پاک فطرت کے خلاف ہیں ،علاوہ ازیں میں نے ایسے خاندان میں پرورش پائي ہے کہ جو وحی ونبوت کا خاندان ہے_"میں نے اپنے آباء واجداد اور بزرگوں ابراہیم (ع) ، اسحاق (ع) اور یعقوب (ع) کے دین کی پیروی کی ہے_" [۴]

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۳۷

(۲)سورہ یوسف آیت ۳۷

(۳) سورہ یوسف آیت ۳۷

(۴)سورہ یوسف آیت ۳۸

شاید یہ پہلا موقعہ تھا کہ حضرت یوسف نے قیدیوں سے اپنا تعارف کروایا تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ وحی ونبوت کے گھرانے سے ہیں اور دیگر بہت سے قیدیوں کی طرح کہ جو طاغوتی نظاموں میں قید ہوتے ہیں، بے گناہ زندان میں ڈالے گئے ہیں۔

قیدیوں کی تعبیر خواب

جس وقت حضرت یوسف نے گزشتہ گفتگو کے بعد ان قیدیوں کے دلوں کو حقیقت توحید قبول کرنے کے لئے آمادہ کرلیا تو ان کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے کہا: "اے میرے قیدی ساتھیو: کیا منتشر خدا اور متفرق معبود بہتر ہیں یا یگانہ ویکتا اور قہار اور ہرچیز پر قدرت رکھنے والا خدا"(۱)

گویا یوسف انہیں سمجھانا چاہتے تھے کہ کیوں تم فقط عالم خواب میں آزادی کو دیکھتے ہو بیداری میں کیوں نہیں دیکھتے، آخر ایسا کیوں ہے؟ کیا اس کا سبب تمہارا انتشار، تفرقہ بازی اور نفاق نہیں کہ جس کا سرچشمہ شرک، بت پرستی اور ارباب متفرق ہیں جن کی وجہ سے ظالم طاغوت تم پر غالب آگئے ہیں تم لوگ پرچم توحید کے تلے کیوں جمع نہیں ہوتے اور "اللہ واحد قھار،، کا دامن پرستش کیوں نہیں تھامتے تاکہ ان خودغرض ستمگروں کو اپنے معاشرے سے نکال باہر کرو کہ جو تمہیں بے گناہ اور صرف الزام کی بنیاد پر قید میں ڈال دیتے ہیں۔

اپنے دو قیدی ساتھیوں کو رہبری وارشاد اور انہیں حقیقت توحید کی طرف مختلف پہلوئوں کے حوالے سے دعوت دینے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے خواب کی تعبیر بیان کی کیونکہ وہ دونوں اسی مقصد کے لئے آپ کے پاس آئے تھے اور آپ نے بھی انہیں وعدہ دیا تھا کہ انہیں ان کے خوابوں کی تعبیر بتائیں گے لیکن آپ نے موقع غنیمت جانا اور توحید کے بارے میں اور شرک کے خلاف واضح اور زندہ دلائل کے ساتھ گفتگو کی۔

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۳۹

اس کے بعد آپ نے ان دو قیدی ساتھیوں کی طرف رخ کر کے کہا :" اے میرے قیدی ساتھیوں : تم میں سے ایک آزاد ہو جائے گا اور اپنے "ارباب " کو شراب پلانے پر مامور ہوگا_" (۱)

" لیکن دوسرا سولی پر لٹکا یا جائے گا اور اتنی دیر تک اس کی لاش لٹکائي جائے گی کہ آسمانی پرندے اس کے سر کو نوچ نوچ کر کھائیں گے_" (۲)

ان دونوں میں سے ایک لٹکا یا جائے گا لیکن حضرت یوسف نے نہ چاہا کہ یہ نا گوار خبر اس سے زیادہ صراحت سے بیان کریں لہذا آپ نے 'تم میں سے ایک " کہہ کر گفتگو کی اس کے بعد اپنی بات کی تائید کے لئے مزید کہا :" یہ معاملہ جس کے بارے میں تم نے مجھ سے سوال کیا ہے اور مسئلہ پوچھا ہے حتمی اور قطعی ہے_" (۳)

یہ اس طرف اشارہ تھا کہ یہ خواب کی کوئي معمولی سی تعبیر نہیں ہے بلکہ ایک غیبی خبر ہے جسے میں نے الہی تعلیم سے حاصل کیا ہے لہذا اس مقام پر تردد و شک اور چون وچرا کی کوئي گنجائش نہیں _

جب دوسرے شخص نے یہ نا گوار خبر سنی تو وہ اپنی بات کی تکذیب کرنے لگا اور کہنے لگا : میں نے جھوٹ بولا تھا ' میں نے ایسا کوئي خواب نہیں دیکھا تھا ' میں نے مذاق کیا تھا اس کا خیال تھا کہ اگر وہ اپنے خواب کی تردید کر دے گا تو اس کی سر نوشت تبدیل ہو جائے گی لہذا حضرت یوسف نے ساتھ ہی یہ بات کہہ دی کہ جس چیز کے بارے میں تم نے دریافت کیا وہ نا قابل تغیر ہے_

یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت یوسف کو اپنی تعبیر خواب پر اس قدر یقین تھا کہ انہوں نے یہ جملہ تاکید کے طور پر کہا_

بادشاہ کے سامنے مجھے یاد کرنا

لیکن جس وقت آپ نے محسوس کیا کہ یہ دونوں عنقریب ان سے جدا ہو جائیں گے لہذا ہو سکتا ہے

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۴۱

(۲)سورہ یوسف آیت ۴۱

(۳)سورہ یوسف آیت ۴۱

کہ ان کے ذریعے آزادی کا کوئي دریچہ کھل جائے اور روشنی کی کوئي کرن پھوٹے اور جس گناہ کی آپ کی طرف نسبت دی گئي تھی اس سے اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کریں "آپ نے ان دو قیدی ساتھیوں میں سے جس کے بارے میں جانتے تھے کہ وہ آزاد ہوں گے، اس سے فرمائش کی کہ اپنے مالک وصاحب اختیار (بادشاہ) کے پاس میرے متعلق بات کرنا_ "[1]تاکہ وہ تحقیق کرے اور میری بے گناہی ثابت ہو جائے"_

لیکن اس فراموش کار غلام نے یوسف کا مسئلہ بالکل بھلا دیا جیسا کہ کم ظرف لوگوں کا طریقہ ہے کہ جب نعمت حاصل کرلیتے ہیں تو صاحب نعمت کو فراموش کر دیتے ہیں البتہ قرآن نے بات یوں بیان کی ہے :"جب وہ اپنے مالک کے پاس پہنچا تو شیطان نے اس کے دل سے یوسف کی یاد بھلا دي_ "[2]

اور اس طرح یوسف فراموش کردیئے گئے "اورچند سال مزید قید خانے میں رہے_" (۳)[4]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا :مجھے اپنے بھائي یوسف پر تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے کیونکر خالق کے بجائے مخلوق کی پناہ لی اور اس سے مدد طلب کی_

ایک اور روایت میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے :

اس واقعے کے بعد جبرئیل یوسف (ع) کے پاس آئے اور کہا : کس نے تمہیں سب لوگوں سے زیادہ حسین بنایا ؟ کہنے لگے : میرے پروردگار نے_ کہا : کس نے قافلے کو تمہاری طرف بھیجا تاکہ وہ تمہیں کنویں سے نجات دے ؟

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۴۲

(۲)سورہ یوسف آیت ۴۲

(۳)سورہ یوسف آیت ۴۲

(۴)البتہ زندان یا دیگر مشکلات سے نجات کے لئے ایسی کوشش عام افراد کے لئے کوئي اہم مسئلہ نہیں ہے اور طبیعی اسباب سے کام لینے کے ضمن میں ہے لیکن ایسے افراد کے لئے جو نمونہ ہوں اور ایمان و توحید کی بلند سطح پر فائز ہوں ان کے لئے اشکال سے خالی نہیں ہو سکتی ،شاید اسی بناء پر خدا نے یوسف کے اس "ترک اولی "کو نظر انداز نہیں کیا اور اس کی وجہ سے ان کی قیدچند سال مزید جاری رہی

بولے: میرے پروردگار نے۔

کہا: کس نے مصر کی عورتوں کے مکر وفریب سے تمہیں دور رکھا؟

کہنے لگے: میرے پروردگار نے۔

اس پر جبرئیل نے کہا: تمہارا پروردگار کہہ رہا ہے کس چیز کے سبب تم اپنی حاجت مخلوق کے پاس لے گئے ہو اور میرے پاس نہیں لائے ہو لہذا تمہیں چند سال اورزندان میں رہنا چاہیئے۔

بادشاہ مصر کا خواب

حضرت یوسف علیہ السلام سات برس تک قید خانے میں تنگی و سختی میں ایک فراموش شدہ انسان کی طرح رہے وہ خود سازی 'قیدیوں کو ارشاد وہدایت '.بیماروں کی عیادت اوردردمندوں کی دلجوئی میں مصروف رہے یہاں تک کہ ایک ظاہراً چھوٹا سا واقعہ رونما ہوا جس نے نہ صرف ان کی بلکہ مصر اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کی سرنوشت کو بدل کے رکھ دیا۔

بادشاہ مصر کہ جس کا نام کہا جاتا ہے کہ ولیدبن ریان تھا (اور عزیز مصر اس کا وزیر تھا) اس نے ایک خواب دیکھا یہ ظاہراً ایک پریشان کن خواب تھا،دن چڑھا تو اس نے خواب کی تعبیر بتانے والوں اور اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور کہنے لگا میں نے خوب میں دیکھا ہے کہ" سات کمزورسی اور سات موٹی تازی گائیں ہیں اور دبلی پتلی گائیں ان پر حملہ آور ہوئی ہیں اور انہیں کھا رہی ہیں نیز سات ہرے بھرے اور سات خشک شدہ گچھے ہیں اور خشک شدہ گچھے سبز گچھوں پر لپٹ گئے ہیں اور انہیں ختم کردیا ہے"[۱]

اس کے بعد اس نے ان کی طرف روئے سخن کیا اور کہنے لگا: "اے قوم کے سردارو: میرے خواب کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر بیان کرو اگر تم خواب کی تعبیر بتا سکتے ہو"[۲] لیکن سلطان کے حواریوں نے فوراکہا کہ: یہ خواب پریشان ہیں اور ہم لوگ ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے"[۳]

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۴۳

(۲) سورہ یوسف آیت ۴۴

(۳)سورہ یوسف آیت ۴۴

یہاں یہ سوال پیش آتا ہے کہ انہوں نے کس طرح جرات کی 'شاہ مصر کے سامنے اس رائے کا اظہار کریں کہ وہ اسے پریشان خواب دیکھنے کا الزام دیں ،جبکہ ان حاشیہ نشینوں کا معمول یہ ہے کہ وہ ان کی ہر چھوٹی بڑی اور بے معنی حرکت کے لئے کوئی فلسفہ گھڑتے ہیں اوربڑی معنی خیز تفسیریں کرتے ہیں ، یہ ہو سکتا ہے کہ یہ اس لئے ہو کہ انہوں نے دیکھا تھا کہ بادشاہ یہ خواب دیکھ کر پریشان و مضطرب ہے اور وہ پریشانی میں حق بجانب بھی تھا کیونکہ اس نے خواب میں دیکھا تھا کہ کمزور اور لاغر گائیں توانا اور موٹی تازی گائوں پر حملہ آور ہوتی ہیں اور انہیں کھا رہی ہیں اوریہی صورت خشک گچھوں کی تھی ،کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کمزور لوگ اچانک اس کے ہاتھ سے حکومت چھین لیں گے لہذا انہوں نے بادشاہ کے دل کا اضطراب دور کرنے کے لئے اس سے کہا کہ خواب کسی چیز کی دلیل نہیں ہوتے ۔

بادشاہ کے ساقی نے جناب یوسف کو یاد کیا

اس موقع پر بادشاہ کا ساقی کہ جو چند سال قبل قید خانے سے آزاد ہوا تھا 'اسے قید خانے کا خیال آیا اسے یاد آیا کہ یوسف اس خواب کی تعبیر بیان کر سکتے ہیں اس نے بادشاہ کے حاشیہ نشینوں کی طرف رخ کر کے کہا:"میں تمہیں اس خواب کی تعبیر بتا سکتا ہوں مجھے اس کام کے ماہر استاد کے پاس بھیجو کہ جو زندان میں پڑا ہے تاکہ تمہیں بالکل سچ خبر لاکر دوں "[۱]

جی ہاں اس گوشۂ زنداں میں ایک روشن ضمیر 'صاحب ایمان اورپاک دل انسان زندگی کے دن گزارہا ہے کہ جس کا دل، حوادث آئندہ کا آئینہ ہے ، وہ ہے کہ جو اس راز سے پردہ اٹھا سکتا ہے اور اس خواب کی تعبیر بیان کر سکتا ہے ۔

اس کی اس بات نے محفل کی کیفیت ہی بدل دی ،سب کی آنکھیں ساقی پر لگ گئیں آخر کار اسے اجازت ملی اور حکم ملا کہ جتنی جلدی ہو سکے اس کام کے لئے نکل کھڑا ہوا اور جلد نتیجہ پیش کرے ساقی زندان میں

---

(۱) سورہ یوسف ۴۵

آیا اور اپنے پرانے دوست یوسف(ع) کے پاس پہنچا، وہی دوست جس نے بڑی بے وفائي کی تھی لیکن اس کی عظمت سے توقع نہیں کہ وہ دفتر شکایت کھول بیٹھے_اس نے حضرت یوسف سے مخاطب ہو تے ہو ئے کہا :"یوسف اے سراپا صداقتاس خواب کے بارے میں تم کیا کہتے ہو کہ کسی نے دیکھا ہے کہ سات لاغر گائیں موٹی تازی کو کھا رہی ہیں نیز سات ہرے گچھے ہیں اور سات خشک شدہ ہیں (کہ جن میں سے دوسرا پہلے سے لپٹ گیا ہے اور اسے نابود کر دیا ہے ")" شاید میں اس طرح ان لوگوں کے پاس لوٹ کے جائوں تو وہ اس خواب کے اسرار سے آگاہ ہو سکیں "_(۱)

بہر حال حضرت یوسف علیہ السلام نے بغیر کسی شرط کے اور بغیر کسی صلہ کے تقاضے کے فوراً خواب کی واضح اور نہا یت اعلی تعبیر.بیان کی اس میں آپ نے کچھ چھپا ئے بغیر درپیش تاریک مستقبل کے بارے میں بتایا ساتھ ہی اس کے لئے راہنمائي کردی اور ایک مرتب پروگرام بتا دیا آپ نے کہا:"سات سال پیہم محنت سے کاشت کاری کرو کیونکہ ان سات برسوں میں بارش خوب ہوگی لیکن جو فصل کاٹو اسے خوشوں سمیت انباروں کی صورت میں جمع کر لو سوائے کھا نے کے لئے جو تھوڑی سی مقدار ضروری ہو"_(۲)

لیکن جان لوکہ ان سات برسوں کے بعد سات برس خشک سالی ، بارش کی کمی اور سختی کے آئیں گے کہ جن میں صرف اس ذخیرے سے استفادہ کرنا ہو گا جو گزشتہ سالوں میں تمام ذخیر،کیا ہوگا ورنہ ہلاک ہوجائوگے البتہ خیال رہے کہ خشکی اور قحط کے ان سات سالو ں میں تمام ذخیرہ شدہ گندم نہ کھا جانا "بلکہ کچھ مقدار بیج کے طور پر آئندہ کاشت کیلئے رکھ چھوڑنا کیونکہ بعد کا سال اچھا ہو گا"(۳)

اگر خشک سالی اور سختی کے یہ سال تم سوچے سمجھے پرگرام اورپلان کے تحت ایک ایک کرکے گزار لو تو پھر تمہیں کوئي خطرہ نہیں "اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا کہ خوب باران رحمت ہوگی اور لوگ اس آسمانی نعمت سے خوب بہرہ مند ہوں گے "(۴)

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۴۶

(۲)سورہ یوسف ۴۷

(۳)سورہ یوسف آیت ۴۸

(۲)سورہ یوسف آیت ۴۸

اس سے نہ صرف زراعت اور اناج کا مسئلہ حل ہو جائے گا بلکہ رس دار پھل اور روغن دار دانے بھی فراواں ہوں گے "کہ لوگ جن سے رس اور روغن حاصل کریں گے "(۱)

مصر کا قیدی یا بہترین رہبر

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی جو تعبیر بیان کی وہ کس قدر جچی تلی تھی قدیمی کہانیوں میں گائے سال کا سنبل سمجھی جاتی تھی اور اس کا توانا ہونا فراواں نعمت کی دلیل ہے جبکہ لاغر ہونا مشکلات اور سختی کی دلیل ہے سات لاغر گائیں سات توانا گائوں پر حملہ آور ہوئیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سختی کے سات سالوں میں قبل کے سالوں کے ذخائر سے فائدہ اٹھانا چاہیئے اور سات خشک شدہ خوشہ یا گچھے جو سات سبز خوشوں سے لپٹ گئے تو یہ فراوانی نعمت اور خشک سالی کے دو مختلف ادوار کے لئے ایک اور دلیل تھی اس میں اس نکتہ کا اضافہ تھا کہ اناج کو خوشوں کی شکل میں ذخیرہ کیا جانا چاہیئے تاکہ جلد خراب نہ ہو اور سات برس تک چل سکے ۔ نیز یہ کہ لاغر گائیں اور خشک شدہ خوشوں کے سات سے زیادہ نہ تھے یہ امر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ان سخت سات سالوں کے بعد یہ کیفیت ختم ہو جائے گی اور فطری طور پر بیج کی فکر بھی کرنا چاہیئے اور ذخیرے کا کچھ حصہ اس کے لئے محفوظ رکھنا چاہیئے ۔

حضرت یوسف(ع) درحقیقت کہ عام تعبیر خواب بیان کرنے والے شخص نہ تھے بلکہ ایک رہبر تھے کہ جو گوشۂ زندان میں بیٹھے ایک ملک کے مستقبل کے لئے منصوبہ بندی کر رہے تھے اور انہیں کم از کم پندرہ برس کے لئے مختلف مراحل پر مشتمل ایک پلان دے رہے تھے اور جیسا کہ ہم دیکھیں گے کہ یہ تعبیر جو ائندہ کے لئے منصوبہ بندی اور راہنمائی پر مشتمل تھي؛ نے جابر بادشاہ اور اس کے حواریوں کو ہلا کے رکھ دیا اور اہل مصر کے ہلاکت خیز قحط سے نجات کا سبب بنی اور اسی کے سبب حضرت یوسف کو زندان سے اور حکومت کو بھی خود غرض اور خود سر لوگوں سے نجات مل گئي ۔

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۴۹

یوسف ہر الزام سے بری ہو گئے

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے شاہ مصر کے خواب کی جو تعبیر بیان کی وہ اس قدر جچی تلی اور منطقی تھی کہ اس نے بادشاہ اور اس کے حاشیہ نشینوں کو جذب کر لیا بادشاہ نے دیکھا کہ ایک غیر معروف سے قیدی نے کسی مفاد کی توقع کے بغیر اس خواب کی مشکل تعبیر کس بہترین طریقہ سے بیان کر دی ہے اور ساتھ ہی آئندہ کے لئے نہایت جچا تلا پروگرام بھی پیش کر دیا ہے ۔ اجمالاً اس نے سمجھ لیا کہ یہ کوئی غلام قیدی نہیں ہے بلکہ غیر معمولی شخصیت ہے کہ جو کسی پر اسرار ماجرے کے باعث قید میں ڈالا گیا ہے لہذا اسے اس کے دیدار کا اشتیاق پیدا ہوا لیکن ایسا نہیں کہ سلطنت کا غرور ایک طرف رکھ کر وہ دیدار یوسف کے لئے چل پڑے بلکہ " اس نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لے آئو " (۱)

لیکن جب اس کا فرستادہ یوسف کے پاس آیا تو بجائے اس کے کہ یوسف اس خوشی میں پھولے نہ سماتے کہ سالہا سال قیدخانے کے گڑھے میں رہنے کے بعد اب نسیم آزادی چل رہی ہے 'آپ نے بادشاہ کے نمائندہ کو منفی جواب دیا اور کہا کہ میں اس وقت تک زندان سے باہر نہیں آئوں گا،"جب تک کہ تو اپنے مالک کے پاس جاکر اس سے یہ نہ پوچھے کہ وہ عورتیں جنھوں نے تیرے وزیر(عزیز مصر کے محل میں اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے ان کا ماجرا کیا تھا"۔ (۲)

وہ نہیں چاہتے تھے کہ ایسے ہی جیل سے رہا ہو جائیں اور شاہ کی طرف سے معین کئے گئے ایک مجرم یا کم از کم ایک ملزم کی صورت میں زندگی بسر کریں وہ چاہتے تھے کہ سب سے پہلے ان کی قید کے سبب کے بارے میں تحقیق ہو اور ان کی بے گناہی اور پاکدامنی پوری طرح درجہ ء ثبوت کو پہنچ جائے اور برائت کے بعد وہ سربلندی سے آزاد ہوں اور ضمناً حکومت مصر کی مشینری کی آلودگی بھی ثابت ہو جائے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ اس کے وزیر کے دربار میں کیا گزرتی ہے ۔

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۵۰

(۲)سورہ یوسف آیت ۵۰

جی ہاں : وہ اپنے عزو شرف کو آزادی سے زیادہ اہمیت دیتے تھے اوریہی ہے حریت پسندوں کا راستہ ہے۔

یہ امرجاذب توجہ ہے کہ حضرت یوسف نے اپنی گفتگو میں اس قدر عظمت کا مظاہرہ کیا کہ یہاں تک تیار نہ ہوئے کہ عزیز مصرکی بیوی کا نام لیں کہ جو ان پر الزام لگانے اور جیل بھجنے کا اصلی عامل تھی بلکہ مجموعی طورپر زنان مصر کے ایک گروہ کی طرف اشارہ کیا کہ جو اس ماجرا میں دخیل تھیں۔

اس کے بعد آپ نے مزید کہا : اگرچہ اہل مصر نہ جانیں اوریہاں تک دربار سلطنت بھی بے خبر ہو کہ مجھے قید کیئے جانے کا منصوبہ کیا تھا اور کن افراد کی وجہ سے پیش آیا لیکن " میرا پروردگار ان کے مکر وفریب اور منصوبہ سے آگاہ ہے"[(۱)]

شاہ کا خاص نمائندہ اس کے پاس لوٹ آیا اوریوسف کی تجویز کہ جس سے اعلی ظرفی اور بلند نظری جھلکتی تھی ، بادشاہ نے سنی تو وہ یوسف کی بزرگواری سے بہت زیادہ متاثر ہوا لہذا اس نے فوراً اس ماجرے میں شریک عورتوں کو بلا بھیجا وہ حاضر ہوئیں تو ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگا : "بتائو میں دیکھوں کہ جب تم نے یوسف سے اپنی خواہش پورا کرنے کا تقاضا کیا تو اصل معاملہ کیا تھا "[(۲)]

سچ کہنا ، حقیقت بیان کرنا کہ کیا تم نے اس میں کوئي عیب تقصیر اور گناہ دیکھا ہے ؟

ان کے خوابیدہ ضمیر اس سوال پر اچانک بیدار ہوگئے" اور سب نے متفقہ طورپریوسف کی پاکدامنی کی گواہی دی اور کہا : منزہ ہے خدا ' ہم نے یوسف میں کوئي گناہ نہیں دیکھا "[(۳)]

زلیخا کا اعتراف

عزیز مصر کی بیوی وہاں موجود تھی بادشاہ اورزنان مصر کی باتیں سن رہی تھی بغیر اس کے کہ کوئي اس سے سوال کر ے، ضبط نہ کرسکی ' اس نے محسوس کیا کہ اب وہ موقعہ آگیا ہے کہ ضمیر کی سالہا سال کی شرمندگی کی

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۵۰

(۲)سورہ یوسف آیت ۵۱

(۳) سورہ یوسف آیت ۵۱

یوسف کی پاکیزگی اور اپنی گنہگاری کے ذریعہ تلافی کرے ، خصوصاً جب کہ اس نے یوسف(ع) کی بے نظیر عظمت کو اس پیغام میں دیکھ لیا تھا جوانہوں نے بادشاہ کو بھیجا تھا دیکھ لیا کہ اپنے پیغام میں انہوں نے اس کے بارے میں تھوڑی سی بات بھی نہیں کی اور اشارتاًصرف زنان مصر کے بارے میں بات کی ہے اس کے اندار گویا ایک ہلچل مچ گئي "وہ چیخ اٹھی : اب حق آشکارہو گیا ہے میں نے اس سے خواہش پوری کرنے کا تقاضا کیا تھا وہ سچا ہے"_(۱) اور میں نے اس کے بارے میں اگر کوئي بات کی ہے تو وہ جھوٹ تھی ، بالکل جھوٹ تھي"(۲)

زوجہ عزیز نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا : میں نے یہ صریح اعتراف اس بناء پر کیا ہے "تاکہ یوسف کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی غیبت میں اس کے بارے میں خیانت نہیں کی "(۳)

کیونکہ اتنی مدت میں اور اس سے حاصل ہونے والے تجربات کے بعد میں نے سمجھ لیا ہے"کہ خدا خیانت کرنے والوں کے مکر و فریب کوچلنے نہیں دیتا "(۴)

در حقیقت (۵)اس نے یوسف کی پاکیزگی اور اپنی گنہگاری کے صریح اعتراف کے لئےدو دلیلیں قائم کیں :پہلی یہ کہ اس کا ضمیراور احتمالایوسف سے اس باقی ماندہ لگا تو اسے اجازت نہیں دیتا اور اسی لئے محلوں کی پر خواب زندگی کے پر دے آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹ گئے اور وہ زندگی کی حقیقتوں کو سمجھنے لگی کے خصوصا عشق میں شکست نے اس کے افسانوی غرورپر جو ضرب لگائي اس سے اس کی نگاہ حقیقت اور کھل گئي_

اس حالت میں تعجب کی بات نہیں کہ وہ اس طرح کا صریح اعتراف کرے_ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا : "میں ہرگزاپنے نفس کی برائت کا اعلان نہیں کرتی کیونکہ میں جانتی ہوں کہ یہ نفس امارہ مجھے برائیوں کا حکم دیتا ہے،مگر یہ کہ میراپروردگار رحم کرے"_(۶)

---

(۱)(۲)سورہ یوسف آیت ۵۱

(۳) سورہ یوسف آیت ۵۲

(۴)سورہ یوسف آیت ۵۲

(۵)اگر چہ یہ جملہ عزیز مصر کی بیوی کا ہے' جیسا کہ ظاہر عبارت کا تقاضا ہے

(۶)سورہ یوسف آیت ۳۵

اور اس کی حفاظت اور نصرت ومدد کے باعث بچ جاؤں (۱) بہر حال اس گناہ پر میں اس سے عفو و بخشش کی امید رکھتی ہوں "کیونکہ میرا پروردگار غفور ورحیم ہے "[۲]

یوسف (ع)، مصر کے خزانہ دار کی حیثیت سے

"بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لے آؤ تاکہ میں اسے اپنا مشیر اور نمائندہ خاص بناؤں "۔[۳] اور اپنی مشکلات حل کرنے کے لئے اس کے علم ودانش اور انتظامی صلاحیت سے مدد لوں ۔

بادشاہ کا پر جوش پیام لے کر اس کا خاص نمائندہ قید خانے میں یوسف کے پاس پہنچا ۔اس نے بادشاہ کی طرف سے سلام ودعا پہنچایا اور بتایا کہ اسے آپ سے شدید لگاؤ ہو گیا ہے ۔اس نے مصر کی عورتوں کے بارے میں تحقیق سے متعلق آپ کی درخواست کو عملی جامہ پہنایا ہے اور سب نے کھل کر آپ کی پاکدامنی اور بے گناہی کی گواہی دی ہے لہذا اب تاخیر کرنے کی گنجائش نہیں رہی اٹھیے تاکہ ہم اس کے پاس چلیں حضرت یوسف بادشاہ کے پاس تشریف لائے "ان کی آپس میں بات چیت ہوئي بادشاہ نے ان کی گفتگو سنی اور آپ کی پر مغز اور نہایت اعلی باتیں سنیں اس نے دیکھا کہ آپ کی باتیں انتہائی علم ودانش اور دانائي سے معمور ہیں اور ہمارے نزدیک قابل اعتماد رہیں گے "[۴]

آج سے اس ملک کے اہم کام آپ کے سپرد ہیں اور آپ کو امور کی اصلاح کے لئے کمر ہمت باندھ لینا چاہیئے کیونکہ میرے خواب کی جو تعبیر آپ نے بیان کی ہے اس کے مطابق اس ملک کو شدید اقتصادی بحران درپیش ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس بحران پر صرف آپ ہی قابو پاسکتے ہیں ۔"حضرت یوسف نے تجویز پیش کی مجھے اس علاقے کے خزانوں کی ذمہ داری سونپ دی جائے کیونکہ میں خواب کے اسرار سے بھی واقف ہوں ۔"[۵]

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۵۳

(۲)سورہ یوسف آیت ۵۳

(۳)سورہ یوسف آیت ۵۴

(۴)سورہ یوسف آیت ۵۴

(۵)سورہ یوسف آیت ۵۵

حضرت یوسف اچھی طرح جانتے تھے کہ ظلم سے بھرے اس معاشرے کی پریشانیوں کی ایک اہم بنیاد اس کے اقتصادی مسائل ہیں لہذا انہوں نے سوچا کہ اب جب کہ انہیں مجبوراً آپ کی طرف آنا پڑا ہے تو کیا ہی اچھا ہے کہ مصر کی اقتصادیات کو اپنے ہاتھ میں لے لیں اور محروم و مستضعف عوام کی مدد کے لئے آگے بڑھیں اور جتنا ہو سکے طبقاتی تفاوت اور اونچ نیچ کو کم کریں مظلوموں کا حق ظالموں سے لیں اور اس وسیع ملک کی بد حالی کو دور کریں۔

آپ کی نظر میں تھا کہ خاص طور پر زرعی مسائل اس ملک میں زیادہ اہم ہیں اس بات پر بھی توجہ رکھنا ہوگی کہ چند سال فراوانی کے ہوں گے اور پھر خشکی کے سال درپیش ہوں گے لہذا لوگوں کو زیادہ سے زیادہ غلہ پیدا کرنے اور پھر انہیں احتیاط سے محفوظ رکھنے اور نہایت کم خرچ کرنے پر آمادہ کرنا ہوگا تاکہ قحط سالی کے لئے غلہ ذخیرہ کیا جا سکے، لہذا اس مقصد کے لئے آپ کو یہی بہتر معلوم ہوا کہ آپ مصر کے خزانوں کو اپنی سرپرستی میں لینے کی تجویز پیش کریں۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس سال بادشاہ سخت مشکلات میں گھرا ہوا تھا اور کسی طرح ان سے نجات چاہتا تھا لہذا اس نے تمام امور کی باگ ڈور حضرت یوسف کے ہاتھ میں دے دی اور خود کنارہ کشی اختیار کرلی۔

بعض دوسروں کا کہنا ہے کہ اس نے عزیز مصر کی جگہ حضرت یوسف کو اپنا وزیر اعظم بنا لیا۔ یہ احتمال بھی ہے کہ[۱] وہ صرف مصر کے خزانہ دار بنے ہوں۔[۲] بہر حال اس مقام پر خدا کہتا ہے: "اور اس طرح ہم نے یوسف کو سرزمین مصر پر قدرت عطا کی کہ وہ جیسے چاہتا تھا اس میں تصرف کرتا تھا"[۳]

---

(۱)سورہ یوسف ایت ۵۵ کے ظاہری مفہوم کے مطابق

لیکن سورہ یوسف آیت ۱۰۰، اور ۱۰۱، اس امر کی دلیل ہیں کہ آخر کار آپ بادشاہ ہوگے اور تمام امور مملکت کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ آگئي اگر چہ آیت ۸۸، میں ہے کہ یوسف کے بھائیوں نے ان سے کہا: (یا ایھا العزیز)۔

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ آپ نے عزیز مصر کا منصب سنبھالا مگر اس میں کوئي مانع نہیں کہ آپ نے یہ منصب تدریجاً حاصل کئے ہوں پہلے وزیر خزانہ ہوئے ہوں، پھر وزیر اعظم اور پھر بادشاہ۔

(۲)(۳)سورہ یوسف آیت ۵۶

جی ہاں :"ہم اپنی رحمت اور مادی وروحانی نعمتیں جسے چاہتے ہیں اور اہل پاتے ہیں عطا کرتے ہیں "[۱] اور ہم نیکوں کا اجر ہرگز ضائع نہیں کریں گے"_اگرچہ اس میں تاخیر ہو جائے تاہم آخرکار جو کچھ ان کہ لائق ہوا نھیں دیں گے_"کیونکہ ہم کسی نیک کام کو فراموش نہیں کرتے"[۲]

لیکن اہم بات یہ ہے کہ ہم صرف دنیاوی اجرہی نہیں دیں گے بلکہ "جو اجر انہیں آخرت میں ملے گا وہ اہل ایمان اور صاحبان تقوی کے لے زیادہ اچھا ہے"[۳]

سات سال برکت اورسات سال قحط

آخرکار جیساکہ پیشین گوئي ہوئي تھی سات سال پے در پے بارش ہونے کے سبب اوردریا ئے نیل کے پانی میں اضافہ کے باعث مصرکی زرعی پیدا وار خوب تسلی بخش ہو گئي مصر کا خزانہ اور اقتصادي امور حضرت یوسف کے زیرنظر تھے آپ نے حکم دیاکہ غذائي اجناس کو خراب ہونے سے بچانے کے لئے چھوٹے بڑے گودام بنائے جائیں آپ نے عوام کو حکم دیا کہ پیدا وارسے اپنی ضرورت کے مطابق رکھ لیں اورباقی حکومت کو بیچ دیں اس طرح گودام غلے سے بھر گئے_

نعمت وبرکت کی فراوانی کے یہ سات سال گزرگئے اور خشک سالی کا منحوس دور شروع ہوا یوں لگتا تھا جیسے آسمان زمین کے لئے بخیل ہوگیا ہے کھیتیاں اور نخلستان خشک ہوگئے عوام کو غلے کی کمی کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ جانتے تھے کہ حکومت نے غلے کے ذخائر جمع کر رکھے ہیں لہذا وہ اپنی مشکلات حکومت ہی کے ذریعے دور کرتے تھے حضرت یوسف بھی پوری منصوبہ بندی اورپرو گرام کے تحت غلہ فروخت کرتے تھے اور عادلانہ طورپر ان کی ضرورت پوری کرتے_

یہ بات جاذب نظر ہے کہ حضرت یوسف (ع) نے مصر کے لوگوں میں طبقاتی تفاوت اور لوٹ گھسوٹ کو ختم کرنے کے لئے قحط کے سالوں سے استفادہ کیا ،اپ نے زیادہ پیدا وار کے عرصے میں لوگوں سے غذائي

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۵۶

(۲) سورہ یوسف آیت ۵۶

(۳)سورہ یوسف ۵۷

مواد خرید لیا اور اس کے لئے تیار کئے گئے بڑے بڑے گوداموں میں اسے ذخیرہ کر لیا ،جب یہ سال گزر گئے اور قحط کے سال شروع ہوئے تو پہلے سال اجناس کو درہم و دینار کے بدلے بیچا ،اس طرح کرنسی کا ایک بڑا حصہ جمع کر لیا ،دوسرے سال اسباب زینت اور جواہرات کے بدلے اجناس کو بیچا ،البتہ جن کے پاس یہ چیزیں نہ تھیں انھیں مستثنی رکھا تیسرے برس چوپایوں کے بدلے ،چوتھے برس غلاموں اور کنیزوں کے عوض، پانچویں برس عمارت کے بدلے ،چھٹے برس زرعی زمینوں اور پانی کے عوض اور ساتویں سال خود مصر کے لوگوں کے بدلے اجناس دیں ،پھر یہ سب چیزیں انھیں (عادلانہ طورپر)واپس کر دیں اور کہا کہ میرا مقصد یہ تھا کہ عوام کو بلا و مصیبت اور بے سروسامانی سے نجات دلاو ں ۔

برادران یوسف (ع) مصر پہونچے

یہ خشک سالی صرف مصر ہی میں نہ تھی ،بلکہ اطراف کے ملکوں کا بھی یہی حال تھا فلسطین اور کنعان مصر کے شمال مشرق میں تھے وہاں کے لوگ بھی انہی مشکلات سے دوچار تھے حضرت یعقوب کا خاندان بھی اسی علاقے میں سکونت پذیر تھا وہ بھی غلہ کی کمی سے دوچار ہو گیا حضرت یعقوب (ع) نے ان حالات میں مصمم ارادہ کیا کہ بنیا مین کے علاوہ باقی بیٹوں کو مصر کی طرف بھیجیں یوسف کی جگہ اب بنیا مین ہی ان کے پاس تھا بہر حال وہ لوگ مصر کی طرف جانے والے قافلے کے ہمراہ ہولئے اور بعض مفسرین کے بقول اٹھارہ دن کی مسافت کے بعد مصر پہنچے ۔

جیسا کہ تواریخ میں ہے ، ضروری تھا کہ ملک کے باہر سے انے والے افراد مصر میں داخل ہوتے وقت اپنی شناخت کروائیں تاکہ مامورین حضرت یوسف کو مطلع کریں جب مامورین نے فلسطین کے قافلے کی خبر دی تو حضرت یوسف نے دیکھا کہ غلے کی درخواست کرنے والوں میں ان کے بھائیوں کے نام بھی ہیں آپ انھیں پہچان گئے اور یہ ظاہر کئے بغیر کہ وہ اپ کے بھائي ہیں ، اپ نے حکم دیا کہ انہیں حاضر کیا جائے اور جیسا کہ قران کہتا ہے :"یوسف کے بھائي ائے اور ان کے پاس پہنچے یوسف نے انہیں پہچان لیا لیکن

انہوں نے یوسف کو نہیں پہچانا "(۱)

وہ یوسف کو نہ پہچاننے میں حق بجانب تھے کیونکہ ایک طرف تو تیس سے چالیس سال تک کا عرصہ بیت چکا تھا (اس دن سے لے کر جب انہوں نے حضرت یوسف کو کنویں میں پھینکا تھا ان کے مصر میں انے تک) اور دوسری طرف وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ان کا بھائي عزیز مصر ہوگیا ہے یہاں تک کہ اگر وہ اسے اپنے بھائي سے مشابہ بھی پاتے تو اسے ایک اتفاق ہی سمجھتے ان تمام امور سے قطع نظر حضرت یوسف کے لباس کا انداز بھی بالکل بدل چکا تھا انہیں مصریوں کے نئے لباس میں پہچاننا کوئي اسان نہیں تھا بلکہ یوسف کے ساتھ جو کچھ ہو گزرا تھا اس کے بعد ان کی زندگی کا احتمال بھی ان کے لئے بہت بعید تھا ـ

بہر حال انہوں نے اپنی ضرورت کا غلہ خرید ا اور اس کی قیمت نقدی کی صورت میں اوریا موزے ، جوتے یا کچھ اور اجناس کی صورت میں ادا کی کہ جو وہ کنعان سے مصر لائے تھے ـ

جناب یوسف (ع) نے اپنے بھائیوں سے ایک پیشکش کي

حضرت یوسف (ع) نے اپنے بھائیوں سے بہت محبت کا برتاؤ کیا اور ان سے بات چیت کرنے لگے بھائیوں نے کہا :ہم دس بھائي ہیں اور حضرت یعقوب کے بیٹے ہیں ہمارے والد خدا کے عظیم پیغمبر ابراہیم خلیل کے پوتے ہیں اگر اپ ہمارے باپ کو پہچانتے ہوتے تو ہمارا بہت احترام کرتے ہمارا بوڑھا باپ انبیاء الہی میں سے ہے لیکن ایک نہایت گھرے غم نے اس کے پورے وجود کو گھیر رکھا ہے ـ

حضرت یوسف نے پوچھا : یہ غم کس بناء پر ہے ـ انہوں نے کہا :

ان کا ایک بیٹا تھا جس سے وہ بہت محبت کرتے تھے ، عمر میں وہ ہم سے بہت چھوٹا تھا ایک دن وہ ہمارے ساتھ شکار اور تفریح کے لئے صحرا میں گیا ہم اس سے غافل ہوگئے تو ایک بھیڑیا اسے چیر پھاڑ گیا اس دن سے لے کر اج تک باپ اس کے لئے گریاں اور غمگین ہیں ـ

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۵۸

حضرت یوسف (ع) کی عادت تھی کہ ایک شخص کو ایک اونٹ کے بار سے زیادہ غلہ نہیں بیچتے تھے حضرت یوسف کے یہ بھائي چونکہ دس تھے لہذا انہیں غلے کے دس بار دیئے گئے _

انہوں نے کہا : ہمارا بوڑھا باپ ہے اور ایک چھوٹا بھائي ہے جو وطن میں رہ گیا ہے باپ غم واندوہ کی شدت کی وجہ سے سفر نہیں کر سکتا اور چھوٹا بھائي خدمت کے لئے اور مانوسیت کی وجہ سے اس کے پاس رہ گیا ہے لہذا ان دونوں کا حصہ بھی ہمیں دے دیجئے _

حضرت یوسف (ع) نے حکم دیا کہ دو اونٹوں کے بار کا اضافہ کیا جائے پھر حضرت یوسف ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا : میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ہوشمند اور مودب افراد ہوا ور یہ جو تم کہتے ہو کہ تمہارے باپ کو تمہارے سب سے چھوٹے بھائي سے لگاؤ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیر معمولی اور عام بچوں سے ہٹ کر ہے میری خواہش ہے کہ تمہارے ایندہ سفر میں میں اسے ضرور دیکھوں اس کے علاوہ یہاں کے لوگوں کو تمہارے بارے میں کئي بدگمانیا ں ہیں کیو نکہ تم ایک دوسرے ملک سے تعلق رکھتے ہو لہذا بدگمانی کی اس فضاء کو دور کرنے کے لئے ایندہ سفر میں چھوٹے بھائي کو نشانی کے طور پر ساتھ لے انا _

یہا ں قران کہتا ہے :

"جب یوسف نے ان کے بار تیار کئے تو ان سے کہا : تمہارا بھائي جو باپ کی طرف سے ہے اسے میرے پاس لے ائو"_(۱)

اس کے بعد مزید کہا :

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں پیمانہ کا حق ادا کرتا ہوں اور بہترین میزبان ہوں"_(۲)

اس تشویق اور اظہار محبت کے بعد انہیں یوں تہدید بھی کی :" اگر اس بھائي کو میرے پاس نہ لائے تو نہ تمہیں میرے پاس سے غلہ ملے گا اور نہ تم خود میرے پاس پھٹکنا_ "(۳)

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۵۹

(۲) سورہ یوسف آیت ۵۹

(۳) سورہ یوسف آیت ۶۰

حضرت یوسف چاہتے تھے کہ جیسے بھی ہو بنیا مین کو اپنے پاس بلائیں اس کے لئے کبھی وہ لطف و محبت کا طریقہ اختیار کرتے اور کبھی تہدید کا_ ان تعبیرات سے ضمنی طور پر واضح ہوتا ہے کہ مصر میں غلاّت کی خرید و فروخت تول کر نہیں ہوتی تھی بلکہ پیمانے سے ہوتی تھی_ نیز یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت یوسف اپنے بھائیوں اور دوسرے مہمانوں کی بہت اچھے طریقے سے پذیرائی کرتے تھے اور ہر حوالے سے مہمان نواز تھے_ بھائیوں نے ان کے جواب میں کہا :" ہم اس کے باپ سے بات کریں گے اور کوشش کریں گے کہ وہ رضا مند ہو جائیں اور ہم یہ کام ضرور کریں گے "(۱)

اس موقع پر ان کی ہمدردی اور توجہ کو زیادہ سے زیادہ اپنی طرف مبذول کرنے کے لئے "حضرت یوسف نے اپنے کارندوں سے کہا کہ ان کی نظر بچا کر وہ اموال ان کے غلے میں رکھ دیں جو انہوں نے غلہ اس کے بدلے میں دیئے ھے تاکہ جب وہ واپس اپنے خاندان میں جا کر اپنا سامان کھولیں تو انہیں پہچان لیں اور دوبارہ مصر کی طرف لوٹ ائیں "_(۲)(۳)

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۶۱

(۲)سورہ یوسف آیت ۶۲

(۳) حضرت یوسف(ع) نے بھائیوں سے اپنا تعارف کیوں نہ کروایا : مندرجہ بالا واقعہ کے مطالعہ سے جو پہلا سوال سامنے اتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت یوسف نے بھائیوں سے اپنا تعارف کیوں نہ کروایا کہ وہ جلد از جلد اپ کو پہچان لیتے اور باپ کے پاس واپس جا کر انہیں اپ کی جدائی کے جانکاہ غم سے نکالتے ؟

یہ سوال زیادہ وسیع حوالہ سے بھی سامنے اسکتا ہے اور وہ یہ کہ جس وقت حضرت یوسف کے بھائی اپ کے پاس ائے اس وقت اپ کی زندان سے رہائی کو کوئی اٹھ سال گزر چکے تھے کیونکہ گزشتہ سات سال فراوان نعمتوں پر مشتمل گزر چکے تھے جن کے دوران اپ قحط سالی کے عرصہ کے لئے اناج ذخیرہ کرنے میں مشغول رہے اٹھویں سال قحط کا دور شروع ہوا اس سال یا اس کے بعد اپ کے بھائی غلہ لینے کے لئے مصر ائے ،کیا چاہئے نہ تھا کہ ان اٹھ سالوں میں اپ کوئی قاصد کنعان کی طرف بھیجتے اور اپنے والد کو اپنے حالات سے اگاہ کرتے اور انہیں شدید غم سے نجات دلاتے ؟

بہت سے مفسرین نے مثلاً طبرسی نے مجمع البیان میں ، علامہ طباطبائی نے المیزان میں اور قرطبی نے الجامع الاحکام القران میں اس سوال کا جواب دیا ہے اور اس سلسلے میں کئی جوابات پیش کئے ہیں ان میں سے زیادہ بہتر یہ نظر اتا ہے کہ حضرت یوسف کو خدا تعالی کی طرف سے اس کی اجازت نہ تھی کیونکہ فراق یوسف دیگر پہلوئوں کے علاوہ یعقوب کے لئے بھی ایک امتحان بھی تھا، اور ضروری تھا کہ آزمائش کی یہ دور فرمان الہی سے ختم ہوتا، اور اس سے پہلے حضرت یوسف(ع) خبر دینے کے مجاز نہ تھے_

اس کے علاوہ اگر حضرت یوسف فوراًہی اپنے بھائیوں کو اپنا تعارف کروادیتے تو ممکن تھا کہ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوتا اور ہو سکتا تھا کہ وہ اس سے ایسے وحشت زدہ ہوتے کہ پھر لوٹ کر اپ کے پاس نہ اتے کیونکہ انہیں یہ خیال پیدا ہوتا کہ ممکن ہے یوسف ان کے گزشتہ رویہ کا انتقام لیں

اخر کار باپ راضی ہو گیا

حضرت یوسف(ع) کے بھائي مالامال ہو کر خوشی خوشی کنعان واپس ائے لیکن ایندہ کی فکر تھی کہ اگر باپ چھوٹے بھائي (بنیامین) کو بھیجنے پر راضی نہ ہوئے تو عزیز مصر ان کی پذیرائي نہیں کرے گا اور انہیں غلے کا حصہ نہیں دے گا ـ اسی لئے قران کہتا ہے:

"جب وہ باپ کے پاس لوٹ کر ائے تو انہوں نے کہا: ابا جان حکم دیا گیا ہے کہ ایندہ ہمیں غلے کا حصہ نہ دیا جائے اور پیمانہ ہم سے روک دیا جائے، " اب جب یہ صورت درپیش ہے تو ہمارے بھائي کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ ہم پیمانہ حاصل کرسکیں ،"اور اپ مطمئن رہیں ہم اس کی حفاظت کریں گے"ـ (۱)

باپ کہ جو یوسف کو ہرگز نہیں بھولتا تھا یہ بات سن کر پریشان ہو گیا ، ان کی طرف رخ کر کے اس نے کہا :"کیا میں تم پر اس بھائي کے بارے میں بھروسہ کرلوں جب کہ اس کے بھائيیوسف کے بارے میں گزشتہ زمانے میں تم پر بھروسہ کیا تھا "(۲)

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۶۳

(۲) سورہ یوسف آیت ۶۴

یعنی جب تمہارا ایسا برا ماضی ہے جو بھولنے کے قابل نہیں تو تم کس طرح توقع رکھتے ہو کہ دوبارہ تمہاری فرمائش مان لوں اور اپنے فرزند دل بند کو تمہارے سپرد کردوں اور وہ بھی ایک دور دراز سفر اور پرائے دیس کے لئے ،اس کے بعد اس نے مزید کہا :"ہر حالت میں خدا بہترین محافظ اور"ارحم الرحمین" ہے_(۱)

"پھر ان بھائیوں نے جب اپنا سامان کھولا تو انہوں نے بڑے تعجب سے دیکھا کہ وہ تمام چیزیں جو انہوں نے غلے کی قیمت کے طور پر عزیز مصر کو دی تھیں سب انہیں لوٹادي گئي ہیں اور وہ ان کے سامان میں موجود ہیں"_(۲) جب انہوں نے دیکھا کہ یہ تو ان کی گفتگو پر سند قاطع ہے تو باپ کے پاس ائے اور کہنے لگے:"ابا جان ہمیں اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے ، دیکھئے انہوں نے ہمارا تمام مال ومتاع ہمیں واپس کر دیا ہے"_(۳) کیا اس سے بڑھ کر کوئي عزت واحترام اور مہربانی ہو سکتی ہے کہ ایک غیر ملک کا سربراہ ایسے قحط اور خشک سالی میں ہمیں اناج بھی دے اور اس کی قیمت بھی واپس کر دے ، وہ بھی ایسے کہ ہم سمجھ ہی نہ پائیں اور شرمندہ نہ ہو ں ؟ اس سے بڑھ کر ہم کیا تصور کر سکتے ہیں ؟

ابا جان اب کسی پریشانی کی ضرورت نہیں ہمارے بھائي کو ہمارے ساتھ بھیج دیں ہم اپنے گھر والوں کے لئے اناج لے آئیں گے،اور اپنے بھائي کی حفاظت کی کوشش کریں گے_نیز اس کی وجہ سے ایک اونٹ کا بار بھی زیادہ لائیں گے_ اور عزیز مصر جیسے محترم ، مہربان اور سخی شخص کے لئے کہ جسے ہم نے دیکھا ہے "ایک آسان اور معمولی کام ہے"_(۴)

ان تمام امور کے باوجود حضرت یعقوب اپنے بیٹے بنیامین کو ان کے ساتھ بھیجنے کے لئے راضی نہ تھے لیکن دوسری طرف ان کا اصرار تھا جو واضح منطق کی بنیاد پر تھا یہ صورت حال انھیں آمادہ کرتی تھی کہ وہ ان

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۶۴

(۲) سورہ یوسف آیت ۶۵

(۳) سورہ یوسف آیت ۶۵

(۴)سورہ یوسف آیت ۶۵

کی تجویز قبول کرلیں آخر کار انہوں نے دیکھا کہ اس کے بغیر چارہ نہیں کہ مشروط طور پر بیٹے کو بھیج دیا جائے لہذا آپ نے ان سے اس طرح سے کہا : "میں اسے ہر گز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا ، جب تک کہ تم ایک خدائي پیمان نہ دو اور کوئي ایسا کام نہ کروکہ جس سے مجھے اعتماد پیدا ہو جائے کہ تم اسے واپس لے کر آئو گے مگر یہ موت یا دوسرے عوامل کی وجہ سے یہ امر تمہارے بس میں نہ رہے"_ (۱)

"وثیقة الهي" سے مراد وہی قسم ہے جو خدا کے نام کے ساتھ ہے_

بہر حال یوسف(ع) کے بھائیوں نے باپ کی شرط قبول کرلي، اور جب انھوں نے اپنے باپ سے عہد و پیمان باندھا تو یعقوب(ع) نے کہا: خدا شاہد، ناظر اور محافظ ہے اس بات پر کہ جو ہم کہتے ہیں_ (۲)

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۶۶

(۲) حضرت یعقوب کیسے راضی ہو گئے : مندرجہ بالاو اقعہ کے سلسلے میں جو پہلا سوال ذہن میں آتا ہے یہ ہے کہ حضرت یعقوب بنیا مین کو ان کے سپرد کرنے پر کیسے آمادہ ہو گئے جب کہ ان کے بھائي، یوسف (ع) کے بارے میں سلوک کی وجہ سے پہلے برے کردار کے شمار ہوتے تھے حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ صرف یوسف کے بارے میں اپنے دل میں کینہ وحسد نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ یہی احساسات اگرچہ نسبتا خفیف ہی سہی بنیامین کے لئے بھی رکھتے تھے جیسا کہ شروع داستان میں پڑھا_"انہوں نے کہا کہ یوسف اوراس کا بھائي باپ کے نزدیک ہم سے زیادہ محبوب ہے جب کہ ہم زیادہ طاقتور ہیں"_

اس نکتہ کی طرف توجہ کرنے سے اس سوال کا جواب واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت یوسف والے حادثے کو تیس سے چالیس سال تک کا عرصہ بیت چکا تھا اور حضرت یوسف کے جو ان بھائي بڑھاپے کو پہنچ گئے تھے اور فطرتا ان کا ذہن پہلے زمانے کی نسبت پختہ ہو چکا تھا اس کے علاوہ گھر کے ماحول پر اور اپنے مضطرب وجدان پر اپنے برے ارادے کے اثرات وہ اچھی طرح سے محسوس کرتے تھے اور تجربے نے ان پر ثابت کر دیا کہ یوسف کے فقدان سے نہ صرف یہ کہ ان کے لئے باپ کی محبت میں اضافہ نہ ہوا بلکہ مزید بے مہری اور بے التفاتی پیدا ہو گئي_ ان سب باتوں سے قطع نظر یہ تو ایک زندگی کا مسئلہ ہے، قحط سالی میں ایک گھرانے کے لئے اناج مہیا کرنا ایک بہت بڑی چیز تھی اور یہ سیر و تفریح کا معاملہ نہ تھا جیسا کہ انہوں نے ماضی میں حضرت یوسف کے متعلق فرمائش کی تھی_ ان تمام پہلوئوں کے پیش نظر حضرت یعقوب (ع) نے ان کی بات مان لي، لیکن اس شرط کے ساتھ وہ کہ آپ سے عہد وپیمان باندھیں کہ وہ اپنے بھائي بنیامین کو صحیح وسالم آپ کے پاس واپس لے آئیں گے_

ایک دروازے سے داخل نہ ہونا

آخر کار حضرت یوسف کے بھائی باپ کی رضا مندی کے بعد اپنے چھوٹے بھائی کو ہمراہ لے کر دوسری مرتبہ مصر جانے کو تیار ہوئے تو اس موقع پر باپ نے انہیں نصیحت کی "اس نے کہا: میرے بیٹو تم ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔"[۱]

اس میں شک نہیں کہ اس زمانے میں دوسرے شہروں کی طرح مصر کے دارالخلافت کے گرد اگرد بھی فصیل تھی اس کے بھی برج وبارتھے اور اس کے متعدد دروازے تھے۔

رہا یہ سوال کہ حضرت یعقوب نے کیوں نصیحت کی کہ ان کے بیٹے ایک دروازے سے داخل نہ ہوں بلکہ مختلف حصوں میں تقسیم ہو کر مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہوں، اس کی وجہ قرآن میں مذکور نہیں ہے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت یوسف کے بھائی ایک تو بہت حسین وجمیل تھے (اگرچہ وہ یوسف نہ تھے مگر یوسف کے بھائی تو تھے) ان کا قد وقامت بہت اچھا تھا۔

لہذا ان کے باپ پریشان تھے کہ گیا رہ افراد اکھٹے جن کے چہرے مہرے سے معلوم ہو کہ وہ مصر کے علاوہ کسی اور ملک سے آئے ہیں، لوگ ان کی طرف متوجہ نہ ہوں وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس طرح انہیں نظر بد لگ جائے۔

حضرت یعقوب کے اس حکم کے بارے میں جو دوسری علت بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے جب اونچے لمبے چوڑے چکلے مضبوط جسموں والے اکٹھے چلیں تو حاسدوں کو انہیں دیکھ کر حسد پیدا ہو اور وہ ان کے بارے میں حکومت سے کوئی شکایت کرنے لگیں اور ان کے متعلق یہ بدگمانی کریں کہ وہ فتنہ وفساد کا ارادہ رکھتے ہیں اس لئے باپ نے انہیں حکم دیا کہ مختلف دروازوں سے داخل ہوں تاکہ لوگ ان کی طرف متوجہ نہ ہوں۔

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۶۷

بعض مفسرین نے اس کی ایک عرفانی تفسیر بھی کی ہے وہ یہ کہ حضرت یعقوب راہنمائے راہ کے حوالے سے اپنے بیٹوں کو ایک باہم معاشرتی مسئلہ سمجھانا چاہتے تھے اور وہ یہ کہ کھوئي ہوئي چیز کو صرف ایک ہی راستے سے تلاش نہ کریں بلکہ ہردروازے سے داخل ہو کر اسے ڈھونڈیں کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک مقصد تک پہنچنے کے لئے صرف ایک ہی راہ کا انتخاب کرتا ہے اور جب آگے راستہ بند پاتا ہے تو مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے لیکن اگر وہ اس حقیقت کی طرف متوجہ ہو کہ گمشدہ افراد اورچیزیں عموماً ایک ہی راستے پر جانے سے نہیں ملتیں بلکہ مختلف راستوں سے ان کی جستجو کرنا چاہیے تو عام طور پر کامیاب ہو جاتا ہے۔

برادران یوسف (ع) روانہ ہوئے اور کنعان ومصر کے درمیان طویل مسافت طے کرنے کے بعد سرزمین مصر میں داخل ہوگئے۔

بھائي کو روکنے کی کوشش

آخر کار بھائي،یوسف (ع) کے پاس پہنچے اور انہیں بتایا کہ ہم نے آپ کے حکم کی تعمیل کی ہے اور باوجود اس کے ہمارے والد پہلے چھوٹے بھائي کو ہمارے ساتھ بھیجنے پر راضی نہ تھے لیکن ہم نے اصرار کرکے اسے راضی کیا ہے تاکہ آپ جان لیں کہ ہم نے قول وقرار پورا کیا ہے۔

حضرت یوسف (ع) نے بڑی عزت واحترام سے ان کی پذیرائي کي، انہیں مہمان بلایا اور حکم دیا کہ دسترخوان یا طبق کے پاس دو دو افراد آئیں، انہوں نے ایسا ہی کیا اس موقع پر بنیا مین جو تنہارہ گیا تھا رونے لگا اورکہنے لگا کہ میرا بھائي یوسف زندہ ہوتا تو مجھے اپنے ساتھ ایک دسترخوان پر بٹھاتا کیونکہ ہم پدری بھائي تھے۔پھر حکم دیا کہ دو دو افراد کے لئے ایک ایک کمرہ سونے کے لئے تیار کیا جائے بنیا مین پھر اکیلا رہ گیا تو حضرت یوسف نے فرمایا: اسے میرے پاس بھیج دو اس طرح حضرت یوسف (ع) نے اپنے بھائي کو اپنے یہاں جگہ دی لیکن دیکھا کہ وہ بہت دکھی اورپریشان ہے اور ہمیشہ اپنے کھوئے ہوئے بھائي یوسف(ع) کی یاد میں رہتا ہے کہ ایسے میں یوسف کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور آپ نے حقیقت کے چہرے سے پردہ ہٹا دیا، جیسا کہ قرآن کہتا ہے:"

جب یوسف (ع) کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائي کو اپنے یہاں جگہ دی اور کہا کہ میں وہی تمہارا بھائي یوسف ہوں ، غمگین نہ ہو اور اپنے دل کو دکھی نہ کر اور ان کے کسی کام سے پریشان نہ ہو "۔[1]

بھائیوں کے کام کہ جو بنیامین کو دکھی اور پریشان کرتے تھے ان سے مراد ان کی وہ نامہربانیاں اور بے التفاتیاں تھیں جو وہ اس کے اوریوسف کے لئے روا رکھتے تھے اور وہ سازشیں کہ جو اسے گھر والوں سے دور کرنے کے لئے انجام دیتے تھے ، حضرت یوسف (ع) کی مرادیہ تھی کہ تم دیکھ رہے ہو کہ ان کی کارستانیوں سے مجھے کوئي نقصان نہیں پہنچا بلکہ وہ میری ترقی اور بلندی کا ذریعہ بن گئیں لہذا اب تم بھی اس بارے میں اپنے دل کو دکھی نہ کرو ۔

اے اہل قافلہ تم چو رہو

اس موقع پر حضرت یوسف (ع) نے اپنے بھائي بنیامین سے کہا: کیا تم پسند کرتے ہو کہ میرے پاس رہ جاؤ ، اس نے کہا : ہاں میں تو راضی ہوں لیکن بھائي ہرگز راضی نہیں ہوں گے کیونکہ انہوں نے باپ سے قول وقرار کیا ہے اور قسم کھائي ہے کہ مجھے ہر قیمت پر اپنے ساتھ واپس لے جائیں گے ۔

حضرت یوسف (ع) نے کہا : تم فکر نہ کرو میں ایک منصوبہ بناتا ہوں جس سے وہ مجبور ہو جائیں گے کہ تمہیں میرے پاس چھوڑجائیں ۔"غلاّت کے بارتیار ہو گئے تو حکم دیا کہ مخصوص قیمتی پیمانہ بھائي کے بار میں رکھ دیں "۔[2] (کیونکہ ہر شخص کے لئے غلے کا ایک بار دیا جاتا تھا ۔

البتہ یہ کام مخفی طور پر انجام پایا اور شاید اس کا علم ماموریں میں سے فقط ایک شخص کو تھا ۔

جب اناج کو پیمانے سے دینے والوں نے دیکھا کہ مخصوص قیمتی پیمانے کا کہیں نام ونشان نہیں ہے حالانکہ پہلے وہ ان کے پاس موجود تھا لہذا جب قافلہ چلنے لگا "تو کسی نے پکار کر کہا : اے قافلے والو : تم چور ہو "۔[3]

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۶۹

(۲)سورہ یوسف آیت ۷۰

(۱) سورہ یوسف آیت ۷۰

یو سف کے بھائیوں نے جب یہ جملہ سنا تو سخت پریشان ہوئے اورو حشت زدہ ہوگئے کیونکہ ان کے ذہن میں تو اس کا خیال بھی نہ آسکتا تھا کہ اس احترام واکرم کے بعد ان پر چوری کا الزام لگایا جائے گا لہذا انہوں نے ان کی طرف رخ کرکے کہا :" تمہاری کونسی چیز چوری ہو گئی ہے"۔(۱)

"انہوں نے کہا ہم سے بادشاہ کا پیمانہ گم ہو گیا ہے اور ہمیں تمہارے بارے میں بدگمانی ہے"۔(۲)

پیمانہ چونکہ گراں قیمت ہے اور بادشاہ کو پسند ہے لہذا " وہ جس شخص کو ملے اور وہ اسے لے آئے تو اسے ایک اونٹ کا باربطور انعام دیا جائے گا "۔(۳)

پھر بات کہنے والے نے مزید تاکید کے لئے کہا:"اور میں ذاتی طور پر اس انعام کا ضامن ہوں "۔(۴)

بھائي یہ بات سن کر سخت پریشان ہوئے اور حواس باختہ ہوگئے، وہ نہیں سمجھتے تھے کہ معاملہ کیا ہے،ان کی طرف رخ کرکے انھوں نے کہا:

"انھوں نے کہا:خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ ہم یہاں اس لئے نہیں آئے ہیں کہ فتنہ و فساد کریں اور ہم کبھی بھی چور نہیں تھے "۔(۵)

یہ سن کر وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور"کہا : لیکن اگر تم جھوٹے ہوئے تو اس کی سزا کیا ہوگي؟(۶)

انہوں نے جواب میں کہا :" اس کی سزا یہ ہے کہ جس شخص کے بارمیں سے بادشاہ کا پیمانہ مل جائے اسے روک لو اور اسے اس کے بدلے میں لے لو"۔(۷)"جی ہاں : ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں۔"(۸)

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۷۱ (۲) سورہ یوسف آیت ۷۲ (۳) سورہ یوسف آیت ۷۲

(۴)سورہ یوسف آیت ۷۲ (۵)سورہ یوسف آیت ۷۳ (۶) سورہ یوسف آیت ۷۴

(۷) سورہ یوسف آیت ۷۵ (۸) سورہ یوسف آیت ۷۵

اس موقع پرحضرت یوسف نے حکم دیا کہ ان کے غلات کے بارکھولے جائیں اور ایک ایک کی جانچ پڑتال کی جائے البتہ اس بناء پر کہ ان کے اصلی منصوبے کا کسی کو پتہ نہ چلے،" اپنے بھائي بنیا مین کے بار سے پہلے دوسروں کے سامان کی پڑتال کی اورپھر وہ مخصوص پیمانہ اپنے بھائي کے بار سے بر آمد کر لیا" (۱)

اے بنیا مین تم نے ہمیں ذلیل کر دیا

پیمانہ بر آمد ہوا تو تعجب سے بھائیوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے گویا غم واندوہ کا پہاڑان کے سروں پر آگرا اور انہیں یوں لگا جیسے وہ ایک عجیب مقام پر پھنس گئے ہیں کہ جس کے چاروں طرف کے راستے بند ہو گئے ہیں ایک طرف ان کا بھائي ظاہراً ایسی چوری کا مرتکب ہوا جس سے ان کے سرندامت سے جھک گئے اوردوسری طرف ظاہراً عزیز مصر کی نظروں میں ان کی عزت و حیثیت خطرے میں جاپڑی کہ اب آیندہ کے لئے اس کی حمایت حاصل کرنا ان کے لئے ممکن نہ رہا اور ان تمام باتوں سے قطع نظر انہوں نے سوچا کہ باپ کو کیا جواب دیں گے اور وہ کیسے یقین کرے گا کہ اس میں ان کا کوئي قصور نہیں ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس موقع پربھائیوں نے بنیامین کی طرف رخ کرکے کہا: اے بے خبر: تو نے ہمیں رسوا کردیا ہے اور ہمارا منہ کالا کردیا ہے تو نے یہ کیسا غلط کام انجام دیا ہے ؟(نہ تو نے اپنے آپ پر رحم کیا، نہ ہم پر اور نہ خاندان یعقوب (ع) پر کہ جو خاندان نبوت ہے) آخر ہمیں بتا تو سہی کہ تو نے کس وقت پیمانہ اٹھایا اور اپنے بار میں رکھ لیا؟ بنیامین نے جو معاملے کی اصل اور قضیے کے باطن کو جانتا تھا ٹھنڈے دل سے جواب دیا کہ یہ کام اسی شخص نے کیا ہے جس نے تمہاری دی ہوئي قیمت تمہارے بار میں رکھ دی تھی لیکن بھائیوں کو اس حادثے نے اس قدرپریشان کر رکھا تھا کہ انھیں پتہ نہیں چلا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

پھر قرآن مزید کہتا ہے:" ہم نے اس طرح یوسف (ع) کے لئے ایک تدبیر کي"۔(۲)(تا کہ وہ اپنے

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۷۶

(۲) سورہ یوسف ایت ۷۶

بھائي کو دوسرے بھائیوں کی مخالفت کے بغیر روک سکیں)[۱] اسی بناء پر قرآن کہتا ہے:"یوسف ملک مصر کے قانون کے مطابق اپنے بھائي کو نہیں لے سکتے تھے اور اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے_"[۲]

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۷۶

(۲)یہاں پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں :

۱_بے گناہ پرچوری کا الزام ؟

کیا جائز تھا کہ ایک بے گناہ شخص پرچوری کا اتہام لگایا جائے، ایسا اتہام کہ جس کے بُرے اثار نے باقی بھائیوں کو بھی کسی حدتک اپنی لپٹ میں لے لیا؟

اس سوال کا جواب بھی خود واقعے میں موجود ہے اور وہ یہ کہ یہ معاملہ خودبنیامین کی رضا مندی سے انجام پایا تھا ،کیونکہ حضرت یوسف نے پہلے اپنے اپ کو اس سے متعارف کروایا تھا اور وہ جانتا تھا کہ یہ منصوبہ خود اس کی حفاظت کے لئے بنایا گیا ہے،نیز اس سے بھائیوں پر بھی کوئي تہمت نہیں لگی البتہ انھیں اضطراب و پریشانی ضرور ہوئي جس میں کہ ایک اہم امتحان کی وجہ سے کوئي ہرج نہ تھا _

۲_چوری کی نسبت سب کی طرف کیوں دی گئي ؟

کیا (انکم اسارقون)"یعنی تم چور ہو"کہہ کر سب کی طرف چوری کی نسبت نہیں دینا جھوٹ نہ تھا اور اس جھوٹ اور تہمت کا کیا جواز تھا ؟ ذیل کے تجزیے سے اس سوال کا جواب واضح ہو جائے گا : اولاً یہ معلوم نہیں کہ یہ بات کہنے والے کون لوگ تھے قرآن میں صرف اس قدر ہے "قالوا"یعنی انہوں نے کہا" ہوسکتا ہے یہ بات کہنے والے حضرت یوسف کے کچھ کارندے ہوں کہ جب انہوں نے دیکھا کہ مخصوص پیمانہ نہیں ہے یقین کر لیا کہ کنعان کے قافلے میں سے کسی شخص نے اسے چرا لیا ہے اور یہ معمول ہے کہ اگر کوئي چیز ایسے افراد میں چوری ہو جائے کہ جو ایک ہی گروہ کی صورت میں متشکل ہو اور اصل چورپہچانا نہ جائے تو سب کو مخاطب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم نے یہ کام کیا ہے یعنی تم میں سے ایک نے یا تم میں سے بعض نے ایسا کیا ہے_

ثانیاً اُس بات کا اصلی نشانہ بنیامین تھا جو کہ اس نسبت پر راضی تھا کیونکہ اس منصوبے میں ظاہراتو اس پرچوری کی تہمت لگی تھی لیکن در حقیقت وہ اس کے اپنے بھائي یوسف کے پاس رہنے کے لئے مقدمہ تھی اور یہ جو سب پر الزام آیا یہ ایک بالکل عارضی سی بات تھی جو صرف برادران یوسف کے سامان کی تلاشی پر ختم ہو گیا اور جودر حقیقت مراد تھا یعنی "بنیامین "وہ پہچان لیا گیا_

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں اور کنعان کے باشندوں میں چوری کی سزا مختلف تھي_ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں اور احتمالاً اہل کنعان میں اس عمل کی سزا یہ تھی کہ چور کو اس چوری کے بدلے میں (ہمیشہ کے لیے یا وقتی طور پر)غلام بنا لیا جاتا_ لیکن مصریوں میں یہ سزارائج نہ تھی بلکہ چوروں کو دوسرے ذرائع سے مثلاً مارپیٹ سے اور قید وبند وغیرہ سے سزا دیتے تھے_

علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں نقل کیا ہے کہ اس زمانے میں ایک گروہ میں یہ طریقہ رائج تھا کہ وہ چور کو ایک سال کے لیے غلام بنالیتے تھے_ نیزیہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ خاندان یعقوب علیہ السلام میں چوری کی مقدار کے برابر غلامی کی مدت معین کی جاتی تھی (تاکہ وہ اسی کے مطابق کام کرے)_

یوسف نے بھی چوری کی تھي

آخرکار بھائیوں نے یقین کرلیا کہ ان کے بھائي بنیامین نے ایسی قبیح اور منحوس چوری کی ہے اور اس طرح اس نے عزیز مصر کی نظروں میں ان کا سابقہ ریکارڈ سارا خراب کردیا ہے لہذا اپنے آپ کو بری الذمہ کرنے کے لئے انہوں نے کہا: "اگر اس لڑکے نے چوری کی ہے تو یہ کوئي تعجب کی بات نہیں کیونکہ اس کا بھائي یوسف بھی پہلے ایسے کام کا مرتکب ہو چکا ہے"_(۱) اور یہ دونوں ایک ہی ماں اور باپ سے ہیں اور ہم جو دوسری ماں سے ہیں ہمارا حساب کتاب ان سے الگ ہے_

اس طرح سے انہوں نے اپنے اور بنیامین کے درمیان ایک حد فاصل قائم کرنا چاہی اور کا تعلق یوسف سے جوڑدیا_

یہ بات سن کریوسف بہت دکھی اور پریشان ہوئے اور "اسے دل میں چھپائے رکھا اور ان کے سامنے اظہار نہ کیا_"(۲)

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۷۷

(۲) سورہ یوسف آیت ۷۷

کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ بات کہہ کر انھوں نے ایک بہت بڑا بہتان باندھا ہے لیکن انہوں نے اس کا کوئي جواب نہ دیا بس اجمالی طور پر اتنا کہا کہ جس کی طرف تم یہ نسبت دیتے ہو تم اس سے بدتر ہو یا میرے نزدیک مقام و منزلت کے لحاظ سے تم بدترین لوگ ہو_"[1]

اس کے بعد مزید کہا :" جو کچھ تم کہتے ہو خدا اس کے بارے میں زیادہ جاننے والا ہے"_[2]

یہ ٹھیک ہے کہ یوسف کے بھائیوں نے ان بحرانی لمحوں میں اپنے آپ کو بری الذمہ ثابت کرنے کے لئے اپنے بھائی یوسف پر ایک ناروا تہمت باندھی تھي_

لیکن پھر بھی اس کام کے لئے کوئي بہانہ اور سند ہونا چاہیے جس کی بناء پر وہ یوسف کی طرف ایسی نسبت دیں_

اس سلسلے میں مفسرین کاوش وزحمت میں پڑے ہیں اور گذشتہ لوگوں کی تواریخ سے انہوں نے تین روایات نقل کی ہیں_

پہلی یہ کہ یوسف اپنی ماں کی وفات کے بعد اپنی پھوپھی کے پاس رہا کرتے تھے اور انہیں یوسف سے بہت زیادہ پیار تھا جب آپ بڑے ہوگئے اور حضرت یعقوب (ع) نے انہیں ان کی پھوپھی سے واپس لینا چاہا تو ان کی پھوپھی نے ایک منصوبہ بنایا اور وہ یہ کہ کمربندیا ایک خاص شال جو حضرت اسحاق (ع) کی جانب سے ان کے خاندان میں بطور یادگار چلی آرہی تھی یوسف کی کمر سے باندھ دی اور دعوی کیا کہ یوسف اسے چھپا لے جانا چاہتا تھا ایسا انہوں نے اس لئے کیا تاکہ اس کمربندیا شال کے بدلے یوسف کو اپنے پاس رکھ لیں_

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت یوسف کے مادری رشتہ داروں میں سے ایک کے پاس ایک بت تھا جسے یوسف نے اٹھا کر توڑ دیا اور اسے سڑک پر لاپھینکا لہذا انہوں نے حضرت یوسف پر چوری کا الزام لگادیا حالانکہ اس میں تو کوئی گناہ نہیں تھا_

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۷۷

(۲) سورہ یوسف آیت ۷۷

تیسری روایت یہ ہے کہ کبھی کبھا روہ دستر خوان سے کچھ کھانا لے کر مسکینوں اور حاجت مندوں کو دے دیتے تھے لہذا بہا نہ تراش بھائیوں نے اسے بھی چوری کا الزام دینے کے لئے سند بنا لیا حالانکہ ان میں سے کوئی چیز گناہ کے زمرے میں نہیں تھا ۔

اگر ایک شخص کسی کو کوئی لباس پہنا دے اور پہننے والا نہ جانتا ہو کہ یہ کسی دوسرے کا مال ہے تو کیا اسے چوری کا الزام دینا صحیح ہے ۔ اسی طرح کیا کسی بت کو اٹھا کر پٹخ دینا گناہ ہے ۔ نیز انسان کوئی چیز اپنے باپ کے دستر خوان سے اٹھا کر مسکینوں کو دے دے جب کہ اسے یقین ہو کہ اس کا باپ اس پر راضی ہے تو کیا اسے گناہ قرار دیا جاسکتا ہے ۔

برادران یوسف کی فداکاری کیوں قبول نہ ہوئی

بھائیوں نے دیکھا کہ ان کے چھوٹے بھائی بنیامین کو اس قانون کے مطابق عزیز مصر کے پاس رہنا پڑے گا جسے وہ خود قبول کر چکے ہیں اور دوسری طرف انہوں نے باپ سے پیمان باندھا تھا کہ بنیامین کی حفاظت اور اسے واپس لانے کے لئے اپنی پوری کوشش کریں گے ایسے میں انہوں نے یوسف کی طرف رخ کیا جسے ابھی تک انہوں نے پہچانا نہیں تھا اور کہا : "اے عزیز مصر : اے بزرگو ر صاحب اقتدار : اس کا باپ بہت بوڑھا ہے اور وہ اس کی جدائی کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ہم نے آپ کے اصرار پر اسے باپ سے جدا کیا اور باپ نے ہم سے تاکیدی وعدہ لیا کہ ہم ہر قیمت پر اسے واپس لائیں گے اب ہم پر احسان کیجئے اور اس کے بدلے میں ہم میں سے کسی ایک کو رکھ لیجئے ، "کیونکہ دیکھ رہے ہیں کہ آپ نیکوکاروں میں سے ہیں" ۔[۱]

اور یہ پہلا موقع نہیں کہ آپ نے ہم پر لطف وکرم اور مہر و محبت کی ہے ، مہربانی کر کے اپنی کرم نوازیوں کی تکمیل کیجئے ۔

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۷۸

حضرت یوسف (ع) نے اس تجویز کی شدت سے نفی کی "اور کہا :پناہ بخدا : یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس کے پاس سے ہمارا مال ومتاع برآمد ہوا ہے ہم اس کے علاوہ کسی شخص کو رکھ لیں" کبھی تم نے سنا ہے کہ ایک منصف مزاج شخص نے کسی بے گناہ کو دوسرے کے جرم میں سزادی ہو۔[۱]" اگر ہم ایسا کریں تو یقینا ہم ظالم ہوں گے"۔[۲] یہ امر قابل توجہ ہے کہ حضرت یوسف نے اپنی اس گفتگو میں بھائی کی طرف چوری کی کوئی نسبت نہیں دی بلکہ کہتے ہیں کہ "جس کے پاس سے ہمیں ہمارا مال ومتاع ملا ہے" اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اس امر کی طرف سنجیدگی سے متوجہ تھے کہ اپنی پوری زندگی میں کبھی کوئی غلط بات نہ کریں۔

بھائی سر جھکائے باپ کے پاس پہنچے

بھائیوں نے بنیامین کی رہائی کے لئے اپنی آخری کوشش کرڈالی لیکن انہوں نے اپنے سامنے راستے بند پائے ایک طرف تو اس کام کو کچھ اس طرح سے انجام دیا گیا تھا کہ ظاہرا بھائی کی برائت ممکن نہ تھی اوردوسری طرف عزیز مصر نے اس کی جگہ کسی اور فرد کو رکھنے کی تجویز قبول نہ کی لہذا وہ مایوس ہوگئے یوں انہوں نے کنعان کی طرف لوٹ جانے اور باپ سے سارا ماجرا بیان کرنے کا ارادہ کر لیا قرآن کہتا ہے :"جس وقت وہ عزیز مصر سے یا بھائی کی نجات سے مایوس ہو گئے ،تو ایک طرف کو آئے دوسروں سے الگ ہوگئے اور سرگوشی کرنے لگے"۔[۳]

بہر حال سب سے بڑے بھائی نے اس خصوصی میٹنگ میں ان سے" کہا : کیا تم جانتے نہیں ہو کہ تمہارے باپ نے تم سے الٰہی پیمان لیا ہے کہ بنیامین کو ہر ممکنہ صورت میں ہم واپس لائیں گے"۔[۴]" اور تمہیں نے اس سے پہلے بھی یوسف کے بارے میں کوتاہی کی "اور باپ کے نزدیک تمہارا گزشتہ کرداربرا ہے"۔[۵]

---

(۱)(۲)سورہ یوسف آیت ۷۹

(۳)سورہ یوسف آیت ۸۰

(۴) سورہ یوسف آیت ۸۰

(۵) سورہ یوسف آیت ۸۰

"اب جبکہ معاملہ یوں ہے تو میں اپنی جگہ سے (یا سرزمین مصر سے) نہیں جائوں گا اور یہیں پڑائو ڈالوں گا، مگر یہ کہ میرا باپ مجھے اجازت دے دے یا خدا میرے متعلق کوئي فرمان صادر کرے جو کہ بہترین حاکم وفرماں روا ہے"_(۱)

پھر بڑے بھائي نے دوسرے بھائیوں کو حکم دیا کہ "تم باپ کے پاس لوٹ جائو اور کہو: ابا جان آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے، اور یہ جو ہم گواہی دے رہے ہیں اتنی ہی ہے جتنا ہمیں علم ہوا ہے"_(۲) بس ہم نے اتنا دیکھا کہ بادشاہ کا پیمانہ ہمارے بھائي کے بارے برآمد ہوا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس نے چوری کی ہے، باقی رہا امر باطن تو وہ خدا جانتا ہے،" اور ہمیں غیب کی خبر نہیں "_(۳)

ممکن ہے یہ احتمال بھی ہے کہ بھیائیوں کا مقصد یہ ہو کہ وہ باپ سے کہیں کہ اگر ہم نے تیرے پاس گواہی دی اور عہد کیا کہ ہم بھائي کو لے جائیں گے اور واپس لے آئیں گے تو یہ اس بناء پر تھا کہ ہم اس کے باطن سے باخبر نہ تھے اور غیب سے آگاہ نہ تھے کہ اس کا انجام یہ ہوگا، پھر اس بناء پر کہ باپ سے ہر طرح کی بدگمانی دور کریں اور اسے مطمئن کریں کہ ماجرا اسی طرح ہے نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ، انہوں نے کہا:"مزید تحقیق کے لئے اس شہر سے سوال کر لیں جس میں ہم تھے، اسی طرح اس قافلہ سے پوچھ لیں"_(۴)

بہرحال "آپ مطمئن رہیں کہ ہم اپنی بات میں سچے ہیں اور حقیقت کے سوا کچھ نہیں کہتے"_(۵) اس ساری گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ بنیا مین کی چوری کا واقعہ مصر میں مشہور ہو چکا تھا یہ بات شہرت پاچکی تھی کہ کنعان سے ایک قافلہ یہاں آیا ہے اس میں سے ایک شخص بادشاہ کا پیمانہ اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا بادشاہ کے مامورین بروقت پہنچ گئے اور انہوں نے اس شخص کو روک لیا، شاید بھائیوں نے جو یہ کہا کہ مصر کے علاقے سے پوچھ لیں یہ اس طرف کنایہ ہو کہ یہ واقعہ اس قدر مشہور ہو چکا ہے کہ در و دیوار کو اس کا علم ہے_

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۸۰

(۲) سورہ یوسف آیت ۸۱

(۳) سورہ یوسف آیت ۸۱

(۴) سورہ یوسف آیت ۸۲

(۵) سورہ یوسف آیت ۸۲

میں وہ الطاف الٰہی جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

بھائي مصر سے چل پڑے سب سے بڑے اور سب سے چھوٹے بھائي کو وہاں چھوڑ آئے اور پریشان و غم زدہ کنعان پہنچے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس سفر سے واپسی پر باپ نے جب گزشتہ سفر کے بر عکس واندوہ کے اثار ان کے چہروں پر دیکھے تو سمجھ گئے کہ کوئ ناگوار خبر لائے ہیں خصوصاً جب کہ بنیا مین اور سب سے بڑا بھائي ان کے ہمراہ نہ تھا جب بھائیوں نے بغیر کسی کمی بیشی کے ساری آپ بیتی کہہ دی تو یعقوب بہت حیران ہوئے اور ان کی طرف رخ کر کے کہنے لگے :"تمہاری نفسانی خواہشات نے یہ معاملہ تمہارے سامنے اس طرح سے پیش کیا ہے اور اسے اس طرح سے مزین کیاہے "_[۱] اس کے بعد یعقوب اپنی جانب متوجہ ہوئے اور "کہنے لگے کہ میں صبر کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑوں گا" اور میں اچھا صبر کروں گا کہ جو کفر ان سے خالی ہو_"[۲]

"مجھے امید ہے کہ خدا ان سب کو (یوسف ، بنیامین اور میرے بڑے بیٹے کو) میری طرف پلٹا دے گا"_[۳]کیونکہ میں جانتاہوں کہ "وہ ان سب کے دل کی داخلی کیفیات سے باخبر ہے ، اس کے علاوہ، وہ حکیم بھی ہے ،"اور وہ کوئي کام بغیر کسی حساب کتاب کے نہیں کرتا_"[۴] اس وقت یعقوب رنج و غم میں ڈوب گئے بنیامین کہ ان کے دل کی ڈھارس تھا واپس نہ آیا تو انہیں اپنے پیارے یوسف کی یاد آگئي انہیں خیال آیا کہ اے کاش آج وہ آبرومند، باایمان اور حسین و جمیل بیٹا ان کی آغوش میں ہوتا اور اس کی پیاری خوشبو ہر لحہ باپ کو ایک حیات نو بخشتی لیکن آج نہ صرف یہ کہ اس کا نام و نشان نہیں بلکہ اس کا جانشین بنیا مین بھی اس کی طرح ایک دردناک معاملے میں گرفتار ہو گیا ہے "اس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے رخ پھیر لیا اور کہا : ہائے یوسف "_[۵]

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۸۳

(۲)سورہ یوسف آیت ۸۳

(۳) سورہ یوسف آیت ۸۳

(۴) سورہ یوسف آیت ۸۳

(۵) سورہ یوسف آیت ۸۴

برادران یوسف شرمندہ اور حضرت یعقوب نابینا ہو گئے

بھائي جو پہلے ہی بنیا مین کے ماجرے پر باپ کے سامنے شرمندہ تھے یوسف کا نام سن کر فکر میں ڈوب گئے ان کے ماتھے پر عرق ندامت کے قطرے چمکنے لگے ۔"حزن وملال اتنا بڑھا کہ یعقوب کی آنکھوں سے بے اختیار اشکوں کا سیلاب بہہ نکلا یہاں تک کہ ان کی آنکھیں درد و غم سے سفید اور نابینا ہوگئیں "۔ [1] لیکن اس کے با وجود وہ کوشش کر تے تھے کہ ضبط کریں اور اپنا غم وغصہ پی جائیں اور رضائے حق کے خلاف کوئي بات نہ کہیں "وہ باحوصلہ اور جواں مرد تھے اور انہیں اپنے غصہ پر پورا کنٹرول تھا "۔ [2]

ظاہر قرآن سے اندازہ ہو تا ہے کہ حضرت یعقوب کی اس وقت تک نابینا نہیں ہوئے تھے لیکن جب کہ رنج و غم کئي گناہ بڑھ گیا اور آپ مسلسل گریہ و زاری کرتے رہے اور آپ کے آنسو تھمنے نہ پائے تو آپ کی بینا ئي ختم ہوگئي اور جیسا کہ ہم وہاں بھی اشارہ کر چکے ہیں کہ یہ کوئي اختیاری چیز نہ تھی کہ جو صبر جمیل کے منافی ہو ۔

بھائي کہ جو ان تمام واقعات سے بہت پریشا ن تھے ، ایک طرف تو ان کا ضمیر حضرت یو سف کے وا قعے کی بناء پر انہیں عذاب دیتا اور دوسری طرف وہ بنیامین کی وجہ سے اپنے آپ کو ایک نئے امتحان کی چوکھٹ پر پاتے اور تیسری طرف باپ کا اتنا غم اوردکھ ان پر بہت گراں تھا، لہذا انہوں نے پریشانی اور بے حوصلگی کے ساتھ باپ سے "کہا : بخدا تو اتنا یو سف یوسف کرتا ہے کہ بیمار ہو جائے گا اور موت کے کنارے پہنچ جائے گا یا ہلاک ہو جائے گا"۔ [3] لیکن کنعان کے اس مردبزرگ اور روشن ضمیر پیغمبر نے ان کے جواب میں کہا : "میں نے تمہارے سامنے اپنی شکایت پیش نہیں کی جو اس طرح کی باتیں کر تے ہو ، میں اپنا درد و غم بارگاہ الہی میں پیش کرتا ہوں اور اس کے یہاں اپنی شکایت پیش کر تا ہوں ، اور اپنے خدا کی طرف سے مجھے معلوم ہے کہ جن سے غم بے خبر ہوا"۔ [4]

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۸۴

(۲) سورہ یوسف آیت ۸۴

(۳) سورہ یوسف آیت ۸۵

(۴) سورہ یوسف آیت ۸۶

کوشش کرو اور مایوس نہ ہو، کیونکہ مایوسی کفر کی نشانی ہے

مصر اور اطراف مصر جس میں کنعان بھی شامل تھا ;میں قحط ظلم ڈھا رہا تھا_ اناج بالکل ختم ہو گیا تو حضرت یعقوب نے دو بارہ اپنے بیٹوں کو مصر کی طرف جانے اور غلہ حاصل کرنے کا حکم دیا لیکن اس مرتبہ اپنی آرزئوں کی بنیاد یوسف اور ان کے بھائي بنیا مین کی تلاش کو قرار دیا "اور کہا : میرے بیٹو جائو اوریوسف اور اسکے بھائي کو تلاش کرو"_ (۱)

حضرت یعقوب کے بیٹے چونکہ اس بارے میں تقریبا مطمئن تھے کہ یوسف موجود ہی نہیں اس لئے وہ باپ کی اس نصیحت اور تاکید پر تعجب کرتے تھے ،یعقوب ان کے گوش گزار کر رہے تھے :"رحمت الہی سے کبھی مایوس نہ ہونا "کیونکہ اس کی قدرت تمام مشکلوں اور سختیوں سے مافوق ہے_ (۲) "کیونکہ صرف یہ کافر ہی ہیں کہ جو قدرت خدا سے بے خبر ہیں اس کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں "_ (۳)

بہر حال فرزندان یعقوب نے اپنا مال واسباب باندھا اور مصر کی طرف چل پڑے اور اب کے وہ تیسری مرتبہ داستانو ں سے معمور اس سرزمین پرپہنچے گزشتہ سفروں کے بر خلاف اس سفر میں ان کی روح کو ایک احساس ندامت کچوکے لگا رہا تھا کیونکہ مصر میں اور عزیز مصر کے نزدیک ان کا سابقہ کردار بہت برا تھا اور وہ بدنام ہو چکے تھے اور اندیشہ تھا کہ شاید بعض لوگ انہیں "کنعان کے چور" کے عنوان سے پہچانیں دوسری طرف ان کے پاس گندم اور دوسرے اناج کی قیمت دینے کے لئے درکار مال ومتاع موجود نہیں تھا اور ساتھ ہی بھائي بنیا مین کے کھو جانے اور باپ کی انتہائي پریشانی نے ان کی مشکلات میں اضافہ کردیا تھا_ گویا تلوار ان کے حلقوم تک پہنچ گئي تھی بہت ساری مشکلات اور روح فرسا پریشانیوں نے انہیں گھیر لیا تھا ایسے میں جوچیز ان کے تسکین قلب کا باعث تھی وہ صرف باپ کا اخری جملہ تھا جس میں اپ نے فرمایا تھا کہ کبھی خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا کیونکہ اس کے لئے ہر مشکل آساں ہے_

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۸۷

(۲) سورہ یوسف آیت ۸۷

(۳) سورہ یوسف آیت ۸۷

اس عالم میں "وہ یوسف کے پاس پہنچے اور اس وقت انتہائي پریشانی کے عالم میں انہوں نے اس کی طرف رخ کیا اور کہا: "اے عزیز: ہمیں اور ہمارے خاندان کو قحط، پریشانی اور مصیبت نے گھیر لیا ہے"_[۱] اور ہمارے پاس صرف تھوڑی سی کم قیمت پونچی ہے"_[۲]" لیکن پھر بھی ہمیں تیرے کرم اور شفقت پر بھروسہ ہے "اور ہمیں توقع ہے کہ تو ہمارا پیمانہ بالکل پورا کرے گا"_[۳]"اور اس معاملہ میں ہم پر احسان کرتے ہوئے بخشش کر"_[۴]

"اور اپنا اجر و ثواب ہم سے نہ لے بلکہ اپنے خدا سے لے کیونکہ" خدا کریموں اور صدقہ کرنے والوں کو اجر خیر دیتا ہے"_[۵] یہ امر قابل توجہ ہے کہ برادران یوسف کو باپ نے تاکید کی تھی کہ پہلے یوسف اور اس کے بھائي کے لئے جستجو کریں اور بعد میں اناج کا تقاضہ کریں شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ انہیں یوسف کے ملنے کی امید نہ تھی یا ممکن ہے انہوں نے سوچا ہو کہ بہتر ہے کہ اپنے کو اناج کے خریداروں کے طور پر پیش کریں جو کہ زیادہ طبیعی اور فطری ہے اور بھائي کی آزادی کا تقاضا ضمناً رہنے دیں تاکہ یہ چیز عزیز مصر پر زیادہ اثرانداز ہو، بعض نے کہا کہ (تصدق علینا) سے مراد وہی بھائي کی آزادی ہے ورنہ وہ اناج بغیر معاوضہ کے حاصل نہیں کرنا چاہتے تھے کہ اسے (تصدق) قرار دیا جاتا_

جناب یوسف نے روتے ہوئے باپ کے خط کو چوما

روایات میں بھی ہے کہ بھائي باپ، کی طرف سے عزیز مصر کے نام ایک خط لے کر آئے تھے اس خط میں حضرت یعقوب نے عزیز مصر کے عدل وانصاف کا تذکرہ کیا اپنے خاندان سے اس کی محبتوں اور شفقتوں کی تعریف کی پھر اپنا اور اپنے خاندان نبوت کا تعارف کروایا اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا اور ساتھ ہی اس کے ضمن میں اپنے بیٹے یوسف اور دوسرے بیٹے بنیامین کے کھو جانے اور خشک سالی سے پیدا ہونے والي

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۸۸

(۲) سورہ یوسف آیت ۸۸

(۳)سورہ یوسف آیت ۸۸

(۴)سورہ یوسف آیت ۸۸

(۵) سورہ یوسف آیت ۸۸

مصیبتوں کا ذکر کیا خط کے آخر میں اس سے خواہش کی گئي تھی کہ بنیا مین کو آزاد کر دے اور تاکید کی تھی کہ ہمارے خاندان میں چوری وغیرہ ہر گز نہ تھی اور نہ ہوگی ـ

جب بھائیوں نے باپ کا خط عزیز مصر کو دیا تو انہوں نے اسے لے کر چوما اور اپنی آنکھوں پر رکھا اور رونے لگے گریہ کا یہ عالم تھا کہ قطرات اشک ان کے پیراہن پر گرنے لگے (یہ دیکھ کر بھائي حیرت وفکر میں ڈوب جاتے ہیں کہ عزیز کو ان کے باپ سے کیا لگاؤ ہے وہ سوچتے ہیں کہ ان کے باپ کے خط نے اس میں ہیجان واضطراب کیوں پیدا کردیا ہے شاید اسی موقع پر ان کے دل میں یہ خیال بجلی کی طرح اترا ہو کہ ہو نہ ہویہی خودیوسف ہو اور شاید باپ کے اسی خط کی وجہ سے یوسف اس قدر بے قرار ہوگئے کہ اب مزید اپنے آپ کو عزیز مصر کے نقاب میں نہ چھپا سکے اور جیسا کہ ہم دیکھیں گے کہ بہت جلد بھائیوں سے بھائي کی حیثیت سے اپنا تعارف کروایا ـ

کیا تو وہی یوسف ہے ؟

اس موقع پر جبکہ دور آزمائش ختم ہورہا تھا اوریوسف بھی بہت بے تاب اور سخت پریشان نظر آرہے تھے،تعارف کے لئے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے بھائیوں کی طرف رخ کرکے آپ نے کہا :" تمہیں معلوم ہے کہ جب تم جاہل ونادان تھے تم نے یوسف اوراس کے بھائي کے ساتھ کیا سلوک کیا"ـ[1]

حضرت یوسف کی عظمت اور شفقت ملاحظہ کیجئے کہ اولاً تو ان کا گناہ مجمل طورپر بیان کیا اور کہا (ما فعلتم)"جو کچھ تم نے انجام دیا " اورثانیاً انہیں عذر خواہی کا راستہ دکھایا کہ تمہارے یہ اعمال وافعال جہالت کی وجہ سے تھے اور اب جہالت کا زمانہ گذر گیا ہے اور اب تم عاقل اور سمجھدار ہو ـ

ضمناً اس گفتگو سے واضح ہوتا ہے کہ گزشتہ زمانے میں انہوں نے صرف یوسف پر ظلم نہیں ڈھایا تھا بلکہ بنیا مین بھی اس دور میں ان کے شرسے محفوظ نہیں تھے اور انہوں نے اس کے لئے بھی اس زمانہ میں

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۸۹

مشکلات پیدا کی تھیں جب بنیامین مصر میں یوسف کے پاس تھے شاید ان دنوں میں انہوں نے ان کی کچھ بے انصا فیاں اپنے بھائي کو بتائي ہوں ۔

بعض روایات میں ہے کہ وہ زیادہ پریشان نہ ہوں اور یہ خیال نہ کریں کہ عزیز مصر ہم سے انتقام لینے والا ہے یوسف نے اپنی گفتگو کو ایک تبسم کے ساتھ ختم کیا اس تبسم کی وجہ سے بھائیوں کو حضرت یوسف کے خوبصورت دانت پوری طرح نظر آگئے جب انہوں نے خوب غور کیا تو انہیں محسوس ہوا کہ یہ دانت ان کے بھائي یوسف سے عجیب مشا بہت رکھتے ہیں ، اس طرح بہت سے پہلو جمع ہو گئے ایک طرف تو انہوں نے دیکھا کہ عزیز مصر یوسف کے بارے میں اور اس پر بھائیوں کی طرف سے کئے گئے مظالم کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے جنہیں سوائے ان کے اور یوسف (ع) کے کوئي نہیں جا نتا تھا ۔

دوسری طرف انہوں نے دیکھا کہ یعقوب کے خط نے اسے اس قدر مضطرب کر دیا ہے جیسے اس کا یعقوب سے کوئي بہت ہی قریبی تعلق ہو ، تیسری طرف وہ اس کے چہرے مہرے پر جتنا غور کرتے انہیں اپنے بھائي یوسف سے بہت زیادہ مشا بہت دکھائي دیتی لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ یوسف عزیز مصر کی مسند پر پہنچ گیا ہو وہ سوچتے کہ یوسف کہاں اور یہ مقام کہاں ؟ لہذا انہوں نے شک وتردد کے لہجہ میں "کیا تم خود یوسف تو نہیں ۔[۱]

اس موقع بھائیوں پر بہت زیادہ حساس لمحات گذرا کیونکہ صحیح طور پہ معلوم بھی نہ تھا کہ عزیز مصر ان کے سوال کے جواب میں کیا کہے گا کیا سچ مچ وہ پردہ ہٹا دے گا اور اپنا تعارف کروائے گا یا انہیں دیوانہ اور بے وقوف سمجھ کر خطاب کر ے گا کہ انہوں نے ایک مضحکہ خیز بات کی ہے گھڑیاں بہت تیزی سے گزررہی تھیں انتظار کے روح فرسا لمحے ان کے دل کو بوجھل کر رہے تھے لیکن حضرت یوسف نے نہ چاہا کہ یہ زمانہ طویل ہو جائے اچانک انہوں نے حقیقت کے چہر ے سے پردہ ہٹا یا اور کہا :"ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائي بنیامین ہے"۔[۲]

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۹۰

(۲) سورہ یوسف آیت ۹۰

لیکن اس بناء پرکہ وہ خدا کی نعمت کا شکر ادا کریں کہ جس نے یہ سب نعمات عطافرمائي تھیں اور ساتھ ہی بھائیوں کو بھی ایک عظیم درس دیں انھوں نے مزید کہا :" خدا نے ہم پر احسان کیا ہے جو شخص بھی تقوی اور صبر اختیار کرے گا خدا اسے اس کا اجر وثواب دے گا کیونکہ خدا نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا "(۱) کسی کو معلوم نہیں کہ ان حساس لمحات میں کیا گزری اور جب دیسوں سال بعد بھائیوں نے ایک دوسرے کو پہنچانا تو کیسا شور وغل بپا کیا وہ کسی طرح آپس میں بغل گیر ہوئے اور کس طرح سے ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو ٹپک پڑے _ ان تمام چیزوں کے باوجود بھائي اپنے آپ میں شرمندہ تھے وہ یوسف کے چہرے کی طرف نظر بھر کے نہیں دیکھ پا رہے تھے وہ اسی انتظار میں تھے کہ دیکھیں ان کا عظیم گناہ بخشش وعفو کے قابل ہے یا نہیں لہذا انھوں نے بھائي کی طرف رخ کیا اور کہا :" خدا کی قسم :اللہ نے تجھے ہم پر مقدم کیا ہے"(۲) اور تجھے ترجیح دی ہے اور علم و حلم اور عقل وحکومت کے لحاظ سے تجھے فضیلت بخشی ہے یقینا ہم خطاکار اور گناہ گار تھے"_ (۳)

آج رحمت کا دن ہے

لیکن یوسف نہیں چاہتے تھے کہ بھائي اس طرح شرمسار رہیں خصوصاً جب کہ یہ ان کی اپنی کامیابی و کامرانی کا موقع تھا یا یہ کہ احتمالاً بھائیوں کے ذہن میں یہ بات آئے کہ یوسف اس موقع پر انتقام لے گا لہذا فوراً یہ کہہ کر انہیں مطمئن اور پر سکون کردیا کہ "آج تمہیں کوئي سرزنش اور توبیخ نہیں ہوگي"(۴) تمہاری فکر آسودہ رہے اور وجدان کو راحت رہے اور گذشتہ گناہوں پر غم نہ کرو_ اس بناء پر کہ انہیں بتایا جائے کہ انہیں نہ صرف یوسف کا حق بخش دیا گیا ہے بلکہ ان کی ندامت وپشیمانی کی وجہ سے اس سلسلے میں خدائي حق بھی قابل بخشش ہے ، مزید کہا :" اللہ بھی تمہیں بخش دے گا کیونکہ وہ ارحم الرحمین ہے"_ (۵)

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۹۰ (۲) سورہ یوسف آیت ۹۱

(۳) سورہ یوسف آیت ۹۱ (۴) سورہ یوسف آیت ۹۲

(۵) سورہ یوسف آیت ۹۲

یہ حضرت یوسف (ع) کی انتہائي عظمت کی دلیل ہے کہ نہ صرف اپنا حق معاف کردیا بلکہ اس بات پر بھی تیار نہ ہوئے کہ انہیں تھوڑی سی بھی سرزنش کی جائے ،چہ جائیکہ بھائیوں کو کوئي سزا دیتے بلکہ حق الہی کے لحاظ سے بھی انہیں اطمینان دلایا کہ خدا غفور اور بخشنے والاہے بلکہ یہ بات ثابت کرنے کے لئے یہ استدلال پیش کیا کہ وہ ارحم الراحمین ہے

اس موقع پر بھائیوں کو ایک اور غم بھی ستارہا تھا اور وہ یہ کہ باپ اپنے بیٹوں کے فراق میں نابینا ہوچکا ہے اور اس کا اس طرح رہنا پورے خاندان کے لئے ایک جانکاہ رنج ہے اس کے علاوہ ان کے جرم پر ایک مسلسل دلیل ہے لہذا یوسف (ع) نے اس عظیم مشکل کے حل کے لئے بھی فرمایا:"میرا یہ پیراہن لے جائو اور میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو تاکہ وہ بینا ہوجائے"_(۱)" اس کے بعد سارے خاندان کے ہمراہ میرے پاس آجائو"_(۲)

یوسف (ع) کی قیمص کون لے کرگیا؟

حضرت یوسف (ع) نے کہا: میرا شفا بخش کرتہ باپ کے پاس وہی لے جائے جو خون آلود کرتہ لے کرگیا تھا تاکہ جیسے اس نے باپ کو تکلیف پہنچائي اورپریشان کیا تھا اس مرتبہ کے اسے خوش وخرم کرے_

لہذا یہ کام "یہودا" کے سپرد ہوا کیونکہ اس نے بتایا تھا کہ وہ میں ہوں جو خون آلود کرتہ لے کرباپ کے پاس گیا تھا اور ان سے کہا تھا کہ آپ کے بیٹے کو بھیڑیا کھا گیا ہے_اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ حضرت یوسف (ع) اس قدر مشکلات اور مصائب میں گرفتار رہے لیکن اخلاقی مسائل کی باریکیوں سے غافل نہیں رہتے تھے_

یوسف (ع) کی عظمت

اس ماجرے کے بعد حضرت یوسف (ع) کے بھائي ہمیشہ شرمسار رہتے تھے انھوں نے کسی کو یوسف (ع) کے

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۹۳

(۲) سورہ یوسف آیت ۹۳

پاس بھیجا اور کہلایا کہ آپ ہر صبح وشام ہمیں اپنے دسترخوان پر بٹھاتے ہیں او ر آپ کا چہرہ دیکھ کر ہمیں شرم وخجالت محسوس ہوتی ہے کیونکہ ہم نے آپ کے ساتھ اس قدر جسارتیں کی ہیں ۔

اس بناء پر کہ انھیں نہ صرف ذرہ بھر احساس شرمندگی نہ ہو بلکہ یوسف (ع) کے دسترخوان پر اپنی موجودگی کو یوسف (ع) کی ایک خدمت محسوس کریں ، حضرت یوسف نے انھیں بہت ہی عمدہ جواب دیا، آپ نے کہا: مصر کے لوگ اب تک مجھے ایک زر خرید غلام کی نظر سے دیکھتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتے تھے:"پاک ہے وہ ذات جس نے اس غلام کو کہ جو بیس درہم میں بیچا گیا اس مقام تک پہنچایا ۔"

لیکن اب جب کہ تم لوگ آگئے ہو اور میری زندگی کی کتاب اس کے سامنے کھل گئي ہے تو وہ سمجھنے لگے ہیں کہ میں غلام نہیں ہوں بلکہ میں خاندان نبوت سے تعلق رکھتا ہوں اور ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد میں سے ہوں اور یہ میرے لئے باعث افتخار ہے ۔

آخر کار لطف الہی نے اپنا کام کرڈالا

فرزندان یعقوب (ع) خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے، وہ خوشی خوشی یوسف (ع) کا پیراہن اپنے ساتھ لے کر قافلے کے ساتھ مصر سے چل پڑے، ادھر ان بھائیوں کے لئے زندگی کے شرین ترین لمحات تھے اُدھر شام کے علاقہ کنعان میں بوڑھے باپ کا گھر غم واندوہ میں ڈوبا ہوا تھا، سارا گھرانہ افسردہ اور غم زدہ تھا ۔

لیکن ادھر یہ قافلہ مصر سے چلا اور اُدھر اچانک یعقوب (ع) کے گھر میں ایک واقعہ رونما ہوا جس نے سب کو تعجب میں ڈال دیا، یعقوب (ع) کا جسم کانپ رہا تھا، انھوں نے بڑے اطمینان اور اعتماد سے پکار کر کہا:"اگر تم بدگوئي نہ کرو اور میرے طرف نادانی اور جھوٹ کی نسبت نہ دو تو میں تم سے کہتا ہوں کہ مجھے اپنے پیارے یوسف (ع) کی خوشبو آرہی ہے"۔[۱]

میں محسوس کررہا ہوں کہ رنج وغم اور زحمت ومشکل کی گھڑیاں ختم ہونے کو ہیں اور

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۹۴

وصال وکامیابی کا زمانہ آنے کو ہے، خاندان یعقوب (ع) اب لباس ماتم اتاردے گا اور لباس مسرت زیب تن کرے گا، لیکن میرا یہ خیال نہیں کہ تم ان باتوں پر یقین کرو گے۔

لفظ "فصلت" سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب (ع) میں یہ احساس اسی وقت پیدا ہوا جب قافلہ مصر سے چلنے لگا ۔

قاعدتاً حضرت یعقوب کے پاس اس وقت ان کے پوتے پوتیاں اور بہوئیں وغیرہ تھیں انہوں نے بڑے تعجب اور گستاخی سے اورپورے یقین سے یعقوب سے کہا :" بخدا آپ اسی پرانی گمراہی میں ہیں "۔[1]

یعنی اس سے بڑھ کر گمراہی کیا ہوگی کہ یوسف کی موت کو سا لہا سال گزر گئے ہیں اور ابھی آپ کا خیال ہے کہ وہ زندہ ہے اور اب آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ مصر کی طرف سے مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے ، مصر کہاں اور شام وکنعان کہاں ،کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ آپ ہمیشہ خواب وخیال کی دنیا میں رہتے ہیں اور اپنے خیالات وتصورات کو حقیقت سمجھتے ہیں، آپ یہ کیسی عجیب وغریب بات کہہ رہے ہیں بہرحال آپ تو پہلے بھی اپنے بیٹوں سے کہہ چکے ہیں کہ مصر کی طرف جائو اور میرے یوسف کو تلاش کرو۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں ضلالت وگمراہی سے مراد عقیدہ اور نظریہ کی گمراہی نہیں ہے بلکہ یوسف سے متعلق مسائل کے سمجھنے میں گمراہی مراد ہے ۔

بہرکیف ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ اس عظیم کہن سال اور روشن ضمیر پیغمبر سے کیسا شدید اورجسارت آمیز سلوک کرتے تھے ۔

ایک جگہ انہوں نے کہا : ہمارا باپ "ضلال مبین "(کھلی گمراہی)میں ہے اوریہاں انہوں نے کہا: تم اپنی اسی دیرینہ گمراہی میں ہو۔

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۹۵

وہ پیر کنعان کے دل کی پاکیزگی اور روشنی سے بے خبر تھے ان کا خیال تھا کہ اس کا دل بھی انہی کے دل کی طرح تاریک ہے انہیں یہ خیال نہ تھا کہ آیندہ کے واقعات اور دور ونزیک کے مقامات اس کے آئینہ دل میں منعکس ہوتے ہیں ۔

قافلہ کنعان پہونچتا ہے

کئي رات دن بیت گئے یعقوب اسی طرح انتظار میں تھے ایسا پر سوز انتظار کہ جس کی گہرائي میں مسرت وشادمانی اور سکون واطمینان موجزن تھا حالانکہ ان کے پاس رہنے والوں کو ان مسائل سے کوئي دلچسپي نہ تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ یو سف کا معاملہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکا ہے معلوم نہیں یعقوب پر یہ چند دن کس طرح گزریں گے ۔ آخر ایک دن آیا جب آوزآئي وہ دیکھو مصر سے کنعان کا قافلہ آیا ہے گزشتہ سفروں کے بر خلاف فرزند ان یعقوب شاداں وخرّم شہر میں داخل ہوئے اور بڑی تیزی سے باپ کے گھر پہنچ گئے سب سے پہلے "بشیر"بوڑھے یعقوب کے پاس آیا وہي" بشیر" (جو وصال کی بشارت لایا تھا اور جس کے پاس یوسف کا پیراہن تھا) اس نے آتے ہی پیراہن یعقوب کے چہرے پر ڈال دیا ۔

یعقوب کی آنکھیں تو بے نور تھیں وہ پیراہن کو دیکھ نہ سکتے تھا انہوں نے محسوس کیا کہ ایک آشنا خوشبو ان کی مشام جان میں اتر گئي ہے یہ ایک پُرکیف زریں لمحہ تھا گویا ان کے وجود کا ہر ذرہ روشن ہو گیا ہو آسمان وزمین مسکرا اٹھے ہوں ہر طرف قہقہے بکھر گئے ہوں نسیم رحمت چل اٹھی ہوا اور غم واندوہ کا گرد وغبار لپیٹ کر لے جارہی ہو، درودیوار سے خوشی کے نعرے سنائي دے رہے تھے اور یعقوب کی آنکھیں روشن ہو گئي ہیں اور وہ ہر جگہ دیکھ رہے ہیں دنیا اپنی تمام تر زیبائیوں کے ساتھ ایک مرتبہ پھر ان آنکھوں کے سامنے تھی جیسا کہ قرآن کہتا ہے :"جب بشارت دینے والا آیا تو اس نے وہ (پیراہن) ان کے چہرے پر ڈال دیا تو اچانک وہ بینا ہو گئے"۔[١]

---

(١) سورہ یوسف آیت ۹۶

بھائیوں اور گردو پیش والوں کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو امنڈ آئے اور یعقوب نے پورے اعتماد سے کہا :"میں نہ کہتا تھا کہ میں خدا کی طرف سے ایسی چیزیں جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے "(۱) اس معجزے پر بھائي گہری فکر میں ڈوب گئے ایک لمحے کے لئے اپنا تاریک ماضی ان کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا ، خطا ،گناہ ، اشتباہ اور تنگ نظری سے پُر ماضی لیکن کتنی اچھی بات ہے کہ جب انسان اپنی غلطی کو سمجھ لے تو فوراً اس کی اصلاح اور تلافی کی فکر کرے فرزند ان یعقوب بھی اسی فکر میں گم ہوگئے انہوں نے باپ کا دامن پکڑلیا اور کہا :"بابا جان خدا سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے کیونکہ ہم گنہگار اور خطا کار تھے_"(۲)

بزرگور اور با عظمت بوڑھا جس کا ظرف سمندر کی طرح وسیع تھا ، اس نے کوئي ملامت وسرزنش کئے بغیر ان سے وعدہ کیا کہ" میں بہت جلدی تمہارے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کروں گا اور مجھے امید ہے کہ وہ تمہاری توبہ قبول کرلے گا اور تمہارے گناہوں سے صرف نظر کرے گا "کیونکہ وہ غفور ورحیم ہے_"(۳)(۴)

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۹۶

(۲) سورہ یوسف آیت ۹۷

(۳) سورہ یوسف آیت ۹۸

(۴)یہاں پرچند سوال پیدا ہوتے ہیں :

۱_یعقوب نے پیراہن یوسف کی خوشبوکیسے محسوس کی ؟

یہ سوال بہت سے مفسرین نے اٹھایا ہے اور اس پر بحث کی ہے عام طور پر مفسرین نے اسے یعقوب یایوسف کا معجزہ قرار دیا ہے لیکن چونکہ قرآن نے اسے اعجازیا غیر اعجازہونے کے لحاظ سے پیش نہیں کیا اور اس سلسلے میں خاموشی اختیار کی ہے اس کی سائنس توجیہ معلوم کی جاسکتی ہے_ موجودہ زمانے میں "ٹیلی پیتھي" ایک مسلمہ علمی مسئلہ ہے (اس میں یہ بات تسلیم کی گئي ہے کہ ایک دوسرے سے دور رہنے والے کے درمیان فکری ارتباط اور روحانی رابطہ ہوسکتا ہے اسے "انتقال فکر" کہتے ہیں) ایسے افراد جو ایک دوسرے سے نزدیکی تعلق رکھتے ہیں یا جو بہت زیادہ روحانی طاقت رکھتے ہیں یہ تعلق ان کے درمیان پیدا ہوتا ہے شاید ہم میں سے بہت سے افراد نے اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس کا سامنا کیا ہو کہ بعض اوقات کسی کی والدہ یا بھائي اپنے اندر بلا سبب بہت زیادہ اضطراب اور پریشانی محسوس کرتے ہیں اور زیادہ دیر نہیں گذرتی کے کہ خبر پہنچتی ہے کہ اس کے بیٹے یا بھائي کو فلاں دور دراز علاقے میں ایک ناگوار حادثہ پیش آیا ہے_ ماہرین اس قسم کے احساس کو ٹیلی پیتھی اور دور دراز کے علاقوں سے انتقال فکری کا عمل قرار دیتے ہیں _ حضرت یعقوب (ع) کے واقعہ میں بھی ممکن ہے کہ یوسف (ع) سے شدید محبت اور آپ کی روحانی عظمت کے سبب آپ میں وہی احساس پیدا ہوگیا جو یوسف کا کرتہ اٹھاتے وقت بھائیوں میں پیدا ہوا تھا_

البتہ یہ بات بھی ہر طرح ممکن ہے کہ اس واقعہ کا تعلق انبیاء کے دائرہ علم کی وسعت سے ہو ، بعض روایات میں بھی انتقال فکر کے مسئلہ کی طرف جاذب نظر اور عمدہ اشارہ کیا گیا ہے مثلاً: کسی نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا : کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں بغیر کسی مصیبت یا ناگوار حادثہ کے غمگین ہوجاتا ہوں یہاں تک کہ میرے گھر والے اور میرے دوست بھی اس کے اثرات میرے چہرے پر دیکھ لیتے ہیں _

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں ، خدا نے مومنین کو ایک ہی بہشتی طینت سے پیدا کیا ہے اور اس کی روح ان میں پھونکی ہے لہذا مومنین ایک دوسرے کے بھائي ہیں جس وقت کسی ایک شہر میں ان میں سے کسی ایک بھائي کو کوئي مصیبت پیش آتی ہے تو باقی افراد پر اس کا اثر ہوتا ہے _ بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کرتہ کوئي عام کرتہ نہ تھا بلکہ ایک جنتی پیراہن تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے خاندان یعقوب (ع) میں یادگار کے طور پر چلاآرہا تھا اور جو شخص حضرت یعقوب (ع) کی طرح بہشتی قوت شامہ رکھتا تھا وہ اس کی خوشبو دور سے محسوس کرلیتا تھا_

۲_ انبیاء کے حالات میں فرق_

یہاں پر ایک اور مشہور اعتراض سامنے آتا ہے فارسی زبان کے اشعار میں بھی یہ اعتراض بیا ن کیا گیا ہے، کسی نے یعقوب (ع) سے کہا:

زمصری بوی پیراہن شنیدي

چرا در جاہ کنعانش نہ دیدي

یعنی آپ نے مصر سے پیراہن کی خوشبو سونگھ لی لیکن آپ کو کنعان کے کنویں میں یوسف کیوں نہ دکھائي دئے؟

کیسے ہوسکتا ہے کہ اس عظیم پیغمبر نے اتنے دور دراز کے علاقے سے یوسف (ع) کی قمیص کی خوشبو سونگھ لی جب کہ بعض نے یہ فاصلہ اسّی فرسخ لکھا ہے اور بعض نے دس دن کی مسافت بیان کی ہے لیکن اپنے علاقہ کنعان کے اندر جب کہ یوسف کو اس کے بھائي کنویں میں پھینک رہے تھے اور ان پر وہ واقعات گزرہے تھے اس سے یعقوب (ع) آگاہ نہ ہوئے؟

قبل اس کے انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کے علم غیب کی حدود کے بارے میں جو کچھ کہا جاچکاہے اس کی طرف توجہ کرتے ہوئے اس سوال کا جواب ہرگز مشکل نہیں رہتا، امور غیب کے متعلق ان کا علم پروردگار کے ارادے اور عطاکئے ہوئے علم پر منحصر ہے جہاں خدا چاہتا ہے وہ جانتے ہیں ، چاہے واقعہ کا تعلق کسی بہت دور دراز علاقے سے ہو اور جہاں وہ نہ چاہے نہیں جانتے چاہے معاملہ کسی نزدیک ترین علاقے سے مربط ہو جیسے کسی تاریک رات میں ایک قافلہ کسی بیابان سے گزررہا ہو آسمان کو بادلوں نے ڈھانپ رکھا ہو ایک لمحہ کے لئے آسمان سے بجلی چمک اٹھے اور بیابان کی تمام گیرائیاں اور گہرائیاں روشن ہوجائیں اور تمام مسافر ہر طرف سب کچھ دیکھ لیں لیکن دوسرے لمحہ وہ بجلی خاموش ہوجائے اور پھر تاریکی ہر طرف چھا جائے اسی طرح سے کہ کوئي چیز نظر نہ آئے_

شاید امام جعفر صادق علیہ السلام سے علم امام کے بارے میں مروی یہ حدیث اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہے ، آپ فرماتے ہیں :

"جعل الله بينه وبين الامام عموداً من نور ينظر الله به الى الامام وينظر الامام به اليه، فاذا راد علم شى ء نظر فى ذالك النور فعرفه "

خدا نے اپنے اور امام وپیشوائے خلق کے درمیان نور کا ایک ستون بنایا ہے اسی سے خدا امام کی طرف دیکھتا ہے اور امام بھی اسی طریق سے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتا ہے اور جب امام کوئي چیز جاننا چاہتا ہے تو نور کے اس ستون میں دیکھتا ہے اور اس سے آگاہ ہوجاتا ہے_

ایک شعر جو پہلے ذکر کیا گیا ہے اس کے بعد سعدی کے مشہور اشعار میں اسی روایات کے پیش نظر کہا گیا ہے:

بگفت احوال ما برق جہان است

گہی پیدا ودگر دم نہان است

گہی برکارم اعلا نشینم

گہی تا پشت پای خود نبینم

یعنی اس نے کہا ہمارے حالات چمکنے والی بجلی کی طرح ہیں جو کبھی دکھائي دیتی ہے اور کبھی چھپ جاتی ہے_

کبھی ہم آسمان کی بلندیوں پر بیٹھتے ہیں اور کبھی اپنے پائوں کے پیچھے بھی کچھ دکھائي نہیں دیتا_

اس حقیقت کی طرف توجہ کرتے ہوئے تعجب کا مقام نہیں کہ ایک دن مشیت الہی کی بناء پر یعقوب (ع) کی آزمائش کے لئے اپنے قریب رونما ہونے والے واقعات سے آگاہ نہ ہوں اور کسی دوسرے دن جب کہ دور آزمائش ختم ہوچکا تھا اور مشکلات کے دن بیت چکے تھے انھوں نے مصر سے قمیص یوسف کی مہک سونگی لی ہو_

۳_بینائي کیسے لوٹ آئي؟

بعض مفسرین نے یہ احتمال دیا ہے کہ حضرت یعقوب (ع) کی آنکھ کا نور بالکل ختم نہیں ہوا تھا بلکہ ان کی آنکھیں کمزور ہوگئي تھیں اور بیٹے کی ملاقات کے امکانات پیدا ہوئے تو ان میں ایک ایسا ہیجان پیدا ہوا کہ وہ پہلی حالت پر واپس آگئیں ، لیکن آیات کا ظہور نشاندہی کرتا ہے کہ وہ بالکل نابینا ہوگئے تھےیہاں تک کہ ان کی آنکھیں سفید ہوچکی تھیں لہذا ان کی بینائي معجزانہ طور پر واپس ہوئي_ قرآن کہتا ہے: (فارتد بصیرا)

یوسف (ع)، یعقوب اور بھائیوں کی سرگزشت کا اختتام

عظیم ترین بشارت لئے ہوئے مصر سے قافلہ کنعان پہنچا بوڑھے یعقوب بینا ہو گئے عجیب جوش وخروش تھا سا لہا ل سال سے جو گھرانا غم واندوہ میں ڈوبا ہوا تھا وہ خوشی اور سرور میں ڈوب گیا ان سب نعمات الہی پر وہ پھولے نہیں سما تے تھے۔

یوسف کی فرمائش کے مطابق اس خاندان کو اب مصر کی طرف روانہ ہونا تھا سفر کی تیاری ہر لحاظ سے مکمل ہو گئي یعقوب ایک مرکب پر سوار ہوئے۔

جب کہ ان کے مبارک لبوں پر ذکر و شکر خدا جاری تھا اور عشق وصال نے انہیں اس طرح سے قوت وتو انائي بخشی تھی کہ گویا وہ نئے سرے سے جوان ہو گئے تھے۔

بھائیوں کے گزشتہ سفر تو خوف وپریشانی سے گزرے لیکن ان کے بر خلاف یہ سفر ہر قسم کے فکر واندیشہ سے خالی تھا یہاں تک کہ اگر سفر کی کوئي تکلیف تھی بھی تو اس انتظار میں پنہاں مقصد کے سامنے اس کی کوئي حقیقت نہ تھی۔

وصال کعبہ چناں می دواندم بشتاب
کہ خارہای مغیلاں حریر می آید

کعبہ مقصود کے وصال نے مجھے اتنا تیز دوڑایا کہ خار مغیلاں ریشم معلوم ہوتے تھے۔

رات اور دن گویا بڑی آہستگی سے گزر رہے تھے کیونکہ اشتیاق وصال میں ہر گھڑی ایک دن بلکہ ایک سال معلوم ہو رہی تھی مگر جو کچھ بھی تھا آخر گزرگیا مصر کی آبادی دور سے نمایاں ہوئیں مصر کے سر سبز کھیت ، آسمان سے باتیں کرنے والے درخت اور خوبصورت عمارتیں دکھائي دینے لگیں ، لیکن قرآن اپنی دائمی سیرت کے مطابق ان سب مقدمات کو کہ جو تھوڑے سے غور وفکر سے واضح ہو جاتے ہیں حذف کرتے ہوئے کہتا ہے: "جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف اپنے ماں باپ سے گلے ملے_"[(۱)]

آخر کار یعقوب کی زندگی کا شیریں ترین لمحہ آگیا دیدار وصال کا یہ لمحہ فراق کے کئي سالوں بعد آیا تھا خدا کے سوا کوئي نہیں جانتا ، کہ وصال کے یہ لمحات یعقوب اور یوسف پر کیسے گذرے ان شیریں لمحات میں ان دونوں کے احساسات و جذبات کیا تھے، عالم شوق میں انھوں نے کتنے آنسو بہائے اور عالم شوق میں کیا نالہ و فریاد ہوا_

جناب یوسف کے خواب کی تعبیر

"پھر یوسف نے سب سے کہا سرزمین مصر میں قدم رکھیں کہ انشاء اللہ یہاں آپ بالکل امن وامان میں ہوں گے"[(۲)] کیونکہ مصر یوسف کی حکومت میں امن وامان کا گہوارہ بن چکا تھا_

اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف اپنے ماں باپ کے استقبال کے لئے شہر کے دروازے کے باہر تک آئے تھے اور شاید جملہ (ادخلوا علی یوسف) کہ جو دروازے سے باہر سے مربوط ہے ، اس طرف اشارہ ہے کہ یوسف نے حکم دیا تھا کہ وہاں خیمے نصب کئے جائیں اور ماں باپ اور بھائیوں کی پہلے پہل وہاں پذیرائي کی جائے ،جب بارگاہ یوسف میں پہنچے "تو اس نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا "[(۳)] نعمت الہی کی اس عظمت اور پروردگار کے لطف کی اس گہرائي اور وسعت نے بھائیوں اور ماں باپ کو اتنا متاثر کیا کہ وہ سب کے سب "اس کے سامنے سجدے میں گر گئے_"[(۴)]

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۹۹

(۲) سورہ یوسف آیت ۹۹

(۳)سورہ یوسف آیت ۱۰۰

(۴) سورہ یوسف آیت ۱۰۰

اس موقع پریوسف نے باپ کی طرف رخ کیا "اور عرض کیا : ابان جان : یہ اسی خواب کی تعبیر ہے جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا "[۱] کیا ایسا ہی نہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سورج، چاند اور گیارہ ستارے میرے سامنے سجدہ کررہے ہیں دیکھئے : جیسا کہ آپ نے پیشین گوئي کی تھی "خدا نے اس خواب کو واقعیت میں بدل دیا ہے "[۲] "اور پروردگار نے مجھ پر لطف و احسان کیا ہے کہ اس نے مجھے زندان سے نکا لا ہے"_[۳]

یہ بات قابل توجہ ہے کہ حضرت یوسف نے اپنی زندگی کی مشکلات میں صرف زندان مصر کے بارے میں گفتگو کی ہے لیکن بھائیوں کی وجہ سے کنعان کے کنوئیں کی بات نہیں کی، اس کے بعد مزید کہا :" خدا نے مجھ پر کس قدر لطف کیا کہ آپ کو کنعان کے اس بیابان سے یہاں لے آیا جب کہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد انگیزی کر چکا تھا_"[۴]

یہاں یوسف ایک مرتبہ پھر اپنی وسعت قلبی اور عظمت کا ایک نمونہ پیش کرتے ہیں یہ نہیں کہتے کہ کوتاہی کس شخص نے کي، بلکہ اس طرح سربستہ اور اجمالی طور پر کہتے ہیں کہ شیطان نے اس کام میں دخل اندازی کی اور وہ فساد کا باعث بنا کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ بھائیوں کی گزشتہ خطائوں کا گلہ کریں، وہ جانتا ہے کہ کون حاجت مند ہیں اور کون اہل ہیں" کیونکہ وہ علیم و حکیم ہے"_(۵)

اس کے بعد یوسف، حقیقی مالک الملک اور دائمی ولی نعمت کی طرف رخ کرتے ہیں اور شکر اور تقاضے کے طور پر کہتے ہیں :"پروردگار تونے ایک وسیع حکومت کا ایک حصہ مجھے مرحمت فرمایا ہے"_[۶] "اور تو نے مجھے تعبیر خواب کے علم کی تعلیم دی ہے"_[۷] اور اسی علم نے جو ظاہراً سادہ اور عام ہے میری زندگی اور تیرے بندوں کی ایک بڑی جماعت کی زندگی میں کس قسم کا انقلاب پیدا کردیا ہے اور یہ علم کس قدر پربرکت ہے_

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۱۰۰ (۲) سورہ یوسف ایت ۱۰۰

(۳) سورہ یوسف آیت ۱۰۰ (۴)سورہ یوسف آیت ۱۰۰

(۵) سورہ یوسف آیت ۱۰۰ (۶) سورہ یوسف آیت ۱۰۱

(۷) سورہ یوسف آیت ۱۰۱

"تو وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ایجاد کیا ہے"_[1]

اور اسی بناء پر تمام چیزیں تیری قدرت کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں "پروردگار دنیا وآخرت میں تو میرا ولی ناصر مدبر اور محافظ ہے"_[2]

"مجھے اس جہان سے مسلمان اور اپنے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے لے جا، اور مجھے صالحین سے کردے"_[3]

میں تجھ سے ملک کے دوام اور اپنی مادی حکومت اور زندگی کی بقاء کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ یہ تو سب فانی ہیں اور صرف دیکھنے میں دل انگیزہیں بلکہ میں تجھ سے یہ چاہتا ہوں کہ میری عاقبت اور انجام کار بخیر ہو اور میں تیری راہ میں ایمان و تسلیم کے ساتھ ہوں اور تیرے لئے جان دوں اور صالحین اور تیرے باخلوص دوستوں کی صف میں قرار پاؤں میرے لئے یہ چیزیں اہم ہیں_

باپ کو سرگزشت نہ سنانا

جس وقت یعقوب (ع) یوسف (ع) سے ملاقات کے لئے پہنچے تو ان سے کہا: میرے بیٹے میرا دل چاہتا ہے کہ میں پوری تفصیل جانوں کہ بھائیوں نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا_

حضرت یوسف (ع) نے باپ سے تقاضا کیا کہ وہ اس معاملہ کو جانے دیں لیکن یعقوب (ع) نے انھیں قسم دے کر کہا کہ بیان کریں_

یوسف (ع) نے واقعات کا کچھ حصہ بیان کیا یہاں تک کہ بتایا: بھائیوں نے مجھے پکڑلیا اور کنویں کے کنارے بٹھایا مجھے حکم دیا کہ کرتا اتاردوں تو میں نے ان سے کہا: میں تمہیں اپنے باپ یعقوب کے احترام کی قسم دیتا ہوں کہ میرے بدن سے کرتا نہ اتاروں اور مجھے برہنہ نہ کرو، ان میں سے ایک کے پاس چھری تھی اس نے وہ چھری نکالی اور چلاکر کہا: کرتا اتاردے_

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۱۰۱

(۲) سورہ یوسف آیت ۱۰۱

(۳) سورہ یوسف آیت ۱۰۱

یہ جملہ سنتے ہی یعقوب کی طاقت جواب دے گئي انھوں چیخ ماری او ربے ہوش ہوگئے جب وہ ہوش میں آئے تو بیٹے سے چاہا کہ اپنی بات جاری رکھے لیکن یوسف (ع) نے کہا: آپ کو ابراہیم (ع) ، اسماعیل (ع) اور اسحاق (ع) کے خدا کی قسم مجھے اس کام سے معاف رکھیں۔

جب یعقوب (ع) نے یہ جملہ سنا تو اس معاملہ سے صرف نظر کرلیا۔

یہ امر نشاندہی کرتا ہے کہ یوسف (ع) ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ ماضی کے تلخ واقعات اپنے دل میں لائیں یا باپ کے سامنے انھیں دھرائیں اگرچہ یعقوب (ع) کی جستجو کی حسّ انھیں مجبور کرتی تھي۔

۴ انبیاء علیہم السلام کے واقعات

حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت شعیب (ع) کی سرزمین ''مدین''

یہاں گفتگو قوم شعیب اور اہل مدین کی ہے یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے توحید کا راستہ چھوڑدیا تھا اورشرک وبت پرستی کی سنگلاخ زمین میں سرگرداں ہوگئے تھے یہ لوگ نہ صرف بتوں کوپوجتے تھے بلکہ درہم ودینار اور اپنے مال وثروت کی بھی پرستش کرتے تھے اور اسی لئے وہ اپنے کاروبار اور بارونق تجارت کو نادرستي،کم فروشي اور غلط طریقوں سے آلودہ کرتے تھے_

ابتداء میں فرمایا گیا ہے :" مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائئ شعیب کو بھیجا"_[(۱)(۲)]

مدین (بروزن" مریم") حضرت شعیب اور ان کے قبیلے کی آبادی کا نام ہے یہ شہر خلیج عقبہ کے مشرق میں واقع ہے اس کے لوگ اولاد اسماعیل میں سے تھے مصر، لبنان اور فلسطین سے تجارت کیا کرتے تھے_

---

(۱)سورہ ہود آیت ۸۴

(۲)جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں لفظ"اخاھم" (ان کا بھائی) اس بناء پر ہے کہ اپنی قوم سے پیغمبروں کی انتہائي محبت کو.بیان کیا جائے نہ صرف اس بناء پر کہ وہ افراد ان کے گروہ اور قبیلے سے تھے بلکہ اس لئے کہ وہ ان کے خیر خواہ اور ہمدرد بھائی کی طرح تھے_

آج کل شہر مدین کا نام "معان" ہے بعض جغرافیہ دانوں نے خلیج عقبہ کے درمیان سے کوہ سینا تک زندگی بسر کرنے والوں پر مدین کے نام کا اطلاق کیا ہے، توریت میں بھی لفظ "مدیان" آیا ہے لیکن بعض قبائل کے لئے (البتہ ایک ہی لفظ شہر اور اہل شہر پر عام طور پر استعمال ہوجاتا ہے)

قوم شعیب کی اقتصادی برائیاں

اس پیغمبر اور ہمدرو ومہربان بھائی نے جیسا کہ تمام انبیاء کا آغاز دعوت میں طریقہ ہے پہلے انہیں مذہب کے اساسی ترین رکن "توحید" کی طرف وعوت دی اور کہا : اے قوم : "یکتا ویگانہ خدا کی پرستش کرو، کہ جس کے نے علاوہ تمہارا کوئي معبود نہیں ہے"_ [(۱)]

اس وقت اہل مدین میں ایک اقتصادی خرابی شدید طور پر رائج تھی جس کا سرچشمہ شرک اور بت پرستی کی روح ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے :"خرید وفروخت کرتے وقت چیزوں کا پیمانہ اور وزن کم نہ کرو :"[(۲)]

کم فروشی کے ذریعے فساد اور برائي، لوگوں کے حقوق غصب کرنے کا فساد اور حقوق پر تجاوز کا فسانہ، معاشرتی میزان اور اعتدال کو درہم برہم کرنے کا فساد، اموال اور اشخاص پر عیب لگانے کا فساد_ خلاصہ یہ کہ لوگوں کی حیثیت، آبرو، ناموس اور جان کے حریم پر تجاوز کرنے کا فساد_

" لاتعثوا"" فساد نہ کرو" کے معنی میں ہے اس بناء پر اس کے بعد "مفسدین" کا ذکر زیادہ سے زیادہ تاکید کی خاطر ہے_

قرآن مجید میں موجود آیات سے یہ حقیقت اچھی طرح سے واضح ہوتی ہے کہ توحید کا اعتقاد اور آئیڈیالوجی کا معاملہ ایک صحیح وسالم اقتصاد کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے نیز آیات اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اقتصادی نظام کا درہم برہم ہونا معاشرے کی وسیع تباہی اور فساد کا سرچشمہ ہے_

---

(۱) سورہ ہود آیت ۸۴

(۲)سورہ ہود آیت ۸۴

آخر میں انھیں یہ گوش گزار کیا گیا ہے کہ ظلم و ستم کے ذریعے اور استعماری ہتھکنڈوں سے بڑھنے والی دولت تمہاری بے نیازی اور استغناء کا سب نہیں بن سکتی بلکہ حلال طریقے سے حاصل کیا ہوا جو سرمایہ تمہارے پاس باقی رہ جائے چاہے وہ تھوڑاہی ہو اگر خدا اور اس کے رسول پر ایمان کے ساتھ ہو تو بہتر ہے ۔[۱]

ہٹ دھرموں کی بے بنیاد منطق

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس ہٹ دھرقوم نے اس آسمانی مصلح کی دعوت کے جواب میں کیا رد عمل ظاہر کیا ۔

وہ جو بتوں کو اپنے بزرگوں کے آثار اور اپنے اصلی تمدن کی نشانی خیال کرتے تھے اور کم فروشی اور دھوکا بازی سے معاملات میں بڑے بڑے فائدے اور مفادات اٹھاتے تھے حضرت شعیب کے جواب میں کہنے لگے: اے شعیب : کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم انہیں چھوڑدیں کہ جن کی ہمارے آبائو اجداد پرستش کرتے تھے اور یا اپنے اموال کے بارے میں اپنی آزادی سے ساتھ دھو بیٹھیں تو تو ایک بردبار حوصلہ مند اور سمجھ دار آدمی ہے تجھ سے یہ باتیں بعید ہیں ۔ [۲][۳]

اس ظالم اور ستم گر قوم نے جب خود کو شعیب علیہ السلام کی منطقی باتوں کے مقابلے میں بے دلیل دیکھا تو اپنی برائیوں کو جاری و ساری رکھنے کے لئے ان پر تہمتوں کی بوچھاڑ کردی ۔

---

(۱)سورہ ہود آیت ۸۶

(۲)سورہ ہود آیت ۸۷

(۳)یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ انہوں مو حضرت شعیب کی نماز کا ذکر کیوں کیا ؟ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ اس بناء پر تھا کہ حضرت شعیب زیادہ نماز پڑھتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ نماز انسان کو برے اور قبیح اعمال سے روکتی ہے لیکن وہ لوگ جو نماز اور ترک منکرات کے رابطے کو نہ سمجھ سکے انہوں نے اس بات کا تمسخر اڑایا اور کہا کہ کیا یہ ذکر واذکار اور حرکات تجھے حکم دیتی ہیں کہ ہم اپنے بزرگوں کے طور طریقے اور مذہبی ثقافت کو پائوں تلے روندیں یا اپنے اموال کے بارے میں اپنا اختیار گنوا بیٹھیں ۔

سب سے پہلے وہی پرانا لیبل جو مجرم اور ظالم لوگ ہمیشہ سے خدا کے انبیاء پر لگاتے رہے ہیں آپ پر بھی لگایا اور کہا :

"توتو بس پاگل ہے"۔[(۱)]

تیری گفتگو میں کوئي منطقی اور مدلل بات دکھائي نہیں دیتی تیرا خیال ہے کہ ایسی باتیں کرکے تو ہمیں اپنے مال میں آزادی عمل سے روک دے ،اس کے علاوہ "تو بھی تو صرف ہماری طرح کا ایک انسان ہے"۔[(۲)]کیا تو سمجھتا ہے کہ ہم تیری اطاعت کریں گے آخر تجھے ہم پر کون سی فضیلت اوربرتری حاصل ہے۔

"تیرے بارے میں ہمارایہی خیال ہے کہ تو ایک جھوٹا شخص ہے"۔[(۳)]

ان کی یہ گفتگو کیسی تضادات پر مبنی ہے کبھی تو انھیں ایسا جھوٹا اور مفادپرست انسان کہتے تھے جو دعوائے نبوت کی وجہ سے ان پر فوقیت حاصل کرنا چاہتاہے اور کبھی انھیں مجنون کہتے تھے ان کی آخری بات یہ تھی کہ بہت اچھا "اگر تو سچا ہے تو ہمارے سر پر آسمان سے پتھر برسا اور ہمیں اس مصیبت میں مبتلا کردے جس کی ہمیں دھمکی دے رہاہے تاکہ تجھے معلوم ہوجائے کہ ہم ایسی دھمکیوں سے نہیں ڈرتے"۔[(۴)]یہ الفاظ کہہ کرانھوں نے اپنی ڈھٹائي اوربے حیائي کی انتہا کردی اور اپنے کفروتکذیب کا بدترین مظاہرہ کیا ۔

جناب شعیب(ع) کا جواب

لیکن جنھوں نے ان کی باتوں کو حماقت پر حمل کیا تھا اور ان کی بے عقلی کی دلیل قرار دیا تھا حضرت شعیب نے ان سے کہا:"اے میری قوم :(اے وہ لوگو: کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اور جو کچھ میں اپنے لئے پسند کرتا ہوں وہی تمہارے لئے بھی پسند کرتاہوں) اگر خدا نے مجھے واضح دلیل وحی اور نبوت دی ہو اوراس کے علاوہ مجھے پاکیزہ روزی اور حسب ضرورت مال دیا ہوتو کیا اس صورت میں صحیح ہے کہ میں اس کے فرمان کی مخالفت کروں یا تمہارے بارے میں کوئي غرض رکھوں اور تمہارا خیر خواہ نہ بنوں"۔[(۵)]

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۱۸۵ (۲)سورہ شعراء آیت ۱۸۵

(۳) سورہ شعراء آیت ۱۸۶ (۴)سورہ شعراء آیت ۱۸۷

(۵)سورہ ہود آیت ۸۸

اس جملے سے حضرت شعیب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس کام میں میرا صرف روحانی ، انسانی اور تربیتی مقصد ہے میں ایسے حقائق کو جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے اور انسان ہمیشہ اس چیز کا دشمن ہوتا ہے جسے نہیں جانتا ہے ۔

اس کے بعد یہ عظیم پیغمبر مزید کہتے ہیں : یہ گمان نہ کرنا کہ میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں اور پھر خود اسی کی جستجو میں لگ جائوں "۔ (۱)

تمہیں کہوں کم فروشی نہ کرو اور دھوکا بازی اور ملاوٹ نہ کرو لیکن میں خود یہ اعمال انجام دوں کہ دولت و ثروت اکھٹا کرنے لگوں یا تمہیں تو بتوں کی پرستش سے منع کروں مگر خود ان کے سامنے سر تعظیم خم کروں نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے ۔

اس جملے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت شعیب پر الزام لگاتے تھے کہ خود یہ فائدہ اٹھانے کا ارادہ رکھتا ہے لہذا وہ صراحت سے اس امر کی نفی کرتے ہیں ۔

آخر میں ان سے کہتے ہیں :

"میرا صرف ایک ہدف اور مقصد ہے اور وہ ہے اپنی قدرت و استطاعت کے مطابق تمہاری اور تمہارے معاشرے کی اصلاح "۔ (۲)

یہ وہی ہدف ہے جو تمام پیغمبروں کے پیش نظر رہا ہے ،یعنی عقیدے کی اصلاح، اخلاق کی اصلاح، عمل کی اصلاح ، روابط اور اجتماعی نظاموں کی اصلاح ۔

"اور اس ہدف تک پہنچنے کے لئے صرف خدا سے توفیق طلب کرتا ہوں "(۳)

مشکلات کے حل کے لئے اس کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے کوشش کرتا ہوں اور اس راہ میں سختیاں گوارا کرنے کے لئے اس کی طرف رجوع کرتا ہوں ۔

---

(۱)سورہ ہود آیت ۸۸

(۲)سورہ ہود آیت ۸۸

(۳)سورہ ہود آیت ۸۸

اس کے بعد انہیں ایک اخلاقی نکتے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی سے بغض وعداوت کی بناء پریا تعصب اور ہٹ دھرمی سے اپنے تمام مصالح نظر انداز کردیتا ہے اور انجام کو فراموش کردیتا ہے ،چنانچہ حضرت شعیب نے ان سے فرمایا : "اے میری قوم ایسا نہ ہوکہ میری دشمنی اورعداوت تمہیں گناہ، عصیاں اور سرکشی پر ابھارے اور کہیں ایسانہ ہو کہ وہی بلائیں ، مصیبتیں ، تکلیفیں عذاب اور سزائیں جو قوم نوح ، قوم ہودیا قوم صالح کو پہنچیں وہ تمہیں بھی آلیں ،یہاں تک کہ قوم لوط کے شہروں کا زیروزبر ہونا اور ان پر سنگباری کا واقعہ تم سے کوئ دور نہیں ہے"_[1]

نہ ان کا زمانہ تم سے کوئي دور ہے اور نہ ان کے علاقے تم سے دورہیں اور نہ ہی تمہارے اعمال اور گناہ ان لوگوں سے کچھ کم ہیں _"مدین" کہ جو قوم شعیب کا مرکز تھا وہ قوم لوط کے علاقے سے کوئي زیادہ فاصلے پر نہیں تھا_کیونکہ دونوں شامات کے علاقوں میں تھے_زمانے کے لحاظ سے اگرچہ کچھ فاصلہ تھاتا ہم اتنا نہیں کہ ان کی تاریخ فراموش ہوچکی ہوتی_باقی رہا عمل کے لحاظ سے تو اگرچہ قوم لوط کے جنسی انحرافات نمایاں تھے اور قوم شعیب کے اقتصادی انحرافات زیادہ تھے_ اور ظاہراًبہت مختلف تھے لیکن دونوں معاشرے میں فسادپیدا کرنے، اجتماعی نظام خراب کرنے، اخلاقی فضائل کو نابود کرنے اور برائي پھیلانے میں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے تھے_

ایک دوسرے کو دھمکیاں

یہ عظیم پیغمبرحضرت شعیب کہ انتہائي نچے تلے، بلیغ اور دلنشین کلام کی وجہ سے جن کا لقب، "خطیب الانبیاء "ہے، ان کا کلام ان لوگوں کے لئے روحانی ومادی زندگی کی راہیں کھولنے والا تھا_انہوں نے بڑے صبر، حوصلے، متانت اور دلسوزی کے ساتھ ان سے تمام باتیں کیں لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس گمراہ قوم نے انہیں کس طرح سے جواب دیا_

---

(۱) سورہ ہود آیت ۸۹

انہوں نے چار جملوں میں کہ جو ڈھٹائي، جہالت اور بے خبری کا مظہر تھے آپ(ع) کو جواب دیا:

پہلے وہ کہنے لگے:"اے شعیب(ع) تمہاری زیادہ تر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں"_[۱]

بنیادی طور پر تیری باتوں کا کوئي سر پیر نہیں، ان میں کوئي خاص بات اور منطق ہی نہیں کہ ہم ان پر کوئي غور وفکر کریں_ لہذا ان میں کوئي ایسی چیز نہیں جس پر ہم عمل کریں اس لیے تم اپنے آپ کو زیادہ نہ تھکاؤ اور دوسرے لوگوں کے پیچھے جاؤ_

"دوسرا یہ کہ ہم تجھے اپنے مابین کمزور پاتے ہیں"_[۲]

لہذا اگر تم یہ سوچتے ہو کہ تم اپنی بے منطق باتیں طاقت کے بل پر منوالوگے تو یہ بھی تمہاری غلط فہمی ہے_

یہ گمان نہ کروں کہ اگر ہم تم سے پوچھ گچھ نہیں کرتے تو یہ تمہاری طاقت کے خوف سے ہے_ اگر تیری قوم و قبیلہ کا احترام پیش نظر نہ ہوتا تو ہم تجھے بد ترین طریقے سے قتل کردیتے اور تجھے سنگسار کرتے_[۳]

آخر میں انہوں نے کہا:

"تو ہمارے لیے کوئی طاقتور اور ناقابل شکست نہیں ہے"_[۴]

اگر چہ تو اپنے قبیلے کے بزرگوں میں شمار ہوتا ہے لیکن جو پروگرام تیرے پیش نظر ہے اس کی وجہ سے ہماری نگاہ میں کوئي وقعت اور منزلت نہیں ہے_

حضرت شعیب(ع) ان باتوں کے نشتروں اور توہین آمیز رویّے سے(سیخ پا ہوکر)اٹھ کر نہیں گئے بلکہ آپ(ع) نے اس طرح انہیں پر منطق اور بلیغ پیرائے میں جواب دیا:"اے قومیرے قبیلے کے یہ چند افراد تمہارے نزدیک خدا سے زیادہ عزیز ہیں_"[۵]

---

(۱)سورہ ہود آیت ۹۱ (۲)سورہ ھود آیت ۹۱

(۳)سورہ شعیب آیت ۹۱ (۴)سورہ ھود آیت ۹۱

(۵)سورہ ھود آیت ۹۲

تم میرے خاندان کی خاطر کہ جو تمہارے بقول چند نفر سے زیادہ نہیں ہے ،مجھے آزار نہیں پہنچاتے ہو،توکیوں خدا کے لیے تم میری باتوں کو قبول نہیں کرتے ہو_کیا عظمت خدا کے سامنے چندافرادکی کوئی حیثیت ہے؟

کیا تم خدا کے لئے کسی احترام کے قائل ہو"جبکہ اسے اور اس کے فرمان کو تم نے پس پشت ڈال دیا ہے_"(۱)

آخرمیں حضرت شعیب(ع) کہتے ہیں:" یہ خیال نہ کروکہ خدا تمہارے اعمال کو نہیں دیکھتا اور تمہاری باتیں نہیں سنتا_ یقین جانو کہ میراپروردگار ان تمام اعمال پر محیط ہے جو تم انجام دیتے ہو"_(۲)

بلیغ سخن وروہ ہے کہ جو اپنی باتوں میں مدمقابل کی تمام تنقیدوں کا جواب دے_قوم شعیب(ع) کے مشرکین نے چونکہ اپنی باتوں کے آخر میں ضمناًانہیں سنگسار کرنے کی دھمکی دی تھی اور ان کے سامنے اپنی طاقت کا اظہار کیا تھا لہذا ان کی دھمکی کے جواب میں حضرت شعیب(ع) نے اپنے موقف کواس طرح سے بیان کیا:

اے میری قومجو کچھ تمہارے بس میں ہے کر گزرواور اس میں کوتاہی نہ کرو اور جو کچھ تم سے ہو سکتا ہے اس میں رورعایت نہ کرو_میں بھی اپنا کام کروں گا_لیکن تم جلد سمجھ جائو گے کہ کون رسوا کن عذاب میں گرفتار ہوتا ہے اور کون جھوٹا ہے میں یا تم_

اور اب جبکہ معاملہ اس طرح ہے تو تم بھی انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرتا ہوں ،تم اپنی طاقت،تعداد،سرمائے اور اثرورسوخ سے مجھ پر کامیابی کے انتظار میں رہو اور میں بھی اس انتظار میں ہوں کہ عنقریب دردناک عذاب الہی تم جیسی گمراہ قوم کے دامن گیر ہو اور تمہیں صفحہ ہستی سے مٹادے_

مدین کے تباہ کاروں کا انجام

گزشتہ اقوام کی سرگزشت کے بارے میں قرآن مجید میں ہم نے بارہا پڑھا ہے کہ پہلے مرحلے میں

---

(۱)سورہء ھود آیت ۹۲

(۲)سورہ ھود آیت ۹۲

انبیاء انہیں خدا کی طرف دعوت دینے کے لیے قیام کرتے تھے اور ہر طرح سے تعلیم و تربیت اور پند و نصیحت میں کوئي گنجائش نہیں چھوڑتے تھے_ دوسرے مرحلے میں جب ایک گروہ پرپند و نصائح کا کوئي اثر نہ ہوتا تو انہیں عذاب الہی سے ڈراتے تاکہ وہ آخری افراد تسلیم حق ہوجائیں جو قبولیت کی اہلیت رکھتے ہیں اور راہ خدا کی طرف پلٹ آئیں نیز اتمام حجت ہو جائے_

تیسرے مرحلے میں جب ان پرکوئي چیز موثر نہ ہوتی تو روئے زمین کی ستھرائي اور پاک سازی کر لیے سنت الہی کے مطابق عذاب آجاتا اور راستے کے ان کانٹوں کو دور کردیتا_

قوم شعیب(ع) یعنی اہل مدین کا بھی آخر کار مرحلہ انجام آپہنچا_چنانچہ قرآن کہتا ہے:"جب(اس گمراہ، ظالم اور ہٹ دھرم قوم کو عذاب دیئے جانے کے بارے میں) ہمارا فرمان آپہنچا تو ہم نے شعیب(ع) اور اس پر ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت کی برکت سے نجات دي_"[1]"پھر آسمانی پکار اور مرگ آفریں عظیم صیحہ نے ظالموں اور ستمگروں کو اپنی گرفت میں لے لیا_"[2]

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں_"صیحہ"ہر قسم کی عظیم آواز اور پکار کے معنی میں ہے، قرآن نے بعض قوموں کی نابودی صیحہ آسمانی کے ذریعے بتائي ہے_ یہ صیحہ احتمالاًصاعقہ کے ذریعے یا اس کی مانند ہوتی ہے اور جیسا کہ ہم نے قوم ثمود کی داستان میں بیان کیا ہے کہ صوتی امواج بعض اوقات اس قدر قوی ہو سکتی ہیں کہ ایک گروہ کی موت کا سبب بن جائیں_

اس کے بعد فرمایا گیا ہے:"اس آسمانی صیحہ کے اثر سے قوم شعیب کے لوگ اپنے گھروں میں منہ کے بل جاگرے اور مرگئے اور ان کے بے جان جسم درس عبرت بنے ہو ایک مدت تک وہیں پڑے رہے"_[3]

ان کی زندگی کی کتاب اس طرح بند کردی گئي کہ "گویا کبھی وہ اس سرزمین کے ساکن ہی نہ تھے"_

---

(۱)سورہ ھود آیت ۹۴

(۲)سورہ ھود آیت ۹۴

(۳)سورہ ھود آیت ۹۴

سات روز تک شدت کی گرمی پڑی اور ہوا بالکل نہ چلي، اس کے بعد اچانک آسمان پر بادل آئے، ہوا چلی ان کو گھروں سے نکال پھینکا، گرمی کی وجہ سے بادل کے سایہ کے نیچے چلے گئے_

اس وقت صاعقہ موت کا پیغام لیے کر آئي خطرناک آواز، آگ کی بارش اور زمین میں زلزلہ آگیا، اس طرح وہ سب نابود ہوگئے_

وہ تمام دولت وثروت کہ جس کی خاطر انہوں نے گناہ اور ظلم و ستم کیے نابود ہوگئي_ انکی زمینیں اور زرق برق زندگی ختم ہوگئي اور ان کا شور وغوغا خاموش ہوگیا اور آخر کار جیسا کہ قوم عادوثمود کی داستان کے آخر میں بیان ہوا ہے فرمایا گیا ہے:دور ہو سرزمین مدین لطف و رحمت پروردگار سے جیسے کہ قوم ثمود دور ہوئي_[1]

"واضح ہے کہ یہاں "مدین"سے مراد اہل مدین ہیں جو رحمت خدا سے دور ہوئے"_

---

(۱)سورہ ھود آیت۹۵

حضرت موسی علیہ السلام

تمام پیغمبر کی نسبت قرآن میں حضرت موسی (ع) کا واقعہ زیادہ آیا ہے_تیس سے زیادہ سورتوں میں موسی (ع) و فرعون اور بنی اسرائیل کے واقعہ کی طرف سومرتبہ سے زیادہ اشارہ ہوا ہے_

اگر ہم ان آیتوں کی الگ الگ شرح کریں ااس کے بعد ان سب کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیں تو بعض افراد کے اس توہم کے برخلاف کہ قرآن میں تکرار سے کام لیا گیا ہے، ہم کو معلوم ہوگا کہ قرآن میں نہ صرف تکرار نہیں ہے بلکہ ہر سورہ میں جو بحث چھیڑی گئي ہے اس کی مناسبت سے اس سرگزشت کا ایک حصہ شاہد کے طور پر پیش کیا گیا ہے_

ضمناً یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہیئے اس زمانے میں مملکت مصر نسبتاً وسیع مملکت تھي_وہاں کے رہنے والوں کا تمدن بھی حضرت نوح(ع) ،ہود(ع) اور شعیب(ع) کی اقوام سے زیادہ ترقي یافتہ تھا_ لہذا حکومت فراعنہ کی مقاومت بھی زیادہ تھي_

اسی بناء پر حضرت موسی (ع) کی تحریک اور نہضت بھی اتنی اہمیت کی حامل ہوئي کہ اس میں بہت زیادہ عبرت انگیز نکات پائے جاتے ہیں_بنابریں اس قرآن میں حضرت موسی (ع) کی زندگی اور بنی اسرائیل کے حالات کے مختلف پہلوئوں پر روشنی ڈالی گئي ہے_

کلی طور پر اس عظیم پیغمبر(ع) کی زندگی کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے_

حضرت موسی علیہ السلام کی زندگی کے پانچ ادوار

۱_پیدائش سے لے کر آغوش فرعون میں آپ(ع) کی پرورش تک کا زمانہ_

۲_مصر سے آپ(ع) کا نکلنا اور شہر مدین میں حضرت شعیب(ع) کے پاس کچھ وقت گزارنا_

۳_آپ(ع) کی بعثت کا زمانہ اور فرعون اور اس کی حکومت والوں سے آپ(ع) کے متعدد تنازعے_

۴_فرعونیوں کے چنگل سے موسی (ع) اور بنی اسرائیل کی نجات اور وہ حوادث جو راستہ میں اور بیت المقدس پہنچنے پر رونما ہوئے_

۵_حضرت موسی (ع) اور بنی اسرائیل کے درمیان کشمکش کا زمانہ_

ولادت حضرت موسی علیہ السلام

حکومت فرعون نے بنی اسرئیل کے یہاں جو نومولود بیٹے ہوتے تھے انہیں قتل کرنے کا ایک وسیع پروگرام بنایا تھا_ یہاں تک کہ فرعون کی مقرر کردہ دائیاں بنی اسرائیل کی باردار عورتوں کی نگرانی کرتی تھیں_

ان دائیوں میں سے ایک والدہ موسی (ع) کی دوست بن گئي تھي_ (شکم مادر میں موسی (ع) کا حمل مخفی رہا اوراس کے آثار ظاہر نہ ہوئے) جس وقت مادر موسی (ع) کو یہ احساس ہوا کہ بچے کی ولادت کا وقت قریب ہے تو آپ نے کسی کے ذریعہ اپنی دوست دائي کو بلانے بھیجا_ جب وہ آگئي تو اس سے کہا: میرے پیٹ میں ایک فرزند ہے، آج مجھے تمہاری دوستی اور محبت کی ضرورت ہے_

جس وقت حضرت موسی علیہ السلام پیدا ہوگئے تو آپ کی آنکھوں میں ایک خاص نور چمک رہا تھا،چنانچہ اسے دیکھ کر وہ دایہ کانپنے لگی اور اس کے دل کی گہرائي میں محبت کی ایک بجلی سماگئي، جس نے اس کے دل کی تمام فضاء کو روشن کردیا_

یہ دیکھ کر وہ دایہ، مادر موسی (ع) سے مخاطب ہوکر بولی کہ میرا یہ خیال تھا کہ حکومت کے دفتر میں جاکے اس بچے کے پیدا ہونے کی خبر دوں تاکہ جلاد آئیں اور اسے قتل کردیں اور میں اپنا انعام پالوں_ مگر میں کیا کروں

کہ میں اپنے دل میں اس نوزائیدہ بچے کی شدید محبت کا احساس کرتی ہوں_یہاں تک کہ میں یہ نہیں چاہتی کہ اس کا بال بھی بیکا ہو_اس کی اچھی طرح حفاظت کرو_میرا خیال ہے کہ آخرکار یہی ہمارا دشمن ہوگا_

جناب موسی علیہ السلام تنور میں

وہ دایہ مادر موسی (ع) کے گھر سے باہر نکلي_ تو حکومت کے بعض جاسوسوں نے اسے دیکھ لیا_ انھوں نے تہیہ کرلیا کہ وہ گھر میں داخل ہوجائیں گے_ موسی (ع) کی بہن نے اپنی ماں کو اس خطرے سے آگاہ کردیا ماں یہ سن کے گھبرا گئي_ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب کیا کرے_

اس شدید پریشانی کے عالم میں جب کہ وہ بالکل حواس باختہ ہورہی تھیاس نے بچے کو ایک کپڑے میں لپیٹا اور تنور میں ڈال دیا_ اس دوران میں حکومت کے آدمی آگئے_مگر وہاں انھوں نے روشن تنور کے سوا کچھ نہ دیکھا_ انھوں نے مادر موسی (ع) سے تفتیش شروع کردی_پوچھا_دایہ یہاں کیا کررہی تھي_؟ موسی (ع) کی ماں نے کہا کہ وہ میری سہیلی ہے مجھ سے ملنے آئي تھی_ حکومت کے کارندے مایوس ہوکے واپس ہوگئے_

اب موسی (ع) کی ماں کو ہوش آیا_ آپ نے اپنی بیٹی سے پوچھا کہ بچہ کہاں ہے؟ اس نے لاعلمی کا اظہار کیا_ ناگہاں تنور کے اندر سے بچہ کے رونے کی آواز آئي_ اب ماں تنور کی طرف دوڑی_کیا دیکھتی ہے کہ خدا نے اس کے لئے آتش تنور کو "ٹھنڈا اور سلامتی کہ جگہ"بنادیا ہے_ وہی خدا جس نے حضرت ابراھیم (ع) کے لیے آتش نمرود کو "برد وسلام"بنادیا تھا_ اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور بچے کو صحیح وسالم باہر نکال لیا_

لیکن پھر بھی ماں محفوظ نہ تھي_کیونکہ حکومت کے کارندے دائیں بائیں پھرتے رہتے اور جستجو میں لگے رہتے تھے_ کسی بڑے خطرے کے لیےیہی کافی تھا کہ وہ ایک نوزائید بچے کے رونے کی آواز سن لیتے_

اس حالت میں خدا کے ایک الہام نے ماں کے قلب کو روشن کردیا_وہ الہام ایسا تھا کہ ماں کو بظاہر ایک خطرناک کام پر آمادہ کررہا تھا_مگرپھر بھی ماں اس ارادے سے اپنے دل میں سکون محسوس کرتی تھي_

"ہم نے موسی (ع) کی ماں کی طرف وحی کی کہ اسے دودھ پلا اور جب تجھے اس کے بارے میں کچھ خوف پیدا ہوتو اسے دریا میں ڈال دینا اورڈرنا نہیں اور نہ غمگین ہونا کیونکہ ہم اسے تیرے پاس لوٹا دیں گے اور اسے رسولوں میں سے قرار دیں گے_ (۱)

اس نے کہا: "خدا کی طرف سے مجھ پر یہ فرض عائد ہوا ہے_ میں اسے ضرور انجام دوں گي"_ اس نے پختہ ارادہ کرلیا کہ میں اس الہام کو ضرور عملی جامہ پہنائوں گی اور اپنے نوزائیدہ بچے کو دریائے نیل میں ڈال دوں گي_

اس نے ایک مصری بڑھئي کو تلاش کیا (وہ بڑھئي قبطی اور فرعون کی قوم میں سے تھا) اس نے اس بڑھئي سے درخواست کی کہ میرے لیے ایک چھوٹا سا صندوق بنادے_

بڑھئي نے پوچھا: جس قسم کا صندوقچہ تم بنوانا چاہتی ہو اسے کس کام میں لائوگي؟

موسی (ع) کی ماں جو دروغ گوئي کی عادی نہ تھی اس نازک مقام پر بھی سچ بولنے سے باز نہ رہي_ اس نے کہا: میں بنی اسرائیل کی ایک عورت ہوں_ میرا ایک نوزائید بچہ لڑکا ہے_ میں اس بچے کو اس صندوق میں چھپانا چاہتی ہوں_

اس قبطی بڑھئي نے اپنے دل میں یہ پختہ ارادہ کرلیا کہ جلادوں کو یہ خبر پہنچادے گا_ وہ تلاش کرکے ان کے پاس پہنچ گیا_ مگر جب وہ انھیں یہ خبر سنانے لگاتو اس کے دل پر ایسی وحشت طاری ہوئي کہ اس کی زبان بند ہوگئي_ وہ صرف ہاتھوں سے اشارے کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ ان علامتوں سے انھیں اپنا مطلب سمجھا دے_ حکومت کے کارندوں نے اس کی حرکات دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہ شخص ہم سے مذاق کررہا ہے_ اس لیے اسے مارا اور باہر نکال دیا_

جیسے ہی وہ اس دفتر سے باہر نکلا اس کے ہوش و حواس یکجا ہوگئے، وہ پھر جلادوں کے پاس گیا اور اپنی حرکات سے پھر مار کھائي_

---

(۱) سورہ قصص آیت ۷

آخر اس نے یہ سمجھا کہ اس واقعے میں ضرور کوئي الہی رازپوشیدہ ہے_چنانچہ اس نے صندوق بنا کے حضرت موسی (ع)کی والدہ کو دے دیا_

دریا کی موجیں گھوارے سے بہتر

غالباً صبح کا وقت تھا_ابھی اہل مصر محو خواب تھے_مشرق سے پو پھٹ رہی تھي_ماں نے نوزائیدہ بچے اور صندوق کو دریائے نیل کے کنارے لائي،بچے کو آخری مرتبہ دودھ پلایا_پھر اسے، مخصوص صندوق میں رکھا(جس میں یہ خصوصیت تھی کہ ایک چھوٹی کشتی کی طرح پانی پر تیر سکے)پھر اس صندوق کو نیل کی موجوں کے سپرد کردیا_نیل کی پر شور موجوں نے اس صندوق کوجلدہی ساحل سے دور کردیا_ماں کنارے کھڑی دیکھ رہی تھی_ معاًاسے ایسا محسوس ہوا کہ اس کا دل سینے سے نکل کر موجوں کے اوپر تیر رہا ہے_اس دقت، اگر الطاف الہی اس کے دل کو سکون و قرار نہ بخشتا تو یقینا وہ زور زور سے رونے لگتی اور پھر سارا راز فاش ہو جاتا، کسی آدمی میں یہ قدرت نہیں ہے کہ ان حساس لمحات میں ماں پر جو گزررہی تھي_الفاظ میں اس کا نقشہ کھینچ سکے مگر_ ایک فارسی شاعرہ نے کسی حد تک اس منظر کو اپنے فصیح اورپر از جذبات اشعار میں مجسم کیا ہے_

۱_مادر موسی (ع)چو موسی (ع)را بہ نیل ---درفکند از گفتہ رب جلیل

۲_خودز ساحل کرد باحسرت نگاہ ---گفت کای فرزند خرد بی گناہ

۳_گر فراموشت کند لطف خدای ---چون رہی زین کشتی بی ناخدای

۴_وحی آمد کاین چہ فکر باطل است ---رہرو ما اینک اندر منزل است

۵_ماگرفتیم آنچہ را انداختی ----دست حق را دیدی ونشاختي

۶_ سطح آب از گاہوارش خوشتراست ---دایہ اش سیلاب و موجش مادراست

۷_رودھا از خودنہ طغیان می کنند--- آنچہ می گوئیم ما آن می کنند

۸_ما به دریا حکم طوفان می دہیم

ما به سیل وموج فرماں می دہیم

۹_نقش ہستی نقشی از ایوان ما است

خاک وباد وآب سرگردان ماست

۱۰_به که برگردی به ما بسپاریش

کی تو از ما دوستر می داریش؟[1]

۱_جب موسی (ع) کی ماں نے حکم الہی کے مطابق موسی (ع) کو دریائے نیل میں ڈال دیا_

۲_وہ ساحل پر کھڑی ہوئي حسرت سے دیکھ رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اے میرے بے گناہ ننھے بیٹے

۳_اگر لطف الہی تیرے شامل حال نہ ہو تو، تو اس کشتی میں کیسے سلامت رہ سکتا ہے جس کا کوئي نا خدا نہیں ہے_

۴_حضرت موسی علیہ السلام کی ماں کو اس وقت وحی ہوئي کہ تیری یہ کیا خام خیالی ہے ہمارا مسافر تو سوئے منزل رواں ہے_

۵_تونے جب اس بچے کو دریا میں ڈالا تھا تو ہم نے اسے اسی وقت سنبھال لیا تھا_ تو نے خدا کا ہاتھ دیکھا مگر اسے پہچانا نہیں_

۶_اس وقت پانی کی سطح (اس کے لیے) اس کے گہوارے سے زیادہ راحت بخش ہے_دریا کا سیلاب اس کی دایہ گیری کررہا ہے اور اس کی موجیں آغوش مادر بنی ہوئي ہیں_

۷_دیکھوں دریائوں میں ان کے ارادہ و اختیار سے طغیانی نہیں آتي_وہ ہمارے حکم کے مطیع ہیں وہ وہی کرتے ہیں جو ہمارا امر ہوتا ہے_

۸_ہم ہی سمندروں کو طوفانی ہونے کا حکم دیتے ہیں اور ہم ہی سیل دریا کو روانی اور امواج بحر کو تلاطم کا فرمان بھیجتے ہیں_

---

(۱) از دیوان پروین اعتصامي

۹_ہستی کا نقش ہمارے ایوان کے نقوش میں سے ایک نقش ہے جو کچھ ہے، یہ کائنات تو اس کا مشتے ازخرواری نمونہ ہے_ اور خاک، پاني، ہوا اور آتش ہمارے ہی اشارے سے متحرک ہیں_

۱۰_بہتر یہی ہے کہ تو بچے کو ہمارے سپرد کردے اور خود واپس چلی جا_ کیونکہ تو اس سے ہم سے زیادہ محبت نہیں کرتي_

دلوں میں حضرت موسی علیہ السلام کی محبت

اب دیکھنا چاہیئے فرعون کے محل میں کیا ہورہا تھا؟

روایات میں مذکور ہے کہ فرعون کی ایک اکلوتی بیٹی تھي_وہ ایک سخت بیماری سے شدید تکلیف میں تھي_فرعون نے اس کا بہت کچھ علاج کرایا مگر بے سود_اس نے کاہنوں سے پوچھا_ انھوں نے کہا:"اے فرعون ہم پیشن گوئي کرتے ہیں کہ اس دریا میں سے ایک آدمی تیرے محل میں داخل ہوگا_اگر اس کے منہ کی رال اس بیمار کے جسم پر ملی جائے گی تو اسے شفا ہوجائیگي_

چنانچہ فرعون اور اس کی ملکہ آسیہ ایسے واقعے کے انتظار میں تھے کہ ناگہاں ایک روز انھیں ایک صندوق نظر آیا جو موجوں کی سطح پر تیر رہا تھا_فرعون نے حکم دیا کہ سرکاری ملازمین فوراً دیکھیں کہ یہ صندوق کیسا ہے اور اسے پانی میں سے نکال لیں_دیکھیں کہ اس میں کیا ہے؟

نوکروں نے وہ عجیب صندوق فرعون کے سامنے لاکے رکھ دیا_ کسی کو اس کا ڈھکنا کھولنے کی ہمت نہ ہوئي_ مطابق مشیت الہي، یہ لازمی تھا کہ حضرت موسی (ع) کی نجات کے لیے صندوق کا ڈھکنا فرعون ہی کے ہاتھ سے کھولا جائے،چنانچہ ایسا ہی ہوا_

جس وقت فرعون کی ملکہ نے اس بچے کو دیکھا تو اسے یوں محسوس ہوا کہ ایک بجلی چمکی ہے جس نے اس کے دل کو منور کردیا ہے_

ان دونوں بالخصوص فرعون کی ملکہ کے دل میں اس بچے کی محبت نے گھر بنالیا اور جب اس بچے کا

آب دہن اس کے لیے موجب شفا ہوگیا تو یہ محبت اور بھی زیادہ ہوگئی_

قرآن میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے کہ:_ فرعون کے اہل خانہ نے موسی (ع) کو نیل کی موجوں کے اوپر سے پکڑ لیا_ تا کہ وہ ان کا دشمن اور ان کے لیے باعث اندوہ ہوجائے_ (۱)

"یہ امر بدیہی ہے کہ فرعون کے اہل خانہ نے اس بچے کے قنداقہ (وہ کپڑا جس میں بچہ کو لپیٹتے ہیں) کو اس نیت سے دریا سے نہیں نکالا تھا کہ اپنے جانی دشمن کو اپنی گود میں پالیں ،بلکہ وہ لوگ بقول ملکہ فرعون، اپنے لیے ایک نور چشم حاصل کرنا چاہتے تھے_

لیکن انجام کار ایسا ہی ہوا، اس معنی و مراد کی تعبیر میں لطافت یہی ہے کہ خدا اپنی قدرت کا اظہار کرنا چاہتا ہے کہ وہ کس طرح اس گروہ کو جنھوں نے اپنی تمام قوتیں اور وسائل ،بنی اسرائیل کی اولاد ذکور کو قتل کرنے کے لیے وقف کردیا تھا، اس خدمت پر مامور کرے کہ جس بچے کو نابود کرنے کے لیے انھوں نے یہ پروگرام بنایا تھا، اسی کو وہ اپنی جان کی طرح عزیز رکھیں اور اسی کی پرورش کریں_

قرآن کی آیات سے یہ معلوم ہوتاہے کہ اس بچے کی بابت فرعون، اس کی ملکہ اور دیگر اہل خاندان میں باہم نزاع اور اختلاف بھی ہوا تھا، کیونکہ قرآن شریف میں یوں بیان ہے: فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کا نور ہے_ اسے قتل نہ کرو_ ممکن ہے یہ ہمارے لیے نفع بخش ہو یا ہم اسے ہم اپنا بیٹا بنا لیں_ (۲)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرعون بچے کے چہرے اور دیگر علامات سے، من جملہ ان کے اسے صندوق میں رکھنے اور دریائے نیل میں بہادینے سے یہ سمجھ گیا تھا کہ یہ بنی اسرائیل میں سے کسی کا بچہ ہے_

یہ سمجھ کرناگہاں ،بنی اسرائیل میں سے ایک آدمی کی بغاوت اور اس کی سلطنت کے زوال کا کابوس اس کی روح پر مسلط ہوگیا اور وہ اس امر کا خواہاں ہوا کہ اس کا وہ ظالمانہ قانون، جو بنی اسرائیل کے تمام نوزاد اطفال کے لیے جاری کیا گیا تھا اس بچے پر بھی نافذ ہو_

---

(۱) سورہ قصص آیت ۸

(۲) قصص آیت ۹

فرعون کے خوشامدی درباریوں او ررشتہ داروں نے بھی اس امر میں فرعون کی تائید و حمایت کی اور کہا اس کی کوئي دلیل نہیں ہے کہ یہ بچہ قانون سے مستثنی رہے_

لیکن فرعون کی بیوی آسیہ جس کے بطن سے کوئي لڑکا نہ تھا اور اس کا پاک دل فرعون کے درباریوں کی مانند نہ تھا، اس بچے کے لیے محبت کا کان بن گیا تھا_چنانچہ وہ ان سب کی مخالفت پرآمادہ ہوگئي اورچونکہ اس قسم کے گھریلو اختلافات میں فتح ہمیشہ عورتوں کی ہوتی ہے،وہ بھی جیت گئي_

اگر اس گھریلو جھگڑے پر،دختر فرعون کی شفایابی کے واقعے کا بھی اضافہ کرلیا جائے تواس اختلاف باہمی میں آسیہ کی فتح کا امکان روشن تر ہو جاتا ہے_

قرآن میں ایک بہت ہی پر معنی فقرہ ہے:"وہ نہیں جانتے تھے کہ کیا کررہے ہیں :"(۱)

البتہ وہ بالکل بے خبر تھے کہ خدا کا واجب النفوذ فرمان اور اس کی شکست ناپذیر مشیت نے یہ تہیہ کرلیا ہے کہ یہ طفل نوزاد انتہائي خطرات میں پرورش پائے_ اورکسی آدمی میں بھی ارادہ و مشیت الہی سے سرتابی کی جرات اور طاقت نہیں ہے"_

اللہ کی عجیب قدرت

اس چیز کانام قدرت نمائي نہیں ہے کہ خداآسمان و زمین کے لشکروں کو مامور کرکے کسی پُرقوت اور ظالم قوم کو نیست و نابود کردے_

بلکہ قدرت نمائي یہ ہے کہ ان ہی جباران مستکبر سے یہ کام لے کر وہ اپنے آپ کو خودہی نیست و نابود کرلیں اور ان کے دل و دماغ میں ایسے خیالات پیدا ہوجائیں کہ بڑے شوق سے لکڑیاں جمع کریں اور اس کی آگ میں جل مریں، اپنے لیے خودہی قیدخانہ بنائیں اور اسمیں اسیر ہوکے جان دے دیں ، اپنے لیے خودہی صلیب کھڑی کریں اور اس پر چڑھ مرجائیں_

---

(۱)سورہ قصص آیت ۹

فرعون اوراسکے زور منداور ظالم ساتھیوں کے ساتھ بھی یہی پیش آیا_چنانچہ تمام مراحل میں حضرت موسی (ع) کی نجات اورپرورش انہی کے ہاتھوں سے ہوئي، حضرت موسی (ع) کی دایہ قبطیوں میں سے تھي، صندوق موسی (ع) کو امواج نیل سے نکالنے اور نجات دینے والے متعلقین فرعون تھے، صندوق کا ڈھکنا کھولنے والا خود فرعون یا اس کی اہلیہ تھي، اور آخر کار فرعون شکن اور مالک غلبہ و اقتدار موسی (ع) کے لیے امن و آرام اورپرورش کی جگہ خود فرعون کا محل قرار پایا_ یہ ہے پروردگار عالم خدا کی قدرت_

موسی علیہ السلام پھر آغوش مادر میں

حضرت موسی علیہ السلام کی ماں نے اس طرح سے جیسا کہ ہم نے پیشتر بیان کیا ہے، اپنے فرزند کو دریائے نیل کی لہروں کے سپرد کردیا_ مگر اس عمل کے بعد اس کے دل میں جذبات کا یکایک شدید طوفان اٹھنے لگا، نوزائیدہ بیٹے کی یاد، جس کے سوا اس کے دل میں کچھ نہ تھا، اس کے احساسات پر غالب آگئي تھي، قریب تھا کہ وہ دھاڑیں مار کر رونے لگے اور اپنا راز فاش کردے، قریب تھا کہ چیخ مارے اور اپنے بیٹے کی جدائي میں نالے کرے_

لیکن عنایت خداوندی اس کے شامل حال رہی جیسا کہ قرآن میں مذکورہے:"موسی علیہ السلام کی ماں کا دل اپنے فرزند کی یاد کے سوا ہر چیز سے خالی ہوگیا، اگر ہم نے اس کا دل ایمان اور امید کے نور سے روشن نہ کیا ہوتا تو قریب تھا کہ وہ راز فاش کردیتي_ لیکن ہم نے یہ اس لیے کیا تاکہ وہ اہل ایمان میں سے رہے"_[(۱)]

یہ قطعی فطری امر ہے کہ: ایک ماں جو اپنے بچے کو اس صورت حال سے اپنے پاس سے جدا کرے وہ اپنی اولاد کے سوا ہر شے کو بھول جائے گي_ اور اس کے حواس ایسے باختہ ہو جائیں گے کہ ان خطرات کا لحاظ

---

(۱)سورہ قصص آیت ۱۰

کیے بغیر جو اس کے اور اس کے بیٹے دونوں کے سر پر منڈلا رہے تھے فریاد کرے اور اپنے دل کا راز فاش کردے_

لیکن وہ خدا جس نے اس ماں کے سپرد یہ اہم فریضہ کیا تھا، اسی نے اس کے دل کو ایسا حوصلہ بھی بخشا کہ وعدہ الہی پر اس کا ایمان ثابت رہے اور اسے یہ یقین رہے کہ اس کا بچہ خدا کے ہاتھ میں ہے آخر کار وہ پھر اسی کے پاس آجائے گا اور پیغمبر بنے گا_

اس لطف خداوندی کے طفیل ماں کے دل کا سکون لوٹ آیا مگر اسے آرزو رہی کہ وہ اپنے فرزند کے حال سے باخبر رہے" اس لئے اس نے موسی علیہ السلام کی بہن سے کہا کہ جا تو دیکھتی رہ کہ اس پر کیا گزرتی ہے"_(۱)

موسی علیہ السلام کی بہن ماں کا حکم بجالائي اور اتنے فاصلہ سے جہاں سے سب کچھ نظر آتا تھا دیکھتی رہی_ اس نے دور سے دیکھا کہ فرعون کے عمال اس کے بھائي کے صندوق کو پانی میں سے نکال رہے ہیں اور موسی علیہ السلام کو صندوق میں سے نکال کر گود میں لے رہے ہیں_

"مگر وہ لوگ اس بہن کی اس کیفیت حال سے بے خبر تھے_"(۲)

بہر حال ارادہ الہی یہ تھا کہ یہ طفل نوزاد جلد اپنی ماں کے پاس واپس جائے اور اس کے دل کو قرار آئے_ اس لیے فرمایا گیا ہے :"ہم نے تمام دودھ پلانے والی عورتوں کو اس پر حرام کردیا تھا"_(۳)

یہ طبیعی ہے کہ شیر خوار نوزاد چند گھنٹے گزرتے ہی بھوک سے رونے لگتا ہے اور بے تاب ہوجاتا ہے_ درین حال لازم تھا کہ موسی علیہ السلام کو دودھ پلانے کے لیے کسی عورت کی تلاش کی جاتي_ خصوصاً جبکہ ملکہ مصر اس بچے سے نہایت دل بستگی رکھتی تھی اور اسے اپنی جان کے برابر عزیز رکھتی تھي_

محل کے تمام خدام حرکت میں آگئے اور دربدر کسی دودھ پلانے والی کو تلاش کرنے لگے_ مگر یہ عجیب بات تھی کہ وہ کسی کا دودھ پیتا ہی نہ تھا_

---

(۱)سورہ قصص آیت ۱۱

(۲)سورہ قصص آیت ۱۱

(۳)سورہ قصص آیت ۱۲

ممکن ہے کہ وہ بچہ ان عورتوں کی صورت ہی سے ڈرتا ہو اور ان کے دودھ کا مزہ(جس سے وہ آشنا نہ تھا) اسے اس کا ذائقہ ناگوار اور تلخ محسوس ہوتا ہو_ اس بچے کا طور کچھ اس طرح کا تھا گویا کہ ان (دودھ پلانے والي)عورتوں کی گود سے اچھل کے دور جاگرے در اصل یہ خدا کی طرف سے"تحريم تكويني"تھی کہ اس نے تمام عورتوں کو اس پر حرام کردیا تھا_

بچہ لحظہ بہ لحظہ زیادہ بھوکا اور زیادہ بیتاب ہوتا جاتا تھا_ بار بار رورہا تھا اور اس کی آواز سے فرعون کے محل میں شور ہورہا تھا_ اور ملکہ کا دل لرز رہا تھا_

خدمت پرمامور لوگوں نے اپنی تلاش کو تیز تر کردیا_ ناگہاں قریب ہی انھیں ایک لڑکی مل جاتی ہے_ وہ ان سے یہ کہتی ہے:میں ایک ایسے خاندان کو جانتی ہوں جو اس بچے کی کفالت کرسکتا ہے_ وہ لوگ اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے_

"کیا تم لوگ یہ پسند کروگے کہ میں تمہیں وہاں لے چلوں "؟(۱)

میں بنی اسرائیل میں سے ایک عورت کو جانتی ہوں جس کی چھاتیوں میں دودھ ہے اور اس کا دل محبت سے بھرا ہوا ہے_ اس کا ایک بچہ تھا وہ اسے کھوچکی ہے_ وہ ضرور اس بچے کو جو محل میں پیدا ہوا ہے،دودھ پلانے پر آمادہ ہوجائے گي_

وہ تلاش کرنے والے خدام یہ سن کر خوش ہوگئے اور موسی علیہ السلام کی ماں کو فرعون کے محل میں لے گئے_ اس بچے نے جونہی اپنی ماں کی خوشبو سونگھی اس کا دودھ پینے لگا_ اور اپنی ماں کا روحانی رس چوس کر اس میں جان تازہ آگئي_ اسکی آنکھوں میں خوشی کا نور چمکنے لگا_

اس وقت وہ خدام جو ڈھونڈ ڈھونڈ کے تھک گئے تھے_ بہت ہی زیادہ خوش و خرم تھے_ فرعون کی بیوی بھی اس وقت اپنی خوشی کو نہ چھپا سکي_ ممکن ہے اس وقت لوگوں نے کہا ہو کہ تو کہاں چلی گئي تھي_ ہم تجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کے تھک گئے_ تجھ پر اور تیرے شیر مشکل کشا پر آفرین ہے_

---

(۱)سورہ قصص آیت ۱۲

صرف تیرا ہی دودھ کیوں پیا

جس وقت حضرت موسی علیہ السلام ماں کا دودھ پینے لگے، فرعون کے وزیر ہامان نے کہا: مجھے لگتا ہے کہ تو ہی اسکی ماں ہے۔ بچے نے ان تمام عورتوں میں سے صرف تیرا ہی دودھ کیوں قبول کرلیا؟

ماں نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ایسی عورت ہوں جس کے دودھ میں سے خوشبو آتی ہے۔ میرا دودھ نہایت شیریں ہے۔ اب تک جو بچہ بھی مجھے سپرد کیا گیا ہے۔ وہ فوراً ہی میرا دودھ پینے لگتا ہے۔

حاضرین دربار نے اس قول کی صداقت کو تسلیم کرلیا اور ہر ایک نے حضرت موسی علیہ السلام کی ماں کو گراں بہا ہدیے اور تحفے دیے۔

ایک حدیث جو امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے اس میں منقول ہے کہ: "تین دن سے زیادہ کا عرصہ نہ گزرا تھا کہ خدانے کے بچے کواس کی ماں کے پاس لوٹا دیا"۔

بعض اہل دانش کا قول ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کے لیے یہ "تحریم تکويني" (یعني دوسری عورتوں کا حرام کیا جانا) اس سبب سے تھاکہ خدا یہ نہیں چاہتا تھا کہ میرا فرستادہ پیغمبر ایسا دودھ پیئے جو حرام سے آلودہ ہو اور ایسا مال کھاکے بنا ہو جو چوري، نا جائز ذرائع، رشوت اور حق الناس کو غصب کرکے حاصل کیا گیا ہو۔

خدا کی مشیت یہ تھی کہ حضرت موسی علیہ السلام اپنی صالحہ ماں کے پاک دودھ سے غذا حاصل کریں۔ تاکہ وہ اہل دنیا کے شر کے خلاف ڈٹ جائیں اور اہل شر وفساد سے نبرد آزمائي کرسکیں۔

"ہم نے اس طرح موسی علیہ السلام کو اس کی ماں کے پاس لوٹا دیا۔ تاکہ اس کی آنکھیں روشن ہوجائیں اور اس کے دل میں غم واندوہ باقی نہ رہے اور وہ یہ جان لے کہ خدا کا وعدہ حق ہے۔ اگرچہ اکثر لوگ یہ نہیں جانتے"۔[۱]

---

(۱) سورہ قصص آیت ۱۳

اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ: کیا وابستگان فرعون نے موسی علیہ السلام کو پورے طور سے ماں کے سپرد کردیا تھا کہ وہ اسے گھر لے جائے اور دودھ پلایا کرے اور دوران رضاعت روزانہ یا کبھی کبھی بچے کو محل میں لایا کرے تاکہ ملکہ مصر اسے دیکھ لیا کرے یا یہ کہ بچہ محل ہی میں رہتا تھا اور موسی علیہ السلام کی ماں معین اوقات میں آکر اسے دودھ پلاجاتی تھي؟

مذکورہ بالا دونوں احتمالات کے لیے ہمارے پاس کوئي واضح دلیا نہیں ہے_ لیکن احتمال اول زیادہ قرین قیاس ہے_

ایک اور سوال یہ ہے کہ:

آیا عرصہ شیر خوارگی کے بعد حضرت موسی علیہ السلام فرعون کے محل میں چلے گئے یا ان کا تعلق اپنی ماں اور خاندان کے ساتھ باقی رہا اور محل سے وہاں آتے جاتے رہے؟

اس مسئلے کے متعلق بعض صاحبان نے یہ کہا ہے کہ شیر خوارگی کے بعد آپ کی ماں نے انھیں فرعون اور اس کی بیوی آسیہ کے سپرد کردیا تھا اور حضرت موسی علیہ السلام ان دونوں کے پاس پرورش پاتے رہے_

اس ضمن میں راویوں نے فرعون کے ساتھ حضرت موسی علیہ السلام کی طفلانہ (مگر با معنی) باتوں کا ذکر کیا ہے کہ اس مقام پر ہم ان کو بعذر طول کلام کے پیش نظر قلم انداز کرتے ہیں_ لیکن فرعون کا یہ جملہ جے اس نے بعثت موسی علیہ السلام کے بعد کہا:

"کیا ہم نے تجھے بچپن میں پرورش نہیں کیا اور کیا تو برسوں تک ہمارے درمیان نہیں رہا"_ (۱)

اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب موسی علیہ السلام چند سال تک فرعون کے محل میں رہتے تھے_

علی ابن ابراھیم کی تفسیر سے استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام تازمانہ بلوغ فرعون کے محل میں نہایت احترام کے ساتھ رہے_ مگر ان کی توحید کے بارے میں واضح باتیں فرعون کو سخت ناگوار ہوتی تھیں_

---

(۱) سورہ شعراء آیت ۱۸

یہاں تک کہ اس نے انھیں قتل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ حضرت موسی علیہ السلام اس خطرے کو بھاپ گئے اوربھاگ کر شہر میں آگئے۔یہاں وہ اس واقعے سے دوچار ہوئے کہ دو آدمی لڑرہے تھے جن میں سے ایک قبطی اور ایک سبطی تھا۔(۱)

موسی علیہ السلام مظلوموں کے مددگار کے طورپر

اب ہم حضرت موسی علیہ السلام کی نشیب و فراز سے بھرپور زندگی کے تیسرے دور کو ملاحظہ کرتے ہیں۔

اس دور میں ان کے وہ واقعات ہیں جو انھیں دوران بلوغ اور مصر سے مدین کو سفر کرنے سے پہلے پیش آئے اور یہ وہ اسباب ہیں جو ان کی ہجرت کا باعث ہوئے۔

"بہر حال حضرت موسی علیہ السلام شہر میں اس وقت داخل ہوئے جب تمام اہل شہر غافل تھے"۔(۲)

یہ واضح نہیں ہے کہ یہ کونسا شہر تھا۔لیکن احتمال قوی یہ ہے کہ یہ مصر کا پایہ تخت تھا۔بعض لوگوں کا قول ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کو اس مخالفت کی وجہ سے جو ان میں فوعون اور اس کے وزراء میں تھی اوربڑھتی جارہی تھي،مصر کے پایہ تخت سے نکال دیا گیا تھا۔مگر جب لوگ غفلت میں تھے۔ موسی علیہ السلام کو موقع مل گیا اور وہ شہر میں آگئے۔

اس احتمال کی بھی گنجائش ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام فرعون کے محل سے نکل کر شہر میں آئے ہوں کیونکہ عام طورپر فرعونیوں کے محلات شہر کے ایک کنارے پر ایسی جگہ بنائے جاتے تھے جہاں سے وہ شہر کی طرف آمدورفت کے راستوں کی نگرانی کرسکیں۔

---

(۱)اس واقعہ کی تفصیل آئندہ آئے گی

(۲)سورہ قصص آیت ۱۸

شہر کے لوگ اپنے مشاغل معمول سے فارغ ہو چکے تھے اور کوئي بھی شہر کی حالت کی طرف متوجہ نہ تھا_ مگر یہ کہ وہ وقت کونسا تھا؟ بعض کا خیال ہے کہ "ابتدائے شب" تھي، جب کہ لوگ اپنے کاروبار سے فارغ ہوجاتے ہیں، ایسے میں کچھ تو اپنے اپنے گھروں کی راہ لیتے ہیں_ کچھ تفریح اور رات کو بیٹھ کے باتیں کرنے لگتے ہیں_

بہر کیف حضرت موسی علیہ السلام شہر میں آئے اور وہاں ایک ماجرے سے دوچار ہوئے دیکھا: "دو آدمی آپس میں بھڑے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کو مار رہے ہیں_ ان میں سے ایک حضرت موسی علیہ السلام کا طرف دار اور ان کا پیرو تھا اور دوسرا ان کا دشمن تھا"_[1]

کلمہ "شیعتہ" اس امر کا غماز ہے کہ جناب موسی (ع) اور بنی اسرائیل میں اسی زمانے سے مراسم ہوگئے تھے اور کچھ لوگ ان کے پیرو بھی تھے احتمال یہ ہوتا ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام اپنے مقلدین اور شیعوں کی روح کو فرعون کی جابرانہ حکومت کے خلاف لڑنے کے لئے بطور ایک مرکزی طاقت کے تیار کررہے تھے_

جس وقت بنی اسرائیل کے اس آدمی نے موسی علیہ السلام کو دیکھا: "تو ان سے اپنے، دشمن کے مقابلے میں امداد چاہي"_[2]

حضرت موسی علیہ السلام اس کی مدد کرنے کے لئے تیار ہوگئے تاکہ اسے اس ظالم دشمن کے ہاتھ سے نجات دلائیں بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ قبطی فرعون کا ایک باورچی تھا اور چاہتا تھا کہ اس بنی اسرائیل کو بیکار میں پکڑ کے اس سے لکڑیاں اٹھوائے" حضرت موسی علیہ السلام نے اس فرعونی کے سینے پر ایک مکامارا وہ ایک ہی مکے میں مرگیا اور زمین پر گر پڑا"_[3]

اس میں شک نہیں کہ حضرت موسی کا اس فرعونی کو جان سے ماردینے کا ارادہ نہ تھا قرآن سے بھی یہ خوب واضح ہوجاتاہے ایسا اس لئے نہ تھا کہ وہ لوگ مستحق قتل نہ تھے بلکہ انھیں ان نتائج کا خیال تھا جو خود حضرت موسی اور بنی اسرائیل کو پیش آسکتے تھے_

---

(۱)سورہ قصص آیت ۱۵ (۲)سورہ قصص آیت ۱۵ (۳) سورہ قصص آیت ۱۵

لہذا حضرت موسی علیہ السلام نے فوراً کہا:"کہ یہ کام شیطان نے کرایا ہے کیونکہ وہ انسانوں کا دشمن اور واضح گمراہ کرنے والا ہے"_(۱)

اس واقعے کی دوسری تعبیر یہ ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام چاہتے تھے کہ بنی اسرئیلی کا گریبان اس فرعونی کے ہاتھ سے چھڑادیں ہرچند کہ وابستگان فرعون اس سے زیادہ سخت سلوک کے مستحق تھے لیکن ان حالات میں ایسا کام کر بیٹھنا قرین مصلحت نہ تھا اور جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے کہ حضرت موسی اسی عمل کے نتیجے میں پھر مصر میں نہ ٹھہر سکے اور مدین چلے گئے_

پھر قرآن میں حضرت موسی علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا گیا ہے اس نے کہا:"پروردگار امیں نے اپنے اوپر ظلم کیا تو مجھے معاف کردے ،اور خدا نے اسے بخش دیا کیونکہ وہ غفورو رحیم ہے"_(۲)

یقینا حضرت موسی علیہ السلام اس معاملے میں کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ حقیقت میں ان سے ترک اولی سرزد ہوا کیونکہ انہیں ایسی بے احتیاطی نہیں کرنی چاہیئے تھی جس کے نتیجے میں وہ زحمت میں بتلا ہوں حضرت موسی نے اسی ترک اولی کے لئے خدا سے طلب عفو کیا اور خدا نے بھی انھیں اپنے لطف وعنایت سے بہرہ مند کیا_

حضرت موسی علیہ السلام نے کہا: خداوندا تیرے اس احسان کے شکرانے میں کہ تونے میرے قصور کو معاف کردیا اور دشمنوں کے پنجے میں گرفتار نہ کیا اور ان تمام نعمتوں کے شکریہ میں جو مجھے ابتداء سے اب تک مرحمت کرتا رہا،میں عہد کرتا ہوں کہ ہرگز مجرموں کی مدد نہ کروں گا اور ظالموں کا طرف دار نہ ہوں گا"_(۳)

بلکہ ہمیشہ مظلومین اور ستم دیدہ لوگوں کا مددگار رہوں گا_(۴)

---

(۱) سورہ قصص آیت ۱۵

(۲)سورہ قصص آیت ۱۵

(۳)سورہ قصص آیت ۱۷

(۴)کیا حضرت موسی علیہ السلام کا یہ کام مقام عصمت کے خلاف نہیں ہے ؟

مفسرین نے ، اس قبطی اور بنی اسرائیل کی باہمی نزاع اور حضرت موسی کے ہاتھ سے مرد قبطی کے مارے جانے کے بارے میں بڑی طویل بحثیں کی ہیں_

درحقیقت یہ معاملہ کوئی اہم اور بحث طلب تھا ہی نہیں کیونکہ ستم پسند وابستگان فرعون نہایت بے رحم اور مفسد تھے انہوں نے بنی اسرائیل کے ہزاروں بچوں کے سر قلم کیے اور بنی اسرائیل پر کسی قسم کا ظلم کرنے سے بھی دریغ نہ کیا اس جہت سے یہ لوگ اس قابل نہ تھے کہ بنی اسرائیل کے لئے ان کا قتل احترام انسانیت کے خلاف ہو_

البتہ مفسرین کے لئے جس چیزنے دشواریاں پیدا کی ہیں وہ اس واقعے کی وہ مختلف تعبیرات ہیں جو خود حضرت موسی نے کی ہیں چنانچہ وہ ایک جگہ تو یہ کہتے ہیں :

"هذا من عمل الشيطان "

"یہ شیطانی عمل ہے"_

اور دوسری جگہ یہ فرمایا:

"رب انى ظلمت نفسى فاغفرلى "

"خدایامیں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تو مجھے معاف فرمادے"_

جناب موسی علیہ السلام کی یہ دونوں تعبیرات اس مسلمہ حقیقت سے کیونکر مطابقت رکھتی ہیں کہ :

عصمت انبیاء کا مفہوم یہ ہے کہ انبیاء ماقبل بعثت اور ما بعد عطائے رسالت ہر دو حالات میں معصوم ہوتے ہیں"_

لیکن حضرت موسی علیہ السلام کے اس عمل کی جو توضیح ہم نے آیات فوق کی روشنی میں پیش کی ہے ، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسی سے جو کچھ سرزد ہوا وہ ترک اولی سے زیادہ نہ تھا انھوں نے اس عمل سے اپنے آپ کو زحمت میں بتلاکرلیا کیونکہ حضرت موسی کے ہاتھ سے ایک قبطی کا قتل ایسی بات نہ تھی کہ وابستگان فرعون اسے آسانی سے برداشت کرلیتے_

نیز ہم جانتے ہیں کہ "ترک اولی"کے معنی ایسا کام کرنا ہے جو بذات خود حرام نہیں ہے_ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ "عمل احسن "ترک ہوگیا بغیر اس کے کہ کوئی عمل خلاف حکم الہی سرزد ہوا ہو؟

موسی علیہ السلام کی مخفیانہ مدین کی طرف روانگی

فرعونیوں میں سے ایک آدمی کے قتل کی خبر شہر میں بڑی تیزی سے پھیل گئي قرائن سے شاید لوگ یہ سمجھ گئے تھے کہ اس کا قائل ایک بنی اسرائیل ہے اور شاید اس سلسلے میں لوگ موسی علیہ السلام کا نام بھی لیتے تھے۔

البتہ یہ قتل کوئي معمولی بات نہ تھی اسے انقلاب کی ایک چنگاری یا اس کا مقدمہ شمار کیا جاتا تھا اور حکومت کی مشینری اسے ایک معمولی واقعہ سمجھ کر اسے چھوڑنے والی نہ تھی کہ بنی اسرائیل کے غلام اپنے آقائوں کی جان لینے کا ارادہ کرنے لگیں۔

لہذا ہم قرآن میں یہ پڑھتے ہیں کہ" اس واقعے کے بعد موسی شہر میں ڈررہے تھے اور ہر لحظہ انہیں کسی حادثے کا کھٹکا تھا اور وہ نئي خبروں کی جستجو میں تھے"۔(۱)

ناگہاں انہیں ایک معاملہ پیش آیا آپ نے دیکھا کہ وہی بنی اسرائیلی جس نے گزشتہ روز ان سے مدد طلب کی تھی انھیں پھر پکاررہا تھا اور مدد طلب کررہا تھا (وہ ایک اور قبطی سے لڑرہا تھا)۔

"لیکن حضرت موسی علیہ السلام نے اس سے کہا کہ تو آشکارا طور پر ایک جاہل اور گمراہ شخص ہے"۔(۲)

توہر روز کسی نہ کسی سے جھگڑپڑتا ہے اور اپنے لئے مصیبت پیدا کرلیتا ہے اور ایسے کام شروع کردیتا ہے جن کا ابھی موقع ہی نہیں تھا کل جو کچھ گزری ہے میں تو ابھی اس کے عواقب کا انتظار کرہا ہوں اور تونے وہی کام از سر نو شروع کردیا ہے۔

بہر حال وہ ایک مظلوم تھا جو ایک ظالم کے پنجے میں پھنسا ہو تھا (حواہ ابتداء اس سے کچھ قصور ہوا ہو یا نہ ہوا ہو) اس لئے حضرت موسی کے لئے یہ ضروری ہوگیا کہ اس کی مدد کریں اور اسے اس قبطی کے رحم وکرم پر نہ چھوڑدیں لیکن جیسے ہی حضرت موسی نے یہ اراداہ کیا کہ اس قبطی آدمی کو (جو ان دونوں کا دشمن تھا)پکڑ کر اس بنی اسرائیل سے جدا کریں وہ قبطی چلایا، اس نے کہا:

اے موسی: کیا تو مجھے بھی اسی طرح قتل کرنا چاہتا ہے جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا تھا"۔(۳)"تیری حرکات سے تو ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ تو زمین پر ایک ظالم بن کررہے گا اور یہ نہیں چاہتا کہ مصلحین میں سے ہو"۔(۴)

---

(۱)سورہ قصص آیت ۱۵ (۲)سورہ قصص آیت ۱۶ (۳)سورہ قصص آیت ۱۹ (۴)سورہ قصص آیت ۱۹

اس جملے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام نے فرعون کے محل اور اس کے باہر ہر دو جگہ اپنے مصلحانہ خیالات کا اظہار شروع کردیا تھا بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر ان کے فرعون سے اختلافات بھی پیدا ہوگئے تھے اسی لئے تو اس قبطی آدمی نے یہ کہا :

یہ کیسی اصلاح طلبی ہے کہ تو ہر روز ایک آدمی کو قتل کرتا ہے ؟

حالانکہ اگر حضرت موسی کا یہ ارادہ ہوتا کہ اس اس ظالم کو بھی قتل کردیں تو یہ بھی راہ اصلاح میں ایک قدم ہوتا _

بہرکیف حضرت موسی کو یہ احساس ہوا کہ گزشتہ روز کا واقعہ طشت ازبام ہوگیا ہے اور اس خوف سے کہ اور زیادہ مشکلات پیدا نہ ہوں ، انھوں نے اس معاملے میں دخل نہ دیا _

حضرت موسی علیہ السلام کے لیے سزائے موت

اس واقعے کی فرعون اور اس کے اہل دربار کو اطلاع پہنچ گئي انھوں نے حضرت موسی سے اس عمل کے مکرر سرزد ہونے کو اپنی شان سلطنت کے لئے ایک تہدید سمجھا _ وہ باہم مشورے کے لئے جمع ہوئے اور حضرت موسی کے قتل کا حکم صادر کردیا _

(جہاں فرعون اور اس کے اہل خانہ رہتے تھے)وہاں سے ایک شخص تیزی کے ساتھ حضرت موسی کے پاس آیا اور انھیں مطلع کیا کہ آپ کو قتل کرنے کا مشورہ ہورہا ہے ، آپ فورا شہرسے نکل جائیں ، میں آپ کا خیر خواہ ہوں _" [۱]

یہ آدمی بظاہر وہی تھا جو بعد میں "مومن آل فرعون" کے نام سے مشہور ہوا ، کہا جاتاہے کہ اس کا نام حزقیل تھا وہ فرعون کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھا اور ان لوگوں سے اس کے ایسے قریبی روابط تھے کہ ایسے مشوروں میں شریک ہوتا تھا _

---

(۱) سورہ قصص آیت ۱۹

اسے فرعون کے جرائم اور اس کی کرتوتوں سے بڑا دکھ ہوتا تھا اور اس انتظار میں تھا کہ کوئي شخص اس کے خلاف بغاوت کرے اور وہ اس کار خیر میں شریک ہوجائے ـ

بظاہر وہ حضرت موسی علیہ السلام سے یہ آس لگائے ہوئے تھا اور ان کی پیشانی میں من جانب اللہ ایک انقلابی ہستی کی علامات دیکھ رہا تھا اسی وجہ سے جیسے ہی اسے یہ احساس ہوا کہ حضرت موسی خطرے میں ہیں، نہایت سرعت سے ان کے پاس پہنچا اور انھیں خطرے سے بچالیا ـ

ہم بعد میں دیکھیں گے کہ وہ شخص صرف اسی واقعے میں نہیں، بلکہ دیگر خطرناک مواقع پر بھی حضرت موسی کے لئے بااعتماد اور ہمدرد ثابت ہوا حضرت موسی علیہ السلام نے اس خبر کو قطعی درست سمجھا اور اس ایماندار آدمی کی خیر خواہی کو بہ نگاہ قدر دیکھا اور اس کی نصیحت کے مطابق شہر سے نکل گئے ـ"اس وقت آپ خوف زدہ تھے اور ہر گھڑی انہیں کسی حادثے کا کھٹکا تھا "ـ(۱)

حضرت موسی علیہ السلام نے نہایت خضوع قلب کے ساتھ متوجہ الی اللہ ہوکر اس بلا کو ٹالنے کے لئے اس کے لطف وکرم کی درخواست کی :"اے میرے پروردگار: تو مجھے اس ظالم قوم سے رہائي بخش "ـ(۲)

میں جانتاہوں کہ وہ ظالم اور بے رحم ہیں میں تو مظلوموں کی مدافعت کررہاتھا اور ظالموں سے میرا کچھ تعلق نہ تھا اور جس طرح سے میں نے اپنی توانائي کے مطابق مظلوموں سے ظالموں کے شر کو دور کیا ہے تو بھی اے خدائے بزرگ ظالموں کے شر کو مجھ سے دور رکھ ـ

حضرت موسی علیہ السلام نے پختہ ارادہ کرلیا کہ وہ شہر مدین کو چلے جائیں یہ شہر شام کے جنوب اور حجاز کے شمال میں تھا اور قلمرو مصر اور فراعنہ کی حکومت میں شامل نہ تھا ـ

مدین کہاں تھا؟

"مدین " ایک شہر کانام تھا جس میں حضرت شعیب اور ان کا قبیلہ رہتا تھا یہ شہر خلیج عقبہ کے مشرق میں

---

(۱)سورہ قصص آیت ۲۱

(۲)سورہ قصص آیت ۲۱

تھا (یعنی حجاز کے شمال اور شامات کے جنوب میں)وہاں کے باشندے حضرت اسماعیل (ع) کی نسل سے تھے وہ مصر، لبنان اور فلسطین سے تجارت کرتے تھے آج کل اس شہر کانام معان ہے [1]

نقشے کو غور سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کا مصر سے کچھ زیادہ فاصلہ نہیں ہے،اسی لئے حضرت موسی علیہ السلام چند روز میں وہاں پہنچ گئے_

ملک اردن کے جغرافیائی نقشہ میں، جنوب غربی شہروں میں سے ایک شہر" معان "نام کا ملتا ہے، جس کا محل وقوع ہمارے مذکورہ بالا بیان کے مطابق ہے_

لیکن وہ جوان جو محل کے اندار نازو نعم میں پلا تھا ایک ایسے سفر پر روانہ ہو رہا تھا جیسے کہ سفر اسے کبھی زندگی بھر پیش نہ آیا تھا_

اس کے پاس نہ زادراہ تھا، نہ توشہ سفر، نہ کوئی سواری ، نہ رفیق راہ اور نہ کوئی راستہ بتانے والا ،ہردم یہ خطرہ لاحق تھا_ کہ حکومت کے اہلکار اس تک پہنچ جائیں اور پکڑ کے قتل کردیں اس حالت میں ظاہر ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کا کیا حال ہوگا_

لیکن حضرت موسی علیہ السلام کے لئے یہ مقدر ہوچکا تھا کہ وہ سختی اور شدت کے دنوں کو پیچھے چھوڑدیں اور قصرفرعون انھیں جس جال میں پھنسانا چاہتا تھا_

اسے توڑکر باہر نکل آئیں اور وہ کمزور اور ستم دیدہ لوگوں کے پاس رہیں ان کے درد و غم کا بہ شدت احساس کریں ور مستکبرین کے خلاف ان کی منفعت کے لئے بحکم الہی قیام فرمائیں_

---

(۱) بعض لوگ کلمہ " مدین " کا اطلاق اس قوم پر کرتے ہیں جو خلیج عقیہ سے کوہ سیناتک سکونت پذیر تھی توریت میں بھی اس قوم کو" مدیان "کہا گیا ہے_

بعض اہل تحقیق نے اس شہر کی وجہ تسمیہ بھی لکھی ہے کہ حضرت ابراہیم (ع) کا ایک بیٹا جس کا نام "مدین " تھا اس شہر میں رہتا تھا_

اس طویل ، بے زادو راحلہ اور بے رفیق ورہنما سفر میں ایک عظیم سرمایہ ان کے پاس تھا اور وہ تھا ایمان اور توکل برخدا_

"لہذا جب وہ مدین کی طرف چلے تو کہا : خدا سے امید ہے کہ وہ مجھے راہ راست کی طرف ہدایت کرے گا"_(۱)

ایک نیک عمل نے موسی (ع) پر بھلائیوں کے دروازے کھول دیئے

اس مقام پر ہم اس سرگزشت کے پانچوں حصے پر پہنچ گئے ہیں اور وہ موقع یہ ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام شہرمدین میں پہنچ گئے ہیں_

یہ جوان پاکباز انسان کئي روزتک تنہا چلتا رہا یہ راستہ وہ تھا جو نہ کبھی اس نے دیکھا تھا نہ اسے طے کیا تھا بعض لوگوں کے قول کے مطابق حضرت موسی علیہ السلام مجبور تھے کہ پابرہنہ راستہ طے کریں، بیان کیا گیا ہے کہ مسلسل آٹھ روز تک چلتے رہے یہاں تک کہ چلتے چلتے ان کے پائوں میں چھالے پڑگئے_

جب بھوک لگتی تھی تو جنگل کی گھاس اور درختوں کے پتے کھالیتے تھے ان تمام مشکلات اور زحمات میں صرف ایک خیال سے ان کے دل کوراحت رہتی تھی کہ انھیں افق میں شہرمدین کا منظر نظر آنے لگا ان کے دل میں آسودگی کی ایک لہر اٹھنے لگی وہ شہر کے قریب پہنچے انہوں نے لوگوں کا ایک انبوہ دیکھا وہ فورا سمجھ گئے کہ یہ لوگ چرواہے ہیں کہ جو کنویں کے پاس اپنی بھیڑوں کو پانی پلانے آئے ہیں_

"جب حضرت موسی علیہ السلام کنویں کے قریب آئے تو انھوں نے وہاں بہت سے آمیوں کو دیکھا جو کنویں سے پانی بھر کے اپنے چوپایوں کو پلارہے تھے، انھوں نے اس کنویں کے پاس دو عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنی بھیڑوں کو لئے کھڑی تھیں مگر کنویں کے قریب نہیں آتی تھیں"_(۲)

ان باعفت لڑکیوں کی حالت قابل رحم تھی جو ایک گوشے میں کھڑی تھیں اور کوئي آدمی بھی ان کے

---

(۱) سورہ قصص آیت ۲۲

(۲)سورہ قصص آیت ۲۳

ساتھ انصاف نہیں کرتا تھا چرواہے صرف اپنی بھیڑوں کی فکر میں تھے اور کسی اور کو موقع نہیں دیتے تھے حضرت موسی علیہ السلام نے ان لڑکیوں کی یہ حالت دیکھی تو ان کے نزدیک آئے اور پوچھا :

" تم یہاں کیسے کھڑی ہو"_ (۱)

تم آگے کیوں نہیں بڑھتیں اور اپنی بھیڑوں کو پانی کیوں نہیں پلاتیں ؟

حضرت موسی علیہ السلام کے لئے یہ حق کشی ، ظلم و ستم ، بے عدالتی اور مظلوموں کے حقوق کی عدم پاسداری جو انھوں نے شہر مدین میں دیکھي، قابل برداشت نہ تھی _

مظلوموں کو ظالم سے بچانا ان کی فطرت تھی اسی وجہ سے انھوں نے فرعون کے محل اور اس کی نعمتوں کو ٹھکرادیا تھا اور وطن سے بے وطن ہوگئے تھے وہ اپنی اس روش حیات کو ترک نہیں کرسکتے تھے اور ظلم کو دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتے تھے _

لڑکیوں نے حضرت موسی علیہ السلام سے جواب میں کہا :" ہم اس وقت تک اپنی بھیڑوں کو پانی نہیں پلاسکتے، جب تک تمام چرواہے اپنے حیوانات کو پانی پلاکر نکل نہ جائیں "_ (۲)

ان لڑکیوں نے اس بات کی وضاحت کے لئے کہ ان باعفت لڑکیوں کے باپ نے انھیں تنہا اس کام کے لئے کیوں بھیج دیا ہے یہ بھی اضافہ کیا کہ ہمارا باپ نہایت ضعیف العمر ہے _

نہ تو اس میں اتنی طاقت ہے کہ بھیڑوں کو پانی پلاسکے اور نہ ہمارا کوئ بھائ ہے جو یہ کام کرلے اس خیال سے کہ کسی پر بار نہ ہوں ہم خود ہی یہ کام کرتے ہیں _

حضرت موسی علیہ السلام کو یہ باتیں سن کر بہت کوفت ہوئ اور دل میں کہا کہ یہ کیسے بے انصاف لوگ ہیں کہ انھیں صرف اپنی فکر ہے اور کسی مظلوم کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے _

وہ آگے آئے ، بھاری ڈول اٹھایا اور اسے کنوئیں میں ڈالا، کہتے ہیں کہ وہ ڈول اتنا بڑا تھا کہ چند

---

(۱) سورہ قصص آیت ۲۳

(۲)سورہ قصص آیت ۲۴

آدمی مل کر اسے کھینچ سکتے تھے لیکن حضرت موسی علیہ السلام نے اپنے قوی بازوئوں سے اسے اکیلے ہی کھینچ لیا اور ان دونوں عورتوں کی بھیڑوں کو پانی پلادیا "_[1]

بیان کیا جاتاہے کہ جب حضرت موسی علیہ السلام کنویں کے قریب آئے اور لوگوں کو ایک طرف کیا تو ان سے کہا:" تم کیسے لوگ ہو کہ اپنے سوا کسی اورکی پرواہ ہی نہیں کرتے "_

یہ سن کر لوگ ایک طرف ہٹ گئے اورڈول حضرت موسی کے حوالے کرکے بولے:

"لیجئے، بسم اللہ، اگرآپ پانی کھینچ سکتے ہیں، انھوں نے حضرت موسی علیہ السلام کو تنہاچھوڑ دیا، لیکن حضرت موسی علیہ السلام اس وقت اگرچہ تھکے ہوئے تھے، اور انھیں بھوک لگ رہی تھی مگر قوت ایمانی ان کی مددگار ہوئي، جس نے ان کی جسمانی قوت میں اضافہ کردیا اور کنویں سے ایک ہی ڈول کھینچ کر ان دنوں عورتوں کی بھیڑوں کو پانی پلادیا_

اس کے بعد حضرت موسی علیہ السلام سائے میں آبیٹھے اور بارگاہ ایزدی میں عرض کرنے لگے:" خداوندا تو مجھے جو بھی خیراورنیکی بخشے، میں اس کا محتاج ہوں"_[2]

حضرت موسی علیہ السلام (اس وقت) تھکے ہوئے اور بھوکے تھے اس شہرمیں اجنبی اورتنہاتھے اور ان کے لیے کوئي سرچھپانے کی جگہ بھی نہ تھی مگر پھر بھی وہ بے قرار نہ تھے آپ کا نفس ایسا مطمئن تھا کہ دعا کے وقت بھی یہ نہیں کہا کہ" خدایا تو میرے لیے ایسا یاویسا کر" بلکہ یہ کہا کہ: تو جو خیر بھی مجھے بخشے میں اس کا محتاج ہوں"_

یعنی صرف اپنی احتیاج اورنیاز کو عرض کرتے ہیں اورباقی امور الطاف خداوندی پرچھوڑدیتے ہیں_

لیکن دیکھو کہ کارخیرکیا قدرت نمائي کرتا ہے اور اس میں کتنی عجیب برکات ہیں صرف "لوجہ اللہ" ایک قدم اٹھانے اور ایک نا آشنا مظلوم کی حمایت میں کنویں سے پانی کے ایک ڈول کھینچنے سے حضرت موسی کی

---

(۱) سورہ قصص آیت ۲۴

(۲) سورہ قصص آیت ۲۴

زندگی میں ایک نیاباب کھل گیا اور یہ عمل خیران کے لیے برکات مادی اور روحانی دنیا بطور تحفہ لایا اور وہ ناپید ا نعمت (جس کے حصول کے لئے انھیں برسوں کوشش کرنا پڑتی) اللہ نے انھیں بخش دی حضرت موسی علیہ السلام کے لئے خوش نصیبی کا دور اس وقت شروع ہوا جب انھوں نے یہ دیکھا کہ ان دونوں بہنوں میں سے ایک نہایت حیا سے قدم اٹھاتی ہوئي آرہی ہے اس کی وضع سے ظاہر تھا کہ اسکوایک جوان سے باتیں کرتے ہوئے شرم آتی ہے وہ لڑکی حضرت موسی علیہ السلام کے قریب آئي اور صرف ایک جملہ کہا : میرے والد صاحب آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ نے ہماری بکریوں کے لئے کنویں سے جو پانی کھینچا تھا ، اس کا معاوضہ دیں "_[۱]

یہ سن کر حضرت موسی علیہ السلام کے دل میں امید کی بجلی چمکی گویا انھیں یہ احساس ہوا کہ ان کے لئے ایک عظیم خوش نصیبی کے اسباب فراہم ہورہے ہیں وہ ایک بزرگ انسان سے ملیں گے وہ ایک ایسا حق شناس انسان معلوم ہوتا ہے جو یہ بات پسند نہیں کرتا کہ انسان کی کسی زحمت کا،یہاں تک کہ پانی کے ایک ڈول کھینچنے کا بھی معاوضہ نہ دے یہ ضرور کوئي ملکوتی اور الہی انسان ہوگا یا اللہ یہ کیسا عجیب اور نادر موقع ہے ؟

بیشک وہ پیرمرد حضرت شعیب(ع) پیغمبر تھے انہوں نے برسوں تک اس شہر کے لوگوں کو" رجوع الی اللہ"کی دعوت دی تھی وہ حق پرستی اور حق شناسی کا نمونہ تھے _

جب انھیں کل واقعے کا علم ہوا تو انھوں نے تہیہ کرلیا کہ اس اجنبی جوان کو اپنے دین کی تبلیغ کریں گے _

حضرت موسی (ع) جناب شعیب(ع) کے گھر میں

چنانچہ حضرت موسی علیہ السلام اس جگہ سے حضرت شعیب کے مکان کی طرف روانہ ہوئے _

بعض روایات کے مطابق وہ لڑکی رہنمائي کے لئے ان کے آگے چل رہی تھی اور حضرت موسی علیہ السلام اس کے پیچھے چل رہے تھے اس وقت تیز ہوا سے اس لڑکی کا لباس اڑرہا تھا اور ممکن تھا کہ ہوا کی تیزي

---

(۱) سورہ قصص آیت ۲۵

لباس کو اس کے جسم سے اٹھادے حضرت موسی (ع) کی پا کیزہ طبیعت اس منظر کو دیکھنے کی اجازت نہیں دیتی تھي، اس لڑکی سے کہا: میں آگے آگے چلتا ہوں، تم راستہ بتاتے رہنا_

جب جناب موسی علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر پہنچ گئے ایسا گھر جس سے نور نبوت ساطع تھا اور اس کے ہر گوشے سے روحانیت نمایاں تھی انھوں نے دیکھا کہ ایک پیر مرد، جس کے بال سفید ہیں ایک گوشے میں بیٹھا ہے اس نے حضرت موسی علیہ السلام کو خوش آمدید کہا اور پوچھا:

" تم کون ہو ؟ کہاں سے آرہے ہو ؟ کیا مشغلہ ہے ؟ اس شہر میں کیا کرتے ہو ؟ اور آنے کا مقصد کیا ہے ؟ تنہا کیوں ہو ؟

حضرت موسی علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور انھیں اپنی سرگزشت سنائي تو حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا مت ڈرو، تمہیں ظالموں کے گروہ سے نجات مل گئي ہے_" (۱)

ہماری سرزمین ان کی حدود سلطنت سے باہر ہےیہاں ان کا کوئي اختیار نہیں چلتا اپنے دل میں ذرہ بھر پریشانی کو جگہ نہ دینا تم امن وامان سے پہنچ گئے ہو مسافرت اور تنہائي کا بھی غم نہ کرو یہ تمام مشکلات خدا کے کرم سے دور ہوجائیں گی_

حضرت موسی علیہ السلام فوراً سمجھ گئے کہ انھیں ایک عالی مرتبہ استاد مل گیا ہے، جس کے وجود سے روحانیت ، تقوی ، معرفت اور زلال عظیم کے چشمے پھوٹ رہے ہیں اور یہ استاد ان کی تشنگی تحصیل علم و معرفت کو سیراب کرسکتا ہے_

حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی یہ سمجھ لیا کہ انھیں ایک لائق اور مستعد شاگرد مل گیا ہے، جسے وہ اپنے علم ودانش اور زندگی بھر کے تجربات سے فیض یاب کرسکتے ہیں_

یہ مسلم ہے کہ ایک شاگرد کو ایک بزرگ اور قابل استاد پاکر جتنی مسرت ہوتی ہے استاد کو بھی ایک لائق شاگرد پاکر اتنی ہی خوشی ہوتی ہے_

---

(۱) سورہ قصص آیت ۲۵

جناب موسی علیہ السلام حضرت شعیب (ع) کے داماد بن گئے

اب حضرت موسی علیہ السلام کی زندگی کے چھٹے دور کا ذکر شروع ہوتا ہے حضرت موسی علیہ السلام جناب شعیب علیہ السلام کے گھر آگئے یہ ایک سادہ سادیہاتی مکان تھا، مکان صاف ستھرا تھا اور روحانیت سے معمور تھا جب حضرت موسی علیہ السلام نے جناب شعیب علیہ السلام کو اپنی سرگزشت سنائي تو ان کی ایک لڑکی نے ایک مختصر مگرپر معنی عبارت میں اپنے والد کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ موسی علیہ السلام کو بھیڑوں کی حفاظت کے لئۓ ملازم رکھ لیں وہ الفاظ یہ تھے :

اے بابا : آپ اس جوان کو ملازم رکھ لیں کیونکہ ایک بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھ سکتے ہیں وہ ایسا ہونا چاہئے جو قوی اور امین ہو اور اس نے اپنی طاقت اور نیک خصلت دونوں کا امتحان دے دیا ہے"_[1]

جس لڑکی نے ایک پیغمبر کے زیرسایہ تربیت پائي ہوا سے ایسی ہی مودبانہ اور سوچی سمجھی بات کہنی چاہئے نیزچاہئے کہ مختصر الفاظ اور تھوڑی سی عبارت میں اپنا مطلب ادا کردے _

اس لڑکی کو کیسے معلوم تھا کہ یہ جوان طاقتور بھی ہے اور نیک خصلت بھی کیونکہ اس نے پہلی بارکنویں پر ہی اسے دیکھا تھا اور اس کی گزشتہ زندگی کے حالات سے وہ بے خبر تھي؟

اس سوال کا جواب واضح ہے اس لڑکی نے اس جوان کی قوت کو تو اسی وقت سمجھ لیا تھا جب اس نے ان مظلوم لڑکیوں کا حق دلانے کے لئے چرواہوں کو کنویں سے ایک طرف ہٹایا تھا اور اس بھاری ڈول کو اکیلے ہی کنویں سے کھینچ لیا تھا اور اس کی امانت اور نیک چلنی اس وقت معلوم ہوگئي تھی کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر کی راہ میں اس نے یہ گوارانہ کیا کہ ایک جوان لڑکی اس کے آگے آگے چلے کیونکہ ممکن تھا کہ تیزہوا سے اس کا لباس جسم سے ہٹ جائے _

علاوہ بریں اس نوجوان نے اپنی جو سرگزشت سنائۓ تھی اس کے ضمن میں قبطیوں سے لڑائي کے ذکر

---

(۱)سورہ قصص ایت ۲۶

میں اس کی قوت کا حال معلوم ہوگیا تھا اور اس امانت ودیانت کی یہ شہادت کافی تھی کہ اس نے ظالموں کی ہم نوائی نہ کی اور ان کی ستم رانی پر اظہار رضا مندی نہ کیا ۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کی تجویز کو قبول کرلیا انھوں نے موسی (ع) کی طرف رخ کرکے یوں کہا :"میرا ارادہ ہے کہ اپنی ان دولڑکیوں میں سے ایک کا تیرے ساتھ نکاح کردوں ، اس شرط کے ساتھ کہ تو آٹھ سال تک میری خدمت کرے "۔(۱)

اس کے بعد یہ اضافہ کیا:" اگر تو آٹھ سال کی بجائے یہ خدمت دس سال کردے تو یہ تیرا احسان ہوگا مگر تجھ پر واجب نہیں ہے :"(۲)

بہر حال میں یہ نہیں چاہتا کہ تم سے کوئي مشکل کام لوں انشاء اللہ تم جلد دیکھو گے کہ میں صالحین میں سے ہوں ، اپنے عہدوپیمان میں وفادار ہوں تیرے ساتھ ہرگز سخت گیری نہ کروں گا اور تیرے ساتھ خیراور نیکی کا سلوک کروں گا ۔(۳)

حضرت موسی علیہ السلام نے اس تجویزاور شرط سے موافقت کرتے ہوئے اور عقد کو قبول کرتے ہوئے کہا : " میرے اور آپ کے درمیان یہ عہد ہے "۔ البتہ" ان دومدتوں میں سے (آٹھ سال یا دس سال) جس مدت تک بھی خدمت کروں ، مجھ پر کوئي زیادتی نہ ہوگی اور میں اس کے انتخاب میں آزاد ہوں "۔ (۴)

عہد کو پختہ اور خدا کے نام سے طلب مدد کے لئے یہ اضافہ کیا :"جو کچھ ہم کہتے ہیں خدا اس پر شاہد ہے "۔(۵)

اوراس اسانی سے موسی علیہ السلام داماد شعیب(ع) بن گئے حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکیوں کا نام " صفورہ "(یا صفورا) اور " لیا "بتایا جاتاہے حضرت موسی علیہ السلام کی شادی " صفورہ " سے ہوئي تھی ۔

---

(۱) سورہ قصص آیت ۲۷

(۲)سورہ قصص آیت ۲۷

(۳)سورہ قصص آیت ۲۷

(۴) سورہ قصص آیت ۲۸

(۵)سورہ قصص آیت ۲۸

حضرت موسی علیہ السلام کی زندگی کے بہترین ایام

كوئي آدمی بھی حقیقتاً یہ نہیں جانتا کہ ان دس سال میں حضرت موسی علیہ السلام پر کیا گزری لیکن بلاشک یہ دس سال حضرت موسی علیہ السلام کی زندگی کے بہترین سال تھے یہ سال دلچسپ، شیریں اور آرام بخش تھے نیزیہ دس سال ایک منصب عظیم کی ذمہ داری کے لئے تربیت اور تیاری کے تھے۔

درحقیقت اس کی ضرورت بھی تھی کہ موسی علیہ السلام دس سال کا عرصہ عالم مسافرت اور ایک بزرگ پیغمبر کی صحبت میں بسر کریں اور چرواہے کا کام کریں تاکہ ان کے دل ودماغ سے محلول کی نازپروردہ زندگی کا اثر بالکل محو ہوجائے حضرت موسی کو اتنا عرصہ جھونپڑیوں میں رہنے والوں کے ساتھ گزارنا ضروری تھا تاکہ ان کی تکالیف اور مشکلات سے آگاہ ہوجائے اور ساکنان محلول کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہوجائیں۔

ایک اور بات یہ بھی ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کو اسرار آفرینش میں غور کرنے اور اپنی شخصیت کی تکمیل کے لئے بھی ایک طویل وقت کی ضرورت تھی اس مقصد کے لئے بیابان مدین اور خانہ شعیب سے بہتر اور کونسی جگہ ہوسکتی تھی۔

ایک اولوالعزم پیغمبر کی بعثت کوئي معمولی بات نہیں ہے کہ یہ مقام کسی کو نہایت آسانی سے نصیب ہوجائے بلکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر اسلام (ص) کے بعد تمام پیغمبروں میں سے حضرت موسی علیہ السلام کی ذمہ داری ایک لحاظ سے سب سے زیادہ اہم تھی اس لئے کہ:

روئے زمین کے ظالم ترین لوگوں سے مقابلہ کرنا، ایک کثیر الافراد قوم کی مدت اسیری کو ختم کرنا۔

اور ان کے اندر سے ایام اسیری میں پیدا ہوجانے والے نقائص کو محو کرنا کوئي آسان کام نہیں ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے موسی علیہ السلام کی مخلصانہ خدمات کی قدر شناسی کے طور پر یہ طے کرلیا تھا کہ بھیڑوں کے جو بچے ایک خاص علامت کے ساتھ پیدا ہوں گے، وہ موسی علیہ السلام کو دیدیں گے، اتفاقاًمدت موعود کے آخری سال میں جبکہ موسی علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام سے رخصت ہو کر

مصر کو جانا چاہتے تھے تو تمام یا زیادہ تر بچے اسی علامت کے پیدا ہوئے اور حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی انھیں بڑی محبت سے موسی علیہ السلام کو دے دیا ۔

یہ امر بدیہی ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام اپنی ساری زندگی چرواہے بنے رہنے پر قناعت نہیں کرسکتے تھے ہر چند ان کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس رہنا بہت ہی غنیمت تھا مگر وہ اپنا یہ فرض سمجھتے تھے کہ اپنی اس قوم کی مدد کے لئے جائیں جو غلامی کی زنجیروں میں گرفتار ہے اور جہالت نادانی اور بے خبری میں غرق ہے ۔

حضرت موسی علیہ السلام اپنا یہ فرض بھی سمجھتے تھے کہ مصر میں جو ظلم کا بازار گرم ہے اسے سرد کریں، طاغوتوں کو ذلیل کریں اور توفیق الہی سے مظلوموں کو عزت بخشیں ان کے قلب میں یہی احساس تھا جو انھیں مصر جانے پر آمادہ کررہا تھا ۔

آخرکار انھوں نے اپنے اہل خانہ، سامان واسباب اور اپنی بھیڑوں کو ساتھ لیا اوراس وقت موسی علیہ السلام کے ساتھ ان کی زوجہ کے علاوہ ان کا لڑکا یا کوئي اور اولاد بھی تھي، اسلامی روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے توریت کے " سفر خروج " میں بھی ذکر مفصل موجود ہے علاوہ ازیں اس وقت ان کی زوجہ امید سے تھی ۔

وحی کی تابش اول

جب حضرت موسی علیہ السلام مدین سے مصر کو جارہے تھے تو راستہ بھول گئے یا غالباً شام کے ڈاکوئوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوجانے کے خوف سے بوجہ احتیاط رائج راستے کو چھوڑ کے سفر کررہے تھے ۔

بہرکیف قرآن شریف میں یہ بیان اس طور سے ہے کہ :"جب موسی علیہ السلام اپنی مدت کو ختم کرچکے اور اپنے خاندان کو ساتھ لے کر سفر پر روانہ ہوگئے تو انھیں طور کی جانب سے شعلہ آتش نظر آیا ۔

حضرت موسی علیہ السلام نے اپنے اہل خاندان سے کہا :" تم یہیں ٹھہرو" مجھے آگ نظر آئي ہے میں

جاتاہوں شاید تمہارے لئے وہاں سے کوئي خبرلائوں یا آگ کا ایک انگارا لے آئوں تاکہ تم اس سے گرم ہوجائو"۔[۱]

"خبرلائوں" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ راستہ بھول گئے تھے اور "گرم ہوجائو"یہ اشارہ کررہاہے کہ سرد اور تکلیف دہ رات تھی ۔

قرآن میں حضرت موسی علیہ السلام کی زوجہ کی حالت کا کوئي ذکر نہیں ہے مگر تفاسیر اور روایات میں مذکور ہے کہ وہ امید سے تھیں اور انہیں دروازہ ہورہا تھا اس لئۓ موسی علیہ السلام پریشان تھے ۔

حضرت موسی علیہ السلام جس وقت آگ کی تلاش میں نکلے تو انھوں نے دیکھا کہ آگ تو ہے مگر معمول جیسی آگ نہیں ہے، بلکہ حرارت اور سوزش سے خالی ہے وہ نور اور تابندگی کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتی تھی ،حضرت موسی علیہ السلام اس منظر سے نہایت حیران تھے کہ ناگہاں اس بلندوپُر برکت سرزمین میں وادی کے داھنی جانب سے ایک درخت میں سے آواز آئي: "اے موسی میں اللہ رب العالمین ہوں "۔[۲]

اس میں شک نہیں کہ یہ خدا کے اختیار میں ہے کہ جس چیز میں چاہے قوت کلام پیدا کردے یہاں اللہ نے درخت میں یہ استعداد پیدا کردی کیونکہ اللہ موسی علیہ السلام سے باتیں کرنا چاہتا تھا ظاہر ہے کہ موسی علیہ السلام گوشت پوست کے انسان تھے، کان رکھتے تھے اور سننے کے لئۓ انہیں امواج صوت کی ضروت تھی البتہ انبیاء علیہم السلام پر اکثریہ حالت بھی گزری ہے کہ وہ بطور الہام درونی پیغام الہی کو حاصل کرتے رہے ہیں ،اسی طرح کبھی انھیں خواب میں بھی ہدایت ہوتی رہی ہے مگر کبھی وہ وحی کو بصورت صدا بھی سنتے رہے ہیں ، بہرکیف حضرت موسی علیہ السلام نے جو آواز سنی اس سے ہم ہرگزیہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ خدا جسم رکھتا ہے ۔

اے موسی جوتی اتاردو

موسی علیہ السلام جب آگ کے پاس گئے اور غور کیا تودیکھا کہ درخت کی سبز شاخوں میں آگ

---

(۱)سورہ قصص ایت ۲۹

(۲)سورہ قصص آیت ۳۰

چمک رہی ہے اور لحظہ بہ لحظہ اس کی تابش اور درخشندگی بڑھتی جاتی ہے جو عصا ان کے ہاتھ میں تھا اس کے سہارے جھکے تاکہ اس میں سے تھوڑی سی آگ لے لیں تو آگ موسی علیہ السلام کی طرف بڑھی موسی علیہ السلام ڈرے اور پیچھے ہٹ گئے اس وقت حالت یہ تھی کہ کبھی موسی علیہ السلام آگ کی طرف بڑھتے تھے اور کبھی آگ ان کی طرف، اسی کشمکش میں ناگہاں ایک صدا بلند ہوئي، اور انھیں وحی کی بشارت دی گئي_

اس طرح ناقابل انکار قرائن سے حضرت موسی علیہ السلام کو یقین ہوگیا کہ یہ آواز خدا ہی کی ہے، کسی غیر کی نہیں ہے _

"میں تیرا پروردگار ہوں ، اپنے جوتے اتاردے کیونکہ تو مقدس سرزمین "طوی "میں ہے"_[1]

موسی علیہ السلام کو اس مقدس سرزمین کے احترام کا حکم دیا گیا کہ اپنے پائوں سے جوتے اتاردے اور اس وادی میں نہایت عجزوانکساری کے ساتھ قدم رکھے حق کو سنے اور فرمان رسالت حاصل کرے_

موسی علیہ السلام نے یہ آواز کہ " میں تیرا پروردگار ہوں " سنی تو حیران رہ گئے اور ایک ناقابل بیان پر کیف حالت ان پر طاری ہوگئي، یہ کون ہے ؟ جو مجھ سے باتیں کررہا ہے ؟ یہ میرا پروردگار ہے، کہ جس نے لفظ" ربک " کے ساتھ مجھے افتخار بخشا ہے تاکہ یہ میرے لئے اس بات کی نشاندہی کرے کہ میں نے آغاز بچپن سے لے کر اب تک اس کی آغوش رحمت میں پرورش پائي ہے اور ایک عظیم رسالت کے لئے تیار کیا گیا ہوں_"

حکم ملاکہ پائوں سے اپنا جوتا اتار دو، کیونکہ تو نے مقدس سرزمین میں قدم رکھا ہے وہ سرزمین کہ جس میں نور الہی جلوہ گرہے ، وہاں خدا کا پیغام سننا ہے ، اور رسالت کی ذمہ داری کو قبول کرنا ہے، لہذا انتہائي خضوع اور انکساری کے ساتھ اس سرزمین میں قدم رکھو ، یہ ہے دلیل پائوں سے جوتا اتارنے کی_

ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے ، حضرت موسی علیہ السلام کی زندگی کے اس واقعہ سے

---

(۱) سورہ طہ آیت ۱۲

متعلق ایک عمدہ مطلب نقل ہوا ہے ، آپ فرماتے ہیں :

جن چیزوں کی تمہیں امید نہیں ہے ان کی ان چیزوں سے بھی زیادہ امید رکھو کہ جن کی تمہیں امید ہے کیونکہ موسی بن عمران ایک چنگاری لینے کے لئے گئے تھے لیکن عہدہ نبوت ورسالت کے ساتھ واپس پلٹے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی چیز کی امید رکھتا ہے مگر وہ اسے حاصل نہیں ہوتی لیکن بہت سی اہم ترین چیزیں جن کی اسے کوئي امید نہیں ہوتی لطف پروردگار سے اسے مل جاتی ہیں ۔

موسی علیہ السلام کا عصا اور ید بیضا

اس میں شک نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنے خدا کے ساتھ ربط ثابت کرنے کے لئے معجزے کی ضرورت ہے ، ورنہ ہر شخص پیغمبری کا دعوی کرسکتا ہے اس بناء پر سچے انبیاء علیہم السلام کا جھوٹوں سے امتیاز معجزے کے علاوہ نہیں ہوسکتا ، یہ معجزہ خود پیغمبر کی دعوت کے مطالب اور آسمانی کتاب کے اندر بھی ہوسکتا ہے اور حسی اور جسمانی قسم کے معجزات اوردوسرے امور میں بھی ہوسکتے ہیں علاوہ ازیں معجزہ خود پیغمبر کی روح پر بھی اثرانداز ہوتا ہے اور وہ اسے قوت قلب ، قدرت ایمان اور استقامت بخشتا ہے ۔

بہرحال حضرت موسی علیہ السلام کو فرمان نبوت ملنے کے بعد اس کی سند بھی ملنی چاہئے ، لہذا اسی پُر خطر رات میں جناب موسی علیہ السلام نے دو عظیم معجزے خدا سے حاصل کئے ۔

قرآن اس ماجرے کو اس طرح بیان کرتا ہے :

"خدا نے موسی سے سوال کیا : اے موسی یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے "؟ ۔ (۱)

اس سادہ سے سوال ، میں لطف و محبت کی چاشنی تھی ، فطرتاً موسی علیہ السلام ، کی روح میں اس وقت طوفانی لہریں موجزن تھیں ایسے میں یہ سوال اطمینان قلب کے لئے بھی تھا اورایک عظیم حقیقت کو بیان کرنے کی تمہید بھی تھا

۔"موسی علیہ السلام نے جواب میں کہا : یہ لکڑی میرا عصا ہے" ۔ (۲)

---

(۱)سورہ طہ آیت ۱۷

(۲)سورہ طہ آیت ۱۸

اورچونکہ محبوب نے ان کے سامنے پہلی مرتبہ یوں اپنا دروازہ کھولا تھا لہذا وہ اپنے محبوب سے باتیں جاری رکھنا اور انہیں طول دینا چاہتے تھے اور اس وجہ سے بھی کہ شاید وہ یہ سوچ رہے تھے کہ میرا صرف یہ کہنا کہ یہ میرا عصا ہے، کافی نہ ہو بلکہ اس سوال کا مقصد اس عصا کے آثار و فوائد کو بیان کرنا مقصود ہو، لہذا مزید کہا : "میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں ، اور اس سے اپنی بھیڑوں کے لئے درختوں سے پتے جھاڑتا ہوں ، اس کے علاوہ اس سے دوسرے کام بھی لیتا ہوں "_(۱)

البتہ یہ بات واضح اور ظاہر ہے کہ عصا سے کون کون سے کام لیتے ہیں کبھی اس سے موذی جانوروں اور دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک دفاعي، ہتھیار کے طور پر کام لیتے ہیں کبھی اس کے ذریعے بیابان میں سائبان بنا لیتے ہیں ، کبھی اس کے ساتھ برتن باندھ کر گہری نہر سے پانی نکالتے ہیں _

بہرحال حضرت موسی علیہ السلام ایک گہرے تعجب میں تھے کہ اس عظیم بارگاہ سے یہ کس قسم کا سوال ہے اور میرے پاس اس کا کیا جواب ہے ، پہلے جو فرمان دیئے گئے تھے وہ کیا تھے ، اور یہ پرسش کس لئے ہے ؟

موسی سے کہا گیا کہ : اپنے عصا کو زمین پرڈال دو "چنانچہ موسی علیہ السلام نے عصا کو پھینک دیا اب کیا دیکھتے ہیں کہ وہ عصا سانپ کی طرح تیزی سے حرکت کررہا ہے یہ دیکھ کر موسی علیہ السلام ڈرے اور پیچھے ہٹ گئے یہاں تک کہ مڑ کے بھی نہ دیکھا "_(۲)

جس دن حضرت موسی علیہ السلام نے یہ عصا لیا تھا تاکہ تھکن کے وقت اس کا سہارا لے لیا کریں ، اور بھیڑوں کے لئے اس سے پتے جھاڑ لیا کریں ، انھیں یہ خیال بھی نہ تھا کہ قدرت خدا سے اس میں یہ خاصیت بھی چھپی ہوئي ہوگی اور یہ بھیڑوں کو چرانے کی لاٹھی ظالموں کے محل کو ہلادے گی _

موجودات عالم کا یہی حال ہے کہ وہ بعض اوقات ہماری نظریں بہت حقیر معلوم ہوتی ہیں مگر ان میں بڑی بڑی استعداد چھپی ہوتی ہے جو کسی وقت خدا کے حکم سے ظاہر ہوتی ہے _

---

(۱)سورہ طہ آیت۱۸

(۲) سورہ قصص آیت ۳۱

اب موسی علیہ السلام نے دوبارہ آواز سنی جو ان سے کہہ رہی تھی: " واپس آ اور نہ ڈر تو امان میں ہے"_[1][2]

بہر حال حضرت موسی علیہ السلام پر یہ حقیقت آشکار ہوگئی کہ درگاہ رب العزت میں مطلق امن و امان ہے اور کسی قسم کے خوف و خطر کا مقام نہیں ہے_

انذار و بشارت

حضرت موسی علیہ السلام کو جو معجزات عطا کئے گئے ان میں سے پہلا معجزہ خوف کی علامت پر مشتمل تھا اس کے بعد موسی کو حکم دیا گیا کہ اب ایک دوسرا معجزہ حاصل کرو جو نور و امید کی علامت ہوگا اور یہ دونوں معجزہ گویا "انذار اور بشارت" تھے_

موسی علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ " اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو اور باہر نکا، لو موسی علیہ السلام نے جب گریبان میں سے ہاتھ باہر نکالا تو وہ سفید تھا اور چمک رہا تھا اور اس میں کوئی عیب اور نقص نہ تھا "_[3]

حضرت موسی علیہ السلام کے ہاتھ میں یہ سفیدی اور چمک کسی بیماری (مثلا "برص یا کوئی اس جیسی چیز) کی وجہ سے نہ تھی بلکہ یہ نور الہی تھا جو بالکل ایک نئی قسم کا تھا_

جب حضرت موسی علیہ السلام نے اس سنسان کو ہسار اور اس تاریک رات میں یہ دو خارق عادت

---

(۱)سورہ قصص آیت ۳۱

(۲) البتہ قرآن کی بعض دوسری آیات میں "ثعبان مبین" (واضح ادھا) بھی کہا گیا ہے_(اعراف ۱۰۷ شعراء ۳۲)

ہم نے قبل ازیں کہا ہے کہ اس سانپ کے لئے جو یہ دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ممکن ہے اس کی دو مختلف حالتوں کے لئے ہوں کہ ابتدا میں وہ چھوٹا سا ہو اور پھر ایک بڑا ادھا بن گیا ہو اس مقام پر یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ موسی نے جب وادي طور میں اسے پہلی بار دیکھا تو چھوٹا سا سانپ تھا، رفتہ رفتہ وہ بڑا ہوگیا_

(۳)سورہ قصص آیت ۳۱

اور خلاف معمول چیزیں دیکھیں تو ان پر لرزہ طاری ہوگیا، چنانچہ اس لئے کہ ان کا اطمینان قلب واپس اجائے انھیں حکم دیا گیا کہ" اپنے سینے پر اپنا ہاتھ پھریں تاکہ دل کو راحت ہوجائے "_(۱)

اس کے بعد موسی علیہ السلام نے پھروہی صدا سنی جو کہہ رہی تھی :" خدا کی طرف سے تجھے یہ دو دلیلیں فرعون اور اس کے ساتھیوں کے مقابلے کے لئے دی جاری ہیں کیونکہ وہ سب لوگ فاسق تھے اور ہیں "_(۲)

جی ہاں یہ لوگ خدا کی طاعت سے نکل گئے ہیں اور سرکشی کی انتہا تک جاپہنچے ہیں تمہارا فرض ہے کہ انھیں نصیحت کرو اور راہ راست کی تبلغ کرو اور اگر وہ تمہاری بات نہ مانیں تو ان سے جنگ کرو_

کامیابی کے اسباب کی درخواست

موسی علیہ السلام اس قسم کی سنگین ماموریت پر نہ صرف گھبرائے نہیں، بلکہ معمولی سی تخفیف کے لئے بھی خدا سے درخواست نہ کي، اورکھلے دل سے اس کا استقبال کیا، زیادہ سے زیادہ اس ماموریت کے سلسلے میں کامیابی کے وسائل کی خدا سے درخواست کی اورچونکہ کامیابی کا پلااورذریعہ، عظیم روح، فکر بلند اور عقل توانا ہے، اوردوسرے لفظوں میں سینہ کی کشادگی وشرح صدر ہے لہذا "عرض کیا میرے پروردگار میرا سینہ کشادہ کردے "_(۳)

ہاں ، ایک رہبر انقلاب کا سب سے اولین سرمایہ ، کشادہ دلی ، فراوان حوصلہ، استقامت وبردباری اور مشکلات کے بوجھ کو اٹھانا ہے_

اورچونکہ اس راستے میں بے شمار مشکلات ہیں ، جو خدا کے لطف وکرم کے بغیر حل نہیں ہوتیں ، لہذا خدا سے دوسرا سوال یہ کیا کہ میرے کاموں کو مجھ پر آسان کردے اور مشکلات کو راستے سے ہٹادے آپ نے عرض کیا :"میرے کام کو آسان کردے "_(۴)

---

(۱) سورہ قصص آیت ۳۲

(۲)سورہ قصص آیت ۳۲

(۳)سورہ طہ آیت ۲۳

(۴)سورہ طہ آیت ۲۷

اس کے بعد جناب موسی علیہ السلام نے زیادہ سے زیادہ قوت بیان کا تقاضا کیا کہنے لگے:" میری زبان کی گرہ کھول دے"_[۱]

یہ ٹھیک ہے کہ شرح صدر کا ہونا بہت اہم بات ہے ، لیکن یہ سرمایہ اسی صورت میں کام دے سکتا ہے جب اس کو ظاہر کرنے کی قدرت بھی کامل طورپر موجود ہو، اسی بناء پر جناب موسی علیہ السلام نے شرح صدر اور رکاوٹوں کے دور ہونے کی درخواستوں کے بعد یہ تقاضا کیا کہ خدا ان کی زبان کی گرہ کھول دے_

اور خصوصیت کے ساتھ اس کی علت یہ بیان کی :"تاکہ وہ میری باتوں کو سمجھیں"_[۲]

یہ جملہ حقیقت میں پہلی بات کی تفسیر کررہاہے اس سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ زبان کی گرہ کے کھلنے سے مراد یہ نہ تھی کہ موسی علیہ السلام کی زبان میں بچپنے میں جل جانے کی وجہ سے کوئی لکنت آگئي تھی (جیسا کہ بعض مفسرین نے ابن عباس سے نقل کیا ہے)بلکہ اس سے گفتگو میں ایسی رکاوٹ ہے جو سننے والے کے لئے سمجھنے میں مانع ہوتی ہے یعنی میں ایسی فصیح وبلیغ اور ذہن میں بیٹھ جانے والی گفتگو کروں کہ ہر سننے والا میرا مقصد اچھی طرح سے سمجھ لے_

میرا بھائي میرا ناصر ومددگار

بہرحال ایک کامیاب رہبر ورہنما وہ ہوتا ہے کہ جو سعي، فکر اور قدرت روح کے علاوہ ایسی فصیح وبلیغ گفتگو کرسکے کہ جو ہر قسم کے ابہام اور نارسائي سے پاک ہو_

نیز اس بار سنگین کے لئے_یعنی رسالت الهي، رہبری بشر اور طاغوتوں اور جابروں کے ساتھ مقابلے کے لئے یارومددگار کی ضرورت ہے اور یہ کام تنہا انجام دینا ممکن نہیں ہے لہذا حضرت موسی (ع) نے پروردگار سے جو چوتھی درخواست کی :

"خداوندامیرے لئے میرے خاندان میں سے ایک وزیراور مددگار قراردے"_[۳]

---

(۱)سورہ طہ آیت ۲۷

(۲)سورہ طہ آیت ۲۸

(۳)سورہ طہ آیت ۲۹

البتہ یہ بات کہ حضرت موسی علیہ السلام تقاضا کررہے ہیں کہ یہ وزیر ان ہی کے خاندان سے ہو، اس کی دلیل واضح ہے چونکہ اس کے بارے میں معرفت اور شناخت بھی زیادہ ہوگی اور اس کی ہمدردیاں بھی دوسروں کی نسبت زیادہ ہوں گی کتنی اچھی بات ہے کہ انسان کسی ایسے شخص کو اپنا شریک کاربنائے کہ جو روحانی اور جسمانی رشتوں کے حوالے سے اس سے مربوط ہو_

اس کے بعد خصوصی التماس کے بعد خصوصی طورپر اپنے بھائي کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا: "یہ ذمہ داری میرے بھائي ہارون کے سپرد کردے"_(۱)

ہارون بعض مفسرین کے قول کے مطابق حضرت موسی علیہ السلام کے بڑے بھائي تھے اور ان سے تین سال بڑے تھے بلند قامت فصیح البیان اور اعلی علمی قابلیت کے مالک تھے، انہوں نے حضرت موسی علیہ السلام کی وفات سے تین سال پہلے رحلت فرمائي_(۲)

اور وہ نور اور باطنی روشنی کے بھی حامل تھے، اور حق وباطل میں خوب تمیز بھی رکھتے تھے_(۳)

آخری بات یہ ہے کہ وہ ایک ایسے پیغمبر تھے جنہیں خدا نے اپنی رحمت سے موسی علیہ السلام کو بخشا تھا_(۴)

وہ اس بھاری ذمہ داری کی انجام دہی میں اپنے بھائي موسی علیہ السلام کے دوش بدوش مصروف کار ہے_

یہ ٹھیک ہے کہ موسی علیہ السلام نے اس اندھیری رات میں، اس وادي مقدس کے اندر، جب خدا سے فرمان رسالت کے ملنے کے وقت یہ تقاضا کیا، تو وہ اس وقت دس سال سے بھی زیادہ اپنے وطن سے دور

---

(۱)سورہ طہ آیت ۳۱

(۲)جیسا کہ سورہ مومنون کی آیہ ۴۵ میں بیان ہوا ہے: (ثم ارسلنا موسی واخاہ ھارون بایا تنا وسلطان مبین)

(۳) جیسا کہ سورہ انبیاء کی آیہ ۴۸ میں بیان ہوا ہے: (ولقد اتینا موسی وھارون الفرقان وضیائ)

(۴) (وو ھبنالہ من رحمتنا اخاہ ھارون نبیا) (سورہ مریم آیت ۵۳)

گزار کر آرہے تھے، لیکن اصولی طور پر اس عرصہ میں بھی اپنے بھائي کے ساتھ ان کا رابطہ کامل طور پر منقطع نہ ہو، اسی لئے اس صراحت اور وضاحت کے ساتھ ان کے بارے میں بات کررہے ہیں ، اور خدا کی درگاہ سے اس عظیم مشن میں اس کی شرکت کے لئے تقاضا رکرہے ہیں ۔

اس کے بعد جناب موسی علیہ السلام ہارون کو وزارت و معاونت پر متعین کرنے کے لئے اپنے مقصد کو اس طرح بیان کرتے ہیں : "خداوندا میری پشت اس کے ذریعے مضبوط کردے"۔(۱)

اس مقصد کی تکمیل کے لئے یہ تقاضا کرتے ہیں : " اسے میرے کام میں شریک کردے۔"(۲)

وہ مرتبہ رسالت میں بھی شریک ہو اور اس عظیم کام کو رو بہ عمل لانے میں بھی شریک رہیں ، البتہ حضرت ہارون ہر حال میں تمام پروگراموں میں جناب موسی علیہ السلام کے پیرو تھے او رموسی علیہ السلام ان کے امام و پیشوا کی حیثیت رکھتے تھے ۔

آخر میں اپنی تمام درخواستوں کا نتیجہ اس طرح بیان کرتے ہیں : "تاکہ ہم تیری بہت بہت تسبیح کریں اور تجھے بہت بہت یاد کریں ، کیونکہ تو ہمیشہ ہی ہمارے حالات سے آگاہ رہا ہے۔"(۳)

تو ہماری ضروریات و حاجات کو اچھی طرح جانتا ہے اور اس راستہ کی مشکلات سے ہر کسی کی نسبت زیادہ آگاہ ہے، ہم تجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ تو ہمیں اپنے فرمان کی اطاعت کی قدرت عطا فرمادے اور ہمارے فرائض، ذمہ داریوں اور فرائض انجام دینے کے لئے ہمیں توفیق اور کامیابی عطا فرما ۔

چونکہ جناب موسی علیہ السلام کا اپنے مخلصانہ تقاضوں میں سوائے زیادہ سے زیادہ اور کامل تر خدمت کے اور کچھ مقصد نہیں تھا لہذا خداوندعالم نے ان کے تقاضوں کو اسی وقت قبول کرلیا،" اس نے کہا: اے موسی تمہاری درخواستیں قبول ہیں۔"(۴)

---

(۱) سورہ طہ آیت ۳۱

(۲) سورہ طہ آیت ۳۲

(۳) سورہ طہ آیت ۳۳تا۳۵

(۴) سورہ طہ آیت ۳۶

حقیقت میں ان حساس اور تقدیر ساز لمحات میں چونکہ موسی علیہ السلام پہلی مرتبہ خدائے عظیم کی بساط مہمانی پر قدم رکھ رہے تھے، لہذا جس جس چیز کی انہیں ضرورت تھی ان کا خدا سے اکٹھا ہی تقاضا کرلیا، اور اس نے بھی مہمان کا انتہائی احترام کیا، اور اس کی تمام درخواستوں اور تقاضوں کو ایک مختصر سے جملے میں حیات بخش ندا کے ساتھ قبول کرلیا اور اس میں کسی قسم کی قیدو شرط عائد نہ کی اور موسی علیہ السلام کا نام مکرر لا کر، ہر قسم کے ابہام کو دور کرتے ہوئے اس کی تکمیل کردی ، یہ بات کس قدر شوق انگیز اور افتخار آفرین ہے کہ بندے کا نام مولا کی زبان پر بار بار آئے_

فرعون سے معرکہ آرا مقابلہ

حضرت موسی علیہ السلام کی ماموریت کا پہلا مرحلہ ختم ہوا جس میں بتایا گیا ہے کہ انھیں وحی اور رسالت ملی اور انھوں نے اس عظیم مقصد کو حاصل کرنے کے لیے وسائل کے حصول کی درخواست کی _

اس کے ساتھ ہی زیر نظر دوسرے مرحلے کے بارے میں گفتگو ہوتی ہے یعنی فرعون کے پاس جانا اور اس کے ساتھ گفتگو کرنا چنانچہ ان کے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے اسے یہاں پر بیان کیا جارہا ہے_

سب سے پہلے مقدمے کے طور پر فرمایا گیا ہے:اب جبکہ تمام حالات سازگار ہیں تو تم فرعون کے پاس جائو "اور اس سے کہو کہ ہم عالمین کے پروردگار کے رسول ہیں"_(۱)

اور اپنی رسالت کا ذکر کرنے کے بعد بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیجئے اور کہیئے"کہ ہمیں حکم ملا ہے کہ تجھ سے مطالبہ کریں کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے"_(۲)

وہ مصر میں گئے اور اپنے بھائی ہارون کو مطلع کیا اور وہ رسالت جس کے لیے آپ(ع) مبعوث تھے، اس کا پیغام اسے پہنچایا_پھر یہ دونوں بھائی فرعون سے ملاقات کے ارادے سے روانہ ہوئے_ آخر بڑی مشکل سے اس کے پاس پہنچ سکے_اس وقت فرعون کے وزراء اور مخصوص لوگ اسے گھیرے ہوئے تھے_

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۱۶

(۲)سورہ شعراء آیت ۱۷

حضرت موسی علیہ السلام نے ان کو خدا کا پیغام سنایا_

اس مقام پر فرعون نے زبان کھولی اور شیطنت پر بمنی چند ایک چچے تلے جملے کہے جس سے ان کی رسالت کی تکذیب کرنا مقصود تھا_ وہ حضرت موسی علیہ السلام کی طرف منہ کرکے کہنے لگا:"آیا بچپن میں ہم نے تجھے اپنے دامن محبت میں پروان نہیں چڑھایا"_[1]

ہم نے تجھے دریائے نیل کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئي خشمگین موجوں سے نجات دلائي وگرنہ تیری زندگی خطرے میں تھي_تیرے لیے دائیوں کو بلایا اور ہم نے اولاد بنی اسرائیل کے قتل کردینے کا جو قانون مقرر کررکھا تھا اس سے تجھے معاف کردیا اور امن و سکون اور نازو نعمت میں تجھے پروان چڑھایا_

اور اس کے بعد بھی "تو نے اپنی زندگی کے کئي سال ہم میں گزارے"_[2]

پھر وہ موسی علیہ السلام پر ایک اعتراض کرتے ہوئے کہتا ہے:تو نے وہ اہم کام کیا ہے_(فرعون کے حامی ایک قبطی کو قتل کیا ہے)_[3]

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایسا کام کرنے کے بعد تم کیونکر رسول بن سکتے ہو؟

ان سب سے قطع نظر کرتے ہوئے "تو ہماری نعمتوں سے انکار کررہا ہے"_[4]

تو کئي سالوں تک ہمارے دسترخوان پرپلتا رہا ہے،ہمارا نمک کھانے کے بعد نمک حلالی کا حق اس طرح ادا کررہا ہے؟اس قدر کفران نعمت کے بعد تو کس منہ سے نبوت کا دعوی کررہاہے؟

در حقیقت وہ بزعم خود اس طرح کی منطق سے ان کی کردار کشی کرکے موسی علیہ السلام کو خاموش کرنا چاہتا تھا_

جناب موسی علیہ السلام نے فرعون کی شیطنت آمیز باتیں سن کر اس کے تینوں اعتراضات کے

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۱۸

(۲)سورہ شعراء آیت ۱۸

(۳)سورہ شعراء آیت ۱۹

(۴)سورہ شعراء آیت ۱۹

جواب دینا شروع کیے_لیکن اہمیت کے لحاظ سے فرعون کے دوسرے اعتراض کا سب سے پہلے جواب دیا(یا پہلے اعتراض کو بالکل جواب کے لائق ہی نہیں سمجھا کیونکہ کسی کا کسی کی پرورش کرنا اس بات کی دلیل نہیں بن جاتا کہ اگر وہ گمراہ ہوتو اسے راہ راست کی بھی ہدایت نہ کی جائے)_

بہر حال جناب موسی علیہ السلام نے فرمایا:"میں نے یہ کام اس وقت انجام دیا جب کہ میں بے خبر لوگوں میں سے تھا"_[۱]

یعنی میں نے اسے جو مکا مارا تھا وہ اسے جان سے ماردینے کی غرض نہیں بلکہ مظلوم کی حمایت کے طور پر تھا، میں تو نہیں سمجھتا تھا کہ اس طرح اس کی موت واقع ہوجائے گی_

پھر موسی علیہ السلام فرماتے ہیں:"اس حادثے کی وجہ سے جب میں نے تم سے خوف کیا تو تمہارے پاس سے بھاگ گیا اور میرے پروردگار نے مجھے دانش عطا فرمائی اور مجھے رسولوں میں سے قرار دیا"_[۲]

پھر موسی علیہ السلام اس احسان کا جواب دیتے ہیں جو فرعون نے بچپن اور لڑکپن میں پرورش کی صورت میں ان پر کیا تھادو ٹوک انداز میں اعتراض کی صورت میں فرماتے ہیں:"تو کیا جو احسان تو نے مجھ پر کیا ہے یہی ہے کہ تو بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنالے"_[۳]

یہ ٹھیک ہے کہ حوادث زمانہ نے مجھے تیرے محل تک پہنچادیا اور مجھے مجبوراً تمھارے گھر میں پرورش پانا پڑی اور اس میں بھی خدا کی قدرت نمائی کار فرما تھی لیکن ذرا یہ تو سوچو کہ آخر ایسا کیوں ہوا؟ کیا وجہ ہے کہ میں نے اپنے باپ کے گھر میں اور ماں کی آغوش میں تربیت نہیں پائی؟ آخر کس لیے؟

کیا تو نے بنی اسرائیل کو غلامی کی زنجیروں میں نہیں جکڑ رکھا؟یہاں تک کہ تو نے اپنے خودساختہ قوانین کے تحت ان کے لڑکوں کو قتل کردیا اور ان کی لڑکیوں کو کنیز بنایا_

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۲۰

(۲)سورہء شعراء آیت ۲۱

(۳)سورہ شعراء آیت ۲۲

تیرے بے حدوحساب مظالم اس بات کا سبب بن گئے کہ میری ماں اپنے نو مولود بچے کی جان بچانے کی غرض سے مجھے ایک صندوق میں رکھ کر دریائے نیل کی بے رحم موجوں کے حوالے کردے اور پھر منشائے ایزدی یہی تھا کہ میری چھوٹی سی کشتی تمھارے محل کے نزدیک لنگر ڈال دے۔ہاں تو یہ تمہارے بے اندازہ مظالم ہی تھے جن کی وجہ سے مجھے تمھارا مرہون منت ہونا پڑا اور جنھوں نے مجھے اپنے باپ کے مقدس اور پاکیزہ گھر سے محروم کرکے تمھارے آلودہ محل تک پہنچادیا۔

دیوانگی کی تہمت

جب موسی علیہ السلام نے فرعون کو دوٹوک اور قاطع جواب دے دیا جس سے وہ لا جواب اور عاجز ہوگیا تو اس نے کلام کا رخ بدلا اور موسی علیہ السلام نے جو یہ کہا تھا"میں رب العالمین کا رسول ہوں "تو اس نے اسی بات کو اپنے سوال کا محور بنایا اور کہا یہ رب العالمین کیا چیز ہے؟[(۱)]

بہت بعید ہے کہ فرعون نے واقعاً یہ بات مطلب کے لئے کی ہو بلکہ زیادہ قریبی لگتا ہے کہ اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا تھا اور تحقیر کے طور پر یہ بات کہی تھي۔

لیکن حضرت موسی علیہ السلام نے بیدار اور سمجھ دارافراد کی طرح اس کے سوا اور کوئي چارہ نہ دیکھا کہ گفتگو کو سنجیدگی پر محمول کریں اور سنجیدہ ہوکر اس کا جواب دیں اور چونکہ ذات پروردگار عالم انسانی افکار کی دسترس سے باہر ہے لہذا انھوں نے مناسب سمجھا کہ اس کے آثار کے ذریعے استدلال قائم کریں لہذا انھوں نے آیات آفاقی کا سہارا لیتے ہوئے فرمایا:"(خدا)آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے اگر تم یقین کا راستہ اختیار کرو"۔[(۲)]

اتنے وسیع و عریض اور باعظمت آسمان و زمین اور کائنات کی رنگ برنگی مخلوق جس کے سامنے تو اور تیرے چاہنے اور ماننے والے ایک ذرہ ناچیز سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتے، میرے پروردگار کی آفرینش

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۲۳

(۲)سورہ شعراء آیت ۲۴

ہے اور ان اشیاء کا خالق ومدبر اور ناظم ہی عبادت کے لائق ہے نہ کہ تیرے جیسی کمزور اور ناچیز سی مخلوق_

لیکن عظیم آسمانی معلم کے اس قدر محکم بیان اورپختہ گفتگو کے بعد بھی فرعون خواب غفلت سے بیدار نہ ہوا اس نے اپنے ٹھٹھے مذاق اور استہزاء کو جاری رکھا اور مغرور مستکبرین کے پرانے طریقہ کار کو اپناتے ہوئے "اپنے اطراف میں بیٹھنے والوں کی طرف منہ کرکے کہا: کیا سن نہیں رہے ہو(کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے)"_[۱]

معلوم ہے کہ فرعون کے گردکون لوگ بیٹھے ہیں اسی قماش کے لوگ تو ہیں_صاحبان زوراور زرہیں یا پھر ظالم اور جابر کے معاون_

وہاں پر فرعون کے اطراف میں پانچ سو آدمی موجود تھے،جن کا شمار فرعون کے خواص میں ہوتا تھا_

اس طرح کی گفتگو سے فرعون یہ چاہتا تھا کہ موسی علیہ السلام کی منطقی اور دلنشین گفتگو اس گروہ کے تاریک دلوں میں ذرہ بھر بھی اثر نہ کرے اور لوگوں کو یہ باور کروائے کہ انکی باتیں بے ڈھنگی اور ناقابل فہم ہیں_

مگر جناب موسی علیہ السلام نے اپنی منطقی اورجچی تلی گفتگو کو بغیر کسی خوف وخطر کے جاری رکھتے ہوئے فرمایا:"تمہارا بھی رب ہے اور تمھارے آباء واجداد کا رب ہے"_[۲]

درحقیقت بات یہ ہے کہ جناب موسی علیہ السلام نے پہلے تو آفاقی آیات کے حوالے سے استدلال کیا اب یہاں پر" آیات انفس"اور خود انسان کے اپنے وجود میں تخلیق خالق کے اسرار اور انسانی روح اور جسم میں خداوند عالم کی ربوبیت کے آثار کی طرف اشارہ کررہے ہیں تاکہ وہ عاقبت نا اندیش مغرور کم از کم اپنے بارے میں تو کچھ سوچ سکیں خود کو اور پھر اپنے خدا کو پہچان سکیں_

لیکن فرعون اپنی ہٹ دھرمی سے پھر بھی باز نہ آیا،اب استہزاء اور مسخرہ پن سے چند قدم آگے بڑھ

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۲۵

(۲)سورہ شعراء آیت ۲۶

جاتا ہے اور موسی علیہ السلام کو جنون اور دیوانگی کا الزام دیتا ہے چنانچہ اس نے کہا:"جو پیغمبر تمھاری طرف آیا ہے بالکل دیوانہ ہے"_(۱)

وہی تہمت جو تاریخ کے ظالم اور جابر لوگ خدا کے بھیجے ہوئے مصلحین پر لگاتے رہتے تھے_

یہ بھی لائق توجہ ہے کہ یہ مغرور فریبی اس حد تک بھی روادارنہ تھا کہ کہے"ہمارا رسول"اور"ہماری طرف بھیجا ہوا"بلکہ کہتا ہے"تمہارا پیغمبر"اور"تمھاری طرف بھیجا ہوا"کیونکہ"تمہارا پیغمبر"میں طنز اور استہزاء پایا جاتا ہے او رساتھ ہی اس میں غرور اور تکبر کا پہلو بھی نمایاں ہے کہ میں اس بات سے بالا تر ہوں کہ کوئی پیغمبر مجھے دعوت دینے کے لئے آئے اور موسی علیہ السلام پر جنون کی تہمت لگانے سے اس کا مقصد یہ تھا کہ جناب موسی علیہ السلام کے جاندار دلائل کو حاضرین کے اذہان میں بے اثر بنایا جائے_

لیکن یہ ناروا تہمت موسی علیہ السلام کے بلند حوصلوں کو پست نہیں کر سکی اور انھوں نے تخلیقات عالم میں آثار الہی اور آفاق و انفس کے حوالے سے اپنے دلائل کو برابر جاری رکھا اور کہا:"وہ مشرق و مغرب اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے اگر تم عقل و شعور سے کام لو"_(۲)

اگر تمہارے پاس مصر نامی محدود سے علاقے میں چھوٹی سی ظاہری حکومت ہے تو کیا ہوا؟ میرے پروردگار کی حقیقی حکومت تو مشرق و مغرب اور اس کے تمام درمیانی علاقے پر محیط ہے اور اس کے آثار ہر جگہ موجودات عالم کی پیشانی پر چمک رہے ہیں اصولی طور پر خود مشرق و مغرب میں آفتاب کا طلوع و غروب اور کائنات عالم پر حاکم نظام شمسی ہی اس کی عظمت کی نشانیاں ہیں، لیکن عیب خود تمہارے اندر ہے کہ تم عقل سے کام نہیں لیتے بلکہ تمہارے اندر سوچنے کی عادت ہی نہیں ہے_(۳)

درحقیقت یہاں پر حضرت موسی علیہ اسلام نے اپنی طرف جنون کی نسبت کا بڑے اچھے انداز میں جواب دیا ہے_ دراصل وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دیوانہ میں نہیں ہوں بلکہ دیوانہ اور بے عقل وہ شخص ہے جو

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۲۷

(۲)سورہ شعراء آیت ۲۸

(۳)سورہ شعراء آیت ۲۸

اپنے پروردگار کے ان تمام آثار اور نشانات کو نہیں دیکھتا _

عالم وجود کے ہر درودیوار پر ذات پروردگار کے اس قدر عجیب وغریب نقوش موجود ہیں پھر بھی جو شخص ذات پروردگار کے بارے میں نہ سوچ اسے خود نقش دیوار ہوجانا چاہیئے _

ان طاقتور دلائل نے فرعون کو سخت بوکھلادیا، اب اس نے اسی حربے کا سہارا لیا جس کا سہارا ہر بے منطق اور طاقتور لیتا ہے اور جب وہ دلائل سے عاجز ہوجاتا ہے تو اسے آزمانے کی کوشش کرتا ہے_

"فرعون نے کہا: اگر تم نے میرے علاوہ کسی اور کو معبود بنایا تو تمہیں قیدیوں میں شامل کردوں گا"_[1] میں تمہاری اور کوئی بات نہیں سننا چاہتا میں تو صرف ایک ہی عظیم الہ اور معبوے کو جانتا ہوں اور وہ میں خود ہوں اگر کوئی شخص اس کے علاوہ کہتا ہے تو بس سمجھ لے کہ اس کی سزا یا تو موت ہے یا عمر قید جس میں زندگی ہی ختم ہوجائے_

درحقیقت فرعون چاہتا تھا کہ اس قسم کی تیزوتند گفتگو کرکے موسی علیہ السلام کو ہراساں کرے تاکہ وہ ڈرکر چپ ہوجائیں کیونکہ اگر بحث جاری رہے گی تو لوگ اس سے بیدار ہوں گے اور ظالم وجابر لوگوں کے لئے عوام کی بیداری اور شعور سے بڑھ کر کوئی اور چیز خطرناک نہیں ہوتی _

تمہارا ملک خطرے میں ہے

گزشتہ صفحات میں ہم نے دیکھ لیا ہے کہ جناب موسی علیہ السلام نے منطق اور استدلال کی رو سے فرعون پر کیونکر اپنی فوقیت اوربرتری کا سکہ منوالیا اور حاضرین پر ثابت کردیا کہ ان کا خدائی دین کس قدر عقلی و منطقی ہے اور یہ بھی واضح کردیا کہ فرعون کے خدائی دعوے کس قدرپوچ اور عقل وخرد سے عاری ہیں کبھی تو وہ استہزاء کرتا ہے ، کبھی جنون اور دیوانگی کی تہمت لگاتاہے اور آخر کار طاقت کے نشے میں آکر قیدوبند اور موت کی دھمکی دیتا ہے _

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۲۹

اس موقع پر گفتگو کارخ تبدیل ہوجاتاہے اب جناب موسی کو ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے تھا جس سے فرعون کی ناتوانی ظاہر ہوجائے_

موسی علیہ السلام کو بھی کسی طاقت کے سہارے کی ضرورت تھی ایسی خدائي طاقت جس کے معجزانہ اندازہوں ، چنانچہ آپ فرعون کی طرف منہ کرکے فرماتے ہیں :" آیا اگر میں اپنی رسالت کے لئے واضح نشانی لے آئوں پھر بھی تو مجھے زندان میں ڈالے گا"_(۱)

اس موقع پر فرعون سخت مخمصے میں پڑگیا، کیونکہ جناب موسی علیہ السلام نے ایک نہایت ہی اہم اور عجیب وغریب منصوبے کی طرف اشارہ کرکے حاضرین کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی تھی اگر فرعون ان کی باتوں کو ان سنی کرکے ٹال دیتا تو سب حاضرین اس پر اعتراض کرتے اورکہتے کہ موسی کو وہ کام کرنے کی اجازت دی جائے اگروہ ایسا کرسکتا ہے تو معلوم ہوجائے گا اور اس سے مقابلہ نہیں کیا جاسکے گا اور اگر ایسا نہیں کرسکتا تو بھی اس کی شخیي آشکار ہوجائے گی بہرحال موسی علیہ السلام کے اس دعوے کو آسانی سے مسترد نہیں کیا جاسکتا تھا آخرکار فرعون نے مجبور ہوکر کہا" اگر سچ کہتے ہو تو اسے لے آئو"(۲)

"اسی دوران میں موسی علیہ السلام نے جو عصا ہاتھ میں لیا ہوا تھا زمین پر پھینک دیا اور وہ (خدا کے حکم سے) بہت بڑا اور واضح سانپ بن گیا"_(۳)

"پھر اپنا ہاتھ آستین میں لے گئے اور باہر نکالا تو اچانک وہ دیکھنے والوں کے لئے سفید اور چمک دار بن چکا تھا"_(۴) در حقیقت یہ دو عظیم معجزے تھے ایک خوف کا مظہر تھا تو دوسرا امید کا مظہر، پہلے میں انذار کا پہلو تھا تو دوسرے میں بشارت کا ، ایک خدائي عذاب کی علامت تھی تو دوسرا نور اور رحمت کی نشانی ،کیونکہ معجزے کو پیغمبر خدا کی دعوت کے مطابق ہونا چاہیئے_

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۳۱

(۲)سورہ شعراء آیت ۳۱

(۳)سورہ شعراء آیت ۳۲

(۴)سورہ شعراء آیت ۳۳

فرعون نے جب صورت حال دیکھی تو سخت بوکھلا گیا اور وحشت کی گہری کھائي میں جاگرا، لیکن اپنے شیطانی اقتدار کو بچانے کے لئے جو موسی علیہ السلام کے ظہور کے ساتھ متزلزل ہوچکا تھا اس نے ان معجزات کی توجیہ کرنا شروع کردی تاکہ اس طرح سے اطراف میں بیٹھنے والوں کے عقائد محفوظ اور ان کے حوصلے بلند کرسکے اس نے پہلے تو اپنے حواری سرداروں سے کہا: "یہ شخص ماہر اور سمجھ دار جادو گر ہے"_ (۱)

جس شخص کو تھوڑی دیر پہلے تک دیوانہ کہہ رہا تھا اب اسے "علیم" کے نام سے یاد کررہا ہے، ظالم اور جابر لوگوں کا طریقہ کار ایسا ہی ہوتا ہے کہ بعض اوقات ایک ہی محفل میں کئي روپ تبدیل کرلیتے ہیں اور اپنی انا کی تسکین کے لئے نت نئے حیلے تراشتے رہتے ہیں_

اس نے سوچا چونکہ اس زمانے میں جادوکادور دورہ ہے لہذا موسی علیہ السلام کے معجزات پر جادو کا لیبل لگا دیا جائے تاکہ لوگ اس کی حقانیت کو تسلیم نہ کریں_

پھر اس نے لوگوں کے جذبات بھڑکانے اور موسی علیہ السلام کے خلاف ان کے دلوں میں نفرت پیدا کرنے کے لئے کہا : "وہ اپنے جادو کے ذریعے تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے، تم لوگ اس بارے میں کیا سوچ رہے ہو اور کیا حکم دیتے ہو"_ (۲)

یہ وہی فرعون ہے جو کچھ دیر پہلے تک تمام سرزمین مصر کو اپنی ملکیت سمجھ رہا تھا" کیا سرزمین مصر پر میری حکومت اور مالکیت نہیں ہے ؟" اب جبکہ اسے اپنا راج سنگھاسن ڈوبتا نظر آرہا ہے تو اپنی حکومت مطلقہ کو مکمل طورپر فراموش کر کے اسے عوامی ملکیت کے طورپر یاد کرکے کہتا ہے "تمہارا ملک خطرات میں گھر چکا ہے اسے بچانے کی سوچو"_ وہی فرعون جو ایک لحظہ قبل کسی کی بات سننے پر تیار نہیں تھا بلکہ ایک مطلق العنان آمر کی حیثیت سے تخت حکومت پر براجمان تھا اب اس حد تک عاجز اور درماندہ ہوچکا ہے کہ اپنے اطرافیوں سے درخواست کررہا ہے کہ تمہارا کیا حکم ہے نہایت ہی عاجز اور کمزور ہوکر التجا کررہا ہے_

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۳۴

(۲)سورہ شعراء آیت ۳۵

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے درباری باہمی طور پر مشورہ کرنے میں لگ گئے وہ اس قدر حواس باختہ ہو چکے تھے کہ سوچنے کی طاقت بھی ان سے سلب ہوگئی تھی ہر کوئی دوسرے کی طرف منہ کرکے کہتا :

"تمہاری کیا رائے ہے ؟" (۱)

بہر حال کافی صلاح مشورے کے بعد درباریوں نے فرعون سے کہا :" موسی اور اس کے بھائی کو مہلت دو اور اس بارے میں جلدی نہ کرو اور تمام شہروں میں ہرکارندے روانہ کردو، تاکہ ہر ماہر اور منجھے ہوئے جادو گر کو تمہارے پاس لے آئیں "۔(۲)

در اصل فرعون کے درباری یا تو غفلت کا شکار ہوگئے یا موسی علیہ السلام پر فرعون کی تہمت کو جان بوجھ کر قبول کرلیا اور موسی کو" ساحر" (جادوگر) سمجھ کر پروگرام مرتب کیا کہ ساحر کے مقابلے میں " سحار"یعنی ماہر اور منجھے ہوئے جادو گروں کو بلایا جائے چنانچہ انھوں نے کہا :"خوش قسمتی سے ہمارے وسیع وعریض ملک (مصر) میں فن جادو کے بہت سے ماہر استاد موجود ہیں اگر موسی ساحر ہے تو ہم اس کے مقابلے میں سحار لاکھڑا کریں گے اور فن سحر کے ایسے ایسے ماہرین کو لے آئیں گے جو ایک لمحہ میں موسی کا بھرم کھول کر رکھ دیں گے"۔

ہر طرف سے جادو گر پہنچ گئے

فرعون کے درباریوں کی تجویز کے بعد مصر کے مختلف شہروں کی طرف ملازمین روانہ کردیئے ئے اورانھوں نے ہر جگہ پر ماہر جادو گروں کی تلاش شروع کردی " آخر کار ایک مقررہ دن کی میعاد کے مطابق جادو گروں کی ایک جماعت اکٹھا کرلی گئي " (۳)

دوسرے لفظوں میں انھوں نے جادوگروں کو اس روز کے لئے پہلے ہی سے تیار کرلیا تاکہ ایک مقرردن مقابلے کے لئے پہنچ جائیں ۔

---

(۱)سورہ اعراف آیت ۱۱۰

(۲) سورہ شعراء ۳۶ تا ۳۶

(۳)سورہ شعراء آیت ۳۸

"یوم معلوم" سے کیا مراد ہے ؟جیسا کہ سورہ اعراف کی آیات سے معلوم ہوتا ہے مصریوں کی کسی مشہور عید کا دن تھا جسے موسی علیہ السلام نے مقابلے کے لئے مقرر کیا تھا اور اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اس دن لوگوں کو فرصت ہوگی اور وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں شرکت کریں گے کیونکہ انھیں اپنی کامیابی کا مکمل یقین تھا اور وہ چاہتے تھے کہ آیات خداوندی کی طاقت اور فرعون اور اس کے ساتھیوں کی کمزوری اور پستی پوری دنیا پر آشکار ہوجائے "اور زیادہ سے زیادہ لوگوں سے کہا گیا کہ آیا تم بھی اس میدان میں اکٹھے ہوگے ؟(۱)

اس طرزبیان سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کے کارندے اس سلسلے میں سوچی سمجھی اسکیم کے تحت کام کررہے تھے انھیں معلوم تھا کہ لوگوں کو زبردستی میدان میں لانے کی کوشش کی جائے تو ممکن ہے کہ اس کا منفی رد عمل ہو، کیونکہ ہر شخص فطری طور پر زبردستی کو قبول نہیں کرتا لہذا انھوں نے کہا اگر تمہاری جی چاہے تو اس اجتماع میں شرکت کرو اس طرح سے بہت سے لوگ اس اجتماع میں شریک ہوئے _

لوگوں کو بتایا گیا" مقصد یہ ہے کہ اگر جادو گر کامیاب ہوگئے کہ جن کی کامیابی ہمارے خدائوں کی کامیابی ہے تو ہم ان کی پیروی کریں گے "(۲)اور میدان کو اس قدر گرم کردیں گے کہ ہمارے خدائوں کا دشمن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میدان چھوڑجائے گا _

واضح ہے کہ تماشائیوں کا زیادہ سے زیادہ اجتماع جو مقابلے کے ایک فریق کے ہمنوا بھی ہوں ایک طرف توان کی دلچسپی کا سبب ہوگا اور ان کے حوصلے بلند ہوں گے اور ساتھ ہی وہ کامیابی کے لئے زبردست کوشش بھی کریں گے اور کامیابی کے موقع پر ایسا شور مچائیں گے کہ حریف ہمیشہ کے لئے گوشۂ گمنامی میں چلاجائے گا اور اپنی عددی کثرت کی وجہ سے مقابلے کے آغاز میں فریق مخالف کے دل میں خوف وہراس اور رعب ووحشت بھی پیدا کرسکیں گے_

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۳۹

(۲)سورہ شعراء آیت ۴۰

یہی وجہ ہے کہ فرعون کے کارندے کوشش کررہے تھے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں شرکت کریں موسی علیہ السلام بھی ایسے کثیراجتماع کی خدا سے دعا کررہے تھے تاکہ اپنا مدعا اور مقصد زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچا سکیں ۔

یہ سب کچھ ایک طرف، ادھر جب جادو گر فرعون کے پاس پہنچے اور اسے مشکل میں پھنسا ہوا دیکھا تو موقع مناسب سمجھتے ہوئے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے اور بھاری انعام وصول کرنے کی غرض سے اس سے کہا :" اگر ہم کامیاب ہوگئے تو کیا ہمارے لئے کوئي اہم صلہ بھی ہوگا ؟" (۱)

فرعون جو بری طرح پھنس چکا تھا اور اپنے لئے کوئي راہ نہیں پاتا تھا انھیں زیادہ سے زیادہ مراعات اور اعزاز دینے پر تیار ہوگیا اس نے فوراکہا: :"ہاں ہاں جو کچھ تم چاہتے ہومیں دوں گا اس کے علاوہ اس صورت میں تم میرے مقربین بھی بن جائوگے" ۔ (۲)

در حقیقت فرعون نے ان سے کہا : تم کیا چاہتے ہو؟ مال ہے یا عہدہ: میں یہ دونوں تمہیں دوں گا ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ماحول اورزمانے میں فرعون کا قرب کس حدتک اہم تھا کہ وہ ایک عظیم انعام کے طور پر اس کی پیش کش کررہا تھا در حقیقت اس سے بڑھ کر اورکوئي صلہ نہیں ہوسکتا کہ انسان اپنے مطلوب کے زیادہ نزدیک ہو ۔

جادو گروں کا عجیب وغریب منظر

جب جادوگروں نے فرعون کے ساتھ اپنی بات پکی کرلی اور اس نے بھی انعام، اجرت اور اپنی بارگاہ کے مقرب ہونے کا وعدہ کرکے انھیں خوش کردیا اور وہ بھی مطمئن ہوگئے تو اپنے فن کے مظاہرے اور اس کے اسباب کی فراہمی کے لئے تگ ودو کرنی شروع کردي، فرصت کے ان لمحات میں انھوں نے بہت سی رسیاں اور لاٹھیاں اکٹھی کرلیں اور بظاہر ان کے اندر کو کھوکھلاکر کے ان میں ایسا کوئي کیمیکل مواد (پارہ وغیرہ

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۴۱

(۲)سورہ شعراء آیت ۴۲

کی مانند) بھر دیا جس سے وہ سورج کی تپش میں ہلکی ہو کر بھاگنے لگتی ـ

آخر کار وعدے کا دن پہنچ گیا اور لوگوں کا اکثیر مجمع میدان میں جمع ہوگیا تاکہ وہ اس تاریخی مقابلے کو دیکھ سکیں، فرعون اور اس کے درباري، جادوگر اور موسی علیہ السلام اور ان کے بھائي ہارون علیہ السلام سب میدان میں پہنچ گئے ـ

لیکن حسب معمول قرآن مجید اس بحث کو خدف کرکے اصل بات کو بیان کرتا ہے ـ

یہاں پر بھی اس تاریخ ساز منظر کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہتا ہے :"موسی نے جادو گروں کی طرف منہ کرکے کہا : جو کچھ پھینکنا چاہتے ہو پھینکو اور جو کچھ تمہارے پاس ہے میدان میں لے آئو"ـ(۱)

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب موسی علیہ السلام نے یہ بات اس وقت کی جب جادوگروں نے ان سے کہا:"آپ پیش قدم ہوکر اپنی چیز ڈالیں گے یا ہم ؟"(۲)

موسی علیہ السلام کی یہ پیش کش درحقیقت انھیں اپنی کامیابی پر یقین کی وجہ سے تھی اوراس بات کی مظہر تھی کہ فرعون کے زبردست حامیوں اور دشمن کے انبوہ کثیر سے وہ ذرہ برابر بھی خائف نہیں ،چنانچہ یہ پیش کش کرکے آپ نے جادوگروں پر سب سے پہلا کامیاب وار کیا جس سے جادو گروں کو بھی معلوم ہوگیا کہ موسی علیہ السلام ایک خاص نفسیاتی سکون سے بہرہ مندہیں اور وہ کسی ذات خاص سے لو لگائے ہوئے ہیں کہ جوان کا حوصلہ بڑھارہی ہے ـ

جادو گر تو غرور و نخوت کے سمندر میں غرق تھے انھوں نے اپنی انتہائي کوششیں اس کام کے لئے صرف کردی تھیں اور انھیں اپنی کامیابی کا بھی یقین تھا" لہذا نھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینک دیں اور کہا فرعون کی عزت کی قسم ہم یقینا کامیاب ہیں"ـ(۳)

جی ہاں :انھوں نے دوسرے تمام چاپلوسیوں خوشامدیوں کی مانند فرعون کے نام سے شروع کیا اور

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۴۳

(۲)سورہ اعراف آیت ۱۱۵

(۳)سورہ شعراء آیت ۴۴

اس کے کھوکھلے اقتدار کا سہارا لیا_

جیسا کہ قرآن مجید ایک اور مقام پر کہتا ہے:

"اس موقع پر انھوں نے جب رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینکیں تو وہ چھوٹے بڑے سانپوں کی طرح زمین پر حرکت کرنے لگیں"_ (۱)

انھوں نے اپنے جادو کے ذرائع میں سے لاٹھیوں کا انتخاب کیا ہوا تھا تاکہ وہ بزعم خود موسی کی عصا کی برابری کر سکیں اور مزید برتری کے لئے رسیوں کو بھی ساتھ شامل کرلیا تھا_

اسی دوران میں حاضرین میں خوشی کی لہر دوڑگئي اور فرعون اور اس کے درباریوں کی آنکھیں خوشی کے مارے چمک اٹھیں اور وہ مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے تھے یہ منظر دیکھ کر ان کے اندر وجدو سرور کی کیفیت پیدا ہوگئ اور وہ جھوم رہے تھے_ چنانچہ بعض مفسرین کے قول کے مطابق ان ساحروں کی تعداد کئي ہزار تھی نیز ان کے وسائل سحر بھی ہزاروں کی تعداد میں تھے چونکہ اس زمانے میں مصر میں سحر و ساحری کا کافی زور تھا اس بنا پر اس بات پر کوئی جائے تعجب نہیں ہے_

خصوصاً جیسا کہ قران (۲) کہتا ہے کہ:

وہ منظر اتنا عظیم و وحشتناک تھا کہ حضرت موسی نے بھی اس کی وجہ سے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا_

اگرچہ نہج البلاغہ میں اس کی صراحت موجود ہے کہ حضرت موسی کو اس بات کا خوف لاحق ہوگیا تھا کہ ان جادوگروں کو دیکھ کر لوگ اس قدر متاثر نہ ہوجائیں کہ ان کو حق کی طرف متوجہ کرنا دشوار ہوجائے بہرصورت یہ تمام باتیں اس بات کی مظہرہیں کہ اس وقت ایک عظیم معرکہ درپیش تھا جسے حضرت موسی علیہ السلام کو بفضل الہی سر کرنا تھا_

---

(۱) سورہ طہ آیت ۶۶

(۲) سورہ طہ اایت ۶۷

جادو گروں کے دل میں ایمان کی چمک لیکن موسی علیہ السلام نے اس کیفیت کو زیادہ دیر نہیں پنپنے دیا وہ آگے بڑھے اور اپنے عصا کو زمین پردے مارا تو وہ اچانک ایک ادہے کی شکل میں بتدیل ہو کر جادو گروں کے ان کرشموں کو جلدی نگلنے لگا اور انھیں ایک ایک کرکے کھاگیا۔ (۱)(۲)

---

(۱)سورہ طہ ، آیت ۶۶

(۲)کیا عصا کا اژدھابن جانا ممکن ہے ؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ عصا کا ازدہا بن جانا ایک بیّن معجزہ ہے جس کی توجیہ مادی اصول سے نہیں کی جاسکتي، بلکہ ایک خدا پرست شخص کو اس سے کوئی تعجب بھی نہ ہوگا کیونکہ وہ خدا کو قادر مطلق اور سارے عالم کے قوانین کو ارادہ الٰہی کے تابع سمجھتا ہے لہذا اس کے نزدیک یہ کوئی بڑی بات نہیں کہ لکڑی کا ایک ٹکڑا حیوان کی صورت اختیار کرلے کیونکہ ایک مافوق طبیعت قدرت کے زیر اثر ایسا ہوناعین ممکن ہے۔

ساتھ ہی یہ بات بھی نہ بھولنا چاہئے کہ اس جہان طبیعت میں تمام حیوانات کی خلقت خاک سے ہوئی ہے نیز لکڑی و نباتات کی خلقت بھی خاک سے ہوئی ہے لیکن مٹی سے ایک بڑا سانپ بننے کے لئے عادتاً شاید کروڑوں سال کی مدت درکار ہے، لیکن اعجاز کے ذریعے یہ طولانی مدت اس قدر کوتاہ ہوگئی کہ وہ تمام انقلابات ایک لحظہ میں طے ہوگئے جن کی بنا پر مٹی سے سانپ بنتا ہے ،جس کی وجہ سے لکڑی کا ایک ٹکڑا جو قوانین طبیعت کے زیر اثر ایک طولانی مدت میں سانپ بنتا،چند لحظوں میں یہ شکل اختیار کرگیا۔

اس مقام پر کچھ ایسے افراد بھی ہیں جو تمام معجزات انبیاء کی طبیعی اور مادی توجیہات کرتے ہیں جس سے ان کے اعجازی پہلوں کی نفی ہوتی ہے، اور ان کی یہ سعی ہوتی ہے کہ تمام معجزات کو معمول کے مسائل کی شکل میں ظاہر کریں ،ہرچند وہ کتب آسمانی کی نص اور الفاظ صریحہ کے خلاف ہو، ایسے لوگوں سے ہمارا یہ سوال ہے کہ وہ اپنی پوزیشن اچھی طرح سے واضح کریں۔کیا وہ واقعاً خدا کی عظیم قدرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اسے قوانین طبیعت پر حاکم مانتے ہیں کہ نہیں ؟ اگر وہ خدا کو قادر و توانا نہیں سمجھتے تو ان سے انبیاء کے حالات اور ان کے معجزات کی بات کرنا بالکل بے کار ہے اور اگر وہ خدا کو قادر جانتے ہیں تو پھر ذرا تامل کریں کہ ان تکلف آمیز توجیہوں کی کیا ضرورت ہے جو سراسر آیات قرآنی کے خلاف ہیں (اگرچہ زیر بجث آیت میں میری نظر سے نہیں گزرا کہ کسی مفسر نے جس کا طریقہ تفسیر کیسا ہی مختلف کیوں نہ ہو اس آیت کی مادی توجیہہ کی ہو،تا ہم جو کچھ ہم نے بیان کیا وہ ایک قاعدہ کلی کے طور پر تھا۔

اس موقع پر لوگوں پریکدم سکوت طاری ہوگیا حاضرین پر سناٹا چھاگیا، تعجب کی وجہ سے ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے آنکھیں پتھرا گئي گویا ان میں جان ہی نہیں رہی لیکن بہت جلد تعجب کے بجائے وحشت ناک چیخ و پکار شروع ہوگئي، کچھ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے کچھ لوگ نتیجے کے انتظار میں رک گئے اور کچھ لوگ بے مقصد نعرے لگارہے تھے لیکن جادوگرں کے منہ تعجب کی وجہ سے کھلے ہوئے تھے_

اس مرحلے پر سب کچھ تبدیل ہوگیا جو جادوگر اس وقت تک شیطانی رستے پر گامزن ،فرعون کے ہم رکاب اور موسی علیہ السلام کے مخالف تھے یک دم اپنے آپے میں آگئے اور کیونکہ جادو کے ہر قسم کے ٹونے ٹوٹکے او رمہارت اور فن سے واقف تھے اس لئے انھیں یقین آگیا کہ ایسا کام ہر گز جادو نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ خدا کا ایک عظیم معجزہ ہے "لہذا اچانک وہ سارے کے سارے سجدے میں گرپڑے "_[۱]

دلچسپ بات یہ ہے کہ قرآن نے یہاں پر "القي"کا استعمال کیا ہے جس کا معنی ہے گرادیئے گئے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ جناب موسی علیہ السلام کے معجزے سے اس قدر متاثر ہوچکے تھے کہ بے اختیار زمین پر سجدے میں جاپڑے_

اس عمل کے ساتھ ساتھ جو ان کے ایمان کی روشن دلیل تھا;انھوں نے زبان سے بھی کہا:"ہم عالمین کے پروردگار پر ایمان لے آئے"_[۲]

اورہر قسم کا ابہام وشک دور کرنے کے لئے انھوں نے ایک اور جملے کا بھی اضافہ کیا تاکہ فرعون کے لئے کسی قسم کی تاویل باقی نہ رہے، انھوں نے کہا:"موسی اورہارون کے رب پر"_[۳]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عصازمین پر مارنے اور ساحرین کے ساتھ گفتگو کرنے کا کام اگرچہ موسی علیہ السلام نے انجام دیا لیکن ان کے بھائي ہارون علیہ السلام ان کے ساتھ ساتھ ان کی حمایت اور مدد کررہے تھے_

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۴۶

(۲)سورہ شعراء آیت ۴۷

(۳)سورہ شعراء آیت ۴۸

یہ عجیب وغریب تبدیلی جادوگروں کے دل میں پیدا ہوگئي اور انھوں نے ایک مختصر سے عرصے میں مطلق تاریکی سے نکل کر روشنی اور نور میں قدم رکھ دیا اور جن جن مفادات کا فرعون نے ان سے وعدہ کیا تھا ان سب کو ٹھکرادیا ، یہ بات تو آسان تھي، انھوں نے اس اقدام سے اپنی جانوں کو بھی خطرے میں ڈال دیا، یہ صرف اس وجہ سے تھا کہ ان کے پاس علم و دانش تھا جس کے باعث وہ حق اور باطل میں تمیز کرنے میں کامیاب ہوگئے اور حق کا دامن تھام لیا_

کیا میری اجازت کے بغیر موسی علیہ السلام پر ایمان لے آئے؟

اس موقع پر اس طرف تو فرعون کے اوسان خطا ہوچکے تھے اور دوسرے اسے اپنا اقتدار بلکہ اپنا وجود خطرے میں دکھائي دے رہا تھا خاص طورپر وہ جانتا تھا کہ جادوگرو ں کا ایمان لانا حاضرین کے دلوں پر کس قدر موثر ہوسکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کافی سارے لوگ جادوگروں کی دیکھا دیکھی سجدے میں گرجائيں ، لہذا اس نے بزعم خود ایک نئي اسکیم نکالی اور جادوگروں کی طرف منہ کرکے کہا:"تم میری اجازت کے بغیرہی اس پر ایمان لے آئے ہو"_(۱)

چونکہ وہ سالہا سال سے تخت استبدادپر براجمان چلاآرہا تھا لہذا اسے قطعاً یہ امید نہیں تھی کہ لوگ اس کی اجازت کے بغیر کوئي کام انجام دیں گے بلکہ اسے تو یہ توقع تھی کہ لوگوں کے قلب و عقل اور اختیار اس کے قبضہ قدرت میں ہیں ،جب تک وہ اجازت نہ دے وہ نہ تو کچھ سوچ سکتے ہیں اور نہ فیصلہ کرسکتے ہیں ،جابر حکمرانوں کے طریقے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں_

لیکن اس نے اسی بات کو کافی نہیں سمجھا بلکہ دو جملے اور بھی کہے تا کہ اپنے زعم باطل میں اپنی حیثیت اور شخصیت کو برقرار رکھ سکے اور ساتھ ہی عوام کے بیدار شدہ افکار کے آگے بند باندھ سکے اور انھیں دوبارہ خواب غفلت میں سلادے_

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۴۹

اس نے سب سے پہلے جادوگروں سے کہا: تمھاری موسی سے یہ پہلے سے لگی بندھی سازش ہے، بلکہ مصری عوام کے خلاف ایک خطرناک منصوبہ ہے اس نے کہا کہ وہ تمہارا بزرگ اور استاد ہے جس نے تمہیں جادو کی تعلیم دی ہے اور تم سب نے جادوگری کی تعلیم اسی سے حاصل کی ہے۔"(۱)

تم نے پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے تحت یہ ڈرامہ رچایا ہے تاکہ مصر کی عظیم قوم کو گمراہ کرکے اس پر اپنی حکومت چلائو اور اس ملک کے اصلی مالکوں کو ان کے گھروں سے بے گھر کردو اور ان کی جگہ غلاموں اور کنیزوں کو ٹھہرائو۔

لیکن میں تمہیں کبھی اس بات کی اجازت نہیں دوں گا کہ تم اپنی سازش میں کامیاب ہوجائو، میں اس سازش کو پنپنے سے پہلے ہی ناکام کردوں گا"تم بہت جلد جان لوگے کہ تمہیں ایسی سزادوں گا جس سے دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں گے تمہارے ہاتھ اور پائوں کو ایک دوسرے کی مخالف سمت میں کاٹ ڈالوں گا(دایاں ہاتھ اور بایاں پائوں، یا بایاں ہاتھ اور دایاں پائوں)اور تم سب کو (کسی استثناء کے بغیر)سولی پر لٹکادوں گا"۔(۲)

یعنی صرف یہی نہیں کہ تم سب کو قتل کردوں گا بلکہ ایسا قتل کروں گا کہ جس میں دکھ، درد، تکلیف اور شکنجہ بھی ہوگا اور وہ بھی سرعام کھجور کے بلند درختوں پر کیونکہ ہاتھ پائوں کے مخالف سمت کے کاٹنے سے احتمالاً انسان کی دیر سے موت واقع ہوتی ہے اور وہ تڑپ تڑپ کر جان دیتا ہے۔

ہمیں اپنے محبوب کی طرف پلٹادے

لیکن فرعون یہاں پر سخت غلط فہمی میں بتلا تھا کیونکہ کچھ دیر قبل کے جادوگر اور اس وقت کے مومن افراد نور ایمان سے اس قدر منور ہوچکے تھے اور خدائی عشق کی آگ ان کے دل میں اس قدر بھڑک چکی تھی کہ انھوں نے فرعون کی دھمکیوں کو ہرگز ہرگز کوئی وقعت نہ دی بلکہ بھرے مجمع میں اسے دوٹوک جواب دے کر اس

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۴۹

(۲)سورہ شعراء آیت ۴۹

کے تمام شیطانی منصوبوں کو خاک میں ملادیا_

انھوں نے کہا:"کوئی بڑی بات نہیں اس سے ہمیں ہر گز کوئی نقصان نہیں پہنچے گا تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو کرلو، ہم اپنے پروردگارکی طرف لوٹ جائیں گے"_ (۱)

اس کام سے نہ صرف یہ کہ تم ہمارا کچھ بگاڑ نہ سکوگے بلکہ ہمیں اپنے حقیقی معشوق اور معبود تک بھی پہنچادوگے، تمھاری یہ دھمکیاں ہمارے لئے اس وقت موثر تھیں جب ہم نے خود کو نہیں پہچانا تھا، اپنے خدا سے نا آشنا تھے اور راہ حق کو بھلاکے زندگی کے بیابان میں سرگردان تھے لیکن آج ہم نے اپنی گمشدہ گراں بہا چیز کو پالیا ہے جو کرنا چاہو کرلو_

انھوں نے سلسلہ کلام آگے بڑھاتے ہوئے کہا: ہم ماضی میں گناہوں کا ارتکاب کرچکے ہیں اور اس میدان میں بھی اللہ کے سچے رسول جناب موسی علیہ السلام کے ساتھ مقابلے میں پیش پیش تھے اور حق کے ساتھ لڑنے میں ہم پیش قدم تھے لیکن"ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہمارے گناہ معاف کردے گا کیونکہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں"_ (۲)

ہم آج کسی چیز سے نہیں گھبراتے، نہ تو تمھاری دھمکیوں سے اور نہ ہی بلند و بالا کھجور کے درختوں کے تنوں پر سولی پر لٹک جانے کے بعد ہاتھ پاؤں مارنے سے_

اگر ہمیں خوف ہے تو اپنے گزشتہ گناہوں کا اور امید ہے کہ وہ بھی ایمان کے سائے اور حق تعالی کی مہربانی سے معاف ہوجائیں گے_

یہ کیسی طاقت ہے کہ جب کسی انسان کے دل میں پیدا ہوجاتی ہے تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اس کی نگاہوں میں حقیر ہوجاتی ہے اوروہ سخت سے سخت شکنجوں سے بھی نہیں گھبراتا اور اپنی جان دیدینا اس کے لئے کوئی بات ہی نہیں رہتی_

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۴۹

(۲)سورہ شعراء آیت ۵۱

یقینا یہ ایمانی طاقت ہوتی ہے۔

یہ عشق کے روشن ودرخشاں چراغ کا شعلہ ہوتا ہے جو شہادت کے شربت کو انسان کے حلق میں شہد سے بھی زیادہ شیریں بنادیتا ہے اور محبوب کے وصال کو انسان کا ارفع و اعلی مقصد بنا دیتا ہے۔

بہر حال یہ منظر فرعون اور اس کے ارکان سلطنت کے لئے بہت ہی مہنگا ثابت ہوا ہرچند کہ بعض روایات کے مطابق اس نے اپنی دھمکیوں کو عملی جامہ بھی پہنایا اور تازہ ایمان لانے والے جادوگروں کو شہید کردیا لیکن عوام کے جو جذبات موسی علیہ السلام کے حق میں اور فرعون کے خلاف بھڑک اٹھے تھے وہ انھیں نہ صرف دبا نہ سکا بلکہ اور بھی بر انگیختہ کردیا۔

اب جگہ جگہ اس خدائي پیغمبر کے تذکرے ہونے لگے اور ہر جگہ ان با ایمان شہداء کے چرچے تھے بہت سے لوگ اس وجہ سے ایمان لے آئے۔جن میں فرعون کے کچھ نزدیکی لوگ بھی تھے حتی کہ خود اس کی زوجہ ان ایمان لانے والوں میں شامل ہوگئي۔

فرعون کی زوجہ ایمان لے آئي

فرعون کی بیوی کا نام آسیہ اور باپ کا نام مزاحم تھا۔کہتے ہیں کہ جب اس نے جادوگروں کے مقابلہ میں موسی علیہ السلام کے معجزے کو دیکھا تو اس کے دل کی گہرائیاں نور ایمان سے روشن ہوگئیں ،وہ اسی وقت موسی علیہ السلام پر ایمان لے آئي۔وہ ہمیشہ اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتی تھي۔ لیکن ایمان اور خدا کا عشق ایسی چیز نہیں ہے جسے ہمیشہ چھپایا جاسکے۔جب فرعون کو اس کے ایمان کی خبر ہوئي تو اس نے اسے بارہا سمجھایا اور منع کیا اور یہ اصرار کیا کہ موسی کے دین سے دستبردار ہوجائے اور اس کے خدا کو چھوڑدے،لیکن یہ با استقامت خاتون فرعون کی خواہش کے سامنے ہرگز نہ جھکي۔

آخر کار فرعون نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں میخوں ساتھ جکڑ کر اسے سورج کی جلتی ہوئي دھوپ میں ڈال دیا جائے اور ایک بہت بڑا پتھر اس کے سینہ پر رکھ دیں۔جب وہ خاتون اپنی زندگی کے آخری لمحے گزار رہی تھی تو اس کی دعا یہ تھي:

"پروردگارا میرے لئے جنت میں اپنے جوار رحمت میں ایک گھر بنادے_ مجھے فرعون اور اس کے عمال سے رہائي بخش اور مجھے اس ظالم قوم سے نجات دے"_

خدا نے بھی اس پاکباز اور فدار کار مومنہ خاتون کی دعا قبول کی اور اسے مریم(ع) جیسی دنیا کی بہترین خاتون جناب مریم(ع) کے ہم ردیف قرار پائي ہے_

ایک روایت میں رسول خدا(ص) سے منقول ہے:

"اہل جنت میں افضل ترین اور برترین عورتیں چارہیں_ خویلد کی بیٹی خدیجہ(ع)، محمد(ص) کی بیٹی فاطمہ(ع) اور عمران کی بیٹی مریم(ع) اور مزاحم کی بیٹی آسیہ(ع) جو فرعون کی بیوی تھي"_

قابل توجہ بات یہ ہے کہ فرعون کی بیوی اپنی اس بات سے فرعون کے عظیم قصر کی تحقیر کررہی ہے، اور اسے خدا کے جوار رحمت میں گھر، کے مقابلہ میں کوئي اہمیت نہیں دیتي_ اس گفتگو کے ذریعہ ان لوگوں کے جو اسے یہ نصیحت کرتے تھے کہ ان تمام نمایاں وسائل و امکانات کو جو ملکہ مصر ہونے کی وجہ سے تیرے قبضہ و اختیار میں ہیں ، موسی علیہ السلام جیسے چرواہے پر ایمان لاکر ہاتھ سے نہ دے_ جواب دیتی ہے:

اور"نجی من فرعون و عملہ" کے جملہ کے ساتھ خود فرعون سے اور اس کے مظالم اور جرائم سے بیزاری کا اعلان کرتی ہے_

اور﴿نجی من القوم الظالمین﴾ کے جملہ سے اس آلودہ ماحول سے اپنی علی حدگي، اور ان کے جرائم سے اپنی بیگانگی کا اظہار کرتی ہے_

مسلمہ طور پر فرعون کے دربار سے بڑھ کرزرق برق اور جلال و جبروت موجود نہیں تھا_ اسی طرح فرعون جیسے جابر و ظالم کے شکنجوں سے بڑھ کر فشار اور شکنجے موجود نہیں تھے_ لیکن نہ تو وہ زرق برق اور نہ ہی وہ فشار اور شکنجے اس مومنہ عورت کے گھٹنے جھکا سکے_ اس نے رضائے خدا میں اپنا سفر اسی طرح سے جاری رکھا_یہاں تک کہ اپنی عزیز جان اپنے حقیقی محبوب کی راہ میں فدا کردي_

قابل توجہ بات یہ ہے کہ وہ یہ استدعا کرتی ہے کہ اے خدا جنت میں اوراپنے جوار میں اس کے لئے

ایک گھر بنادے جس کا جنت میں ہونا تو جنبہ جسمانی ہے اور خدا کے جوار رحمت میں ہونا جنبہ روحانی ہے_ اس نے ان دونوں کو ایک مختصر سی عبارت میں جمع کردیا ہے_

جناب موسی علیہ السلام کے قتل کا حکم

ایک طرف موسی علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کے درمیان باہمی نزاع، اوردوسری طرف فرعون اور اس کے ہم نوائوں کے ساتھ لڑائي جھگڑا کافی حدتک بڑھ گیا اوراس دوران میں بہت سے واقعات رونما ہوچکے،جنہیں قرآن نے اس مقام پر ذکر نہیں کیا بلکہ ایک خاص مقصد کوجسے ہم بعد میں بیان کریں گے پیش نظر رکھ کر ایک نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ حالات بہت خراب ہوگئے تو فرعون نے حضرت موسی علیہ السلام کی انقلابی تحریک کو دبانے بلکہ ختم کرنے کے لئے ان کے قتل کی ٹھان لی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس کے مشیروں اور درباریوں نے اس کے اس فیصلے کی مخالفت کی_چنانچہ قرآن کہتا ہے:

"فرعون نے کہا مجھے چھوڑدوتاکہ میں موسی کو قتل کرڈالوں اور وہ اپنے پروردگار کو بلائے تاکہ وہ اسے اس سے نجات دے"_ (۱)

اس سے یہ بات سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ اس کے اکثریا کم ازکم کچھ مشیر موسی علیہ السلام کے قتل کے مخالف تھے وہ یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ چونکہ موسی کے کام معجزانہ اور غیر معمولی ہیں لہذا ہوسکتا ہے کہ وہ ہمارے لئے بددعا کردے تو اس کا خدا ہم پر عذاب نازل کردے لیکن کبر و غرور کے نشے میں مست فرعون کہنے لگا:میں تو اسے ضرور قتل کروں گا جو ہوگا دیکھا جائے گا_

یہ بات تو معلوم نہیں ہے کہ فرعون کے حاشیہ نشینوں اور مشیروں نے کس بناء پر اسے موسی علیہ السلام کے قتل سے باز رکھا البتہ یہاں پرچند ایک احتمال ضرور ہیں اور ہوسکتا ہے وہ سب کے سب صحیح ہوں_

ایک احتمال تو یہ ہے کہ ممکن ہے خدا کی طرف سے عذاب نازل ہوجائے_

---

(۱)سورہ مومن آیت ۲۶

دوسرا احتمال ان کی نظر میں یہ ہوسکتا ہے کہ موسی علیہ السلام کے مارے جانے کے بعد حالات یکسر دگرگوں ہوجائیں گے کیونکہ وہ ایک شہید کا مقام پالیں گے اور انہیں ہیروکا درجہ مل جائے گا اس طرح سے ان کا دین بہت سے مو من، ہمنوا، طرفدار اور ہمدردپیدا کرلے گا_

خلاصہ کلام انہیں اس بات کا یقین ہوگیاکہ بذات خود موسی ان کے لئے ایک عظیم خطرہ ہیں لیکن اگر ان حالات میں انہیں قتل کردیا جائے تو یہ حادثہ ایک تحریک میں بدل جائے گا جس پر کنٹرول کرنا بھی مشکل ہوجائے گا اور اس سے جان چھڑانی مشکل تر ہوجائے گی_

فرعون کے کچھ درباری ایسے بھی تھے جو قلبی طورپر فرعون سے راضی نہیں تھے_وہ چاہتے تھے کہ موسی علیہ السلام زندہ رہیں اورفرعون کی کی تمام ترتوجہ انہی کی طرف مبذول رہے، اس طرح سے وہ چاردن آرام کے ساتھ بسر کرلیں اور فرعون کی آنکھوں سے اوجھل رہ کر ناجائز مفاد اٹھاتے رہیں کیونکہ یہ ایک پرانا طریقہ کار ہے کہ بادشاہوں کے درباری اس بات کی فکرمیں رہتے ہیں کہ ہمیشہ ان کی توجہ دوسرے امور کی طرف مبذول رہے تاکہ وہ آسودہ خاطر ہوکر اپنے ناجائز مفادات کی تکمیل میں لگے رہیں_ اسی لئے تو بعض اوقات وہ بیرونی دشمن کو بھی بھڑکاتے ہیں تاکہ بادشاہ کی فارغ البالی کے شرسے محفوظ رہیں_

کہیں موسی تمہارا مذہب نہ بدل دے

بہر حال فرعون نے حضرت موسی علیہ السلام کو قتل کے منصوبے کی توجیہہ کرتے ہوئے اپنے درباریوں کے سامنے اس کی دودلیلیں بیان کیں_ایک کا تعلق دینی اور روحانی پہلو سے تھا اوردوسری کا دنیاوی اور مادی سے، وہ کہنے لگا:مجھے اس بات کا خوف ہے کہ وہ تمہارے دین کو تبدیل کردے گا اور تمہارے باپ دادا کے دین کو دگرگوں کردے گا، یا یہ کہ زمین میں فساد اورخرابی برباد کردے گا_(۱)

اگر میں خاموشی اختیار کرلوں تو موسی بہت جلد مصر والوں میں اترجائے گا اور بت پرستی کا"مقدس

---

(۱)سورہ مومن آیت ۲۶

دین"جو تمہاری قومیت اور مفادات کا محافظ ہے ختم ہوجائے گا اور اس کی جگہ توحید پرستی کا دین لے لے گا جو یقینا تمہارے سوفیصد خلاف ہوگا_

اگر میں آج خاموشی ہوجائوں اور کچھ عرصہ بعد موسی سے مقابلہ کرنے کے لئے اقدام کروں تو اس دوران میں وہ اپنے بہت سے دوست اور ہمدرد پیدا کرلے گا جس کی وجہ سے زبردست لڑائي چھڑجائے گی جو ملکی سطح پر خونریزي، گڑبڑاور بے چینی کا سبب بن جائے گی اسی لئے مصلحت اسی میں ہے کہ جتنا جلدی ہوسکے اسے موت کے گھاٹ اتاردیا جائے_

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس گفتگو سے موسی علیہ السلام نے کس رد عمل کا اظہار کیا جو اس مجلس میں تشریف فرما بھی تھے، قرآن کہتا ہے: موسی نے کہا: "میں اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی ہر اس متکبر سے پناہ مانگتا ہوں جو روز حساب پر ایمان نہیں لاتا"_(۱)

موسی علیہ السلام نے یہ باتیں بڑے سکون قلب اور اطمینان خاطر سے کیں جو ان کے قوی ایمان اور ذات کردگار پر کامل بھروسے کی دلیل ہیں اور اس طرح سے ثابت کردیا کہ اس کی اس دھمکی سے وہ ذرہ بھر بھی نہیں گھبرائے_

حضرت موسی علیہ السلام کی اس گفتگو سے ثابت ہوتا ہے کہ جن لوگوں میں مندرجہ ذیل دوصفات پائي جائیں وہ نہایت ہی خطرناک افرادہیں ایک "تکبر" اوردوسرے "قیامت پر ایمان نہ رکھنا" اور اس قسم کے افراد سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیئے_

آیا کسی کو خدا کی طرف بلانے پر بھی قتل کرتے ہیں؟

یہاں سے موسی علیہ السلام اور فرعون کی تاریخ کا ایک اور اہم کردار شروع ہوتا ہے اور وہ ہے "مئومن آل فرعون" جو فرعون کے رشتہ داروں میں سے تھا حضرت موسی علیہ السلام کی دعوت توحید قبول کرچکا

---

(۱)سورہ مومن آیت ۲۷

تھا، لیکن اپنے اس ایمان کو ظاہر نہیں کرتا تھا کیونکہ وہ اپنے آپ کو خاص طریقے سے موسی علیہ السلام کی حمایت کا پابند سمجھتا تھا جب اس نے دیکھا کہ فرعون کے غیظ و غضب سے موسی علیہ السلام کی جان کو خطرہ پیدا ہوگیا ہے تو مردانہ وار آگے بڑھا اور اپنی دل نشین اور موثر گفتگو سے قتل کی اس سازش کو ناکام بنادیا _

قرآن میں فرمایا گیا ہے :" آل فرعون میں سے ایک شخص نے جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا کہا:

"کیاکسی شخص کو صرف اس بناء پر قتل کرتے ہوکہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے ؟"[۱]

"حالانکہ وہ تمہارے ربّ کی طرف سے معجزات اور واضح دلائل اپنے ساتھ لایا ہے_"[۲]

آیا تم اس کے عصا اور ید بیضاء جیسے معجزات کا انکار کرسکتے ہو ؟ کیا تم نے اپنی آنکھوں سے اس کے جادو گروں پر غالب آجانے کا مشاہدہ نہیں کیا ؟ یہاں تک کہ جادوگروں نے اس کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دیئےور ہماری پرواہ تک نہ کی اور نہ ہی ہماری دھمکیوں کو خاطر میں لائے اور موسی کے خدا پر ایمان لاکر اپنا سر اس کے آگے جھکادیا، ذرا سچ بتائو ایسے شخص کو جادوگر کہا جاسکتا ہے،؟ خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو، جلدبازی سے کام نہ لو اور اپنے اس کام کے انجام کو بھی اچھی طرح سوچ لوتاکہ بعد میں پشیمان نہ ہونا پڑے _

ان سب سے قطع نظریہ دوحال سے خالی نہیں " اگر وہ جھوٹا ہے تو جھوٹ اس کا خود ہی دامن گیر ہوگا اور اگر سچا ہے توکم ازکم جس عذاب سے تمہیں ڈرایا گیا ہے وہ کچھ نہ کچھ تو تمہارے پاس پہنچ ہی جائےگا"_[۳]

یعنی اگر وہ جھوٹا ہے جھوٹ کے پائوں نہیں ہوتے ، آخرکار ایک نہ ایک دن اس کا پول کھل جائے گا اور وہ اپنے جھوٹ کی سزا پالے گا لیکن یہ امکان بھی تو ہے کہ شاید وہ سچا ہو اور خدا کی جانب سے بھیجا گیا ہو تو پھر ایسی صورت میں اس کے کئے ہوئے وعدے کسی نہ کسی صورت میں وقوع پذیر ہوکررہیں گے لہذا اس کا قتل کرنا عقل وخرد سے کو سوں دور ہے _

---

(۱)سورہ مومن آیت ۲۸

(۲)سورہ مومن آیت ۲۸

(۳)سورہ مومن ۲۸

اس سے یہ نتیجہ نکلا، "اﷲ تعالی مسرف اور جھوٹے کی ہدایت نہیں فرماتا"_ (۱)

اگر حضرت موسی تجاوزو اسراف ودروغ کو اختیار کرتے تو یقینا اللہ تعالی کی ہدایت حاصل نہ کرتے اور اگر تم بھی ایسے ہی ہوگئے تو اس کی ہدایت سے محروم ہوجاؤگے _

مومن آل فرعون نے اس پر ہی اکتفاء نہیں کی بلکہ اپنی گفتگو کو جاری رکھا، دوستی اور خیر خواہی کے انداز میں ان سے یوں گویا ہوا : اے میری قوم آج مصر کی طویل وعریض سرزمین پر تمہاری حکومت ہے اور تم ہر لحاظ سے غالب اور کامیاب ہو، اس قدر بے انداز نعمتوں کا کفران نہ کرو، اگر خدائي عذاب ہم تک پہنچ گیا تو پھر ہماری کون مدد کرے گا "_ (۲)

ظاہراً اس کی یہ باتیں "فرعون کے ساتھیوں" کے لئے غیر موثر ثابت نہیں ہوئیں انہیں نرم بھی بنا دیا اور ان کے غصے کو بھی ٹھنڈا کردیا _

لیکن یہاں پر فرعون نے خاموشی مناسب نہ سمجھی اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا: بات وہی ہے جو میں نے کہہ دی ہے_"جس چیز کا میں معتقد ہوں اسی کا تمہیں بھی حکم دیتا ہوں میں اس بات کا معتقد ہوں کہ ہر حالت میں موسی کو قتل کردینا چاہئے اس کے علاوہ کوئي اور راستہ نہیں ہے اور میں تو صرف تمہیں صحیح راستہ کی طرف راہنمائي کرتا ہوں"_ (۳)

میں تمہیں خبردار کرتا ہوں

اس دور میں مصر کے لوگ ایک حدتک متمدن اور پڑھے لکھے تھے انہوں نے قوم نوح، عاد اور ثمود جیسی گزشتہ اقوام کے بارے میں مورخین کی باتیں بھی سن رکھی تھیں اتفاق سے ان اقوام کے علاقوں کا اس علاقے سے زیادہ فاصلہ بھی نہیں تھا یہ لوگ ان کے دردناک انجام سے بھی کم وبیش واقفیت رکھتے تھے _

لہذا مومن آل فرعون نے موسی علیہ السلام کے قتل کے منصوبے کی مخالفت کی اس نے دیکھا کہ

---

(۱)سورہ مومن آیت ۲۸

(۲)سورہ مومن آیت ۲۹

(۳)سورہ مومن آیت ۲۹

فرعون کو زبردست اصرار ہے کہ وہ موسی کے قتل سے باز نہیں آئے گا، اس مرد مومن نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور نہ ہی ہارنی چاہیئے تھی لہذا اب کہ اس نے یہ تدبیر سوچی کہ اس سرکش قوم کو گزشتہ اقوام کی تاریخ اور انجام کی طرف متوجہ کرے شاید اس طرح سے یہ لوگ بیدارہوں اور اپنے فیصلے پر نظرثانی کریں قرآن کے مطابق اس نے اپنی بات یوں شروع کی اس باایمان شخص نے کہا:" اے میری قوم ،مجھے تمہارے بارے میں گزشتہ اقوام کے عذاب کے دن کی طرح کا خوف ہے_"(۱)

پھر اس بات کی تشریح کرتے ہوئے کہا :"میں قوم نوح(ع) ، عاد، ثمود اور ان کے بعد آنے والوں کی سی بری عادت سے ڈرتا ہوں "_(۲)

ان قوموں کی عادت شرک،کفر اور طغیان وسرکشی تھی اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ ان کا کیا انجام ہوا ؟ کچھ تو تباہ کن طوفانوں کی نذر ہوگئیں ، کچھ وحشت ناک جھکڑوں کی وجہ سے برباد ہوئیں ، کچھ کو آسمانی بجلی نے جلاکر راکھ کردیا اور کچھ زلزلوں کی بھینٹ چڑھ کر صفحہ ہستی سے مٹ گئیں_کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ کفراور طغیان پر اصرارکی وجہ سے تم بھی مذکورہ عظیم بلائوں میں سے کسی ایک کا شکار ہوسکتے ہو؟ لہذا مجھے کہنے دو کہ مجھے تمہارے بارے میں بھی اس قسم کے خطرناک مستقبل کا اندیشہ ہے_ آیا تمہارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ تمہارے کردار اور افعال ان سے مختلف ہیں ؟ آخران لوگوں کا کیا قصور تھا کہ وہ اس طرح کے بھیانک مستقبل سے دوچار ہوئے کیا اس کے سوا کچھ اور تھا کہ انھوں نے خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی دعوت کے خلاف قیام کیا، ان کی تکذیب کی بلکہ انہیں قتل کرڈالا_

لیکن یادرکھو جو مصیبت بھی تم پر نازل ہوگی خود تمہارے کئے کی سزا ہوگی کیونکہ " خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا_"(۳) پھر کہتا ہے : اے میری قوم میں تمہارے لئے اس دن سے ڈرتا ہوں جس دن لوگ ایک دوسرے کو پکاریں گے لیکن کوئی مدد نہیں کرے گا"_(۴)

---

(۱)سورہ مومن آیت ۳۱

(۲)سورہ مومن آیت ۳۱

(۳)سورہ مومن آیت ۳۱

(۴)سورہ مومن آیت ۳۲

ان بیانات کے ذریعے مومن آل فرعون نے جو کچھ کرنا تھا کردکھایا اس نے فرعون کو جناب موسی کے قتل کی تجویز بلکہ فیصلے کے بارے میں ڈانواڈول کردیا یا کم از کم اسے ملتوی کروادیا اسی التواء سے قتل کا خطرہ ٹل گیا اور یہ تھا اس ہوشیار، زیرک اور شجاع مرد خدا کا فریضہ جو اس نے کماحقہ ادا کردیا جیسا کہ بعد کی گفتگو سے معلوم ہوگا کہ اس سے اس کی جان کے بھی خطرے میں پڑنے کا اندیشہ ہوگیا تھا _

آخری بات

پانچویں اور آخری مرحلے پر مومن آل فرعون نے تمام حجاب الٹ دیئے اور اس سے زیادہ اپنے ایمان کو نہ چھپاسکا ،وہ جو کچھ کہنا چاہتا تھا کہہ چکا اور فرعون والوں نے بھی ،جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، اس کے بارے میں بڑا خطرناک فیصلہ کیا _ خداوند عالم نے بھی اپنے اس مومن اور مجاہدبندے کو تنہا نہیں چھوڑا جیسا کہ قران نے بیان کیاہے :"خدا نے بھی اسے ان کی ناپاک چالوں اور سازشوں سے بچالیا "_(۱)

اس کی تعبیر سے واضح ہوتا ہے کہ فرعونیوں نے اس کے بارے میں مختلف سازشیں اور منصوبے تیار کررکھے تھے _

لیکن وہ منصوبے کیا تھے ؟ قرآن نے اس کی تفصیل بیان نہیں کي، ظاہر ہے کہ مختلف قسم کی سزائیں اذیتیں اور آخرکار قتل اور سزائے موت ہوسکتی ہے لیکن خداوندعالم کے لطف وکرم نے ان سب کو ناکام بنادیا _

چنانچہ بعض تفسیروں میں ہے کہ وہ ایک مناسب موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے موسی علیہ السلام تک پہنچ گیا اور اس نے بنی اسرائیل کے ہمراہ دریائے نیل کو عبور کیا، نیزیہ بھی کہا گیا ہے کہ جب اس کے قتل کا منصوبہ بن چکا تو اس نے اپنے آپ کو ایک پہاڑمیں چھپالیا اورنگاہوں سے اوجھل ہوگیا _

یہ دونوں روایات آپس میں مختلف نہیں ہیں کیونکہ ممکن ہے کہ پہلے وہ شہر سے مخفی ہوگیا ہو اور پھر بنی اسرائیل سے جا ملاہو _

---

(۱)سورہ مومن آیت ۴۵

موسی کے خدا کی خبر لاتا ہوں

اگرچہ مومن آل فرعون کی باتوں نے فرعون کے دل پر اس قدر اثر کیا کہ وہ موسی علیہ السلام کے قتل سے تو باز آگیا لیکن پھر بھی غرور کی چوٹی سے نیچے نہ اترا اور اپنی شیطنت سے بھی باز نہ آیا اور نہ ہی حق بات قبول کرنے پر آمادہ ہوا کیونکہ فرعون کے پاس اس بات کی نہ تو صلاحیت تھی اور نہ ہی لیاقت لہذا اپنے شیطنت آمیز اعمال کو جاری رکھتے ہوئے اس نے ایک نئے کام کی تجویز پیش کی اور وہ ہے آسمانوں پر چڑھنے کے لئے ایک بلند و بالا برج کی تعمیر تاکہ اس پر چڑھ کر موسی کے خدا کی خبر لے آئے _

فرعون نے کہا: اے ہامان: میرے لئے ایک بلند عمارت تیار کرو تاکہ میں اسباب وذرائع تک پہنچ سکوں ایسے اسباب وذرائع جو مجھے آسمانوں تک لے جاسکیں تاکہ میں موسی کے خدا سے باخبر ہوسکوں ہرچند کہ میں گمان کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے _

جی ہاں اس قسم کے برے اعمال فرعون کی نظر میں مزین کردیئے گئے تھے اور انھوں نے اسے راہ حق سے روک دیا تھا ، لیکن فرعون کی سازش اور چالوں کا انجام نقصان اور تباہی کے سوا کچھ نہیں"_[۱]

سب سے پہلی چیز جو یہاں پر نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ آخر اس کام سے فرعون کا مقصد کیا تھا؟ آیا وہ واقعاً اس حد تک احمق تھا کہ گمان کرنے لگا کہ موسی کا خدا آسمان میں ہے ؟ بالفرض اگر آسمان میں ہو بھی تو آسمان سے باتیں کرنے والے پہاڑوں کے ہوتے ہوئے اس عمارت کے بنانے کی کیا ضرورت تھی جو پہاڑوں کی اونچائی کے سامنے بالکل ناچیز تھي؟ اور کیا اس طرح سے وہ آسمان تک پہنچ بھی سکتا تھا؟

یہ بات تو بہت ہی بعید معلوم ہوتی ہے کیونکہ فرعون مغرور اور متکبر ہونے کے باوجود سمجھ دار اور سیاستداں شخص تو ضرور تھا جس کی وجہ سے اس نے ایک عظیم ملت کو اپنی زنجیروں میں جکڑا تھا اور بڑے زوردار طریقے سے اس پر حکومت کرتا رہا لہذا اس قسم کے افراد کی ہر ہر بات اور ہر ہر حرکت شیطانی حرکات

---

(۱)سورہ مومن آیت ۳۷

وسکنات کی آئینہ دار ہوتی ہیں لہذا سب سے پہلے اس کے اس شیطانی منصوبے کا تجزیہ و تحلیل کرنا چاہئے کہ آخر ایسی عمارت کی تعمیر کا مقصد کیا تھا ؟

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے ان چند مقاصد کے پیش نظر ایسا اقدام کیا :

۱_ وہ چاہتا تھا کہ لوگوں کی فکر کو مصروف رکھے موسی علیہ السلام کی نبوت اور بنی اسرائیل کے قیام کے مسئلہ سے ان کی توجہ ہٹانے کے لئے اس نے یہ منصوبہ تیار کیا، بعض مفسرین کے بقول یہ عمارت ایک نہایت ہی وسیع وعریض زمین میں کھڑی کی گئي جس پر پچاس ہزار مزدور کام کرنے لگے اس تعمیری منصوبے نے دوسرے تمام مسائل کو بھلادیا جوں جوں عمارت بلند ہوتی جاتی تھی توں توں لوگوں کی توجہ اس کی طرف زیادہ مبذول ہوتی تھی ہر جگہ اور ہر محفل میں نئي خبر کے عنوان سے اس کے چرچے تھے اس نے وقتی طور پر جادو گروں پر موسی علیہ السلام کی کامیابی کو جو کہ فرعون اور فرعونیوں کے پیکر پر ایک کاری ضرب تھی لوگوں کے ذہنوں سے فراموش کردیا _

۲_ وہ چاہتا تھا کہ اس طرح سے زحمت کش اور مزدور طبقے کی جزوی مادی اور اقتصادی امداد کرے اور عارضی طور پر ہی سہی بیکار لوگوں کے لئے کام مہیا کرے تاکہ تھوڑا سا اس کے مظالم کو فراموش کردیں اور اس کے خزانے کی لوگوں کو زیادہ سے زیادہ احتیاج محسوس ہو _

۳_ پروگرام یہ تھا کہ جب عمارت پایہ تکمیل کو پہنچ جائے، تو وہ اس پر چڑھ کر آسمان کی طرف نگاہ کرے اور شاید چلہ کمان میں رکھ کر تیر چلائے اور وہ واپس لوٹ آئے تو لوگوں کو احمق بنانے کے لئے کہے کہ موسی کا خدا جو کچھ بھی تھا آج اس کا خاتمہ ہوگیا ہے اب ہر شخص بالکل مطمئن ہوکر اپنے اپنے کام میں مصروف ہوجائے _

وگرنہ فرعون کے لئے تو صاف ظاہر تھا کہ اس کی عمارت جتنی بھی بلند ہو چند سو میٹر سے زیادہ تو اونچی نہیں جاسکتی تھی جبکہ آسمان اس سے کئي گنا بلند اور اونچے تھے، پھر یہ کہ اگر بلند ترین مقام پر بھی کھڑے ہوکر آسمان کی طرف دیکھا جائے تو اس کا منظر بغیر کسی کمی بیشی کے ویسے ہی نظر آتا ہے جیسے سطح زمین سے _

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ فرعون نے یہ بات کرکے درحقیقت موسی علیہ السلام کے مقابلے سے ایک قسم کی پسپائي اختیار کی جبکہ اس نے کہا کہ میں موسی کے خدا کے بارے میں تحقیق کرنا چاہتا ہوں "فاطلع الی الہ موسی" اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ "ہرچند کہ میں اسے جھوٹا گمان کرتا ہوں" اس طرح سے وہ یقین کی منزل سے ہٹ کر شک اور گمان کے مرحلے تک نیچے آجاتا ہے ۔

اس مسئلے میں مفسرین کے ایک گروہ نے (مثلاً فخر رازی اور آلوسی نے) یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ آیا : فرعون نے اپنا مجوزہ بلند مینار تعمیر کرایا تھا یا نہیں ؟

ان مفسرین کا ذہن اس طرف اس لئے منتقل ہوا کہ مینار کی تعمیر کا کام کسی طرح بھی عاقلانہ نہ تھا کیا اس عہد کے لوگ کبھی بلند پہاڑوں پر نہیں چڑھے تھے ؟ اور انھوں نے آسمان کے منظر کو ویسا ہی نہیں دیکھا تھا جیسا کہ وہ زمین سے نظر آتا ہے ؟ کیا انسان کا بنایا ہوا مینار پہاڑ سے زیادہ اونچا ہوسکتا ہے ؟ کیا کوئي احمق بھی یہ یقین کرسکتا ہے کہ ایسے مینار پر چڑھ کر آسمان کو چھوا جاسکتا ہے ؟

لیکن وہ مفسرین جنھوں نے یہ اشکالات پیدا کئے ہیں ان کی توجہ ان نکات کی طرف نہیں گئي کہ اول تو ملک مصر کو ہستانی نہیں دوم یہ کہ انہوں نے اس عہد کے لوگوں کی سادہ لوحی کو فراموش کردیا کہ ان سیدھے سادھے لوگوں کو ایسے ہی مسائل سے غافل کیا جاسکتا تھا یہاں تک کہ خود ہمارے زمانے جسے عصر علم ودانش کہا جاتا ہے، لوگوں کی توجہ اصل مسائل سے ہٹانے کے لئے کیسے کیسے مکرو فریب اور حیلہ سازیاں کی جاتی ہیں ۔

پچاس ہزار معمار برج بناتے ہیں

بہر کیف ۔ بعض تواریخ کے بیان کے مطابق، ہامان نے حکم دیا کہ ایسا محل اور برج بنانے کے لئے زمین کا ایک وسیع قطعہ انتخاب کریں اور اس کی تعمیر کے لئے پچاس ہزار معمار اور مزدور روانہ کردے اور اس عمارت کے واسطے مٹیریل فراہم کرنے کے لئے ہزاروں آدمی مقرر کئے گئے اس نے خزانہ کا منہ کھول دیا اور اس مقصد کے لئے کثیر رقم خرچ کی یہاں تک کہ تمام ملک مصر میں اس عظیم برج کی تعمیر کی شہرت ہوگئي ۔

یہ عمارت جس قدر بھی بلند سے بلندتر، ہوتی جاتی تھی لوگ اتنے ہی زیادہ اسے دیکھنے آتے تھے اور منتظر تھے کہ دیکھئے فرعون یہ عمارت بنا کر کیا کرتا ہے ؟

یہ عمارت اتنی بلند ہوگئی کہ اس سے دوردور تک اطراف وجوانب کا میدان نظر آنے لگا بعض مورخین نے لکھا ہے کہ معماروں نے اس کی مارپیچ سیڑھیاں ایسی بنائی تھیں کہ آدمی گھوڑے پر سوار ہوکر اس پر چڑھ سکتا تھا _

میں نے موسی علیہ السلام کے خدا کو مار ڈالا

جب وہ عمارت پایہ تکمیل کو پہنچ گئی اور اسے مزید بلند کرنے کا کوئی امکان نہ رہا تو ایک روز فرعون پوری شان وشوکت سے وہاں آیا اور بذات خود برج پر چڑھ گیا جب وہ برج کی چوٹی پر پہنچا اور آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو اسے آسمان ویسا ہی نظر آیا جیسا کہ وہ زمین سے دیکھا کرتا تھا اس منظر میں ذرا بھی تغیرو تبدیلی نہ تھی _

مشہور یہ ہے کہ اس نے مینار پر چڑھ کے کمان میں تیر جوڑا اور آسمان کی طرف پھنکا یا تو وہ تیر کسی پرندے کے لگا یا پہلے سے کوئی سازش کی گئي تھی کہ تیر خون آلودو اپس آیا تب فرعون وہاں سے نیچے اترآیا اور لوگوں سے کہا: جائو، مطمئن رہو اور کسی قسم کی فکر نہ کرو میں نے موسی کے خدا کو مارڈالا ہے _

یہ بات حتمی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ سادہ لوحوں اور اندھی تقلید کرنے والوں کے ایک گروہ نے اور ان لوگوں نے جن کی آنکھیں اورکان حکومت وقت کے پروپیگنڈے سے بند ہوگئے تھے، فرعون کے اس قول کا یقین کرلیا ہوگا اور ہر جگہ اس خبر کو عام کیا ہوگا اور مصر کی رعایا کو غافل رکھنے کا ایک اور سبب پیدا ہوگا _

مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ عمارت دیر تک قائم نہیں رہی (اور اسے رہنا بھی نہ چاہئے تھا) تباہ ہوگئي بہت سے لوگ اس کے نیچے دب کے مرگئے اس سلسلے میں اہل قلم نے اور بھی طرح طرح کی داستانیں لکھی ہیں لیکن ان کی صحت کی تحقیق نہ ہوسکی اس لئے انھیں قلم زد کردیا گیا ہے _

.بیدار کرنے والی سزائیں

ایک کلی قانون تمام پیغمبروں کے لئے یہ تھا کہ جب ان کو لوگوں کی مخالفت کا سامنا ہو اور وہ کسی طرح سے راہ راست پر نہ آئیں تو خدا ان کو بیدار کرنے کے لئے مشکلات و مصائب میں گرفتار کرتا تھا تاکہ وہ اپنے میں نیاز مندی اور محتاجی کا احساس کریں ، اور ان کی فطرت توحید جو آرام وآسائش کی وجہ سے غفلت کے پردوں میں چلی گئي ہے دوبارہ ابھر آئے اوران کو اپنی ضعف وناتوانی کا اندازہ ہو اور اس قادر وتوانا ہستی کی جانب متوجہ ہوں جو ہر نعمت و نقمت کا سر چشمہ ہے ـ

قرآن میں اس مطلب کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے : ہم نے آل فرعون کو قحط، خشک سالی اور ثمرات کی کمی میں بتلا کیا کہ شاہد متوجہ اور بیدار ہوجائیں [1]

باوجودیکہ قحط سالی نے فرعونیوں کو گھیر لیا تھا لیکن مذکورہ بالا بیان میں صرف فرعون کے مخصوصین کا ذکر کیا گیا ہے مقصد یہ ہے کہ اگر یہ بیدار ہوگئے تو سب لوگ بیدار ہوجائیں گے کیونکہ تمام لوگوں کی نبض انہی کے ہاتھوں میں ہے یہ چاہیں تو بقیہ افراد کو گمراہ کریں یا ہدایت کریں ـ

اس نکتہ کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ خشک سالی اہل مصر کے لئے ایک بلائے عظیم شمار ہوتی تھی کیونکہ مصر پورے طور سے ایک زرعی مملکت تھی اس بناء پر اگر زراعت نہ ہوتو اس کا اثر ملک کے تمام افراد پر پڑتا ہے لیکن مسلمہ طور پر فرعون اور اس کے افراد چونکہ ان زمینوں کے مالک اہلی تھے اس لئے فی الحقیقت وہ سب سے زیادہ اس سے متاثر ہوئے تھے ـ

ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ خشک سالی کئي سال تک باقی رہی کیونکہ" سنین" جمع کا صیغہ ہے ـ

لیکن آل فرعون، بجائے اس کے کہ ان الہی تنبیہوں سے نصیحت لیتے اور خواب خرگوش سے بیدار ہوتے انہوں نے اس سے سوء استفادہ کیا اور ان حوادث کی من مانی تفسیر کي، جب حالات ان کے

---

(۱)سورہ اعراف ۱۳۰

منشا کے مطابق ہوتے تھے تو وہ راحت وآرام میں ہوتے تھے اور کہتے کہ یہ حالات ہماری نیکی ولیاقت کی وجہ سے ہیں: "فی الحقیقت ہم اس کے اہل ولائق ہیں"۔

لیکن جس وقت وہ مشکل و مصیبت میں گرفتار ہوتے تھے تو اس کو فوراً موسی علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے سرباندھ دیتے تھے" اورکہتے تھے کہ یہ ان کی بدقدمی کی وجہ سے ہوا ہے۔

لیکن قرآن کریم ان کے جواب میں کہتا ہے: "ان کی بدبختیوں اور تکلیفوں کا سرچشمہ خدا کی طرف سے ہے خدا نے یہ چاہا ہے کہ اس طرح ان کو ان کے اعمال بدکی وجہ سے سزادے لیکن ان میں سے اکثر اس کو نہیں جانتے"۔(۱)

مختلف اور پیہم بلائوں کا نزول

قرآن میں ان بیدار کنندہ درسوں کا ایک اور مرحلہ بیان کیا گیا ہے جو خدا نے قوم فرعون کو دیئے جب مرحلہ اول یعنی قحط، خشک سالی اور مالی نقصانات نے ان کو بیدار نہ کیا تو دوسرے مرحلہ کی نوبت پہنچی جو پہلے مرحلہ سے شدید تر تھا اس مرتبہ خدا نے ان کو پے درپے ایسی بلائوں میں جکڑا جو ان کو اچھی طرح سے کھلنے والی تھیں مگر افسوس ان کی اب بھی آنکھیں نہ کھلیں۔

پہلے ان بلائوں کے نزول کے مقدمہ کے طور پر فرمایا گیا ہے: انہوں نے موسی کی دعوت کے مقابلے میں اپنے عناد کو بدستور باقی رکھا اور "کہا کہ تم ہرچند ہمارے لئے نشانیاں لائو اوران کے ذریعے ہم پر اپنا جادو کرو ہم کسی طرح بھی تم پر ایمان نہیں لائیں گے"۔(۲)

لفظ "آیت" شاید انہوں نے ازراہ تمسخر استعمال کیا تھا، کیونکہ حضرت موسی نے اپنے معجزات کو آیات الہی قرار دیا تھا لیکن انہوں نے سحر قرار دیا۔

آیات کا لہجہ اور دیگر قرائن اس بات کے مظہر ہیں کہ فرعون کے پروپیگنڈوں کا محکمہ جو اپنے زمانے

---

(۱)سورہ اعراف ۱۳۱

(۲)سورہ اعراف آیت ۱۳۲

کے لحاظ سے ہر طرح کے سازو سامان سے لیس تھا وہ حضرت موسی کے خلاف ہر طرف سے حرکت میں آگیا تھا اس کے نتیجے میں تمام لوگوں کا ایک ہی نعرہ تھا اور وہ یہ کہ اے موسی تم تو ایک زبردست جادو گر ہو ، کیونکہ موسی کی بات کو رد کرنے کا ان کے پاس اس سے بہتر کوئي جواب نہ تھا جس کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں وہ گھر بنانا چاہتے تھے ـ

لیکن چونکہ خدا کسی قوم پر اس وقت تک اپنا آخری عذاب نازل نہیں کرتا جب تک کہ اس پر خوب اچھی طرح سے اتمام حجت نہ کرلے اس لئۓ بعد والی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے پہلے طرح طرح کی بلائیں ان پر نازل کیں کہ شاید ان کو ہوش آجائے ـ[1]

"پہلے ہم نے ان پر طوفان بھیجا"

اس کے بعد قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

"اس کے بعد ہم نے ان کی زراعتوں اور درختوں پر ٹڈیوں کو مسلط کردیا ـ"

روایات میں وارد ہوا ہے کہ اللہ نے ان پر ٹڈیاں اس کثرت سے بھیجیں کہ انھوں نے درختوں کے شاخ و برگ کا بالکل صفایا کردیا، حتی کہ ان کے بدنوں تک کو وہ اتنا آزار پہنچاتی تھیں کہ وہ تکلیف سے چیختے چلاتے تھے ـ

جب بھی ان پر بلا نازل ہوتی تھی تو وہ حضرت موسی علیہ السلام سے فریاد کرتے تھے کہ وہ خدا سے کہہ کر اس بلا کو ہٹوادیں طوفان اورٹڈیوں کے موقع پر بھی انھوں نے جناب موسی علیہ السلام سے یہی خواہش کی ، جس کو موسی علیہ السلام نے قبول کرلیا اور یہ دونوں بلائیں برطرف ہوگئیں ، لیکن اس کے بعد پھر وہ اپنی ضد پر اتر آئے جس کے نتیجے میں تیسری بلا "قمّل" کی ان پر نازل ہوئي ـ

"قمّل" سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں مفسرین کے درمیان گفتگو ہوئي ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ

---

(۱) سورہ اعراف کی ایت ۱۳۳ میں ان بلاوں کا نام لیا گیا ہے

ایک قسم کی نباتی آفت تھی جو زراعت کو کھا جاتی تھي۔

جب یہ آفت بھی ختم ہوئي اور وہ پھر بھی ایمان نہ لائے، تو اللہ نے ینڈک کی نسل کو اس قدر فروغ دیا کہ ینڈک ایک نئي بلا کی صورت میں ان کی زندگی میں اخل ہوگئے۔

جدھر دیکھتے تھے ہر طرف چھوٹے بڑے ینڈک نظر آتے تھے یہاں تک کہ گھروں کے اندر، کمروں میں، بچھونوں میں، دسترخوان پر کھانے کے برتنوں میں ینڈک ہی ینڈک تھے، جس کی وجہ سے ان کی زندگی حرام ہوگئي تھي، لیکن پھر بھی انھوں نے حق کے سامنے اپنا سر نہ جھکایا اور ایمان نہ لائے۔

اس وقت اللہ نے ان پر خون مسلط کیا۔

بعض مفسرین نے کہا کہ خون سے مراد "مرض نکسیر" ہے جو ایک وبا کی صورت میں ان میں پھیل گیا، لیکن بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ دریائے نیل لہو رنگ ہوگیا اتنا کہ اس کا پانی مصرف کے لائق نہ رہا۔

آخر میں قرآن فرماتا ہے: " ان معجزوں اور کھلی نشانیوں کو جو موسی کی حقانیت پر دلالت کرتی تھیں، ہم نے ان کو دکھلایا لیکن انھوں نے ان کے مقابلہ میں تکبر سے کام لیا اور حق کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور وہ ایک مجرم او رگناہگار قوم تھے۔"(۱)

بعض روایات میں ہے کہ ان میں سے ہر ایک بلا ایک ایک سال کے لئے آتی تھی یعنی ایک سال طوفان و سیلاب، دوسرے سال ٹڈیوں کے دَل، تیسرے سال نباتاتی آفت، اسی طرح آخر تک، لیکن دیگر روایات میں ہے کہ ایک آفت سے دوسری آفت تک ایک مہینہ سے زیادہ فاصلہ نہ تھا، بہرکیف اس میں شک نہیں کہ ان آفتوں کے درمیان فاصلہ موجود تھا (جیسا کہ قرآن نے لفظ "مفصلات" سے تعبیر کیا ہے) تاکہ ان کو تفکر کے لئے کافی موقع مل جائے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہ بلائیں صرف فرعون اور فرعون والوں کے دامن گیر ہوتی تھیں، بني

---

(۱) سورہ اعراف آیت ۱۳۳

اسرائیل اس سے محفوظ تھے، بے شک یہ اعجاز ہی تھا، لیکن اگر نکتہ ذیل پر نظر کی جائے تو ان میں سے بعض کی علمی توجیہہ بھی کی جاسکتی ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ مصر جیسی سرسبز و شاداب اور خوبصورت سلطنت جو دریائے نیل کے کناروں پر آباد تھی اس کے بہترین حصے وہ تھے جو دریا سے قریب تھے وہاں پانی بھی فراوان تھا اور زراعت بھی خوب ہوتی تھی، تجارتی کشتیاں وغیرہ بھی دستیاب تھیں، یہ خطے فرعون والوں اور قبطیوں کے قبضے میں تھے جہاں انھوں نے اپنے قصر و باغات بنا رکھے تھے اس کے بر خلاف اسرائیلوں کو دور دراز کے خشک اور کم آب علاقے دئیے گئے تھے جہاں وہ زندگی کے یہ سخت دن گذارتے تھے کیونکہ ان کی حیثیت غلاموں جیسی تھی۔

بنا بر این یہ ایک طبیعی امر ہے کہ جب سیلاب اور طوفان آیا تو اس کے نتیجے میں وہ آبادیاں زیادہ متاثر ہوئیں جو دریائے نیل کے دونوں کناروں پر آباد تھیں، اسی طرح مینڈھک بھی پانی سے پیدا ہوتے ہیں جو قبطیوں کے گھروں کے آس پاس بڑی مقدار میں موجود تھے،یہی حال خون کا ہے کیونکہ رود نیل کا پانی خون ہو گیا تھا، ٹڈیاں اور زرعی آفتیں بھی باغات، کھیتوں اور سرسبز علاقوں پر حملہ کرتی ہیں، لہذا ان عذابوں سے زیادہ تر نقصان قبطیوں ہی کا ہوتا تھا۔

جو کچھ قرآن میں ذکر ہوا ہے اس کا ذکر موجودہ توریت میں بھی ملتا ہے، لیکن کسی حد تک فرق کے ساتھ۔(۱)

بار بار کی عہد شکنیاں

قرآن میں فرعونیوں کے اس رد عمل کا ذکر کیا گیا ہے جو انہوں نے پروردگار عالم کی عبرت انگیزاور بیدار کنندہ بلائوں کے نزول کے بعد ظاہر کیا، ان تمام قرآنی گفتگو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس وقت وہ بلا کے چنگل میں گرفتار ہو جاتے تھے، جیسا کہ عام طور سے تباہ کاروں کا دستور ہے، وقتی طور پر خواب غفلت

---

(۱)ملاحظہ ہو سفر خروج فصل ہفتم تا دہم توریت

سے بیدار ہوجاتے تھے اور فریاد وزاری کرنے لگتے تھے اور حضرت موسی علیہ السلام سے درخواست کرتے تھے کہ خدا سے ان کی نجات کے لئے دعا کریں۔چونکہ حضرت موسی علیہ السلام ان کے لئے دعا کرتے تھے اور وہ بلا ان کے سروں سے ٹل جاتی تھي،مگر ان کی حالت یہ تھی کہ جونہی وہ بلا سر سے ٹلتی تھی تو وہ تمام چیزوں کو بھول جاتے تھے اور وہ اپنی پہلی نا فرمانی اور سرکشی کی حالت پر پلٹ جاتے تھے۔

جس وقت ان پر بلا مسلط ہوتی تھی تو کہتے تھے:" اے موسی ہمارے لئے اپنے خدا سے دعا کرو کہ جو عہد اس نے تم سے کیا ہے اسے پورا کرے اور تمہاری دعا ہمارے حق میں قبول کرے،اگر تم یہ بلا ہم سے دور کردو تو ہم یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہم خود بھی تم پر ضرور ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی یقینا تمہارے ہمراہ روانہ کردیں گے"۔(۱)

اس کے بعد ان کی پیمان شکنی کا ذکر کیا گیا ہے،ارشاد ہوتا ہے:"جس وقت ہم ان پر سے بلاؤں کو تعین شدہ مدت کے بعد ہٹا دیتے تھے تو وہ اپنا وعدہ توڑڈالتے تھے"۔(۲)

نہ خودہی ایمان لاتے تھے اور نہ ہی بنی اسرائیل کو اسیری سے آزاد کرتے تھے۔

حضرت موسی علیہ السلام ان کایک مدت معین کرتے تھے کہ فلاں وقت یہ بلا بر طرف ہوجائے گی تاکہ ان پر اچھی طرح کھل جائے کہ یہ بلا کوئي اتفاقی حادثہ نہ تھا بلکہ حضرت موسی علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے تھا۔

موسی علیہ السلام کے پاس سونے کے کنگن کیوں نہیں؟

حضرت موسی علیہ السلام کی منطق ایک طرف ان کے مختلف معجزات دوسری طرف مصر کے لوگوں پرنازل ہونیوالی بلائیں جو موسی علیہ السلام کی دعا کی برکت سے ٹل جاتی تھیں تیسری طرف،ان سب اسباب نے مجموعی طورپر اس ماحول پرگہرے اثرات ڈالے اور فرعون کے بارے میں لوگوں کے افکار کو ڈانواں ڈول

()اعراف آیت ۱۳۴

(۲)سورہ اعراف ایت ۱۳۵

کردیا اور انھیں پورے مذہبی اور معاشرتی نظام کے بارے میں سوچنے پر مجبور کردیا_

اس موقع پر فرعون نے دھوکہ دھڑی کے ذریعہ موسی علیہ السلام کا اثر مصری لوگوں کے ذہن سے ختم کرنے کی کوشش کی اور پست اقدار کا سہارا لیا جو اس ماحول پر حکم فرما تھا، انھیں اقدار کے ذریعہ اپنا اور موسی علیہ السلام کا موازنہ شروع کردیا تاکہ اس طرح لوگوں پر اپنی برتری کو پایہ ثبوت تک پہنچائے، جیسا کہ قرآن پاک فرماتا ہے:

"اور فرعون نے اپنے لوگوں کو پکار کر کہا: اے میری قوم آیا مصر کی وسیع و عریض سرزمین پر میری حکومت نہیں ہے اور کیا یہ عظیم دریا میرے حکم سے نہیں بہہ رہے ہیں اور میرے محلوں، کھیتوں اور باغوں سے نہیں گزر رہے ہیں؟ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟"(۱)

لیکن موسی علیہ السلام کے پاس کیا ہے، کچھ بھی نہیں، ایک لاٹھی اور ایک اونی لباس اور بس، تو کیا اس کی شخصیت بڑی ہوگی یا میری؟ آیا وہ سچ بات کہتا ہے یا میں؟ اپنی آنکھیں کھولوں اور بات اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرو_ اس طرح فرعون نے مصنوعی اقدار کو لوگوں کے سامنے پیش کیا، بالکل ویسے ہی جیسے عصر جاہلیت کے بت پرستوں نے پیغمبر اسلام (ص) کے مقابلے میں مال و مقام کو صحیح انسانی اقدار سمجھ رکھا تھا_

لفظ "نادی" (پکار کر کہا) سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے اپنی مملکت کے مشاہیر کی ایک عظیم محفل جمائی اور بلند آواز کے ساتھ ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے یہ جملے ادا کیے، یا حکم دیا کہ اس کی اس آواز کو ایک سرکاری حکم نامے کے ذریعے پورے ملک میں بیان کیا جائے_

قرآن آگے چل کر فرماتا ہے کہ فرعون نے کہا: "میں اس شخص سے برتر ہوں جو ایک پست خاندان اور طبقے سے تعلق رکھتا ہے_ اور صاف طور پر بات بھی نہیں کرسکتا"_(۲)

اس طرح سے اس نے اپنے لئے دو بڑے اعزازات (حکومت مصر اور نیل کی مملکت) اور موسی

---

(۱) سورہ زخرف آیت ۵۱

(۲) سورہ زخرف آیت ۵۲

علیہ السلام کے دوکمزور پہلو(فقر اور لکنت زبان) بیان کردیئے_

حالانکہ اس وقت حضرت موسی علیہ السلام کی زبان میں لکنت نہ تھي_کیونکہ خدا نے ان کی دعا کو قبول فرمالیا تھا اور زبان کی لکنت کو دور کردیا تھا کیونکہ موسی علیہ السلام نے مبعوث ہوتے ہی خدا سے یہ دعا مانگی تھی کہ_"خداوندا میری زبان کی گرہیں کھول دے"_[1] اوریقینا ان کی دعا قبول ہوئي اور قرآن بھی اس بات پر گواہ ہے_ بے پناہ دولت، فاخرہ لباس اور چکاچوند کرتے محلات، مظلوم طبقے پر ظلم و ستم کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں_ ان کا مالک نہ ہونا صرف عیب کی بات ہی نہیں بلکہ باعث صدافتخار شرافت اور عزت کا سبب بھی ہے_

"مھین"(پست)کی تعبیر سے ممکن ہے اس دور کے اجتماعی طبقات کی طرف اشارہ ہو، کیونکہ اس دور میں بڑے بڑے سرمایہ داروں کا معاشرہ کے بلند طبقوں میں شمار ہوتا تھا اور محنت کشوں اور کم آمدنی والے لوگوں کا پست طبقے میں، یا پھر ممکن ہے موسی علیہ السلام کی قوم کی طرف اشارہ ہو کیونکہ ان کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا اور فرعون کی قبطی قوم اپنے آپ کو سردار اور آقا سمجھتی تھي_ پھر فرعون دو اور بہانوں کا سہارا لیتے ہوئے کہتا ہے:"اسے سونے کے کنگن کیوں نہیں دیئے اور اس کے لیئے مددگار کیوں نہیں مقرر کیئے تاکہ وہ اس کی تصدیق کریں ؟" اگر خدا نے اسے رسول بنایا ہے تو دوسرے رسول کی طرح طلائي کنگن کیوں نہیں دئے گئے اور اس کے لئے مددگار کیوں نہیں مقرر کئے گئے_

کہتے ہیں کہ فرعونی قوم کا عقیدہ تھا کہ روساء اور سربراہوں کو ہمیشہ طلائي کنگنوں اور سونے کے ہاروں سے مزین ہونا چاہیئے ورچونکہ موسی علیہ السلام کے پاس اس قسم کے زیورات نہیں تھے بلکہ ان زیورات کے بجائے وہ چرواہوں والا موٹا سا اونی کرتا زیب تن کئے ہوئے تھے، لہذا ان لوگوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا اوریہی حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جو انسانی شخصیت کے پرکھنے کا معیار سونا، چاندی اور دوسرے زیورات کو سمجھتے ہیں_

---

(۱)سورہ طہ آیت ۲۷

جناب موسی اورہارون علیہما السلام کے اونی لباس

اس بارے میں ایک نہایت عمدہ بیان آیا ہے ، امام علی بن ابی طالب علیہما السلام فرماتے ہیں : موسی علیہ السلام اپنے بھائي (ہارون) کے ساتھ فرعون کے دربار میں پہنچے دونوں کے بدن پر اونی لباس اور ہاتھوں میں عصا تھا اس حالت میں انھوں نے شرط پیش کی کہ اگر فرمان الہی کے سامنے جھک جائے تو اس کی حکومت اور ملک باقی اور اقتدار قائم و برقرار رہے گا ، لیکن فرعون نے حاضرین سے کہا : تمہیں ان کی باتوں پر تعجب نہیں ہوتا کہ میرے ساتھ شرط لگا رہے ہیں کہ میرے ملک کی بقا اور میری عزت کا دوام ان کی مرضی کے ساتھ وابستہ ہے جبکہ ان کا اپنا حال یہ ہے کہ فقر و تنگدستی ان کی حالت اور صورت سے ٹپک رہی ہے (اگر یہ سچ کہتے ہیں تو) خود انھیں طلائي کنگن کیوں نہیں دیئے گئے ـ

دوسرا بہانہ وہی مشہور بہانہ ہے جو بہت سی گمراہ اور سرکش امتیں انبیاء کرام علیہم السلام کے سامنے پیش کیا کرتی تھیں ، کبھی تو کہتی تھیں کہ "وہ انسان کیوں ہے اور فرشتہ کیوں نہیں ؟ اور کبھی کہتی تھی کہ اگر وہ انسان ہے تو پھر کم از کم اس کے ہمراہ کوئي فرشتہ کیوں نہیں آیا ؟"

حالانکہ انسانوں کی طرف بھیجے ہوئے رسولوں کو روح انسانی کا حامل ہونا چاہیئے تا کہ وہ ان کی ضرورتوں ، مشکلوں اور مسائل کو محسوس کرسکیں اور انہیں ان کا جواب دے سکیں اور عملی لحاظ سے ان کے لئے نمونہ اور اسوہ قرار پاسکیں ـ

چوتھا مرحلہ انقلاب کی تیاري

حضرت موسی علیہ السلام میدان مقابلہ میں فرعون پر غالب آگئے اور سرخرو اور سرفراز ہو کر میدان سے باہر آئے اگر چہ فرعون اور اس کے تمام درباری ان پر ایمان نہ لائے لیکن اس کے چند اہم نتائج ضرور برآمد ہوئے ، جن میں سے ہر ایک اہم کامیابی شمار ہوتا ہے ـ

۱ ـ بنی اسرائیل کا اپنے رہبر اور پیشوا پر عقیدہ مزید پختہ ہوگیا اور انھیں مزید تقویت مل گئي چنانچہ ایک

دل اور ایک جان ہو کر ان کے گرد جمع ہوگئے کیونکہ انھوں نے سالہا سال کی بد بختی اور دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے بعد اب اپنے اندر کسی آسمانی پیغمبر کو دیکھا تھا جو کہ ان کی ہدایت کا بھی ضامن تھا اور ان کے انقلاب، آزادی اور کامیابی کا بھی رہبر تھا_

۲_موسی علیہ السلام نے مصریوں اور قبطیوں تک کے درمیان ایک اہم مقام حاصل کرلیا_کچھ لوگ ان کی طرف مائل ہوگئے اور جو مائل نہیں ہوئے تھے وہ کم ازکم کم ان کی مخالفت سے ضرور گھبراتے تھے اور جناب موسی علیہ السلام کی صدائے دعوت تمام مصر میں گونجنے لگي_

۳_سب سے بڑھ کر یہ کہ فرعون عوامی افکار اور اپنی جان کو لاحق خطرے سے بچائو کے لئے اپنے اندر ایسے شخص کے ساتھ مقابلے کی طاقت کھوچکا تھا جس کے ہاتھ میں اس قسم کا عصا اور منہ میں اس طرح کی گویا زبان تھي_

مجموعی طورپر یہ امور موسی علیہ السلام کے لئے اس حدتک زمین ہموار کرنے میں معاون ثابت ہوئے کہ مصریوں کے اندر ان کے پائوں جم گئے اور انھوں نے کھل کر اپنا تبلیغی فریضہ انجام دیا اور اتمام حجت کي_

قرآن میں فرعونیوں کے خلاف بنی اسرائیل کے قیام اور انقلاب کا ایک اور مرحلہ بیان کیا گیا ہے_پہلی بات یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے:"ہم نے موسی اور اس کے بھائي کی طرف وحی کی کہ سرزمین مصر میں اپنی قوم کے لئے گھروں کا انتخاب کرو"_(۱)

"اور خصوصیت کے ساتھ ان گھروں کو ایک دوسرے کے قریب اور آمنے سامنے بنائو"_(۲)

پھر روحانی طورپر اپنی خود سازی اور اصلاح کرو"اور نماز قائم کرو_"اس طرح سے اپنے نفس کو پاک اور قوی کرو_(۳)

---

(۱)سورہ یونس آیت ۸۷

(۲)سورہ یونس آیت ۸۷

(۳)سورہ یونس آیت ۸۷

اور اس لئے کہ خوف اور وحشت کے آثار ان کے دل سے نکل جائیں اور وہ روحانی و انقلابی قوت پالیں "مومنین کوبشارت دو"کامیابی اور خدا کے لطف و رحمت کی بشارت_(۱)

زیر بحث آیات کے مجموعی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بنی اسرائیل منتشر، شکست خوردہ، وابستہ، طفیلي، آلودہ اور خوف زدہ گروہ کی شکل میں تھے، نہ ان کے پاس گھر تھے نہ کوئي مرکز تھا، نہ ان کے پاس معنوی اصلاح کا کوئي پروگرام تھا اور نہ ہی ان میں اس قدر شجاعت، عزم اور حوصلہ تھا جو شکست دینے والے انقلاب کے لئے ضروری ہوتا ہے_ لہذا حضرت موسی علیہ السلام اور ان کے بھائي حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم ملاکہ وہ بنی اسرائیل کی مرکزیت کے لئے خصوصاً روحانی حوالے سے چند امور پر مشتمل پروگرام شروع کریں_

۱_ مکان تعمیر کریں اور اپنے مکانات فرعونیوں سے الگ بنائیں_ اس میں متعدد فائدے تھے_

ایک یہ کہ سرزمین مصر میں ان کے مکانات ہوں گے تو وہ اس کا دفاع زیادہ لگائو سے کریں گے_

دوسرا یہ کہ قبطیوں کے گھروں میں طفیلی زندگی گزارنے کے بجائے وہ اپنی ایک مستقل زندگی شروع کرسکیں گے_

تیسرا یہ کہ انکے معاملات اور تدابیر کے راز دشمنوں کے ہاتھ نہیں لگیں گے_

۲_ اپنے گھر ایک دوسرے کے آمنے سامنے اور قریب قریب بنائیں، بنی اسرائیل کی مرکزیت کے لئے یہ ایک موثر کام تھا اس طرح سے وہ اجتماعی مسائل پر مل کر غور فکر کرسکتے تھے اور مذہبیمراسم کے حوالے سے جمع ہوکر اپنی آزادی کے لئے ضروری پروگرام بنا سکتے تھے_

۳_ عبادت کی طرف متوجہ ہوں، خصوصاً نماز کی طرف کہ جو انسان کو بندوں کی بندگی سے جدا کرتی ہے اور اس کا تعلق تمام قدرتوں کے خالق سے قائم کردیتی ہے_ اس کے دل اور روح کو گناہ کی آلودگی سے

---

(۱)سورہ یونس آیت ۸۷

پاک کرتی ہے اپنے آپ پر بھروسہ کرنے کا احساس زندہ کرتی ہے اورقدرت پروردگار کا سہارا لے کر انسانی جسم میں ایک تازہ روح پھونک دیتی ہے۔

۴۔ایک رہبر کے طور پر حضرت موسی علیہ السلام کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی روحوں میں موجود طویل غلامی اور ذلت کے دور کا خوف وو حشت نکال باہر پھینکیں اور حتمی فتح ونصرت، کامیابی اور پروردگار کے لطف وکرم کی بشارت دے کر مومنین کے ارادے کو مضبوط کریں اور ان میں شہامت و شجاعت کی پرورش کریں۔

اس روش کو کئي سال گزر گئے اور اس دوران میں موسی علیہ السلام نے اپنے منطقی دلائل کے ساتھ ساتھ انھیں کئي معجزے بھی دکھائے۔

ہم نے انھیں باہر نکال دیا

جب موسی علیہ السلام ان لوگوں پر اتمام حجت کر چکے اور مومنین و منکرین کی صفیں ایک دوسرے سے جدا ہوگئیں تو موسی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے کوچ کرنے کا حکم دے دیا گیا، چنانچہ قرآن نے اس کی اسطرح منظر کشی کی۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے:"ہم نے موسی پر وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں کو (مصر سے باہر) نکال کر لے جائو، کیونکہ وہ تمہارا پیچھا کرنے والے ہیں"۔[(۱)]

موسی علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل کی اور دشمن کی نگاہوں سے بچ کر بنی اسرائیل کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کے بعد کوچ کا حکم دیا اور حکم خدا کے مطابق رات کو خصوصی طور پر منتخب کیا تاکہ یہ منصوبہ صحیح صورت میں تکمیل کو پہنچے۔

لیکن ظاہر ہے کہ اتنی بڑی تعداد کی روانگی ایسی چیز نہیں تھی جو زیادہ دیر تک چھپی رہ جاتي۔ جاسوسوں

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۵۲

نے جلد ہی اس کی رپورٹ فرعون کو دے دی اور جیسا کہ قرآن کہتا ہے:" فرعون نے اپنے کارندے مختلف شہروں میں روانہ کردیئے تاکہ فوج جمع کریں "۔[۱]

البتہ اس زمانے کے حالات کے مطابق فرعون کا پیغام تمام شہروں میں پہنچانے کے لئے کافی وقت کی ضرورت تھی لیکن نزدیک کے شہروں میں یہ اطلاع بہت جلد پہنچ گئي اور پہلے سے تیار شدہ لشکر فوراً حرکت میں آگئے اور مقدمۃ الجیش اور حملہ آور لشکر کی تشکیل کی گئي اور دوسرے لشکر بھی آہستہ آہستہ ان سے آملتے رہے۔

ساتھ ہی لوگوں کے حوصلے بلند رکھنے اور نفسیاتی اثر قائم رکھنے کے لئے اس نے حکم دیا کہ اس بات کا اعلان کردیا جائے کہ"وہ تو ایک چھوٹا سا گروہ ہے"۔[۲] (تعداد کے لحاظ سے بھی کم اور طاقت کے لحاظ سے بھی کم)۔

لہذا اس چھوٹے سے کمزور گروہ کے مقابلے میں ہم کامیاب ہوجائیں گے گھبرانے کی کوئي بات نہیں۔کیونکہ طاقت اور قوت ہمارے پاس زیادہ ہے لہذا فتح بھی ہماری ہی ہوگي۔

فرعون نے یہ بھی کہا:" آخر ہم کس حد تک برداشت کریں اور کب تک ان سرکش غلاموں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے رہیں ؟انھوں نے تو ہمیں غصہ دلایا ہے"۔[۳]

آخر کل مصر کے کھیتوں کی کون آبپاشی کرے گا؟ہمارے گھر کون بنائے گا؟اس وسیع و عریض مملکت کا کون لوگ بوجھ اٹھائیں گے؟اور ہماری نوکری کون کرے گا؟

اس کے علاوہ" ہمیں ان لوگوں کی سازشوں سے خطرہ ہے(خواہ وہ یہاں رہیں یا کہیں اور چلے جائیں)اور ہم ان سے مقابلہ کے لئے مکمل طور پر آمادہ اور اچھی طرح ہوشیار ہیں "۔[۴]

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۵۳

(۲)سورہ شعراء آیت ۵۴

(۳)سورہ شعراء آیت ۵۵

(۴)سورہ شعراء آیت ۵۶

پھر قرآن پاک فرعونیوں کے انجام کا ذکر کرتا ہے اور اجمالی طور پر ان کی حکومت کے زوال اور بنی اسرائیل کے اقتدار کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:"ہم نے انھیں سر سبز باغات اور پانی سے لبریز چشموں سے باہر نکال دیا"_[۱] خزانوں ،خوبصورت محلات اور آرام و آسائش کے مقامات سے بھی نکال دیا_

ہاں ہاں ہم نے ایسا ہی کیا اور بنی اسرائیل کو بغیر کسی مشقت کے یہ سب کچھ دے دیا اور انھیں فرعون والوں کا وارث بنادیا_[۲][۳]

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۵۷تا۵۹

(۲)سورہ شعراء ایت ۵۹

(۳)آیا بنی اسرائیل نے مصر میں حکومت کی ہے؟

خدا وند عالم قران مجید میں فرماتا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو فرعون والوں کا وارث بنایا_ اسی تعبیر کی بناء پر بعض مفسرین کی یہ رائے ہے کہ بنی اسرائیل کے افراد مصر کی طرف واپس لوٹ آئے اور زمام حکومت و اقتدار اپنے قبضے میں لے کر مدتوں وہاں حکومت کرتے رہے_

آیات بالا کا ظاہری مفہوم بھی اسی تفسیر سے مناسبت رکھتا ہے_

جبکہ بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ وہ لوگ فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد مقدس سرزمینوں کی طرف چلے گئے البتہ کچھ عرصے کے بعد مصر واپس آگئے اور وہاں پر اپنی حکومت تشکیل دي_ تفسیر کے اسی حصے کے ساتھ موجودہ توریت کی فصول بھی مطابقت رکھتی ہیں_

بعض دوسرے مفسرین کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل دو حصوں میں بٹ گئے_ایک گروہ مصر میں رہ گیا اور وہیں پر حکومت کی اور ایک گروہ موسی علیہ السلام کے ساتھ سرزمین مقدس کی طرف روانہ ہوگیا_یہ احتمال بھی ذکر کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے وارث ہونے سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے حضرت موسی علیہ السلام کے بعد اور جناب حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں مصر کی وسیع و عریض سرزمین پر حکومت کي_ لیکن اگر اس بات پر غور کیا جائے کہ حضرت موسی علیہ السلام چونکہ انقلابی پیغمبر تھے لہذا یہ بات بالکل بعید نظر آتی ہے کہ وہ ایسی سرزمین کو کلی طور پر خیرباد کہہ کر چلے جائیں جس کی حکومت مکمل طور پر انھیں کے قبضہ اور اختیار میں آچکی ہو اور وہ وہاں کے بارے میں کسی قسم کا فیصلہ کئے بغیر.بیابانوں کی طرف چل دیں خصوصاً جب کہ لاکھوں بنی اسرائیلی عرصہ دراز سے وہاں پر مقیم بھی تھے اور وہاں کے ماحول سے اچھی طرح واقف بھی تھے_بنابریں یہ کیفیت دو حال سے خالی نہیں یا تو تمام بنی اسرائیلی مصر میں واپس لوٹ آئے اور حکومت تشکیل دي،یا کچھ لوگ جناب موسی علیہ السلام کے حکم کے مطابق وہیں رہ گئے تھے اور حکومت چلاتے رہے اس کے علاوہ فرعون اور رفرعون والوں کے باہر نکال دینے اور بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنادینے کا اور کوئي واضح مفہوم نہیں ہوگا_

فرعونیوں کا درناک انجام

قرآن میں حضرت موسی علیہ السلام اور فرعون کی داستان کا آخری حصہ پیش کیا گیا ہے کہ فرعون اور فرعون والے کیونکر غرق ہوئے اور بنی اسرائیل نے کس طرح نجات پائی؟ جیسا کہ ہم گزشتہ میں پڑھ چکے ہیں کہ فرعون نے اپنے کارندوں کو مصر کے مختلف شہروں میں بھیج دیا تاکہ وہ بڑی تعداد میں لشکر اور افرادی قوت جمع کر سکیں چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور مفسرین کی تصریح کے مطابق فرعون نے چھ لاکھ کا لشکر مقدمہ الجیش کی صورت میں بھیج دیا اور خود دس لاکھ کے لشکر کے ساتھ ان کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

ساری رات بڑی تیزی کے ساتھ چلتے رہے اور طلوع آفتاب کے ساتھ ہی انھوں نے موسی علیہ السلام کے لشکر کو پالیا، چنانچہ اس سلسلے کی پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے: فرعونیوں نے ان کا تعاقب کیا اور طلوع آفتاب کے وقت انھیں پالیا۔

"جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو موسی علیہ السلام کے ساتھی کہنے لگے اب تو ہم فرعون والوں کے نرغے میں آگئے ہیں اور بچ نکلنے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی"۔ (۱)

ہمارے سامنے دریا اور اس کی ٹھاٹھیں مارتی موجیں ہیں، ہمارے پیچھے خونخوار مسلح لشکر کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے لشکر بھی ایسے لوگوں کا ہے جو ہم سے سخت ناراض اور غصے سے بھرے ہوئے ہیں، جنھوں نے اپنی خونخواری کا ثبوت ایک طویل عرصے تک ہمارے معصوم بچوں کو قتل کر کے دیا ہے اور خود فرعون بھی بہت بڑا مغرور، ظالم اور خونخوار شخص ہے لہذا وہ فوراً ہمارا محاصرہ کر کے ہمیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے یا قیدی بنا کر تشدد کے ذریعے ہمیں واپس لے جائیں گے قرائن سے بھی ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا۔

---

(۱) سورہ شعراء آیت ۶۱

اپنے عصا کو دریا پر ماردو

اس مقام پر بنی اسرائیل پر کرب و بے چینی کی حالت طاری ہوگئي اور ان کا ایک ایک لمحہ کرب و اضطراب میں گمزر نے لگا یہ لمحات ان کے لئے زبردست تلخ تھے شاید بہت سے لوگوں کا ایمان بھی متزلزل ہوچکا تھا اوربڑی حدتک ان کے حوصلے پست ہوچکے تھے _

لیکن جناب موسی علیہ السلام حسب سابق نہایت ہی مطمئن اورپر سکون تھے انھیں یقین تھا کہ بنی اسرائیل کی نجات اورسرکش فرعونیوں کی تباہی کے بارے میں خدا کا فیصلہ اٹل ہے اور وعدہ یقینی ہے _

لہذا انھوں نے مکمل اطمینان اور بھرپور اعتماد کے ساتھ بنی اسرائیل کی وحشت زدہ قوم کی طرف منہ کرکے کہا: "ایسی کوئي بات نہیں وہ ہم پر کبھی غالب نہیں آسکیں گے کیونکہ میرا خدا میرے ساتھ ہے اور وہ بہت جلدی مجھے ہدایت کرے گا"_[1]

اسی موقع پر شاید بعض لوگوں نے موسی کی باتو ں کو سن تو لیا لیکن انھیں پھر بھی یقین نہیں آرہا تھا اور وہ اسی طرح زندگی کے آخری لمحات کے انتظار میں تھے کہ خدا کا آخری حکم صادر ہوا، قرآن کہتا ہے:"ہم نے فوراً موسی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے عصا کودریا پرمارو"_[2]

وہی عصا جو ایک دن تو ڈرانے کی علامت تھا اورآج رحمت اور نجات کی نشانی _

موسی علیہ السلام نے تعمیل حکم کی اور عصا فوراًدریاپر دے مارا تو اچانک ایک عجیب وغریب منظر دیکھنے میں آیا جس سے بنی اسرائیل کی آنکھیں چمک اٹھیں اور ان کے دلوں میں مسرت کی ایک لہردوڑگئي، ناگھانی طورپر دریا پھٹ گیا، پانی کے کئي ٹکڑے بن گئے اورہر ٹکڑا ایک عظیم پہاڑکی مانندبن گیا اور ان کے درمیان میں راستے بن گئے_[3]

بہرحال جس کا فرمان ہرچیزپر جاری اورنافذہے اگرپانی میں طغیانی آتی ہے تو اس کے حکم سے اور

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۶۲

(۲)سورہ شعراء آیت ۶۳

(۳)سورہ شعراء آیت ۶۳

اگر طوفانوں میں حرکت آتی ہے تو اس کے امر سے ، وہ خدا کہ :

نقش ہستی نقشی از ایوان

اوست آب وبادوخاک سرگردان اوست

اسی نے دریا کی موجوں کو حکم دیا امواج دریا نے اس حکم کو فوراًقبول کیا ایک دوسرے پر جمع پر ہوگئیں اور ان کے درمیان کئي راستے بن گئے اور بنی اسرائیل کے ہر گروہ نے ایک ایک راستہ اختیار کرلیا ـ
فرعون اور اس کے ساتھی یہ منظر دیکھ کر حیران وششدر رہ گئے،اس قدر واضح اور آشکار معجزہ دیکھنے کے باوجود تکبر اور غرور کی سواری سے نہیں اترے، انھوں نے موسی علیہ السلام اوربنی اسرائیل کا تعاقب جاری رکھا اور اپنے آخری انجام کی طرف آگے بڑھتے رہے جیسا کہ قرآن فرماتا ہے :"اور وہاں پر دوسرے لوگوں کو بھی ہم نے نزدیک کردیا"ـ
اس طرح فرعونی لشکر دریائي راستوں پر چل پڑے اور وہ لوگ اپنے ان پرانے غلاموں کے پیچھے دوڑتے رہے جنھوں نے اب اس غلامی کی زنجیریں توڑدی تھیں لیکن انھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ ان کی زندگی کے آخری لمحات ہیں اور ابھی عذاب کا حکم جاری ہونے والا ہے ـ
قرآن کہتا ہے :"ہم نے موسی اور ان تمام لوگوں کو نجات دی جوان کے ساتھ تھے ـ"(۱)
ٹھیک اس وقت جبکہ بنی اسرائیل کا آخری فرددریا سے نکل رہا تھا اور فرعونی لشکر کا آخری فرد اس میں داخل ہورہا تھا ہم نے پانی کو حکم دیا کہ اپنی پہلی حالت پر لوٹ ا،اچانک موجیں ٹھاٹھیں مارنے لگیں اور فرغون اور اس کے لشکر کو گھاس پھونس اور تنکوں کی طرح بہاکرلے گئیں اور صفحہ ہستی سے ان کانام ونشان تک مٹادیا ـ
قرآن نے ایک مختصر سی عبارت کے ساتھ یہ ماجرایوں بیان کیا ہے : پھر ہم نے دوسروں کو غرق کردیا ـ"(۲)

---

(۱)سورہ شعراء آیت ۶۵

(۲)سورہ شعراء آیت ۶۶

اے فرعون تیرا بدن لوگوں کے لئے عبرتناک ہوگا

بہرکیف یہ معاملہ چل رہا تھا "یہاں تک کہ فرعون غرقاب ہونے لگا اور وہ عظیم دریائے نیل کی موجوں میں تنکے کی طرح غوطے کھانے لگا تو اس وقت غرور وتکبر اور جہالت و بے خبری کے پردے اس کی آنکھوں سے ہٹ گئے اور فطری نور توحید چمکنے لگا وہ پکار اٹھا:" میں ایمان لے آیا کہ اس کے سوا کوئي معبود نہیں کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں"_(۱)

کہنے لگا کہ نہ صرف میں اپنے دل سے ایمان لایا ہوں" بلکہ عملی طور پر بھی ایسے توانا پروردگار کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوں"_(۲)

درحقیقت جب حضرت موسی کی پیشین گوئیاں یکے بعد دیگرے وقوع پذیر ہوئیں اور فرعون اس عظیم پیغمبر کی گفتگو کی صداقت سے آگاہ ہوا اور اس کی قدرت نمائي کا مشاہدہ کیا تو اس نے مجبوراً اظہار ایمان کیا، اسے امید تھی کہ جیسے "بنی اسرائیل کے خدا" نے انھیں کوہ پیکر موجوں سے سے نجات بخشی ہے اسے بھی نجات دے گا، لہذا وہ کہنے لگا میں اسی بنی اسرائیل کے خدا پر ایمان لایا ہوں ، لیکن ظاہر ہے کہ ایسا ایمان جو نزول بلا اور موت کے چنگل میں گرفتار ہونے کے وقت ظاہر کیا جائے، درحقیقت ایک قسم کا اضطراری ایمان ہے، جس کا اظہار سب مجرم اور گناہگار کرتے ہیں، ایسے ایمان کی کوئي قدر و قیمت نہیں ہوتي، اور نہ یہ حسن نیت اور صدق گفتار کی دلیل ہوسکتا ہے_

اسی بنا پر خداوندعالم نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:"تو اب ایمان لایا ہے حالانکہ اس سے پہلے تو نافرمانی اورطغیان کرنے والوں ، مفسدین فی الارض اور تباہ کاروں کی صف میں تھا"(۳)

"لیکن آج ہم تیرے بدن کو موجوں سے بچالیں گے تاکہ تو آنے والوں کے لئے درس عبرت ہو، برسراقتدار مستکبرین کے لئے، تمام ظالموں اور مفسدوں کے لئے اور مستضعف گروہوں کے لئے بھی"

---

(۱)سورہ یونس آیت ۹۰

(۲)سورہ یونس آیت ۹۰

(۳)سورہ یونس آیت ۹۰

یہ کہ "بدن سے مراد یہاں کیا ہے، اس سلسلے میں مفسرین میں اختلاف ہے ان میں سے اکثر کا نظریہ ہے کہ اس سے مراد فرعون کا بے جان جسم ہے کیونکہ اس ماحول کے لوگوں کے ذہن میں فرعون کی اس قدر عظمت تھی کہ اگر اس کے بدن کو پانی سے باہر نہ اچھالا جاتا تو بہت سے لوگ یقین ہی نہ کرتے کہ اس کا غرق ہونا بھی ممکن ہے اور ہوسکتا تھا کہ اس ماجرے کے بعد فرعون کی زندگی کے بارے میں افسانے تراش لئے جاتے۔

یہ امر جاذب توجہ ہے کہ لغت میں لفظ "بدن" جیسا کہ راغب نے مفردات میں کہا ہے "جسد عظیم" کے معنی میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے خوشحال لوگوں کی طرح کہ جنکی بڑی زرق برق افسانوی زندگی تھی وہ بڑا سخت اور چاک وچوبند تھا مگر بعض دوسرے افراد نے کہا ہے کہ "بدن" کا ایک معني" زرہ" بھی ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ خدا نے فرعون کو اس زریں زرہ سمیت پانی سے باہر نکالا کہ جو اس کے بدن پر تھی تاکہ اس کے ذریعے پہچانا جائے اور کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔

اب بھی مصر اور برطانیہ کے عجائب گھروں میں فرعونیوں کے مومیائي بدن موجود ہیں کیا ان میں حضرت موسی علیہ السلام کے ہم عصر فرعون کا بدن بھی ہے کہ جسے بعد میں حفاظت کے لئے مومیا لیا گیا ہویا نہیں ؟ اس سلسلے میں کوئي صحیح دلیل ہمارے پاس نہیں ہے۔

بنی اسرائیل کی گذرگاہ

قرآن مجید میں بارہا اس بات کو دہرایا گیا ہے کہ موسی علیہ السلام نے خدا کے حکم سے بنی اسرائیل کو" بحر" عبور کروایا اورچند مقامات پر"یم" کا لفظ بھی ایا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہاں پر"یم"" بحر" اور "یم" سے کیا مراد ہے آیایہ نیل (N I L E R I Y E R) جیسے وسیع وعریض دریا کی طرف اشارہ ہے کہ سرزمین مصر کی تمام آبادی جس سے سیراب ہوتی تھی یا بحیرہ احمریعنی بحر قلزم (R I D S E A)کی طرف اشارہ ہے۔

موجودہ توریت اور بعض مفسرین کے انداز گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ بحیرہ احمر کی طرف اشارہ ہے لیکن ایسے قرائن موجودہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد نیل کا عظیم ووسیع دریا ہے ۔

حضرت موسی علیہ السلام سے بت سازی کی فرمائش

قرآن میں بنی اسرائیل کی سرگزشت کے ایک اور اہم حصہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ واقعہ فرعونیوں پر ان کی فتحیابی کے بعد ہوا، اس واقعہ سے بت پرستی کی جانب ان کی توجہ ظاہر ہوتی ہے ۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام فرعون کے جھگڑے سے نکل چکے تو ایک اور داخلی مصیبت شروع ہوگئي جو بنی اسرائیل کے جاہل ، سرکش اور فرعون اور فرعونیوں کے ساتھ جنگ کرنے سے بدرجہا سخت اور سنگین تر تھی اور ہر داخلی کشمکش کا یہی حال ہوا کرتا ہے ۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے:" ہم نے بنی اسرائیل کو دریا (نیل) کے اس پار لگا دیا :" لیکن " انہوں نے راستے میں ایک قوم کو دیکھا جو اپنے بتوں کے گرد خضوع اور انکساری کے ساتھ اکٹھا تھے" ۔(۱) امت موسی علیہ السلام کے جاہل افراد یہ منظر دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً حضرت موسی کے پاس آئے اور " وہ کہنے لگے اے موسی ہمارے واسطے بھی بالکل ویسا ہی معبود بنادو جیسا معبود ان لوگوں کا ہے" ۔(۲) حضرت موسی علیہ السلام ان کی اس جاہلانہ اور احمقانہ فرمائش سے بہت ناراض ہوئے ، آپ نے ان لوگوں سے کہا :"تم لوگ جاہل و بے خبر قوم ہو" ۔(۳)

بنی اسرائیل میں ناشکر گزار افراد کی کثرت تھي ،باوجودیکہ انہوں نے حضرت موسی علیہ السلام سے اتنے معجزے دیکھے، قدرت کے اتنے انعامات ان پر ہوئے، ان کا دشمن فرعون نابود ہوا ابھی کچھ عرصہ بھی نہیں گذرا تھا، وہ غرق کردیا گیا اور وہ سلامتی کے ساتھ دریا کو عبور کرگئے لیکن انہوں نے ان تمام باتوں کو یکسر بھلادیا اور حضرت موسی علیہ السلام سے بت سازی کا سوال کربیٹھے ۔

---

(۱)سورہ اعراف آیت ۱۳۸

(۲)سورہ اعراف آیت ۱۳۸

(۳)سورہ اعراف ۱۳۸

ایک یہودی کو حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا جواب

نہج البلاغہ میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے سامنے مسلمانوں پر اعتراض کیا:

"ابھی تمہارے نبی دفن بھی نہ ہونے پائے تھے کہ تم لوگوں نے اختلاف کردیا"۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا:

ہم نے ان فرامین واقوال کے بارے میں اختلاف کیا ہے جو پیغمبر سے ہم تک پہنچے ہیں، پیغمبریا ان کی نبوت سے متعلق ہم نے کوئي اختلاف نہیں کیا (چہ جائیکہ الوہیت کے متعلق ہم نے کوئي بات کہی ہو) لیکن تم (یہودي) ابھی تمہارے پیر دریا کے پانی سے خشک نہیں ہونے پائے تھے کہ تم نے اپنے نبی (حضرت موسی علیہ السلام) سے یہ کہہ دیا کہ ہمارے لئے ایک ایسا ہی معبود بنادو جس طرح کہ ان کے متعدد معبود ہیں، اور اس نبی نے تمہارے جواب میں تم سے کہا تھا کہ تم ایک ایسا گروہ ہو جو جہل کے دریا میں غوطہ زن ہے۔

حضرت موسی علیہ السلام نے اپنی بات کی تکمیل کے لئے بنی اسرائیل سے کہا: "اس بت پرست گروہ کو جو تم دیکھ رہے ہو ان کا انجام ہلاکت ہے اور ان کا ہرکام باطل وبے بنیاد ہے"۔[(۱)]

اس کے بعد مزید تاکید کے لئے فرمایا گیا ہے: "آیا خدائے برحق کے علاوہ تمہارے لئے کوئي دوسرا معبود بنالوں، وہی خدا جس نے اہل جہان (ہمعصر لوگوں) پر تم کو فضیلت دی"۔[(۲)]

اس کے بعد خداوند کریم اپنی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت کا ذکر فرماتا ہے جو اس نے بنی اسرائیل کو عطا فرمائي تھی تاکہ اس عظیم نعمت کا تصور کرکے ان میں شکر گزاراری کا جذبہ بیدار ہو اور انہیں یہ احساس ہوکہ پرستش اور سجدے کا مستحق صرف خدائے یکتا ویگانہ ہے، اور اس بت کی کوئي دلیل نہیں پائي جاتی کہ جو بت بے نفع اور بے ضرر ہیں ان کے سامنے سر تعظیم جھکایا جائے۔

---

(۱)سورہ اعراف آیت ۱۳۹

(۲)سورہ اعراف ۱۴۰

پہلے ارشاد ہوتا ہے :"یاد کرو اس وقت کو جب کہ ہم نے تمہیں فرعون کے گروہ کے شر سے نجات دیدي، وہ لوگ تم کو مسلسل عذاب دیتے چلے آرہے تھے "_[۱]

اس کے بعد اس عذاب و ایزارسانی کی تفصیل یوں بیان فرماتاہے:وہ تمہارے بیٹوں کو تو قتل کردیتے تھے اور تمہاری عورتوں لڑکیوں کو (خدمت اور کنیزی کے لئے) زندہ چھوڑدیتے تھے"_[۲]

بنی اسرائیل سرزمین مقدس کی طرف

قران میں اس کے بعد سرزمین مقدس میں بنی اسرائیل کے ورود کے بارے میں یوں بیان کیا گیا ہے:" موسی علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ تم سرزمین مقدس میں جسے خدا نے تمہارے لئے مقرر کیا ہے_ داخل ہوجائو، اس سلسلے میں مشکلات سے نہ ڈرو، فداکاری سے منہ نہ موڑو اور اگر تم نے اس حکم سے پیٹھ پھیری تو خسارے میں رہوگے "_[۳]

ارض مقدسہ سے کیا مراد ہے اس، اس سلسلے میں مفسرین نے بہت کچھ کہا ہے، بعض بیت المقدس کہتے ہیں کچھ اردن یا فلسطین کانام لیتے ہیں اور بعض سرزمین طور سمجھتے ہیں ، لیکن بعید نہیں کہ اس سے مراد منطقہ شامات ہو، جس میں تمام مذکورہ علاقے شامل ہیں_

کیونکہ تاریخ شاہد ہے کہ یہ سارا علاقہ انبیاء الہی کا گہوارہ، عظیم ادیان کے ظہور کی زمین اور طول تاریخ میں توحید، خدا پرستی اور تعلیمات انبیاء کی نشرواشاعت کا مرکزرہاہے_

لہذا اسے سرزمین مقدس کہا گیا ہے اگرچہ بعض اوقات خاص بیت المقدس کو بھی ارض مقدس کہاجاتاہے_

بنی اسرائیل نے اس حکم پر حضرت موسی علیہ السلام کو وہی جواب دیا جو ایسے موقع پر کمزور، بزدل اور جاہل لوگ دیا کرتے ہیں_

---

(۱)سورہ اعراف آیت ۱۴۱

(۲)سورہ اعراف آیت ۱۴۱

(۳)سورہ مائدہ آیت ۲۱

ایسے لوگ چاہتے ہیں کہ تمام کامیابیاں انھیں اتفاقاً اور معجزانہ طور پر ہی حاصل ہوجائیں یعنی لقمہ بھی کوئی اٹھاکران کے منہ میں ڈال دے وہ حضرت موسی علیہ السلام سے کہنے لگے :" آپ جانتے ہیں کہ اس علاقے میں ایک جابر اور جنگجو گروہ رہتاہے جب تک وہ اسے خالی کرکے باہر نہ چلاجائے ہم تو اس علاقے میں قدم تک نہیں رکھیں گے اسی صورت میں ہم آپ کی اطاعت کریں گے اور سرزمین مقدس میں داخل ہوں گے "_[1]

بنی اسرائیل کا یہ جواب اچھی طرح نشاندہی کرتا ہے کہ طویل فرعونی استعمار نے ان کی نسلوں پر کیسا اثر چھوڑا تھا لفظ" لن " جودائمی پر دلالت کرتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ سرزمین مقدس کی آزادی کے لئے مقابلے سے کس قدر خوف زدہ تھے _

چاہئے تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل سعی وکوشش کرتے، جہادو قربانی کے جذبے سے کام اور سرزمین مقدس پر قبضہ کرلیتے اگر فرض کریں کہ سنت الہی کے برخلاف بغیر کسی اقدام کے ان کے تمام دشمن معجزانہ طور پر نابود ہوجاتے اور بغیر کوئی تکلیف اٹھائے وہ وسیع علاقے کے وارث بن جاتے تو اس کانظام چلانے اور اس کی حفاظت میں بھی ناکام رہتے بغیر زحمت سے حاصل کی ہوئی چیز کی حفاظت سے انھیں کیا سروکار ہوسکتا تھا نہ وہ اس کے لئے تیار ہوتے اور نہ اہل _

جیسا کہ تواریخ سے ظاہر ہوتا ہے آیت میں قوم جبار سے مراد قوم "عمالقہ" ہے یہ لوگ سخت جان اور بلند قامت تھے یہاں تک کہ ان کی بلند قامت کے بارے میں بہت مبالغے ہوئے اور افسانے تراشے گئے اس سلسلے میں مضحکہ خیزباتیں گھڑی گئیں جن کے لئے کوئی عملی دلیل نہیں ہے _[2]

---

(۱)سورہ مائدہ آیت ۲۲

(۲)خصوصاً" عوج" کے بارے میں خرافات سے معمور ایسی کہانیاں تاریخوں میں ملتی ہیں_اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے افسانے جن میں سے بعض اسلامی کتب میں بھی آگئے ہیں ، دراصل بنی اسرائیل کے گھڑے ہوئے ہیں انھیں عام طورپر" اسرائیلیات"کہا جاتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ خود موجودہ توریت کے متن میں ایسے افسانے دکھائی دیتے ہیں_

اس کے بعد قرآن کہتا ہے:"اس وقت اہل ایمان میں سے دو افراد ایسے تھے جن کے دل میں خوف خدا تھا اور اس بنا پر انھیں عظیم نعمتیں میسر تھیں ان میں استقامت وشجاعت بھی تھی ، وہ دور اندیش بھی تھے اور اجتماعی اور فوجی نقطہ نظر سے بھی بصیرت رکھتے تھے انھوں نے حضرت موسی علیہ السلام کی دفاعی تجویز کی حمایت کی اور بنی اسرائیل سے کہنے لگے : تم شہر کے دروازے سے داخل ہوجاؤ اور اگر تم داخل ہوگئے تو کامیاب ہوجاؤ گے "_

لیکن ہر صورت میں تمہیں روح ایمان سے مدد حاصل کرنا چاہئے اور خدا پر بھروسہ کروتاکہ اس مقصد کو پالو_"(۱)

اس بارے میں کہ یہ دو آدمی کون تھے ؟اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ"یوشع بن نون" اور" کالب بن یوفنا"("یفنہ "بھی لکھتے ہیں) تھے جو بنی اسرائیل کے نقیبوں میں سے تھے_

جب کامیاب ہو جاو تو ہمیں بھی خبر کرنا

بنی اسرائیل نے یہ تجویز قبول نہ کی اور ضعف وکمزوری جوان کی روح پر قبضہ کرچکی تھي، کے باعث انھوں نے صراحت سے حضرت موسی علیہ السلام سے کہا:"جب تک وہ لوگ اس سرزمین میں ہیں ہم ہرگز داخل نہیں ہوں گے، تم اور تمہارا پروردگار جس نے تم سے کامیابی کا وعدہ کیا ہے،جاؤ اور عمالقہ سے جنگ کرو اور جب کامیاب ہوجاؤ تو ہمیں بتادینا ہم یہیں بیٹھے ہیں_(۲)

بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر کے ساتھ جسارت کی انتہاکردی تھي، کیونکہ پہلے تو انھوں نے لفظ "لن" اور" ابداً" استعمال کرکے اپنی صریح مخالفت کا اظہار کیا اورپھر یہ کہا کہ تم اور تمہارا پروردگار جاؤ اور جنگ کرو، ہم تویہاں بیٹھے ہیں ،انھوں نے حضرت موسی علیہ السلام اور ان کے وعدوں کي، تحقیرکی یہاں تک کہ خدا کے ان دو بندوں کی تجویز کی بھی پرواہ نہیں کی اور شاید انھیں تو کوئی مختصر سا جواب تک نہیں دیا_

---

(۱)سورہ مائدہ آیت ۲۳

(۲)سورہ مائدہ آیت ۲۴

یہ امر قابل توجہ ہے کہ موجودہ توریت سفر اعداد باب ۱۴/ میں بھی اس داستان کے بعض اہم حصے موجود ہیں۔
حضرت موسی علیہ السلام ان لوگوں سے بالکل مایوس ہوگئے اور انھوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے اور ان سے علیحدگی کے لئے یوں تقاضا کیا : "پروردگار میرا تو صرف اپنے آپ پر اور اپنے بھائي پر بس چلتا ہے : خدایا ہمارے اور اس فاسق وسرکش گروہ میں جدائي ڈال دے"۔ (۱)

بنی اسرائیل بیابان میں سرگرداں

آخرکار حضرت موسی علیہ السلام کی دعا قبول ہوئي اور بنی اسرائیل اپنے ان برے اعمال کے انجام سے دوچار ہوئے خدا کی طرف سے حضرت موسی علیہ السلام کو وحی ہوئي :"یہ لوگ اس مقدس سرزمین سے چالیس سال تک محروم رہیں گے جو طرح طرح کی مادی اورروحانی نعمات سے مالامال ہے"۔ (۲)
علاوہ ازیں ان چالیس سالوں میں انھیں اس بیابان میں سرگرداں رہنا ہوگا اس کے بعد حضرت موسی علیہ السلام سے فرمایا گیا ہے : "اس قوم کے سرپر جو کچھ بھی آئے وہ صحیح ہے، ان کے اس انجام پر کبھی غمگین نہ ہونا "۔ (۳)
آخری جملہ شاید اس لئے ہو کہ جب بنی اسرائیل کے لئے یہ فرمان صادر ہوا کہ وہ چالیس سال تک سزا کے طور پر بیابان میں سرگرداں رہیں حضرت موسی علیہ السلام کے دل میں جذب ہ مہربانی پیدا ہوا ہو اور شاید انھوں نے درگاہ خداوندی میں ان کے لئے عفوودرگذر کی درخواست بھی کی ہو جیسا کہ موجودہ توریت میں بھی ہے۔
لیکن انھیں فوراً جواب دیا گیا کہ وہ اس سزا کے مستحق ہیں نہ کہ عفوودرگذر کے، کیونکہ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ وہ فاسق اور سرکش لوگ تھے اور جو ایسے ہوں ان کے لئے یہ انجام حتمی ہے۔

---

(۱)سورہ مائدہ آیت ۲۵

(۲)سورہ مائدہ آیت ۲۶

(۳)سورہ مائدہ آیت

توجہ رہے کہ ان کے لئے چالیس سال کی یہ محرومیت انتقامی جذبے سے نہ تھی (جیسا کہ خدا کی طرف سے کوئی سزا بھی ایسی نہیں ہوتی بلکہ وہ یا اصلاح کے لئے ہوتی ہے اوریا عمل کا نتیجہ)درحقیقت اس کا ایک فلسفہ تھا اور وہ یہ کہ بنی اسرائیل ایک طویل عرصے تک فرعونی استعمار کی ضربیں جھیل چکے تھے،اس عرصے میں حقارت آمیز رسومات، اپنے مقام کی عدم شناخت اور احساسات ذلت کا شکار ہو چکے تھے اور حضرت موسی علیہ السلام جیسے عظیم رہبر کی سرپرستی میں اس تھوڑے سے عرصے میں اپنی روح کو ان خامیوں سے پاک نہیں کرسکے تھے اور وہ ایک ہی جست میں افتخار،قدرت اور سربلندی کی نئي زندگی کے لئے تیار نہیں ہو پائے تھے_

حضرت موسی علیہ السلام نے انھیں مقدس سرزمین کے حصول کے لئے جہاد آزادی کا جو حکم دیا تھا اس پر عمل نہ کرنے کے لئے انھوں نے جو کچھ کہا وہ اس حقیقت کی واضح دلیل ہے لہذا ضروری تھا کہ وہ ایک طویل مدت وسیع بیابانوں میں سرگرداں رہیں اور اس طرح ان کی ناتواں اور غلامانہ ذہنیت کی حامل موجودہ کمزور نسل آہستہ آہستہ ختم ہوجائے اورنئي نسل حریت و آزادی کے ماحول میں اورخدائي تعلیمات کی آغوش میں پروان چڑھے تاکہ وہ اس قسم کے جہاد کے لئے اقدام کرسکے اور راس طرح سے اس سرزمین پر حق کی حکمرانی قائم ہو سکے_

بنی اسرائیل کا ایک گروہ پشیمان ہوا

بنی اسرائیل کا ایک گروہ اپنے کئے پر سخت پشیمان ہوا_انہوں نے بارگاہ خدا کا رخ کیا_خدا نے دوسری مرتبہ بنی اسرائیل کو اپنی نعمتوں سے نوازا جن میں سے بعض کی طرف قرآن میں اشارہ کیا گیا ہے_

"ہم نے تمہارے سرپر بادل سے سایہ کیا"_(۱)سرخط وہ مسافر جو صبح سے غروب تک سورج کی گرمی میں بیابان میں چلتا ہے وہ ایک لطیف سائے سے کیسی راحت پائے گا(وہ سایہ جو بادل کا ہو جس سے انسان کے لئے نہ تو فضا محدود ہوتی ہو اور نہ جو ہوا چلنے سے مانع ہو)_

---

(۱)سورہء بقر آیت ۵۷

یہ صحیح ہے کہ بادل کے سایہ فگن ٹکڑوں کا احتمال ہمیشہ بیابان میں ہوتا ہے لیکن قرآن واضح طور پر کہہ رہا ہے کہ بنی اسرئیل کے ساتھ ایسا عام حالات کی طرح نہ تھا بلکہ وہ لطف خدا سے اکثر اس عظیم نعمت سے بہرہ ور ہوتے تھے_

دوسری طرف اس خشک اور جلادینے والے بیابان میں چالیس سال کی طویل مدت سرگرداں رہنے والوں کے لئے غذا کی کافی و وافی ضرورت تھي، اس مشکل کو بھی خداوند عالم نے ان کے لئے حل کردیا ،جیساکہ اشاد ہوتا ہے:ہم نے" من وسلوی " جو لذیذ اور طاقت بخش غذا ہے تم پر نازل کیا_

ان پاکیزہ غذائوں سے جو تمہیں روزی کے طور پر دی گئي ہیں کھائو(اور حکم خدا کی نافرمانی نہ کرو اور اس کی نعمت کا شکر ادا کرو_)

لیکن وہ پھر بھی شکر گزاری کے دروازے میں داخل نہیں ہوئے(تاہم)"انہوں نے ہم پر کوئي ظلم نہیں کیا بلکہ اپنے اوپر ہی ظلم کیا ہے"_(۱)

منّ و سلوی کیا ہے؟

نبی اکرم (ص) سے منقول ایک روایت کے مطابق،آپ نے فرمایا:

" کھمبی کی قسم کی ایک چیز تھی جو اس زمین میں اُگتی تھي"_پس معلوم ہوا کہ "منّ"ایک "قارچ"تھی جو اس علاقہ میں پیدا ہوتی تھي_(۲)

---

(۱)سورہ بقر آیت ۵۷

(۲)توریت میں ہے کہ "منّ"دھنیے کے دانوں جیسی کوئي چیزہے جو رات کو اس سرزمین پر آگرتی تھي،بنی اسرائیل اسے اکٹھا کرکے پیس لیتے اور اس سے روٹی پکاتے تھے جس کا ذائقہ روغنی روٹی جیسا ہوتا تھا_

ایک احتمال اور بھی ہے کہ بنی اسرائیل کی سرگردانی کے زمانے میں خدا کے لطف وکرم سے جو نفع بخش بارشیں برستی تھیں ان کے نتیجے میں درختوں سے کوئي خاص قسم کا صمغ اور شیرہ نکلتا تھا اور بنی اسرائیل اس سے مستفید ہوتے تھے_

بعض نے کہا ہے کہ" منّ" سے مراد وہ تمام نعمتیں جو خدانے بنی اسرائیل کو عطا فرمائي تھیں اور سلوی وہ تمام عطیات ہیں جو ان کی راحت و آرام اور اطمینان کا سبب تھے_

"سلوی "اگر چہ بعض مفسرین نے اسے شہد کے ہم معنی لیا ہے لیکن دوسرے تقریباًسب مفسرین نے اسے پرندے کی ایک قسم قرار دیا ہے_ یہ پرندہ اطراف اور مختلف علاقوں سے کثرت سے اس علاقے میں آتا تھا اور بنی اسرائیل اس کے گوشت سے استفادہ کرتے تھے_ عہدین پر لکھی گئي تفسیر میں بھی اس نظریہ کی تائید دکھائي دیتی ہے_[1]

البتہ بنی اسرائیل کی سرگردانی کے دنوں میں ان پر خدا کا یہ خاص لطف وکرم تھا کہ یہ پرندہ وہاں کثرت سے ہوتا تھا تا کہ وہ اس سے استفادہ کرسکیں_ ورنہ تو عام حالات میں اس طرح کی نعمت کا وجود مشکل تھا_

بعض دیگر حضرات کے نزدیک"من"ایک قسم کا طبیعی شہد ہے اور بنی اسرائیل اس بیابان میں طویل مدت تک چلتے پھرتے رہنے سے شہد کے مخزنوں تک پہنچ جاتے تھے کیونکہ "بیابان تیہ "کے کناروں پرپہاڑ اور سنگلاخ علاقہ تھا جس میں کافی طبیعی شہد نظر آجاتا تھا_

عہدین(توریت اور انجیل)پر لکھی گئي تفسیر سے اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے جس میں ہے کہ مقدس سرزمین قسم قسم کے پھولوں اور شگوفوں کی وجہ سے مشہور ہے اسی لئے شہد کی مکھیوں کے جتھے ہمیشہ پتھروں کے سوراخوں ،درختوں کی شاخوں اور لوگوں کے گھروں پر جا بیٹھتے ہیں اس طرح سے بہت فقیر و مسکین لوگ بھی شہد کھا سکتے تھے_

---

(۱)اس میں لکھا ہے معلوم ہونا چاہیے کہ بہت بڑی تعداد میں سلوی افریقہ سے چل کے شمال کو جاتے ہیں_"جزیرہ کاپري" میں ایک فصل میں ۱۶ہزار کی تعداد میں ان کا شکار کیا گیا_یہ پرندہ بحیرہ قلزم کے راستے سے آتا ہے_ خلیج عقبہ اور رسویز کو عبور کرتا ہے_ ہفتے کو جزیرہ سینا میں داخل ہوتا ہے اور راستے میں اس قدر تکان و تکلیف جھیلنے کی وجہ سے آسانی سے ہاتھ سے پکڑا جا سکتا ہے، اور جب پرواز کرتا ہے تو زمین کے قریب ہوتا ہے_اس حصے کے متعلق(توریت کے)سفر خروج اور سفر اعداد میں گفتگو ہوئي ہے_

اس تحریر سے بھی واضح ہوتا ہے کہ سلوی سے مراد وہی پر گوشت پرندہ ہے جو کبوتر کے مشابہ اور اس کے ہم وزن ہوتا ہے اور یہ پرندہ اس سرزمین میں مشہور ہے_

بیابانوں میں چشمہ ابلنا

بنی اسرائیل پرکی گئي ایک اور نعمت کی نشاندہی کرتے ہوئے اللہ فرماتا ہے:"یاد کرو اس وقت کو جب موسی علیہ السلام نے(اس خشک اورجلانے والے بیابان میں جس وقت بنی اسرائیل پانی کی وجہ سے سخت تنگی میں بتلا تھے)پانی کی درخواست کي"_(۱)تو خدا نے اس درخواست کو قبول کیا جیسا کہ قرآن کہتا ہے:ہم نے اسے حکم دیا کہ اپنا عصا مخصوص پتھر پر مارو اس سے اچانک پانی نکلنے لگا اور پانی کے بارہ چشمے زور و شور سے جاری ہوگئے_(۲)بنی اسرائیل کے قبائیل کی تعداد کے عین مطابق جب یہ چشمے جاری ہوئے تو ایک چشمہ ایک قبیلے کی طرف جھک جاتا تھا جس پر بنی اسرائیل کے لوگوں "اور قبیلوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے چشمے کو پہچان لیا_(۳) یہ پتھر کس قسم کا تھا،حضرت موسی علیہ السلام کس طرح اس پر عصا مارتے تھے اور پانی اس میں سے کیسے جاری ہوجاتا تھا_اس سلسلے میں بہت کچھ گفتگو کی گئي ہے_قرآن جو کچھ اس بارے میں کہتا ہے وہ اس سے زیادہ نہیں کہ موسی علیہ السلام نے اس پر عصا مارا تو اس سے بارہ چشمے جاری ہوگئے_بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ پتھر ایک کوہستانی علاقے کے ایک حصے میں واقع تھا جو اس بیابان کی طرف جھکا ہوا تھا_سورہ اعراف آیہ ۱۶۰ کی تعبیر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ ابتداء میں اس پتھر سے تھوڑا تھوڑا پانی نکلا ،بعد میں زیادہ ہوگیا،یہاں تک کہ بنی اسرائیل کا ہر قبیلہ ان کے جانور جو ان کے ساتھ تھے اور وہ کھیتی جو انہوں نے احتمالاً اس بیابان کے ایک حصے میں تیار کی تھی سب اس سے سیراب ہوگئے،یہ کوئي تعجب کی بات نہیں کہ کوہستانی علاقے میں پتھر کے ایک حصے سے پانی جاری ہوا البتہ یہ مسلم ہے کہ یہ سب معجزے سے رونما ہوا_(۴)

---

(۱)سورہ بقرہ آیت ۶۰

(۲)سورہ بقرہ ایت ۶۰

(۳)سورہ بقرہ آیت ۶۰

(۴)توریت کی سترھویں فصل میں سفر خروج کے ذیل میں بھی یوں لکھا ہے:

"خدا نے موسی علیہ السلام سے کہا:قوم کے آگے آگے رہو اور اسرائیل کے بعض بزرگوں کو ساتھ لے لو اور وہ عصا جسے نہر پر مارا تھا ہاتھ میں لے کر روانہ ہو جاؤ_میں وہاں تمہارے سامنے کوہ حوریب پر کھڑا ہوجاؤں گا_اور اسے پتھر پر مارو،اس سے پانی جاری ہوجائے گا،تاکہ قوم پی لے اور موسی علیہ السلام نے اسرائیل کے مشائخ اور بزرگوں کے سامنے ایسا ہی کیا"_

بہر حال ایک طرف خداوند عالم نے ان پر من و سلوی نازل کیا اور دوسری طرف انہیں فراوان پانی عطا کیا اور ان سے فرمایا:"خدا کی دی ہوئي روزی سے کھاؤپیو لیکن زمین میں خرابی اور فساد نہ کرو"_(۱)

گویا انہیں متوجہ کیا گیا ہے کہ کم ازکم ان عظیم نعمتوں کی شکر گزاری کے طور پر ضدی پن، ستمگري، انبیاء کی ایذا رسانی اور بہانہ بازی ترک کردو_

مختلف کھانوں کی تمنا

ان نعمات فراوان کی تفصیل کے بعد جن سے خدا نے بنی اسرائیل کو نوازا تھا_ قرآن میں ان عظیم نعمتوں پر ان کے کفران اور ناشکر گزاری کی حالت کو منعکس کیا گیا ہے_اس میں اس بات کی نشاندہی ہے کہ وہ کس قسم کے ہٹ دھرم لوگ تھے_شاید تاریخ دنیا میں ایسی کوئي مثال نہ ملےگی کہ کچھ لوگوں پر اس طرح سے الطاف الہی ہو لیکن انہوں نے اس طرح سے اس کے مقابلے میں ناشکری اور نا فرمانی کی ہو_

پہلے فرمایا گیا ہے:

"یاد کرو اس وقت کو جب تم نے کہا :اے موسی ہم سے ہر گز یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک ہی غذا پر قناعت کرلیں،(من و سلوی کتنی ہی لذیذ غذا ہو، ہم مختلف قسم کی غذا چاہتے ہیں_)(۲)

"لہذا خدا سے خواہش کرو کہ وہ زمین سے جو کچھ اگایا کرتا ہے ہمارے لئے بھی اگائے سبزیوں میں سے،ککڑي، لہسن، مسور اورپیاز"_(۳)

لیکن موسی علیہ السلام نے ان سے کہا:"کیا تم بہتر کے بجائے پست تر غذا پسند کرتے ہو"_(۴)

"جب معاملہ ایسا ہی ہے تو پھر اس بیابان سے نکلو اور کسی شہر میں داخل ہونے کی کوشش کروکیونکہ جو کچھ تم چاہتے ہو وہ وہاں ہے"_(۵)یعنی تم لوگ اس وقت اس بیابان میں خود سازی اور امتحان کی منزل میں ہو،یہاں مختلف کھانے نہیں مل سکتے ،جاو شہر میں جاوتاکہ یہ چیزیں تمہیں مل جائیں ، لیکن یہ خود سازی کا پروگرام وہاں نہیں ہے_ اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے کہ خدا نے ان کی پیشانی پر ذلت و فقر کی مہر لگادیا اور وہ دوبارہ غضب الہی میں گرفتار ہوگئے

---

(۱)سورہ بقرہ آیت ۶۰ (۲)سورہ بقرہ آیت ۶۱ (۳)سورہ بقرہ آیت ۶۱

(۴)سورہ بقرہ آیت ۶۱ (۵)سورہ بقرہ آیت ۶۱

۔ یہ اس لئے ہوا کہ وہ آیات الٰہی کا انکار کرتے تھے اور ناحق انبیاء کو قتل کرتے تھے ۔ یہ سب اس لئے تھا کہ وہ گناہ، سرکشی اور تجاوز کے مرتکب ہوتے تھے۔ (۱)

عظیم وعدہ گاہ

قرآن میں بنی اسرائیل کی زندگی کا ایک اور منظر بیان کیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ پھر حضرت موسی علیہ السلام کو اپنی قوم سے جھگڑنا پڑا ہے، حضرت موسی علیہ السلام کا خدا کے مقام وعدہ پر جانا، وحی کے ذریعے احکام توریت لینا، خدا سے باتیں کرنا، کچھ بزرگان بنی اسرائیل کو میعادگاہ میں ان واقعات کے مشاہدہ کے لئے لانا، اس بات کا اظہار ہے کہ خدا کو ان آنکھوں سے ہرگز نہیں دیکھا جاسکتا۔ پہلے فرمایا گیا ہے:"ہم نے موسی سے تیس راتوں (پورے ایک مہینہ) کا وعدہ کیا، اس کے بعد مزید دس راتیں بڑھا کر اس وعدہ کی تکمیل کی، چنانچہ موسی سے خدا کا وعدہ چالیس راتوں میں پورا ہوا"۔ (۲)

اس کے بعد اس طرح بیان کیا گیا ہے:"موسی نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: میری قوم میں تم میرے جانشین بن جائو اور ان کی اصلاح کی کوشش کرو اور کبھی مفسدوں کی پیروی نہ کرنا"۔ (۳)(۴)

---

(۱) سورہ بقرہ آیت ۶۱ (۲) سورہ اعراف آیت ۱۴۲ (۳) سورہ اعراف آیت ۱۴۳

(۴) پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے پہلے ہی سے چالیس راتوں کا وعدہ کیوں نہ کیا بلکہ پہلے تیس راتوں کا وعدہ کیا اس کے بعد دس راتوں کا اور اضافہ کردیا۔

مفسرین کے درمیان اس تفریق کے بارے میں بحث ہے، لیکن جو بات بیشتر قرین قیاس ہے، نیز روایات اہل بیت علیہم السلام کے بھی موافق ہے وہ یہ ہے کہ یہ میعاد اگر چہ واقع میں چالیس راتوں کا تھا لیکن خدا نے بنی اسرائیل کی آزمائش کرنے کے لئے پہلے موسی علیہ السلام کو تیس راتوں کی دعوت دی پھر اس کے بعد اس کی تجدید کردی تا کہ منافقین مومنین سے الگ ہوجائیں۔ اس سلسلے میں امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپ (ع) نے فرمایا: جس وقت حضرت موسی علیہ السلام وعدہ گاہ الٰہی کی طرف گئے تو انہوں نے بنی اسرائیل سے یہ کہہ رکھا تھا کہ ان کی غیبت تیس روز سے زیادہ طولانی نہ ہوگی لیکن جب خدا نے اس پر دس دنوں کا اضافہ کردیا تو بنی اسرائیل نے کہا: موسی علیہ السلام نے اپنا وعدہ توڑ دیا اس کے نتیجہ میں انہوں نے وہ کام کئے جو ہم جانتے ہیں (یعنی گوسالہ پرستی میں مبتلا ہوگئے) رہا یہ سوال کہ یہ چالیس روز یا چالیس راتیں، اسلامی مہینوں میں سے کونسا زمانہ تھا؟ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدت ذیقعدہ کی پہلی تاریخ سے لے کر ذی الحجہ کی دس تاریخ تک تھی۔ قرآن میں چالیس راتوں کا ذکر ہے نہ کہ چالیس دنوں کا۔ تو شاید اس وجہ سے ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کی اپنے رب سے جو مناجاتیں تھیں وہ زیادہ تر رات ہی کے وقت ہوا کرتی تھیں۔ اس کے بعد ایک اور سوال سامنے آتا ہے، وہ یہ کہ حضرت موسی علیہ السلام نے کسطرح اپنے بھائی ہارون (ع) سے کہا کہ: قوم کی اصلاح کی کوشش کرنا اور مفسدوں کی پیروی نہ کرنا، جبکہ حضرت ہارون (ع) ایک نبی برحق اور معصوم تھے وہ بھلا مفسدوں کی پیروی کیوں کرنے لگے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ: یہ درحقیقت اس بات کی تاکید کے لئے تھا کہ حضرت ہارون (ع) کو اپنی قوم میں اپنے مقام کی اہمیت کا احساس رہے اور شاید اس طرح سے خود بنی اسرائیل کو بھی اس بات کا احساس دلانا چاہتے تھے کہ وہ ان کی غیبت میں حضرت ہارون (ع) کی رہنمائی کا اچھی طرح اثر لیں اور ان کا کہنا مانیں اور ان کے اوامر و نواہی (احکامات) کو اپنے لئے سخت نہ سمجھیں، اس سے اپنی تحقیر خیال نہ کریں اور انکے سامنے اس طرح مطیع و فرمانبردار رہیں جس طرح وہ خود حضرت موسی علیہ السلام کے فرمانبردار تھے۔

دیدار پرودگار کی خواہش

قرآن میں بنی اسرائیل کی زندگی کے بعض دیگر مناظر پیش کئے گئے ہیں۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے حضرت موسی علیہ السلام سے بڑے اصرار کے ساتھ یہ خواہش کی کہ وہ خدا کو دیکھیں گے۔ اگر ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوئي تو وہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔چنانچہ حضرت موسی علیہ السلام نے ان کے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا اور انہیں اپنے ہمراہ پروردگار کی میعادگاہ کی طرف لے گئے، وہاں پہنچ کر ان لوگوں کی درخواست کو خدا کی بارگاہ میں پیش کیا۔ خدا کی طرف سے اس کا ایسا جواب ملا جس سے بنی اسرائیل کے لئے یہ بات اچھی طرح سے واضح ہوگئی۔

ارشاد ہوتا ہے:"جس وقت موسی ہماری میعادگاہ میں آئے اور ان کے پروردگار نے ان سے باتیں کیں تو انہوں نے کہا:اے پروردگار خود کو مجھے دکھلادے تاکہ میں تجھے دیکھ لوں"۔[(۱)] لیکن موسی علیہ السلام نے فوراًخدا کی طرف سے یہ جواب سنا:تم ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن پہاڑ کی جانب نظر کرو اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تب مجھے دیکھ سکو گے۔

جس وقت خدا نے پہاڑ پر جلوہ کیا تو اسے فنا کردیا اور اسے زمین کے برابر کردیا۔

موسی علیہ السلام نے جب یہ ہولناک منظر دیکھا تو ایسا اضطراب لاحق ہوا کہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔اور جب ہوش میں آئے تو خدا کی بارگاہ میں عرض کی پروردگار اتو منزہ ہے،میں تیری طرف پلٹتا ہوں، اورتوبہ کرتا ہوں اور میں پہلا ہوں مومنین میں سے۔[(۲)]

حضرت موسی علیہ السلام نے رویت کی خواہش کیوں کي؟

حضرت موسی علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ذات خداوندی قابل دید نہیں ہے کیونکہ نہ تو وہ جسم ہے،نہ اس کے لئے کوئي مکان و جہت ہے اس کے باوجود انہوں نے ایسی خواہش کیسے کردی جو فی الحقیقت ایک عام انسان کی شان کے لئے بھی مناسب نہیں ہے؟

سب سے واضح جواب یہ ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام نے یہ خواہش دراصل اپنی قوم کی طرف سے کی تھی کیونکہ بنی اسرائیل کے جہلاء کے ایک گروہ کا یہ اصرار تھا کہ وہ خدا کو کھلم کھلا دیکھیں گے تب ایمان لائیں گے۔

---

(۱)سورہ اعراف ۱۴۳

(۲)سورہ اعراف آیت ۱۴۳

حضرت موسی علیہ السلام کو اللہ کی جانب سے یہ حکم ملا کہ وہ اس درخواست کو خدا کی بارگاہ میں پیش کریں تا کہ سب اس کا جواب سن لیں ،کتاب عیون اخبار الرضا میں امام رضا علیہ السلام سے جو حدیث مروی ہے وہ بھی اس مطلب کی تائید کرتی ہے_(۱)

الواح توریت

آخر کار اس عظیم میعادگاہ میں اللہ نے موسی علیہ السلام پر اپنی شریعت کے قوانین نازل فرمائے_پہلے ان سے فرمایا:"اے موسی میں نے تمہیں لوگوں پر منتخب کیا ہے،اور تم کو اپنی رسالتیں دی ہیں ، اور تم کو اپنے ساتھ گفتگو کا شرف عطا کیا ہے"_(۲)

---

(۱)حضرت موسی علیہ السلام نے کس چیزسے توبہ کی ؟اس بارے میں جوسوال سامنے آتا ہے یہ ہے کہ جب حضرت موسی علیہ السلام ہوش میں آئے تو انہوں نے کیوں کہا :"میں توبہ کرتا ہوں"

حالانکہ انہوں نے کوئي خلاف ورزی نہیں کی تھي_کیونکہ اگر انہوں نے یہ درخواست اپنی امت کی طرف سے کی تھی تو اس میں ان کا کیا قصور تھا،اللہ کی اجازت سے انہوں نے یہ درخواست خدا کے سامنے پیش کی اور اگر اپنے لئے شہود باطنی کی تمنا کی تھی تو یہ بھی خدا کے حکم کی مخالفت نہ تھي،لہذا توبہ کس بات کی تھي؟دوطرح سے اس سوال کا جواب دیا جا سکتا ہے:

اول:یہ کہ حضرت موسی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی نمائندگی کے طور پر خدا سے یہ سوال کیا تھا،اس کے بعد جب خدا کی طرف سے سخت جواب ملا جس میں اس سوال کی غلطی کو بتلایا گیا تھا تو حضرت موسی علیہ السلام نے توبہ بھی انہیں کی طرف سے کی تھي_

دوم:یہ کہ حضرت موسی علیہ السلام کو اگر چہ یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کی درخواست کو پیش کریں لیکن جس وقت پروردگار کی تجلی کا واقعہ رونما ہوا اور حقیقت آشکار ہوگئي تو حضرت موسی علیہ السلام کی یہ ماموریت ختم ہوچکی تھی اب حضرت موسی علیہ السلام کو چاہیئے پہلی حالت(یعنی قبل از ماموریت)کی طرف پلٹ جائیں اور اپنے ایمان کا اظہار کریں تاکہ کسی کے لئے جائے شبہ باقی نہ رہے،لہذا اس حالت کا اظہار موسی علیہ السلام نے اپنی توبہ اور اس جملہ "انی تبت الیك وانا اول المومنین"سے کیا_

(۲)سورہ اعراف ۱۴۴

اب جبکہ ایسا ہے تو"جو میں نے تم کو حکم دیا ہے اسے لے لو اور ہمارے اس عطیہ پر شکر کرنے والوں میں سے ہوجائو"_[۱]

اس کے بعد اضافہ کیا گیا ہے کہ :ہم نے جو الواح موسی علیہ السلام پرنازل کی تھیں ان پر ہر موضوع کے بارے میں کافی نصیحتیں تھیں اورضرورت کے مسائل کی شرح اور بیان تھا_

اس کے بعد ہم نے موسی علیہ السلام کو حکم دیا کہ"بڑی توجہ اور قوت ارادی کے ساتھ ان فرامین کو اختیار کرو_"[۲]اور اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ ان میں جو بہترین ہیں انہیں اختیار کریں_

اور انہیں خبردار کردوکہ ان فرامین کی مخالفت اور ان کی اطاعت سے فرار کرنے کا نتیجہ دردناک ہے اوراس کا انجام دوزخ ہے اور"میں جلد ہی فاسقوں کی جگہ تمہیں دکھلادوں گا_"[۳][۴]

---

(۱)سورہ اعراف۱۴۴

(۲)سورہ اعراف آیت ۱۴۵

(۳)سورہ اعراف آیت ۱۴۵

(۴)یہاں پردو چیزوں کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے:

۱_الواح کس چیزکی بنی ہوئي تھیں :اس آیت کا ظاہر یہ ہے کہ خداوند کریم نے حضرت موسی علیہ السلام پر جو الواح نازل کی تھیں ان میں توریت کی شریعت اور قوانین لکھے ہوئے تھے ، ایسا نہ تھا کہ یہ لوحیں حضرت موسی علیہ السلام کے ہاتھ میں تھیں اور اس میں فرامین منعکس ہوگئے تھے_ اب رہا یہ سوال کہ یہ لوحیں کیسی تھیں ؟کس چیزکی بنی ہوئي تھیں ؟ قرآن نے اس بات کی کوئي وضاحت نہیں کی ہے صرف کلمہ"الواح" سربستہ طورپر آیا ہے_جو در اصل"لاح یلوح"کے مادہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ظاہر ہونے اور چمکنے کے ہیں_چونکہ صفحہ کے ایک طرف لکھنے سے حروف نمایاں ہوجاتے ہیں اور مطلب آشکار ہوجاتے ہیں ، اس لئے صفحہ کو جس پر کچھ لکھا جائے"لوح"کہتے ہیں_ لیکن روایات و اقوال مفسرین میں ان الواح کی کیفیت کے بارے میں اور ان کی جنس کے بارے میں گوناگوں احتمالات ذکر کئے گئے ہیں_چونکہ ان میں سے کوئي بھی یقینی نہیں ہے اس لئے ان کے ذکر سے ہم اعراض کرتے ہیں_

۲_کلام کیسے ہوا:قرآن کریم کی مختلف آیات سے استفادہ ہوتا ہے کہ خداوندمتعال نے حضرت موسی علیہ السلام سے کلام کیا،خداکا موسی علیہ السلام سے کلام کرنا اس طرح تھا کہ اس نے صوتی امواج کو فضا میں یا کسی جسم میں پیدا کردیا تھا_ کبھی یہ امواج صوتي"شجرہ وادی ایمن" سے ظاہر ہوتی تھیں اور کبھي"کوہ طور" سے حضرت موسی علیہ السلام کے کان میں پہنچتی تھیں_جن لوگوں نے صرف الفاظ پر نظر کی ہے اور اس پر غور نہیں کیا کہ یہ الفاظ کہاں سے نکل سکتے ہیں انہوں نے یہ خیال کیا کہ خدا کا کلام کرنا اس کے تجسم کی دلیل ہے_حالانکہ یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے_

یہودیوں میں گوسالہ پرستی کاآغاز

قرآن میں افسوسناک اور تعجب خیز واقعات میں سے ایک واقعہ کا ذکر ہوا ہے جو حضرت موسی علیہ السلام کے میقات کی طرف جانے کے بعدبنی اسرائیل میں رونما ہوا۔وہ واقعہ ان لوگوں کی گوسالہ پرستی ہے۔جو ایک شخص بنام"سامري"نے زیور و آلات بنی اسرائیل کے ذریعے شروع کیا۔

سامری کو چونکہ اس بات کا احساس تھاکہ قوم موسی علیہ السلام عرصہ دراز محرومی اور مظلومی کی زندگی بسر کررہی تھی اس وجہ سے اس میں مادہ پرستی پائي جاتی تھی اور حب زر کا جذبہ بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔جیسا کہ آج بھی ان کی یہی صفت ہے لہذا اس نے یہ چالاکی کی کہ وہ مجسمہ سونے کا بنایاکہ اس طرح ان کی توجہ زیادہ سے زیادہ اس کی طرف مبذول کرا سکے۔

اب رہا یہ سوال کہ اس محروم و فقیر ملت کے پاس اس روز اتنی مقدارمیں زروزیور کہاں سے آگیا کہ اس سے یہ مجسمہ تیار ہوگیا؟اس کا جواب روایات میں اس طرح ملتا ہے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں نے ایک تہوار کے موقع پر فرعونیوں سے زیورات مستعار لئۓ تھے یہ اسوقت کی بات ہے جس کے بعد ان کی غرقابی عمل میں آئي تھي۔اس کے بعد وہ زیورات ان عورتوں کے پاس باقی رہ گئۓ تھے۔

اتنا ضرور ہے کہ یہ حادثہ مثل دیگر اجتماعی حوادث کے بغیر کسی آمادگی اور مقدمہ کے وقوع پذیز نہیں ہوا بلکہ اس میں متعدد اسباب کار فرما تھے،جن میں سے بعض یہ ہیں :

بنی اسرائیل عرصہ درازسے اہل مصر کی بت پرستی دیکھتے آرہے تھے۔

جب دریائۓ نیل کو عبور کیا تو انہوں نے ایک قوم کو دیکھا جو بت کی پرستش کرتی تھي۔جیسا کہ قرآن نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور گذشتہ میں بھی اس کا ذکر گمزراکہ بنی اسرائیل نے حضرت موسی علیہ السلام سے ان کی طرح کا بت بنانے کی فرمائش کی جس پر حضرت موسی علیہ السلام نے انہیں سخت سرزنش کي۔

حضرت موسی علیہ السلام کے میقات کاپہلے تیس راتوں کا ہونا اس کے بعدچالیس راتوں کا ہوجانا اس سے بعض منافقوں کو یہ موقع ملاکہ حضرت موسی علیہ السلام کی وفات کی افواہ پھیلا دیں۔

قوم موسی علیہ السلام میں بہت سے افرادکا جہل و نادانی سے متصف ہونا اس کے مقابلے میں سامری کی مکاری و مہارت کیونکہ اس نے بڑی ہوشیاری سے بت پرستی کے پروگرام کو عملی جامہ پہنایا، بہر حال ان تمام باتوں نے اکٹھا ہوکر اس بات کے اسباب پیدا کئے کہ بنی اسرائیل کی اکثریت بت پرستی کو قبول کرے اور"گوسالہ" کے چاروں طرف اس کے ماننے والے ہنگامہ برپاکردیں ۔

دودن میں چھ لاکھ گوسالہ پرست بن گئے

سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ بعض مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں یہ انحرافی تبدیلیاں صرف گنتی کے چند دنوں کے اندر واقع ہوگئیں جب موسی علیہ السلام کو میعادگاہ کی طرف گئے ہوئے ۳۵/دن گزر گئے تو سامری نے اپنا کام شروع کردیا اور بنی اسرائیل سے مطالبہ کیا کہ وہ تمام زیورات جو انہوں نے فرعونیوں سے عاریتاً لئے تھے اور ان کے غرق ہوجانے کے بعد وہ انھیں کے پاس رہ گئے تھے انہیں جمع کریں چھتیسویں ، سنتیسویں اور اڑتیسویں دن انہیں ایک کٹھائي میں ڈالا اور پگھلاکر اس سے گوسالہ کا مجسمہ بنا دیا اور انتالیسویں دن انہیں اس کی پرستش کی دعوت دی اور ایک بہت بڑی تعداد (کچھ روایات کی بناء پرچھ لاکھ افراد) نے اسے قبول کرلیا اور ایک روز بعدیعنی چالیس روز گزرنے پر موسی علیہ السلام واپس آگئے ۔

قرآن اس طرح فرماتا ہے:

"قوم موسی نے موسی کے میقات کی طرف جانے کے بعد اپنے زیوارات وآلات سے ایک گوسالہ بنایا جو ایک بے جان جسد تھا جس میں سے گائے کی آواز آتی تھي ۔(۱)

اسے انہوں نے اپنے واسطے انتخاب کیا "

اگرچہ یہ عمل سامری سے سرزد ہوا تھا ۔(۲)

لیکن اس کی نسبت قوم موسی کی طرف دی گئي ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگوں

---

(۱)سورہ اعراف آیت ۱۴۸

(۲)جیساکہ سورہ طہ کی آیات میں آیاہے

نے اس کام میں سامری کی مدد کی تھی اور وہ اس کے شریک جرم تھے اس کے علاوہ ان لوگوں کی بڑی تعداد اس کے فعل پر راضی تھی ۔

قرانی گفتگو کا ظاہر یہ ہے کہ تمام قوم موسی اس گوسالہ پرستی میں شریک تھی لیکن اگر دوسری ایت پر نظر کی جائے جس میں آیا ہے کہ :

"قوم موسی میں ایک امت تھی جو لوگوں کو حق کی ہدایت کرتی تھی اور اسی کی طرف متوجہ تھي"۔(۱)

اس سے معلوم ہوگا کہ اس سے مراد تمام امت موسی نہیں ہے بلکہ اس کی اکثریت اس گوسالہ پرستی کی تابع ہوگئي تھي، جیسا کہ آئندہ آنے والا ہے کہ وہ اکثریت اتنی زیادہ تھی کہ حضرت ہارون علیہ السلام مع اپنے ساتھیوں کے ان کے مقالے میں ضعیف وناتواں ہوگئے تھے ۔

گوسالہ پرستوں کے خلاف شدید رد عمل

یہاں پر قرآن میں اس کشمکش اور نزاع کا ماجرا بیان کیا گیا ہے جو حضرت موسی علیہ السلام اور گوسالہ پرستوں کے درمیان واقع ہوئي جب وہ میعادگاہ سے واپس ہوئے جس کی طرف گذشتہ میں صرف اشارہ کیا گیا تھا یہاں پر تفصیل کے ساتھ حضرت موسی علیہ السلام کے اس رد عمل کو بیان کیا گیا ہے جو اس گروہ کے بیدار کرنے کے لئے ان سے ظاہر ہوا ۔

پہلے ارشاد ہوتا :"جس وقت موسی غضبناک ورنجیدہ اپنی قوم کی طرف پلٹے اور گوسالہ پرستی کا نفرت انگیز منظر دیکھا تو ان سے کہا کہ تم لوگ میرے بعد برے جانشین نکلے تم نے میرا آئین ضائع کردیا "۔(۲)

یہاں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام میعادگاہ پروردگار سے پلٹتے وقت قبل اس کے کہ بنی اسرائیل سے ملتے، غضبناک اور اندوہگین تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ خدا نے میعادگاہ میں انہیں اس کی خبردے دی تھی ۔

---

(۱) سورہ اعراف آیت ۱۵۹

(۲)سورہ اعراف آیت ۱۵۰

جیسا کہ قرآن کہتا ہے :ہیں نے تمہارے پیچھے تمہاری قوم کی آزمائش کی لیکن وہ اس آزمائش میں پوری نہ اتری اور سامری نے انہیں گمراہ کردیا۔

اس کے بعد موسی علیہ السلام نے ان سے کہا:" آیا تم نے اپنے پروردگار کے فرمان کے بارے میں جلدی کی "۔(۱)

تم نے خدا کے اس فرمان، کہ اس نے میعاد کا وقت تیس شب سے چالیس شب کردیا ، جلدی کی اور جلد فیصلہ کردیا ، میرے نہ آنے کو میرے مرنے یا وعدہ خلافی کی دلیل سمجھ لیا، حالانکہ لازم تھا کہ تھوڑا صبر سے کام لیتے ،چند روز اور انتظار کرلیتے تاکہ حقیقت واضح ہوجاتی ۔

اس وقت جبکہ حضرت موسی علیہ السلام بنی اسرائیل کی زندگی کے ان طوفانی و بحرانی لمحات سے گزر رہے تھے، سرسے پیر تک غصہ اور افسوس کی شدت سے بھڑک رہے تھے ،ایک عظیم اندوہ نے ان کے وجود پر سایہ ڈال دیا تھا اور انہیں بنی اسرائیل کے مستقبل کے بارے میں بڑی تشویش لاحق تھي، کیونکہ تخریب اور تباہ کاری آسانی سے ہوجاتی ہے کبھی صرف ایک انسان کے ذریعے بہت بڑی خرابی اور تباہی واقع ہوجاتی ہے لیکن اصلاح اور تعمیر میں دیر لگتی ہے ۔

خاص طور پر جب کسی نادان متعصب اورہٹ دھرم قوم کے درمیان کوئي غلط ساز بجادیا جائے تو اس کے بعد اس کے برے اثرات کا زائل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے ۔

بے نظیر غصہ

اس موقع پر حضرت موسی علیہ السلام کو غصہ کرنا چاہیئے تھا اور ایک شدید ردّ عمل ظاہر کرنا چاہیئے تھا تاکہ بنی اسرائیل کے فاسد افکار کی بنیاد گرا کر اس منحرف قوم میں انقلاب برپا کردیں ،ورنہ تو اس قوم کو پلٹانا مشکل تھا ۔

---

(۱)سورہ اعراف آیت ۱۵۰

قرآن نے حضرت موسی علیہ السلام کا وہ شدید ردّ عمل بیان کیا ہے جو اس طوفانی و بحرانی منظر کو دیکھنے کے بعد ان سے ظاہر ہوا، موسی علیہ السلام نے بے اختیار نہ طور پر اپنے ہاتھ سے توریت کی الواح کو زمین پر ڈال دیا اور اپنے بھائي ہارون علیہ السلام کے پاس گئے اور ان کے سر اور داڑھی کے بالوں کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا"[۱]

حضرت موسی علیہ السلام نے اس کے علاوہ ہارون علیہ السلام کو بڑی شدت سے سرزنش کی اور بآواز بلند چیخ کر پکارے:

کیا تم نے بنی اسرائیل کے عقائد کی حفاظت میں کوتاہی کی اور میرے فرمان کی مخالفت کی؟"[۲]

در حقیقت حضرت موسی علیہ السلام کا یہ ردّ عمل ایک طرف تو ان کی اس واردات قلبي، بے قراری اور شدید ناراضی کی حکایت کرتا ہے تاکہ بنی اسرائیل کی عقل میں ایک حرکت پیدا ہو اور وہ اپنے اس عمل کی قباحت کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

بنابریں اگرچہ بالفرض الواح توریت کا پھینک دینا قابل اعتراض معلوم ہوتا ہو، اور بھائي کی شدید سرزنش نادرست ہو لیکن اگر حقیقت کی طرف توجہ کی جائے کہ اگر حضرت موسی علیہ السلام اس شدید اور پرہیجانی ردّ عمل کا اظہار نہ کرتے تو ہرگز بنی اسرائیل اپنی غلطی کی سنگینی اور اہمیت کا اندازہ نہیں کر سکتے تھے، ممکن تھا کہ اس بت پرستی کے آثار بدان کے ذہنوں میں باقی رہ جاتے لہذا حضرت موسی علیہ السلام نے جو کچھ کیا وہ نہ صرف غلط نہ تھا بلکہ امر لازم تھا۔

حضرت موسی علیہ السلام اس واقعہ سے اس قدر ناراض ہوئے کہ تاریخ بنی اسرائیل میں کبھی اس قدر ناراض نہ ہوئے تھے کیونکہ ان کے سامنے بدترین منظر تھا یعنی بنی اسرائیل خدا پرستی کو چھوڑ کر گوسالہ پرستی اختیار کر چکے تھے جس کی وجہ سے حضرت موسی علیہ السلام کی وہ تمام زحمتیں جو انہوں نے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے کی تھیں سب برباد ہو رہی تھیں۔

---

(۱)سورہ اعراف ۱۵۰

(۲)سورہ طہ آیت ۱۵۰

-

لہذا ایسے موقع پر الواح کا ہاتھوں سے گرجانا اور بھائي سے سخت مواخذہ کرنا ایک طبعی امر تھا_

اے میری ماں کے بیٹے میں بے گناہ ہوں

اس شدید رد عمل اور غیظ و غضب کے اظہار نے بنی اسرائیل پر بہت زیادہ تربیتی اثر مرتب کیا اور منظر کو بالکل پلٹ دیا جبکہ اگر حضرت موسی علیہ السلام نرم زبان استعمال کرتے تو شاید اس کا تھوڑا سا اثر بھی مرتب نہ ہوتا_

اس کے بعد قرآن کہتا ہے: ہارون علیہ السلام نے موسی علیہ السلام کی محبت کو برانگیختہ کرنے کے لئے اور اپنی بے گناہی بیان کرنے کے لئے کہا:

"اے میرے ماں جائے: اس نادان امت کے باعث ہم اس قدر قلیل ہوگئے کہ نزدیک تھا کہ مجھے قتل کردیں لہذا میں بالکل بے گناہ ہوں لہذا آپ کوئي ایسا کام نہ کریں کہ دشمن ہنسی اڑائیں اور مجھے اس ستمگر امت کی صف میں قرار نہ دیں"_(۱)

قرآن میں جو "ابن ام" کی تعبیر آئي ہے جس کے معنی (اے میری ماں کے بیٹے، کے ہیں) حالانکہ موسی علیہ السلام اورہارون علیہ السلام دونوں ایک والدین کی اولاد تھے یہ اس لئے تھا کہ حضرت ہارون چاہتے تھے کہ حضرت موسی کا جذبہ محبت بیدار کریں بہر حال حضرت موسی علیہ السلام کی یہ تدبیر کارآمد ہوئي اور بنی اسرائیل کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے توبہ کی خواہش کا اظہار کیا_"

اب حضرت موسی علیہ السلام کی آتش غضب کم ہوئي اور وہ درگاہ خداوندی کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کی:

"پروردگارا مجھے اور میرے بھائي کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت بے پایاں میں داخل کردے، تو تمام مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے"_(۲)

---

(۱) سورہ اعراف آیت ۱۵۱

(۲) سورہ اعراف آیت ۱۵۰

اپنے لئے اور اپنے بھائي کے لئے بخشش طلب کرنا اس بناپر نہیں تھا کہ ان سے کوئي گناہ سرزد ہوا تھا بلکہ یہ پروردگار کی بارگاہ میں ایک طرح کا خضوع وخشوع تھا اور اس کی طرف بازگشت تھی اور بت پرستوں کے اعمال زشت سے اظہار تنفر تھا_ (۱)

---

(۱)قران اور موجودہ توریت کا ایک موازنہ

جیسا کہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ "گوسالہ" کو نہ تو بنی اسرائیل نے بنایا تھا نہ حضرت ہارون علیہ السلام نے ،بلکہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص سامری نے یہ حرکت کی تھي، جس پر حضرت ہارون علیہ السلام جو حضرت موسی علیہ السلام کے بھائي اور ان کے معاون تھے خاموش نہ بیٹھے بلکہ انہوں نے اپنی پوری کوشش صرف کي، انہوں نے اتنی کوشش کی کہ نزدیک تھا کہ لوگ انہیں قتل کردیتے_ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ موجودہ توریت میں گوسالہ سازی اور بت پرستی کی طرف دعوت کو حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف نسبت دی گئي ہے، چنانچہ توریت کے سفر خروج کی فصل ۳۲ میں یہ عبارت ملتی ہے: جس وقت قوم موسی نے دیکھا کہ موسی کے پہاڑ سے نیچے اترنے میں دیر ہوئي تو وہ ہارون کے پاس اکٹھا ہوئے اور ان سے کہا اٹھو اور ہمارے لئے ایسا خدا بنائو جو ہمارے آگے آگے چلے کیونکہ یہ شخص موسی جو ہم کو مصر سے نکال کر یہاں لایا ہے نہیں معلوم اس پر کیا گذري، ہارون نے ان سے کہا: طلائي بندے (گوشوارے) جو تمہاری عورتوں اور بچوں کے کانوں میں ہیں انہیں ان کے کانوں سے اتار کر میرے پاس لاو ، پس پوری قوم ان گوشواروں کو کانوں سے جدا کر کے ہارون کے پاس لائي، ہارون نے ان گوشواروں کو ان لوگوں کے ہاتھوں سے لیا اور کندہ کرنے کے ایک آلہ کے ذریعے تصویر بنائي اور اس سے ایک گوسالہ کا مجسمہ ڈھالا اور کہا کہ اے بنی اسرائیل یہ تمہارا خدا ہے جو تمہیں سرزمین مصر سے باہر لایا ہے" اسی کے ذیل میں ان مراسم کو بیان کیا گیا ہے جو حضرت ہارون نے اس بت کے سامنے قربانی کرنے کے بارے میں بیان کئے تھے_

جو کچھ سطور بالا میں بیان ہوا یہ بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کی داستان کا ایک حصہ ہے جو توریت میں مذکور ہے اس کی عبارت بعینہ نقل کی گئي ہے حالانکہ خود توریت نے حضرت ہارون کے مقام بلند کو متعدد فصول میں بیان کیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کے معجزات حضرت ہارون علیہ السلام کے ذریعے ظاہر ہوئے تھے (فصل ۸ از سفر خروج توریت) اور ہارون علیہ السلام کا حضرت موسی علیہ السلام کے ایک رسول کی حیثیت سے تعارف کروایا گیا ہے_ (فصل ۸ از سفر خروج) بہرکیف حضرت ہارون علیہ السلام جو حضرت موسی علیہ السلام کے جانشین برحق تھے اور ان کی شریعت کے سب سے بڑے عالم وعارف تھے توریت ان کے لئے مقام بلند کی قائل ہے اب ذرا ان خرافات کو بھی دیکھ لیجئے کہ انہیں ایک بت سازہی نہیں بلکہ ایک مئوسس بت پرستی کی حیثیت سے روشناس کرایا ہے بلکہ "عذر گناہ بد تراز گناہ" کے مقولہ کے مطابق ان کی جانب سے ایک غلط عذر پیش کیا کیونکہ جب حضرت موسی علیہ السلام نے ان پر اعتراض کیا تو انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ چونکہ یہ قوم بدی کی طرف مائل تھی اس لئے میں نے بھی اسے اس راہ پر لگادیا جبکہ قرآن ان دونوں بلند پایہ پیغمبروں کو ہر قسم کے شرک اور بت پرستی سے پاک وصاف سمجھتا ہے_ صرف یہی ایک مقام نہیں جہاں قرآن تاریخ انبیاء ومرسلین کی پاکی وتقدس کا مظہر ہے جبکہ موجودہ توریت کی تاریخ انبیاء ومرسلین کی ساحت قدس کے متعلق انواع واقسام کی خرافات سے بھری ہوئي ہے ہمارے عقیدہ کے مطابق حقانیت واصالت قرآن اور موجودہ توریت وانجیل کی تحریف کو پہچاننے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان دونوں میں انبیاء کی جو تاریخ بیان کی گئي ہے اس کا موازنہ کرلیا جائے اس سے اپنے آپ پتہ چل جائیگا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے ؟

طلائي گوساله سے کس طرح آواز پیدا ہوئي؟

سامری جو کہ ایک صاحب فن انسان تھا اس نے اپنی معلومات سے کام لے کر طلائي گوسالہ کے سینے میں کچھ مخصوص نل (P I P E) اس طرح مخفی کردیئے جن کے اندر سے دبائو کی وجہ سے جب ہوا نکلتی تھی تو گائے کی آواز آتی تھی ۔

کچھ کاخیال ہے کہ گوسالہ کا منہ اس طرح کاپیچیدہ بنایا گیا تھا کہ جب اسے ہوا کے رخ پر رکھا جاتاہے تھاتو اس کے منہ سے یہ آوازنکلتی تھي۔

قرآن میں پڑھتے ہیں کہ جناب موسی نے سامری سے بازپرس شروع کی اور کہا :"یہ کیا کام تھا کہ جوتونے انجام دیا ہے اور اے سامری : تجھے کس چیزنے اس بات پر آمادہ کیا۔

اس نے جواب میں کہا :"میں کچھ ایسے مطالب سے آگاہ ہوا کہ جو انہوں نے نہیں دیکھے اور وہ اس سے آگاہ نہیں ہوئے ۔"

میں نے ایک چیزخدا کے بھیجے ہوئے رسول کے آثار میں سے لی اورپھر میں نے اسے دور پھینک دیا اور میرے نفس نے اس بات کو اسی طرح مجھے خوش نما کرکے دکھایا"(۱)

اس بارے میں کہ اس گفتگو سے سامری کی کیا مراد تھي، مفسرین کے درمیان دوتفسیریں مشہورہیں: پہلی یہ کہ اس کا مقصدیہ تھا کہ فرعون کے لشکر کے دریائے نیل کے پاس آنے کے موقع پر میں نے جبرئیل کو ایک سواری پر سوار دیکھا کہ وہ لشکر کو دریا کے خشک شدہ راستوں پر ورود کے لئے تشویق دینے کی خاطران کے آگے آگے چل رہاتھا میں نے کچھ مٹی ان کے پائوں کے نیچے سے یاان کی سواری کے پاؤں کے نیچے سے اٹھالی اور اسے سنبھال کررکھا اور اسے سونے کے بچھڑے کے اندارڈالا اور یہ صدا اسی کی برکت سے پیدا ہوئي ہے_

دوسری تفسیریہ ہے کہ میں ابتداء میں میں خدا کے اس رسول (موسی) کے کچھ آثارپر ایمان لے آیا اس کے بعد مجھے اس میں کچھ شک اورتردد ہوا لہذا میں نے اسے دور پھینک دیا اوربت پرستی کے دین کی طرف مائل ہوگیا اور یہ میری نظر میں زیادہ پسندیدہ اورزیبا ہے_

سامری کی سزا

یہ بات صاف طورپر واضح اور روشن ہے کہ موسی کے سوال کے جواب میں سامری کی بات کسی طرح بھی قابل قبول نہیں تھي، لہذا حضرت موسی علیہ السلام نے اس کے مجرم ہونے کا فرمان اسی عدالت میں صادر کردیا اور اسے اس گوسالہ پرستی کے بارے میں تین حکم دیئے_

پہلا حکم یہ کہ اس سے کہا" تو لوگوں کے درمیان سے نکل جا اور کسی کے ساتھ میل ملاپ نہ کر اورتیری باقی زندگی میں تیرا حصہ صرف اتنا ہے کہ جو شخص بھی تیرے قریب آئے گا تو اس سے کہے گا " مجھ سے مس نہ ہو"_(۲)

---

(۱)سورہ طہ آیت ۹۶

(۲)سورہ طہ آیت ۹۷

اس طرح ایک قاطع اور دوٹوک فرمان کے ذریعے سامری کو معاشرے سے باہر نکال پھینکا اور اسے مطلق گوشہ نشینی میں ڈال دیا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ "مجھ سے مس نہ ہو" کا جملہ شریعت موسی علیہ السلام کے ایک فوجداری قانون کی طرف اشارہ ہے کہ جو بعض ایسے افراد کے بارے میں کہ جو سنگین جرم کے مرتکب ہوتے تھے صادر ہوتا تھا وہ شخص ایک ایسے موجود کی حیثیت سے کہ جو پلید و نجس وناپاک ہو، قرار پاجاتا تھا کوئي اس سے میل ملاپ نہ کرے اور نہ اسے یہ حق ہوتا تھا وہ کسی سے میل ملاپ رکھے۔

سامری اس واقعے کے بعد مجبور ہوگیا کہ وہ بنی اسرائیل اور ان کے شہر ودیار سے باہر نکل جائے اور بیابانوں میں جارہے اور یہ اس جاہ طلب انسان کی سزا ہے کہ جو اپنی بدعتوں کے ذریعے چاہتا تھا کہ بڑے بڑے گروہوں کو منحرف کرکے اپنے گرد جمع کرے، اسے ناکام ہی ہونا چاہیئے یہاں تک کہ ایک بھی شخص اس سے میل ملاپ نہ رکھے اور اس قسم کے انسان کے لئے یہ مکمل بائیکاٹ موت اور قتل ہونے سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ وہ ایک پلید اور آلودہ وجود کی صورت میں ہر جگہ سے راندہ اور دھتکارا ہوا ہوتا ہے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ سامری کا بڑا جرم ثابت ہوجانے کے بعد حضرت موسی نے اس کے بارے میں نفرین کی اور خدا نے اسے ایک پر اسرار بیماری میں بتلا کردیا کہ جب تک وہ زندہ رہا کوئي شخص اسے چھو نہیں سکتا تھا اور اگر کوئي اسے چھولیتا تو وہ بھی بیماری میں گرفتار ہوجاتا۔یا یہ کہ سامری ایک قسم کی نفسیاتی بیماری میں جو ہر شخص سے وسواس شدید اور وحشت کی صورت میں تھی؛ گرفتار ہوگیا، اس طرح سے کہ جو شخص بھی اس کے نزدیک ہوتا وہ چلاتا کہ" مجھے مت چھونا"۔سامری کے لئے دوسری سزا یہ تھی کہ حضرت موسی علیہ السلام نے اسے قیامت میں ہونے والے عذاب کی بھی خبردی اور کہا تیرے آگے ایک وعدہ گاہ ہے، خدائي دردناک عذاب کا وعدہ کہ جس سے ہر گمز نہیں بچ سکے گا "(۱)

---

(۱)سورہ طہ ایت ۹۷

تیسرا کام یہ تھا کہ جو موسی علیہ السلام نے سامری سے کہا: " اپنے اس معبود کو کہ جس کی تو ہمیشہ عبادت کرتا تھا ذرا دیکھ اور نگاہ کر ہم اس کو جلا رہے ہیں اور پھر اس کے ذرات کو دریا میں بکھیردیں گے "(تاکہ ہمیشہ کے لئے نابود ہوجائے)(۱)(۲)

گناہ عظیم اور کم نظیر توبہ

حضرت موسی علیہ السلام کے اس شدید رد عمل نے اپنا اثر دکھایا او جن لوگوں نے گوسالہ پرستی اختیار کی تھی اور ان کی تعداد اکثریت میں تھی وہ اپنے کام سے پشیمان ہوئے ان کی شاید مذکورہ پشیمانی کافی تھي، قرآن نے یہ اضافہ کیا ہے: باقی رہتا ہے یہ سوال کہ اس " غضب " اور ذلت " سے کیا مراد ہے؟ قرآن نے اس امر کی کوئ توضیح نہیں کی ہے صرف سربستہ کہہ کر بات آگے بڑھادي ہے۔

---

(۱)سورہ طہ آیت ۹۷

(۲)سامری کون ہے ؟اصل لفظ " سامري" عبرانی زبان میں " شمری " ہے اورچونکہ یہ معمول ہے کہ جب عبرانی زبان کے الفاظ عربی زبان میں آتے ہیں تو "شین"کا لفظ "سین" سے بدل جاتا ہے ، جیسا کہ " موشی ""موسي" سے اور"یشوع""یسوع" سے تبدیل ہوجاتاہے اس بناء پر سامری بھی " شمرون"کی طرف منسوب تھا' اور"شمرون""یشاکر"کا بیٹا تھا، جو یعقوب کی چوتھی نسل ہے۔اسی سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ بعض عیسائیوں کا قرآن پر یہ اعتراض بالکل بے بنیادہے کہ قرآن نے ایک ایسے شخص کو کہ جو موسی علیہ السلام کے زمانے میں رہتا تھا اور وہ گوسالہ پرستی کا سرپرست بنا تھا ،شہر سامرہ سے منسوب "سامري"کے طورپر متعارف کرایا ہے، جب کہ شہر سامرہ اس زمانے میں بالکل موجودہی نہیں تھا ،کیونکہ جیساکہ ہم بیان کرچکے ہیں کہ "سامری" شمرون کی طرف منسوب ہے نہ کر سامرہ شہرکی طرف ۔

بہرحال سامری ایک خود خواہ اور منحرف شخص ہونے کے باوجودبڑا ہوشیار تھا وہ بڑی جرات اور مہارت کے ساتھ بنی اسرائیل کے ضعف کے نکات اور کمزوری کے پہلوئوں سے استفادہ کرتے ہوئے اس قسم کا عظیم فتنہ کھڑاکرنے پرقادر ہوگیا کہ جو ایک قطعی اکثریت کے بت پرستی کی طرف مائل ہونے کا سبب بنے اور جیساکہ ہم نے دیکھا ہے کہ اس نے اپنی اس خود خواہی اور فتنہ انگیزی کی سزا بھی اسی دنیا میں دیکھ لی۔"

(۳)سورہ اعراف ایت ۱۵۲

لیکن ممکن ہے اس سے ان بد بختیوں اور پریشانیوں کی جانب اشارہ مقصود ہو جو اس ماجرے کے بعد اور بیت المقدس میں ان کی حکومت سے پہلے انہیں پیش آئیں_

یا اس سے مراد اللہ کا وہ حکم ہو جو اس گناہ کے بعد انہیں دیا گیا کہ وہ بطور پاداش ایک دوسرے کو قتل کریں_

قرآن اس کے بعد اس گناہ سے توبہ کے سلسلے میں کہتا ہے:"اور یاد کرو اس وقت کو جب موسی نے اپنی قوم سے کہا :اے قوم تم نے بچھڑے کو منتخب کر کے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، اب جو ایسا ہوگیا ہے تو توبہ کرو اور اپنے پیدا کرنے والے کی طرف پلٹ آئو"_

"تمہاری توبہ اس طرح ہونی چاہیئے کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو_یہ کام تمہارے لئے تمہارے خالق کی بارگاہ میں بہتر ہے_اس ماجرے کے بعد خدا نے تمہاری توبہ قبول کرلی جو تواب و رحیم ہے"_[(۱)]

اس میں شک نہیں کہ سامری کے بچھڑے کی پرستش و عبادت کوئي معمولی بات نہ تھی وہ قوم جو خدا کی یہ تمام آیات دیکھ چکی تھی اور اپنے عظیم پیغمبر کے معجزات کا مشاہدہ کرچکی تھی ان سب کو بھول کر پیغمبر کی ایک مختصر سی غیبت میں اصل توحید اور آئین خداوندی کو پورے طور پر پائوں تلے روندڈالے اور بت پرست ہوجائے_

اب اگر یہ بات ان کے دماغ سے ہمیشہ کے لئے جڑ سے نہ نکالی جاتی تو خطرناک حالت پیدا ہونے کا اندیشہ تھا اور ہر موقعے کے بعد اور خصوصاً حضرت موسی علیہ السلام کی زندگی کے بعد ممکن تھا ان کی دعوت کی تمام آیات ختم کردی جاتیں اور اس عظیم قوم کی تقدیر مکمل طور پر خطرے سے دوچار ہوجاتي_

اکٹھا قتل

یہاں شدت عمل سے کام لیا گیا اور صرف پشیمانی اور زبان سے اظہار توبہ پر ہرگز قناعت نہ کی گئي_یہی وجہ ہے کہ خدا کی طرف سے ایسا سخت حکم صادر ہوا جس کی مثال تمام انبیاء کی طویل تاریخ میں کہیں

---

(۱)سورہ بقرہ آیت ۵۴

نہیں ملتی اور وہ یہ کہ توبہ اور توحید کی طرف بازگشت کے سلسلے میں گناہگاروں کے کثیر گروہ کے لئے اکٹھا قتل کرنے کا حکم دیا گیا_یہ فرمان بھی ایک خاص طریقے سے جاری ہونا چاہیئےھا اور وہ یہ ہوا کہ وہ لوگ خود تلواریں ہاتھ میں لے کر ایک دوسرے کو قتل کریں کہ ایک اس کا اپنا مارا جانا عذاب ہے اور دوسرا دوستوں اور شناسائوں کا قتل کرنا_

بعض روایات کے مطابق حضرت موسی علیہ السلام نے حکم دیا کہ ایک تاریک رات میں وہ تمام لوگ جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی غسل کریں کفن پہن لیں اور صفیں باندھ کر ایک دوسرے پر تلوار چلائیں_

ممکن ہے یہ تصور کیا جائے کہ یہ توبہ کیوں اتنی سختی سے انجام پذیر ہوئی کیا یہ ممکن نہ تھا کہ خدا ان کی توبہ کو بغیر اس خونریزی کے قبول کرلیتا_

اس سوال کا جواب گذشتہ گفتگو سے واضح ہوجاتا ہے کیونکہ اصل توحید سے انحراف اور بت پرستی کی طرف جھکائو کا مسئلہ اتنا سادہ اور آسان نہ تھا کہ اتنی آسانی سے درگذر کردیا جاتا اور وہ بھی ان واضح معجزات اور خدا کی بڑی بڑی نعمتوں کے مشاہدے کے بعد_ در حقیقت ادیان آسمانی کے تمام اصولوں کو توحید اوریگانہ پرستی میں جمع کیا جاسکتا ہے_اس اصل کا متزلزل ہونا دین کی تمام بنیادوں کے خاتمے کے برابر ہے اگر گائوپرستی کے مسئلے کو آسان سمجھ لیا جاتا تو شاید آنے والے لوگوں کے لئے سنت بن جاتا_

خصوصاً بنی اسرائیل کے لئے جن کے بارے میں تاریخ شاہد ہے کہ ضدی اور بہانہ باز لوگ تھے_ لہذا چاہئے تھا کہ ان کی ایسی گوشمالی کی جائے کہ اس کی چبھن تمام صدیوں اور زمانوں تک باقی رہ جائے اور اس کے بعد کوئی شخص بت پرستی کی فکر میں نہ پڑے_

خدا کی آیات کو مضبوطی سے پکڑلو

عظیم اسلامی مفسر مرحوم طبرسي، ابن زید کا قول اس طرح نقل کرتے ہیں :جس وقت حضرت موسی علیہ السلام کوہ طور سے واپس آئے اور اپنے ساتھ توریت لائے تو اپنی قوم کو بتایا کہ میں آسمانی کتاب لے کر آیا ہوں جو دینی احکام اور حلال و حرام پر مشتمل ہے_ یہ وہ احکام ہیں جنہیں خدا نے تمہارے لئے عملی پروگرام

قرار دیا ہے_ اسے لے کر اس کے احکام پر عمل کرو_ اس بہانے سے کہ یہ ان کے لے مشکل احکام ہیں ،یہودی نافرمانی اور سرکشی پر تل گئے_ خدا نے بھی فرشتوں کو مامور کیا کہ وہ کوہ طور کا ایک بہت بڑا ٹکڑا ان کے سروں پر لاکر کھڑا کردیں ،اسی اثناء میں حضرت موسی علیہ السلام نے انہیں خبردی کہ عہد وپیمان باندھ لو، احکام خداپر عمل کرو، سرکشی و بغاوت سے توبہ کرو تو تم سے یہ عذاب ٹل جائے گا ورنہ سب ہلاک ہو جاؤ گے_

اس پر انہوں نے سر تسلیم خم کردیا_ توریت کو قبول کیا اور خدا کے حضور میں سجدہ کیا_ جب کہ ہر لحظہ وہ کوہ طور کے اپنے سروں پر گرنے کے منتظر تھے لیکن بالآخر ان کی توبہ کی وجہ سے عذاب الہی ٹل گیا_

یہ نکتہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ کوہ طور کے بنی اسرائیل کے سروں پر مسلط ہونے کی کیفیت کے سلسلے میں مفسرین کی ایک جماعت کا اعتقاد ہے کہ حکم خدا سے کوہ طور اپنی جگہ سے اکھڑ گیا اور سائبان کی طرح ان کے سروں پر مسلط ہو گیا_

جبکہ بعض دوسرے مفسرین یہ کہتے ہیں کہ پہاڑمیں سخت قسم کا زلزلہ آیا ،پہار اس طرح لرزنے اور حرکت کرنے لگا کہ کسی بھی وقت وہ ان کے سروں پر آگرے گا لیکن خدا کے لطف و کرم سے زلزلہ رک گیا اورپہاڑ اپنی جگہ پر قائم ہوگیا_

یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ پہاڑ کا ایک بہت بڑا ٹکڑا زلزلے اور شدید بجلی کے زیر اثر اپنی جگہ سے اکھڑ کر ان کے سروں کے اوپر سے بحکم خدا اس طرح گزرا ہو کہ چند لحظے انہوں نے اسے اپنے سروں پر دیکھا ہو اور یہ خیال کیا ہو کہ وہ ان پر گرنا چاہتا ہے لیکن یہ عذاب ان سے ٹل گیا اور وہ ٹکڑا کہیں دور جا گرا_ (۱)

---

(۱) کیا اس عہد وپیمان میں جبر کا پہلو ہے: اس سوال کے جواب میں بعض کہتے ہیں کہ ان کے سروں پر پہاڑ کا مسلط ہونا ڈرانے دھمکانے کے طور پر تھا نہ کہ جبر و اضطرار کے طور پر ورنہ جبری عہد و پیمان کی تو کوئی قدرو قیمت نہیں ہے_ لیکن زیادہ صحیح یہی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ سرکش او رباغی افراد کو تہدید و سزا کے ذریعے حق کے سامنے جھکادیا جائے_ یہ تہدید اور سختی جو وقتی طور پر ہے ان کے غرور کو توڑدے گی_ انہیں صحیح غور و فکر پر ابھارے گی اور اس راستے پر چلتے چلتے وہ اپنے ارادہ و اختیار سے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے لگیں گے_ بہر حال یہ پیمان زیادہ تر عملی پہلوئوں سے مربوط تھا ورنہ عقائد کو تو جبر و اکراہ سے نہیں بدلا جاسکتا_

ایئے_ واقعہ کی تفصیل قرآن میں پڑھتے ہیں کہ:"اور (وہ وقت کہ)جب ہم نے تم سے عہد لیا اورکوہ طور کو تمہارے سروں کے اوپر مسلط کردیا اور تمہیں کہا کہ،جو کچھ (آیات و احکام میں)ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے تھامو اور جوکچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو (اور اس پر عمل کرو)شاید اس طرح تم پرہیزگار ہوجائو"_[1]

اس کے بعد پھر تم نے روگردانی کی اور اگر تم پر خدا کا فضل و رحمت نہ ہوتا تو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوتے"_[2]

اس عہد وپیمان میں یہ چیزیں شامل تھیں:

پروردگار کی توحید پر ایمان رکھنا،ماں باپ، عزیز و اقارب،یتیم اور حاجتمندو ں سے نیکی کرنا اور خونریزی سے پرہیز کرنا_

یہ کلی طورپر ان صحیح عقائد اور خدائی پروگراموں کے بارے میں عہد وپیمان تھا جن کا توریت میں ذکر کیا گیا تھا_

کوہ طور

کوہ طورسے مرادیہاں اسم جنس ہے یا یہ مخصوص پہاڑ ہے_اس سلسلے میں دو تفسیریں موجودہیں_بعض کہتے ہیں کہ طور اسی مشہورپہاڑکی طرف اشارہ ہے جہاں حضرت موسی علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی_

لیکن بعض کے نزدیک یہ احتمال بھی ہے کہ طور لغوی معنی کے لحاظ سے مطلق پہاڑ ہے_یہ وہی چیز ہے جسے سورہ اعراف کی آیہ ۱۷۱ میں "جبل"سے تعبیر کیا گیا ہے:

توریت کیا ہے

توریت عبرانی زبان کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے"شریعت"اور"قانون"_یہ لفظ خدا کی طرف سے

---

(۱)سورہ بقر آیت ۶۳

(۲)سورہ بقرہ آیت ۶۴

حضرت موسی علیہ السلام بن عمران پر نازل ہونے والی کتاب کے لئے بولا جاتا ہے۔نیز بعض اوقات عہد عتیق کی کتب کے مجموعے کے لئے اور کبھی کبھی توریت کے پانچوں اسفار کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہودیوں کی کتب کے مجموعے کو عہد عتیق کہتے ہیں۔اس میں توریت اور چند دیگر کتب شامل ہیں۔

توریت کے پانچ حصے ہیں:

جنہیں سفر پیدائش، سفر خروج، سفر لاویان، سفر اعداد اور سفر تثنیہ کہتے ہیں۔ اس کے موضوعات یہ ہیں:

۱)کائنات، انسان اور دیگر مخلوقات کی خلقت۔

۲)حضرت موسی (ع) بن عمران، گذشتہ انبیاء اور بنی اسرائیل کے حالات وغیرہ۔

۳)اس دین کے احکام کی تشریح۔

عہد عتیق کی دیگر کتابیں دراصل حضرت موسی علیہ السلام کے بعد کے مورخین کی تحریر کردہ ہیں۔ ان میں حضرت موسی (ع) بن عمران کے بعد کے نبیوں، حکمرانوں اور قوموں کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

یہ بات بغیر کہے واضح ہے کہ توریت کے پانچوں اسفار سے اگر صرف نظر کرلیا جائے تو دیگر کتب میں سے کوئی کتاب بھی آسمانی کتاب نہیں ہے۔ خود یہودی بھی اس کا دعوی نہیں کرتے۔یہاں تک کہ حضرت داود(ع) سے منسوب زبور جسے وہ "مزامیر" کہتے ہیں، حضرت داود(ع) کے مناجات اور پندو نصائح کی تشریح ہے۔

رہی بات توریت کے پانچوں سفروں کی تو ان میں ایسے واضح قرائن موجود ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ وہ بھی آسمانی کتابیں نہیں ہیں بلکہ وہ تاریخی کتاب ہیں جو حضرت موسی علیہ السلام کے بعد لکھی گئي ہیں کیونکہ ان میں حضرت موسی علیہ السلام کی وفات، ان کے دفن کی کیفیت اور ان کی وفات کے بعد کے کچھ حالات مذکور ہیں۔

خصوصاً سفر تثنیہ کے آخری حصے میں یہ بات وضاحت سے ثابت ہوتی ہے کہ یہ کتاب حضرت موسی

بن عمران علیہ السلام کی وفات سے کافی مدت بعد لکھی گئی ہے۔

علاوہ ازیں ان کتب میں بہت سی خرافات اور ناروا باتیں انبیاء و مرسلین سے منسوب کردی گئی ہیں۔ بعض بچگانہ باتیں بھی ہیں جو ان کے خود ساختہ اور جعلی ہونے پر گواہ ہیں نیز بعض تاریخی شواہد بھی نشاندہی کرتے ہیں کہ اصلی توریت غائب ہوگئی اور پھر حضرت موسی (ع) بن عمران علیہ السلام کے پیروکاروں نے یہ کتابیں تحریر کیں۔

۵ انبیاء علیہم السلام کے واقعات

حضرت خضر علیہ السلام

ابی بن کعب نے ابن عباس کی وساطت سے پیغمبر اکرم(ص) کی ایک حدیث اس طرح نقل کی ہے:

"ایک دن موسی علیہ السلام بنی اسرائیل سے خطاب کررہے تھے_کسی نے آپ(ع) سے پوچھا روئے زمین پر سب سے زیادہ علم کون رکھتا ہے_تو موسی علیہ السلام نے کہا مجھے اپنے آپ سے بڑھ کر کسی کے عالم ہونے کا علم نہیں_ اس وقت موسی علیہ السلام کو وحی ہوئي کہ ہمارا ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے کہ جو تجھ سے زیادہ عالم ہے_ اس قت موسی علیہ السلام نے درخواست کی کہ میں اس عالم کی زیارت کرنا چاہتا ہوں_اس پر اللہ نے انہیں ان سے ملاقات کی راہ بتائي"_

یہ درحقیقت حضرت موسی علیہ السلام کو تنبیہ تھی کہ اپنے تمام تر علم و فضل کے باوجود اپنے آپ کو افضل ترین نہ سمجھیں_ (۱)

---

(۱) لیکن یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ کیا ایک اولوالعزم صاحب رسالت و شریعت شخص کو اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم نہیں ہونا چاہئے؟ اس سوال کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اپنی ماموریت کی قلمرو میں نظام تشریع میں اسے سب سے بڑا عالم ہونا چاہیئےور حضرت موسی علیہ السلام اسی طرح تھے لیکن ان کی ماموریت کی قلمرو ان کے عالم دوست کی قلمرو سے الگ تھي_ ان کے عالم دوست کی ماموریت کا تعلق عالم بشریت سے نہ تھا_ دوسرے لفظوں میں وہ عالم ایسے اسرار سے آگاہ تھے کہ جو دعوت نبوت کی بنیاد نہ تھے.-->

حضرت موسی علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کہ جو اس زمانے کے بڑے عالم تھے ان کا واقعہ بھی عجیب ہے۔یہ واقعہ نشاندہی کرتا ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام جیسے اولو العزم پیغمبر کہ جو اپنے ماحول کے آگاہ ترین اور عالم ترین فرد تھے،بعض پہلوئوں سے ان کا علم بھی محدود تھا لہذا وہ استاد کی تلاش میں نکلے تاکہ اس سے درس لیں، استاد نے بھی ایسے درس دیئے کہ جن میں سے ہر ایک دوسرے سے عجیب ترہے۔ اس داستان میں بہت سے اہم نکات پوشیدہ ہیں۔

حضرت موسی، جناب خضر کی تلاش میں

حضرت موسی علیہ السلام کو کسی نہایت اہم چیزی کی تلاش تھي۔وہ اس کی جستجو میں دربدر پھر رہے تھے۔وہ عزم بالجزم اور پختہ ارادے سے اسے ڈھونڈرہے تھے۔وہ ارادہ کئے ہوئے تھے کہ جب تک اپنا مقصود نہ پالیں چین سے نہیں بیٹھیں گے۔

حضرت موسی علیہ السلام جس کی تلاش پر مامور تھے اس کا آپ(ع) کی زندگی پر بہت گہرا اثر ہوا اور اس نے آپ(ع) کی زندگی کا نیا باب کھول دیا۔جی ہاں وہ ایک مرد عالم و دانشمند کی جستجو میں تھے۔ایسا عالم کہ جو حضرت موسی علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے سے بھی حجاب ہٹا سکتا تھا اور انہیں نئے حقائق سے روشناس کرواسکتا تھا اور ان کے لئے علوم و دانش کے تازہ باب کھول سکتا تھا۔

اتفاقاً ایک حدیث کہ جو امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے اسمیں صراحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ حضرت موسی (ع) حضرت خضر(ع) سے زیادہ عالم تھے یعنی علم شریعت میں۔

شاید اس سوال کا جواب نہ پانے کی وجہ سے اور نسیان سے مربوط سوال کا جواب نہ پانے کے سبب بعض نے ان آیات میں جن موسی علیہ السلام کا ذکر ہے اسے موسی بن عمران تسلیم کرنے سے انکار کردیا ہے۔

ایک حدیث کہ جو حضرت علی بن موسی رضا علیہ السلام سے نقل ہوئي ہے اس سے بھی یہ نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا دائرہ کار اور قلمرو ایک دوسرے سے مختلف تھی اور ہر ایک دوسرے سے اپنے کام میں زیادہ عالم تھا۔

ہم اس سلسلے میں جلد پڑھیں گے کہ اس عالم بزرگ کی جگہ معلوم کرنے کے لئے حضرت موسی علیہ السلام کے پاس ایک نشانی تھی اور وہ اس نشانی کے مطابق ہی چل رہے تھے_

قرآن کہتا ہے: وہ وقت یاد کرو جب موسی نے اپنے دوست اور ساتھی جوان سے کہا کہ میں تو کوشش جاری رکھوں گا جب تک" مجمع البحرین"تک نہ پہنچ جائوں، اگرچہ مجھے یہ سفر لمبی مدت تک جاری رکھنا پڑے"_(۱)

مجمع البحرین کا مطلب ہے دو دریائوں کا سنگم_ اس سلسلے میں مفسرین میں اختلاف ہے کہ "بحرین"سے یہاں کون سے دو دریا ہیں_ اس سلسلے میں تین مشہور نظریئےہیں:

۱_ خلیج عقبہ اور خلیج سویز کے ملنے کی جگہ_ ہم جانتے ہیں کہ بحیرہ احمر دو حصوں میں تقسیم ہوجاتا ہے_ ایک حصہ شمال مشرق کی طرف بڑھتا رہتا ہے اور دوسرا شمال مغرب کی طرف پہلے حصے کو خلیج عقبہ کہتے ہیں اور دوسرے کو خلیج سویز اور یہ دونوں خلیجیں جنوب میں پہنچ کر آپس میں مل جاتی ہیں اور پھر بحیرہ احمر اپنا سفر جاری رکھتا ہے_

۲_ اس سے بحر ہند اور بحیرہ احمر کے ملنے کی طرف اشارہ ہے کہ جو باب المندب پر جاملتے ہیں_

۳_ یہ بحیرہ روم اور بحر اطلس کے سنگم کی طرف اشارہ ہے کہ جو شہر طنجہ کے پاس جبل الطارق کا تنگ دہانہ ہے_

تیسری تفسیر تو بہت ہی بعید نظر آتی ہے کیونکہ حضرت موسی علیہ السلام جہاں رہتے تھے وہاں سے جبل الطارق کا فاصلہ اتنا زیادہ ہے کہ اس زمانے میں حضرت موسی علیہ السلام اگر عام راستے سے وہاں جاتے تو کئي ماہ لگ جاتے_

دوسری تفسیر میں جس مقام کی نشاندہی کی گئي ہے اس کا فاصلہ اگرچہ نسبتاًکم بنتا ہے لیکن اپنی حد تک وہ

---

(۱)سورہ کہف آیت ۶۰

بھی زیادہ ہے کیونکہ شام سے جنوبی یمن میں فاصلہ بھی بہت زیادہ ہے_

پہلا احتمال زیادہ صحیح معلوم ہوتاہے کیونکہ حضرت موسی علیہ السلام جہاں رہتے تھے وہاں سے یعنی شام سے خلیج عقبہ تک کوئي زیادہ فاصلہ نہیں ہے_ ویسے بھی قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام نے کوئي زیادہ سفر طے نہیں کیا تھا اگرچہ مقصد تک پہنچنے کے لئے بہت زیادہ سفر کے لئے بھی تیار تھے_

عرصہ دراز تک جناب خضر علیہ السلام کی تلاش

بعض لوگوں نے جناب موسی علیہ السلام کے اس قول کے ،کہ انھوں نے کہا:"میں اس وقت تک کوشش کروں گا بج تک اپنا مقصد حاصل نہ کرلوں" کے بارے میں کہا ہے :کہ لفظ"حقب"، "عرصہ دراز" کے معنی میں ہے_ بعض نے اس کی ۸۰ / سال سے تفسیر کی ہے_ اس لفظ سے حضرت موسی علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ مجھے جس کی تلاش ہے میں اسے ڈھونڈھ کے رہوں گا چاہے اس مقصد کے لئے مجھے سالہا سال تک سفر جاری رکھنا پڑے_

"بہر حال جس وقت وہ ان دو دریائوں کے سنگم پر جاپہنچے تو ایک مچھلی کہ جو ان کے پاس تھی اسے بھول گئے"_[(۱)]

لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ" مچھلی نے دریا میں اپنی راہ لی اور چلتی بنی"_[(۲)]

یہ مچھلی جو ظاہراً ان کے پاس غذا کے طور پر تھي_ کیا بھونی ہوئي تھی اور اسے نمک لگا ہوا تھا یا یہ تازہ مچھلی تھی کہ جو معجزانہ طور پر زندہ ہوکر اچھل کر پانی میں جاکر تیرنے لگی_

اس سلسلے میں مفسرین میں اختلاف ہے_بعض کتب تفاسیر میں یہ بھی ہے کہ اس علاقے میں آب حیات کا چشمہ تھا_ اس کے کچھ قطرات مچھلی پر پڑگئے جس سے مچھلی زندہ ہوگئي_

---

(۱)سورہ کہف آیت ۶۱

(۲)سورہ کہف آیت ۶۱

لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ مچھلی ابھی پوری طرح مری نہ تھی کیونکہ بعض مچھلیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو پانی سے نکلنے کے بعد بہت دیر تک نیم جاں صورت میں رہتی ہیں اور اس مدت میں پانی میں گر جائیں تو ان کی معمول کی زندگی پھر شروع ہوجاتی ہے_

آخر کار موسی علیہ السلام اور ان کے ہمراہی دو دریائوں کے سنگم سے آگے نکل گئے تو لمبے سفر کے باعث انہیں خستگی کا احساس ہوا اور بھوک بھی ستانے لگی_ اس وقت موسی علیہ السلام کو یاد آیا کہ غذا تو ہم ہمراہ لائے تھے، لہذا انہوں نے اپنے ہمسفر دوست سے کہا: ہمارا کھانا لائیے س سفر نے تو بہت تھکا دیا ہے_(۱)

اس وقت "ان کے ہمسفر نے انہیں خبردی کہ آپ کو یاد ہے کہ جب ہم نے اس پتھر کے پاس پناہ لی تھي(اور آرام کیا تھا)تو مجھے مچھلی کے بارے میں بتانا یاد نہ تھا اور شیطان ہی تھا جس نے یہ بات مجھے بھلادی تھي_ ہوا یہ کہ مچھلی نے بڑے حیران کن طریقے سے دریا کی راہ لی اور پانی میں چلتی بني"_(۲)

یہ معاملہ چونکہ موسی علیہ السلام کے لئے اس عالم بزرگ کو تلاش کرنے کے لئے نشانی کی حیثیت رکھتا تھا لہذا موسی علیہ السلام نے کہا:"یہی تو ہمیں چاہیئے تھا اوریہی چیز تو ہم ڈھونڈتے پھرتے تھے"_(۳)

"اور اس وقت وہ تلاش کرتے ہوئے اسی راہ کی طرف پلٹے"_(۴)

عظیم استاد کی زیارت

قرآن اس داستان کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتا ہے:جس وقت موسی علیہ السلام اور ان کے ہمسفر دوست "مجمع البحرین "اورپتھر کے پاس پلٹ کر آئے تو" اچانک ہمارے بندوں میں سے ایک بندے سے ان کی ملاقات ہوگئي_ وہ بندہ کہ جس پر ہم نے اپنی رحمت کی تھی اور جسے ہم نے بہت سے علم و دانش سے نوازا تھا"_(۵)

---

(۱)سورہ کہف آیت ۶۲ (۲)سورہ کہف آیت ۶۳ (۳)سورہ کہف آیت ۶۴

(۴)سورہ کہف آیت ۶۴ (۵)سورہ کہف آیت ۶۵

اس وقت حضرت موسی علیہ السلام نے بڑے ادب سے اس عالم بزرگ کی خدمت میں عرض کیا: "کیا مجھے اجازت ہے کہ میں آپ کی پیروی کروں تاکہ جو علم آپ کو عطا کیا گیا ہے اور جو باعث رشد و صلاح ہے، مجھے بھی تعلیم دیں "_[1] لیکن بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس عالم نے موسی علیہ السلام سے کہا: "تم میرے ساتھ ہر گز صبر نہ کرسکو گے"_[2] ساتھ ہی اس کی وجہ اور دلیل بھی بیان کردی اور کہا: "تم اس چیز پر کیسے صبر کر سکتے ہو جس کے اسرار سے تم آگا ہی نہیں رکھتے"؟[3] جیسا کہ ہم بعد میں دیکھیں گے یہ عالم، اسرار و حوادث کے باطنی علوم پر دسترس رکھتا تھا جبکہ حضرت موسی علیہ السلام نہ باطن پر مامور تھے اور نہ ان کے بارے میں زیادہ آگاہی رکھتے تھے_

ایسے مواقع پر ایسا بہت ہوتا ہے کہ حوادث کے ظاہر سے ان کا باطن مختلف ہوتا ہے، بعض اوقات کسی واقعے کا ظاہر احمقانہ اور ناپسندیدہ ہوتا ہے جبکہ باطن میں بہت مقدس منطقی اور سوچا سمجھا ہوتا ہے ایسے مواقع پر جو شخص ظاہر کو دیکھتا ہے وہ اس پر صبر نہیں کرپاتا اور اس پر اعتراض کرتا ہے یا مخالفت کرنے لگتا ہے_

لیکن وہ استاد کہ جو اسرار دروں سے آگاہ ہے اور معاملے کے باطن پر نظر رکھتا ہے وہ بڑے اطمینان اور ٹھنڈے دل سے کام جاری رکھتا ہے اور اعتراض اور واویلا پر کان نہیں دھرتا بلکہ مناسب موقع کے انتظار میں رہتا ہے تاکہ حقیقت امر بیان کرے جبکہ شاگرد بے تاب رہتا ہے لیکن جب اسرار اس پر کھل جاتے ہیں تو اسے پوری طرح سکون و قرار آجاتا ہے_

حضرت موسی علیہ السلام یہ بات سن کر پریشان ہوئے، انہیں خوف تھا کہ اس عالم بزرگ کا فیض ان سے منقطع نہ ہو لہذا انہوں نے وعدہ کیا کہ تمام امور پر صبر کریں گے اور کہا انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی کام میں آپ کی مخالفت نہیں کروں گا_[4]

---

(۱) سورہ کہف آیت ۶۶

(۲) سورہ کہف آیت ۶۷

(۳) سورہ کہف آیت ۶۸

(۴) سورہ کہف آیت ۶۹

یہ کہہ کر حضرت موسی علیہ السلام نے پھر انتہائي ادب و احترام اور خدا کی مرضی پر اپنے بھروسے کا اظہار کیا_

آپ نے اس عالم سے یہ نہیں کہا کہ میں صابر ہوں بلکہ کہتے ہیں: انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے_ لیکن چونکہ ایسے واقعات پر صبر کرنا کہ جو ظاہراً ناپسندیدہ ہوں اور انسان جن کے اسرار سے آگاہ نہ ہوکوئي آسان کام نہیں اس لئے اس عالم نے حضرت موسی علیہ السلام کو خبردار کرتے ہوئے پھر عہد لیا "اور کہا اچھا اگر تم میرے پیچھے پیچھے آنا چاہتے ہو تو دیکھو خاموش رہنا اور کسی معاملے پر سوال نہ کرنا جب تک کہ مناسب موقع پر میں خود تم سے بیان نہ کردوں"_[۱]

جناب موسی (ع) نے پھر دوبارہ وعدہ کیا اور استاد کے ساتھ ہولئے_

خدائي معلم اور یہ ناپسندیدہ کام؟

"موسی (ع) اس عالم ربانی کے ساتھ چل پڑے_ چلتے چلتے ایک کشتی تک پہنچے اور اس میں سوار ہوگئے"_[۲]

یہاں سے ہم دیکھتے ہیں کہ اب قرآن تثنیہ کی ضمیر استعمال کرنے لگا ہے_ یہ اشارہ ہے حضرت موسی علیہ السلام اور اس عالم بزرگوار کی طرف_ یہ امر نشاندہی کرتا ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کے ہمسفر یوشع(ع) کی ماموریت اس مقام پر ختم ہوگئي تھی اور وہ یہاں سے پلٹ گئے تھے یا پھر یہ ہے کہ وہ موجود تو تھے لیکن اس معاملے سے ان کا تعلق نہیں تھا لہذا انہیں یہاں نظرانداز کردیا گیا ہے_ لیکن پہلا احتمال زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے_

"بہرحال وہ دونوں کشتی پر سوار ہوگئے تو اس عالم نے کشتی میں سوراخ کردیا"_[۳]

حضرت موسی علیہ السلام چونکہ ایک طرف تو اللہ کے عظیم نبی بھی تھے، الہذاانہیں لوگوں کی جان ومال

---

(۱)سورہ کہف ایت ۷۰

(۲)سورہ کہف ایت ۷۱

(۳)سورہ کہف آیت ۷۱

کا محافظ بھی ہونا چاہیئے تھا او رانہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی کرنا چاہتے تھا اور دوسری طرف ان کا انسانی ضمیر اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ وہ اس قسم کے غلط کام پر خاموشی اختیار کریں لہذا حضرت خضر کے ساتھ ان کا جو معاہدہ ہوا تھا اسے ایک طرف رکھا اور اس کام پر اعتراض کردیا اور "کہا:

کیا آپ نے اہل کشتی کو غرق کرنے کے لئے اس میں سوراخ کردیا ہے واقعاً آپ نے کس قدر برا کام انجام دیا ہے"_[۱]

واقعاًیہ کام کتنا حیرت انگیز ہے کہ کسی کشتی میں بہت سے مسافر سوار ہوں اور اس میں سوراخ کردیا جائے ؟

بعض روایات میں ہے کہ اہل کشتی جلدہی متوجہ ہوگئے اور انہوں نے اس سوارخ کو کسی چیز کے ذریعے سے پر کردیا لیکن اب وہ کشتی صحیح نہیں رہ گئي تھی_

اس وقت اس عالم نے بڑی متانت کے ساتھ موسی پر نگاہ ڈالی اور "کہا: میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کرسکو گے"_[۲]

اس واقعے کی اہمیت کے پیش نظر حضرت موسی کی عجلت اگرچہ فطری تھی تاہم وہ پشیمان ہوئے انہیں اپنا معاہدہ یاد آیا لہذا معذرت آمیز لہجے میں استاد سے "کہا اس بھول پر مجھ سے مواخذہ نہ کیجئے اور اس کام پر مجھ پر سختگیری نہ کیجئے "_[۳]

کیوں اس بچے کو قتل کررہے ہو؟

ان کا دریائی سفر ختم ہوگیا وہ کشتی سے اتر آئے ،"سفر جاری تھا اثنائے راہ میں انہیں ایک بچہ ملا لیکن اس عالم نے کسی تمہید کے بغیر ہی اس بچے کو قتل کردیا"_[۴]

---

(۱)سورہ کہف آیت ۷۱

(۲)سورہ کصف آیت ۷۲

(۳)سورہ کہف آیت ۷۳

(۴)سورہ کصف آیت ۷۴

حضرت موسی (ع) سے پھر نہ رہا گیا یہ نہایت وحشتناک منظر تھا بلا جواز اور بے وجہ ایک بے گناہ بچے کا قتل، ایسی چیز نہ تھی کہ حضرت موسی خاموش رہ سکتے آپ غصے سے آگ بگولہ ہوگئے غم واندوہ اور غصے کا یہ عالم تھا کہ آپ نے پھر اپنے معاہدے کو نظر انداز کرتے ہوئے اب کی شدید تر اور واضح تر اعتراض کیا یہ واقعہ بھی پہلے واقعے کی نسبت زیادہ وحشتناک تھا وہ کہنے لگے:"کیا آپ نے ایک بے گناہ اور پاک انسان کو قتل کردیا ہے جبکہ اس نے کسی کو قتل نہیں کیا، واقعاً آپ نے کیسا برا کام انجام دیا ہے_"[1][2]اس عالم بزرگوار نے پھر اپنے خاص اطمینان اور نرم لہجے میں وہی جملہ دہرایا: " کہا: میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ تم ہرگز میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے"_[3]

حضرت موسی علیہ السلام کو اپنا عہد یاد آگیا انہیں بہت احساس شرمندگی ہورہا تھا کیونکہ دومرتبہ یہ پیمان ٹوٹ چکا تھا چاہے بھول کرہی ایسا ہوا ہو انہیں خیال آرہا تھا کہ ہوسکتا ہے استاد کی بات صحیح ہو کہ انہوں نے تو پہلے ہی واضح کردیا تھا کہ ابتدا میں ان کے کام موسی کے لئے ناقابل برداشت ہوں گے_

موسی (ع) نے پھر عذر خواہی کے لہجے میں کہا کہ اس دفعہ بھی مجھ سے صرف نظر کیجئے اور میری بھول چوک کو نظر انداز کردیجئے اور" اگر اس کے بعد میں آپ کے کاموں کے بارے میں وضاحت کا تقاضا کروں (اور آپ پر اعتراض کروں) تو پھر بے شک مجھے ساتھ نہ رکھیں اور اس صورت میں آپ میری استادی سے معذور ہوں گے"[4]

---

(۱)سورہ کہف آیت ۷۴

(۲) لفظ" غلام" جو ان نورس کے معنی میں ہے وہ حد بلوغ کو پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو_

جس نوجوان کو اس عالم نے قتل کیا تھا وہ حد بلوغ کو پہنچا ہوا تھا یا نہیں اس سلسلے میں مفسرین میں اختلاف ہے_

بعض نے" نفسا زکیۃ"(پاک اور بے گناہ انسان) کی تعبیر کو اس بات کی دلیل بنایا ہے کہ وہ بالغ تھا کیونکہ قصاص صرف بالغ سے لیا جاسکتا ہے_ البتہ آیت کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اس سلسلے میں حتمی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا_

(۳)سورہ کہف آیت ۷۵

(۴)سورہ کہف آیت ۷۶

یہ جملہ حضرت موسی (ع) کی انصاف پسندي، بلند نظری اور اعلی ظرفی کی حکایت کرتا ہے اور نشاندہی کرتا ہے کہ وہ ایک حقیقت کے سامنے سر جھکادینے والے تھے اگرچہ وہ کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہو ـ

دوسرے لفظوں میں تین بار کی آزمائش سے یہ واضح ہوجائے گا کہ ان دونوں کی ماموریت الگ الگ ہے اور اس کا نباہ نہیں ہوسکتا ـ

اپنے کام کی مزدوری لے لو

اس گفتگو اور نئے معاہدے کے بعد"موسی (ع) اپنے استاد کے ساتھ چل پڑے ،چلتے چلتے وہ ایک بستی میں پہنچے انہوں نے اس بستی والوں سے کھانا مانگا لیکن بستی والوں نے انہیں مہمان بنانے سے انکار کردیا "[1]

اس میں شک نہیں کہ حضرت موسی اور حضرت خضر(ع) کوئي ایسے افراد نہ تھے کہ اس بستی کے لوگوں پر بوجھ بننا چاہتے تھے،ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا زاد وتوشہ راستے میں کہیں دے بیٹھے تھے یا پھر ختم ہوگیا تھا لہذاوہ چاہتے تھے کہ بستی والوں کے مہمان ہوجائیں (یہ احتمال بھی ہے کہ اس عالم نے جان بوجھ کر لوگوں سے ایسا کہا ہوتاکہ حضرت موسی کو ایک اوردرس دیا جاسکے)ـ[2]

بہر حال مفسرین میں اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ یہ شہر کونسا تھا اور کہاں واقع تھا ابن عباس سے منقول ہے کہ یہ شہر "انطاکیہ" تھا ـ

بعض نے کہا ہے کہ یہاں " ایلہ " شہر مراد ہے کہ جو آج کل " ایلات "نام کی مشہور بندرگاہ ہے اور بحیرہ احمر کے کنارے خلیج عقبہ کے نزدیک واقع ہے ـ

---

(۱)سورہ کہف آیت ۷۷

(۲)اس نکتے کی یاددہانی بھی ضروری ہے کہ " قریۃ" قرآن کی زبان میں ایک عام مفہوم رکھتا ہے اور ہر قسم کے شہر اور آبادی کے معنی میں آیا ہے لیکن یہاں خصوصیت سے شہر مراد ہے کیونکہ چند آیات کے بعد اس کے لئے لفظ " المدینہ"(یعنی شہر) آیا ہے ـ

بعض دوسروں کا نظریہ ہے کہ اس سے "ناصرہ"شہر مراد ہے کہ جو فلسطین کے شمال میں واقع ہے اور حضرت عیسی کی جائے پیدائش ہے_

مرحوم طبرسی نے اس مقام پر حضرت امام جعفرصادق علیہ السلام کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ جو آخری احتمال کی تائید کرتی ہے_

مجمع البحرین کے بارے میں ہم کہہ چکے ہیں کہ اس سے مراد" خلیج عقبہ" اور" خلیج سویز"کا سنگم ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ شہر ناصرہ اور بندرگاہ ایلہ اس جگہ سے انطاکیہ کی نسبت زیادہ قریب ہیں_

بہرصورت جو کچھ حضرت موسی علیہ السلام اور ان کے استاد کے ساتھ اس شہر میں پیش آیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کے رہنے والے بہت بخیل اور کم ظرف لوگ تھے پیغمبر اکرم (ص) سے اس شہر والوں کے بارے میں ایک حدیث منقول ہے کہ آپ نے فرمایا :"وہ کمینے اور کم ظرف لوگ تھے"_

قرآن کہتا ہے :"اس کے باوجود انہوں نے اس شہر میں ایک گرتی ہوئي دیوار دیکھی تو اس عالم نے اس کی مرمت شروع کردی اور اسے کھڑا کردیا_"(۱)اور اس کو ویرانی سے بچالیا_

حضرت موسی اس وقت تھکے ہوئے تھے انہیں بھوک بھی ستارہی تھي، کوفت الگ تھی وہ محسوس کررہے تھے اس آبادی کے نا سمجھ لوگوں نے ان کی اور ان کے استاد کی ہتک کی ہے دوسری طرف وہ دیکھے رہے تھے، اس بے احترامی کے باوجود حضرت خضر اس گرتی ہوئي دیوار کی تعمیر میں لگے ہوئے تھے جیسے ان کے سلوک کی مزدوری دے رہے ہوں وہ سوچ رہے تھے کہ کم ازکم استاد یہ کام اجرت لے کر ہی کرتے تاکہ کھانا تو فراہم ہوجاتا_

لہذا وہ اپنے معاہدے کو پھر بھول گئے انہوں نے پھر اعتراض کیا لیکن اب لہجہ پہلے کی نسبت ملائم اور نرم تھا" کہنے لگے: اس کام کی کچھ اجرت ہی لے لیتے"(۲)

---

(۱)سورہ کہف آیت ۷۷

(۲)سورہ کہف آیت ۷۷

درحقیقت حضرت موسی علیہ السلام یہ سوچ رہے تھے کہ یہ عدل تو نہیں کہ انسان ان لوگوں سے ایثار کا سلوک کرے کہ جو اس قدر فرومایہ اور کم ظرف ہوں۔دوسرے لفظوں میں نیکی اچھی چیز ہے مگر جب محل پر ہو، یہ ٹھیک ہے کہ برائی کے جواب میں نیکی کرنا مردان خدا کا طریقہ ہے لیکن وہاں کہ جہاں بروں کے لئے برائی کی تشویق کا باعث نہ ہو"

فراق دوست ،زندگی کے سخت ترین ایام

اس موقع پر اس عالم بزرگوار نے حضرت موسی سے آخری بات کہی کیونکہ گزشتہ تمام واقعات کی بناء پر انہیں یقین ہوگیا تھا کہ موسی ان کے کاموں کو برداشت نہیں کرسکتے لہذا فرمایا :" لواب تمہارے اور میرے درمیان جدائی کا وقت آگیا ہے جلد میں تمہیں ان امور کے اسرار سے آگاہ کروں گا کہ جن پر تم صبر نہ کرسکے"۔[(۱)]

حضرت موسی نے بھی اس پر کوئي اعتراض نہ کیا کیونکہ گزشتہ واقعے میں یہی بات وہ خود تجویز کرچکے تھے یعنی خود حضرت موسی پر یہ حقیقت ثابت ہوچکی تھی کہ ان کا نباہ نہیں ہوسکتا لیکن پھر بھی جدائی کی خبر موسی کے دل پر ہتھوڑے کی ضرب کی طرح لگی ایسے استاد سے جدائي کہ جس کا سینہ مخزن اسرار ہو، جس کی ہمراہی باعث برکت ہو اور جس کی ہر بات ایک درس ہو، جس کا طرز عمل الہام بخش ہو، جس کی پیشانی سے نور خدا ضوفشاں ہو اور جس کا دل علم الہی کا گنجینہ ہو ایسے رہبر سے جدائي باعث رنج و غم تھی لیکن یہ ایک ایسی تلخ حقیقت تھی جو موسی کو بہرحال قبول کرنا تھی۔

مشہور مفسر"ابو الفتوح رازي"کہتے ہیں کہ ایک روایت منقول ہے :

لوگوں نے حضرت موسی سے پوچھا: آپ کی زندگی میں سب سے بڑی مشکل کونسی تھي؟

حضرت موسی (ع) نے کہا : میں نے بہت سختیاں جھیلی ہیں (فرعون کے دور کی سختیاں اور پھر بنی اسرائیل

---

(۱)سورہ کہف آیت ۷۸

کے دور کی مشکلات کی طرف اشارہ ہے) لیکن کسی مشکل اور رنج نے میرے دل کو اتنا رنجور نہیں کیا جتنا حضرت خضر سے جدائي کی خبر نے ۔

ان واقعات کا راز

جب حضرت موسی اور حضرت خضر کا جدا ہونا طے پاگیا تو ضروری تھا کہ یہ الہی استاد اپنے ان کاموں کے اسرار ظاہر کرے کہ حضرت موسی جنھیں گوارا نہیں کرپائے تھے درحقیقت ان سے ہمراہی کا فائدہ حضرت موسی علیہ السلام کے لئے یہی تھا کہ وہ ان تین عجیب واقعات کا راز سمجھ لیں اور یہی راز بہت سے مسائل کی تفہیم کے لئے کلیدبن سکتا تھا اور مختلف سوالوں کا جواب اس میں پنہاں تھا ۔

حضرت خضر (ع) نے کشتی والے واقعے سے بات شروع کی اور کہنے لگے: "ہاں، تو وہ کشتی والی بات یہ تھی کہ وہ چند غریب و مسکین افراد کی ملکیت تھی وہ اس سے دریا میں کام کرتے تھے میں نے سوچا کہ اس میں کوئي نقص ڈال دوں کیونکہ میں جانتا تھا کہ ایک ظالم بادشاہ ان کے پیچھے ہے اور وہ ہر صحیح سالم کشتی کو زبردستی ہتھیا لیتا ہے"۔ (۱)

گویا کشتی میں سوارخ کرنا ظاہرا تو برا لگتا تھا لیکن اس کام میں ایک اہم مقصد پوشیدہ تھا اور وہ تھا کشتی کے غریب مالکوں کو ایک غاصب بادشاہ کے ظلم سے بچانا کیونکہ اس کے نزدیک عیب دار کشتیاں اس کے کام کی نہ تھیں اور ایسی کشتیوں پروہ قبضہ نہیں جماتا تھا خلاصہ یہ کہ یہ کام چند مسکینوں کے مفاد کی حفاظت کے لئے تھا اور اسے انجام پانا ہی چاہئے تھا ۔

اس کے بعد حضرت خضر (ع) لڑکے قتل کے مسئلے کی طرف آتے ہیں کہتے ہیں: "رہا وہ لڑکا، تو اس کے ماں باپ صاحب ایمان تھے ہمیں یہ بات اچھی نہ لگی کہ وہ اپنے ماں باپ کو راہ ایمان سے بھٹکادے اور سرکشی و کفر پر ابھارے "۔ (۲)

---

(۱) سورہ کہف آیت ۷۹

(۲) سورہ کہف آیت ۸۰

بہرحال اس عالم نے اس لڑکے کو قتل کردیا اور اس لڑکے کے زندہ رہنے کی صورت میں اس کے ماں باپ کو آئندہ جو ناگوار واقعات پیش آنے والے تھے انہیں اس قتل کی دلیل قرار دیا_

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے: "ہم نے چاہا کہ ان کارب ان کو اس کے بدلے زیادہ پاک اور زیادہ پر محبت اولاد عطا فرمائے_"[۱]

آخری اور تیسرے کام یعنی دیوار بنانے کے واقعے کا جواب ہے، اس عالم نے اس واقعے کے راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہا: رہی دیوار کی بات_ تو وہ اس شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ چھپا ہوا تھا اور ان کا باپ ایک نیک اور صالح شخص تھا، تیرا پروردگار چاہتا تھا کہ وہ بالغ ہوجائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں، یہ تو تیرے رب کی طرف سے رحمت تھے_

اور ان کے نیک ماں باپ کی وجہ سے میں مامور تھا کہ اس دیوار کو تعمیر کروں کہ کہیں وہ گرنہ جائے اور خزانہ ظاہر ہوکر خطرے سے دوچار نہ ہوجائے_[۲]

لہذا انہوں نے کہا: اور میں نے یہ کام خود سے نہیں کئے بلکہ اللہ کے حکم تحت انجام دیئے_[۳]

جی ہاں: یہ تھے ان کاموں کے راز کہ جن پر صبر کی تم میں تاب نہیں تھی_[۴][۵]

---

(۱)سورہ کہف آیت ۸۱

(۲)سورہ کہف آیت ۸۲

(۳)سورہ کہف آیت ۸۲

(۴)سورہ کہف آیت ۸۲

(۵)خضر کی ماموریت تشریعی تھی یا تکوینی؟

یہ وہ اہم ترین مسئلہ ہے جس نے بزرگ علماء کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے تین واقعات کہ جو اس عالم کے ہاتھوں انجام پائے ان پر حضرت موسی نے اعتراض کیا کیونکہ وہ باطن امر سے آگاہ نہ تھے لیکن بعد میں استاد نے وضاحت کی تو مطمئن ہوگئے_ سوال یہ ہے کہ کیا واقعاً کسی کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر نقص پیدا کیا جاسکتا ہے، کہ غاصب اسے لے نہ جائے_ اور کیا کسی لڑکے کو اس کام پر سزادی جاسکتی ہے جو وہ آئندہ میں انجام دے گا؟ اور کیا ضروری ہے کہ کسی کے مال کی حفاظت کے لئے ہم مفت زحمت برداشت کریں_؟

ان سوالات کے جواب میں ہمارے سامنے دوراستے ہیں: پہلا یہ کہ ان امور کو ہم فقہی احکام اور شرعی قوانین کی روشنی میں دیکھیں۔ بعض مفسرین نے یہی راستہ اختیار کیا ہے ۔ انہوں نے پہلے واقعہ کو اہم اور اہم تر قوانین پر سمجھا ہے اور کہا ہے کہ مسلم ہے کہ ساری کشتی اورپوری کشتی کی حفاظت اہم کام تھا جبکہ جزوی نقص سے حفاظت زیادہ اہم نہیں تھا دوسرے لفظوں میں حضرت خضر (ع) نے کم نقصان کے ذریعے زیادہ نقصان کو روکا، فقہی زبان میں " افسد کو فاسد سے دفع کیا" خصوصاً جبکہ یہ بات ان کے پیش نظر تھی کہ کشتی والوں کی باطن رضا مندی انہیں حاصل ہے کیونکہ اگر وہ اصل صورت حال سے آگاہ ہوجاتے تو اس کام پر راضی ہوجاتے (فقہی تعبیر کے مطابق حضرت خضر (ع) کو اس مسئلے میں " اذن فحوی" حاصل تھا)۔ اس لڑکے کے بارے میں مفسرین کا اصرار ہے کہ یقیناً وہ بالغ تھا اور وہ مرتد یا فاسد تھا لہذا وہ اپنے موجودہ اعمال کی وجہ سے جائز القتل تھا اور یہ جو حضرت خضر اپنے اقدام کے لئے اس کے آئندہ جرائم کو دلیل بناتے ہیں تو وہ اس بناء پر ہے کہ وہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ مجرم نہ صرف یہ کہ اس وقت اس کام میں بتلا ہے بلکہ آئندہ بھی اس سے بڑھ کر جرائم کا مرتکب ہوگا لہذا اس کا قتل قوانین شریعت کے مطابق تھا اور وہ اپنے افعال اور خود کردہ گناہوں کی وجہ سے جائز القتل تھا ۔ رہا تیسرا واقعہ تو کوئی شخص کسی پر یہ اعتراض نہیں کرسکتا کہ تم دوسرے کے لئے کیوں ایثار کرتے ہو اور اس کے اموال کو بچانے کے لئے کیوں بیگار اٹھاتے ہو، ہوسکتا ہے یہ ایثار واجب نہ ہو لیکن مسلم ہے کہ یہ اچھا کام ہے اور لائق تحسین ہے بلکہ ہوسکتا ہے کہ بعض مواقع پر سرحد وجوب تک پہنچ جائے مثلاً کسی یتیم بچے کا بہت سامال ضائع ہو رہا ہو اور تھوڑی سی زحمت کرکے اسے بچایا جاسکے تو بعید نہیں ہے کہ ایسے موقع پر یہ کام واجب ہو۔ دوسرا راستہ اس بنیاد پر ہے کہ مذکورہ بالا توضیحات اگرچہ خزانے اور دیوار کے بارے میں لائق اطمینان ہوں لیکن جو جوان مارا گیا اس کے بارے میں مذکورہ وضاحتیں ظاہر قرآنی گفتگو سے مناسبت نہیں رکھتیں کیونکہ اس کے قتل کا قصد ظاہرا اس کے آئندہ کا عمل قرار دیا گیا ہے نہ کہ موجودہ عمل۔ کشتی کے بارے میں بھی مذکورہ وضاحت کسی حد تک قابل بحث ہے۔

لہذا ضروری ہے کہ کوئی اور راہ اختیار کی جائے اور وہ یہ ہے :

اسی جہان میں ہمیں دو نظاموں سے سابقہ پڑتا ہے ایک نظام تکوین ہے اور دوسرا نظام تشریع یہ دونوں نظام اگرچہ کلی اصول میں تو ہم آہنگ ہیں لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جزئیات میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

مثلا اللہ تعالی اپنے بندوں کی آزمائش خوف، اموال وثمرات کے نقصان، اپنی اور عزیزوں کی موت اور قتل کے ذریعے کرتا ہے تاکہ یہ معلوم ہوکہ کون شخص ان حوادث ومصائب پر صبر وشکیبائی اختیار کرتا ہے۔

تو کیا کوئی فقیہ بلکہ کوئی پیغمبر ایسا کرسکتا ہے۔ یعنی اموال ونفوس، ثمرات اور امن کو ختم کرکے لوگوں کو آزمائے ؟

یا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالی اپنے بعض نبیوں اور صالح بندوں کو خبردار کرنے اور انہیں تنبیہ کرنے کے لئے کسی ترک اولی پر بڑی مصیبتوں میں گرفتار کرتا ہے جیسا کہ حضرت یعقوب مصیبت میں گرفتار ہوئے اس بات پر کہ انہوں نے بعض مساکین کی طرف کم توجہ دی یا حضرت یونس کو ایک معمولی ترک اولی پر مصیبت میں گرفتار ہونا پڑا تو کیا کوئی حق رکھتا ہے کہ کسی کو سزا کے طور پر ایسا کرے یا یہ کہ ہم دیکھتے ہیں کبھی اللہ تعالی کسی انسان کی ناشکری کی وجہ سے اس سے کوئی نعمت چھین لیتا ہے مثلاً کوئی شخص مال ملنے پر شکر ادا نہیں کرتا تو اس کا مال دریا میں غرق ہوجاتا ہے یا صحت پر شکر ادا نہیں کرتا تو اللہ تعالی اس سے صحت لے لیتا ہے تو کیا فقہی اور شرعی قوانین کی رو سے کوئی ایسا کرسکتا ہے کہ ناشکری کی وجہ سے کسی کا مال ضائع کردے اور اس کی مثالیں مجموعی طور پر ظاہر کرتی ہیں کہ جہان آفرینش خصوصا خلقت انسان اس احسن نظام پر استوار ہے کہ اللہ نے انسان کو کمال تک پہنچانے کے لئے کچھ تکوینی قوانین بنائے ہیں کہ جن کی خلاف ورزی سے مختلف نتائج مرتب ہوتے ہیں حالانکہ قانون شریعت کے لحاظ سے ہم ان قوانین پر عمل نہیں کرسکتے۔

مثلاً کسی انسان کی انگلی ڈاکٹر اس لئے کاٹ سکتا ہے کہ زہر اس کے دل کی طرف سرایت نہ کرجائے لیکن کیا کوئی شخص کسی انسان میں صبر پیدا کرنے کے لئے یا کفران نعمت کی وجہ سے اس کی انگلی کاٹ سکتا ہے ؟(جبکہ یہ بات مسلم ہے کہ خدا ایسا کرسکتا ہے کیونکہ ایسا کرنا نظام احسن کے مطابق ہے)

اب جبکہ ثابت ہوگیا کہ ہم دو نظام رکھتے ہیں اور اللہ تعالی دونوں نظاموں پر حاکم ہے تو کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ اللہ ایک گروہ کو نظام تشریعی کو عملی شکل دینے پر مامور کرے اور فرشتوں کے ایک گروہ یا بعض انسانوں کو (مثلا حضرت خضر کو)نظام تکوین کو عملی شکل دینے پر مامور کرے ۔

اللہ تعالی کے نظام تکوین کے لحاظ سے کوئی مانع نہیں کہ وہ کسی نابالغ بچے کو بھی کسی حادثے میں بتلا کردے اور اس میں اس کی جان چلی جائے کیونکہ ہوسکتا ہے اس کا وجود مستقبل کے لئے بہت بڑے خطرات کا باعث ہو، نیز کوئی مانع نہیں کہ اللہ مجھے آج کسی سخت بیماری میں بتلا کردے ، اس طرح سے کہ میں گھر سے باہر نہ نکل سکوں کیونکہ وہ چاہتا ہے ۔

حضرت خضر کون تھے؟

جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ حضرت خضر(ع) کانام صراحت کے ساتھ قرآن میں نہیں لیا گیا اور حضرت موسی کے دوست اور استاد کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے :"ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ جسے ہم نے اپنی رحمت عطا کی اور جسے ہم نے اپنے علم سے نوازا"_اس تعارف میں ان کے مقام عبودیت کا تذکرہ ہے اور ان کے خاص علم کو واضح کیا گیا ہے لہذا ہم نے بھی عالم کے طور پر ان کا زیادہ ذکر کیا ہے_

لیکن متعدد روایات میں اس عالم کا نام"خضر"بتایا گیا ہے_بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اصلی نام"بلیا ابن ملکان"تھا اور"خضر"ان کا لقب تھاکیونکہ وہ جہاں کہیں قدم رکھتے ان کے قدموں کی بدولت زمین سرسبز ہوجاتی تھي_

دوسرے لفظوں میں اس عالم میں مامورین کا ایک گروہ باطن پر مامور ہے اور ایک گروہ ظاہر پر مامور ہے جو باطن پر مامور ہیں ان کے لئے اپنے اصول وضوابط اور پروگرام ہیں اور جو ظاہر پر مارمور ہیں ان کے لئے اپنے خاص اصول وضوابط ہے_

یہ ٹھیک ہے کہ ان دونوں پروگراموں کا اصلی اور کلی مقصد انسان کو کمال کی طرف لے جانا ہے اس لحاظ سے دونوں ہم آہنگ ہیں، شک نہیں کہ ان دونوں طریقوں میں سے کسی میں بھی کوئي خودسری سے کوئي اقدام نہیں کرسکتا بلکہ ضروری ہے کہ وہ حقیقی مالک وحاکم کی طرف سے مجاز ہو لہذا حضرت خضر علیہ السلام نے صراحت کے ساتھ اس حقیقت کو بیان کیا اور کہا:

میں نے یہ کام حکم الہی کے مطابق اور اسی کے ضابطے اور طریقے کے مطابق انجام دیئےیں اس طرح ان اقدامات میں جو ظاہری تضاد نظر آتا ہے وہ ختم ہوجاتاہے_اور یہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ حضرت موسی حضرت خضر کے کاموں کو برداشت نہیں کرپاتے تھے تو یہ اسی بناء پر تھا کہ ان کی ماموریت اور ذمہ داری کا طریقہ جناب خضر(ع) کی ذمہ داری کے راستے سے الگ تھا لہذا جب انہوں نے حضرت خضر کاکام ظاہراً شرعی قوانین کے خلاف دیکھا تو اس پر اعتراض کیا لیکن خضر نے ٹھنڈے دل سے اپنا کام جاری رکھا اورچونکہ یہ دو عظیم خدائي رہبر مختلف ذمہ داریوں کی بناء پر ہمیشہ کے لئے اکٹھے نہیں رہ سکتے تھے لہذا حضرت خضرا نے کہا :

"یہ اب میرے اور تمہارے جدا ہونے کا مرحلہ آگیا ہے"_

بعض نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ اس عالم کا نام "الیا(ع) س" ہے یہیں سے یہ تصور پیدا ہوا کہ ہوسکتا ہے "الیاس" اور "خضر" ایک ہی شخص کے دو نام ہوں لیکن مشہور و معروف مفسرین اور راویوں نے پہلی بات ہی بیان کی ہے_

واضح ہے کہ یہ بات کوئي خاص اہمیت نہیں رکھتی کہ اس شخص کا نام کیا ہے_ اہم بات یہ ہے کہ وہ ایک عالم ربانی تھے اور پروردگار کی خاص رحمت ان کے شامل حال تھي_ وہ باطن اور نظام تکوینی پر مامور تھے اور کچھ اسرار سے آگاہ تھے اور ایک لحاظ سے موسی (ع) بن عمران کے معلم تھے اگر چہ حضرت موسی علیہ السلام کئي لحاظ سے ان پر مقدم تھے_

یہ کہ وہ پیغمبر تھے یا نہیں_ اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں_ اصول کافی جلد اول میں متعدد روایات ہیں کہ جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ پیغمبر نہیں تھے بلکہ وہ "ذوالقرنین" اور "آصف ابن برخیا" کی طرح ایک عالم تھے_

جبکہ کچھ اور روایات ایسی بھی ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مقام نبوت کے حامل تھے اور زیر نظر روایات میں بھی بعض تعبیرات کا ظاہری مفہوم بھی یہی ہے_ کیونکہ ایک موقع پر وہ کہتے ہیں :

"میں نے یہ کام اپنی طرف سے نہیں کیا"_

ایک اور مقام پر کہتے ہیں :

"ہم چاہتے تھے کہ ایسا ہو"_

نیز بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک لمبی عمر کے حامل تھے_ (۱)

---

(۱) یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے_ وہ یہ کہ کیا اس عالم بزرگوار کا واقعہ یہودیوں اور عیسائیوں کی کتابوں میں بھی ہے؟

سوال کا جواب یہ ہے:

اگر کتب سے مراد کتب عہدین (توریت و انجیل) ہیں، تو ان میں تو نہیں ہے لیکن بعض یہودی علماء کی کتابیں کہ جو گیارہویں صدی عیسوی میں مدون ہوئي ہیں، ان میں ایک داستان نقل ہوئي ہے کہ جو حضرت موسی علیہ السلام کی مذکورہ داستان سے کچھ مشابہت رکھتی ہے_ اگر چہ اس داستان کے ہیرو "الیاس" اور "یوشع بن لاوي" ہیں کہ جو تیسری صدی عیسوی کے "تلمود" کے مفسرین میں سے تھے_ یہ داستان اور کئي پہلوئوں سے بھی موسی علیہ السلام و خضر علیہ السلام سے مختلف ہے_

مزید وضاحت کے لئے تفسیر نمونہ ج۷ ص ۱۷۱ پر رجوع کریں

خود ساختہ افسانے

حضرت موسی علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی داستان کی بنیاد وہی ہے کہ جو کچھ قرآن میں آیا ہے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس سے منسلک کرکے بہت سے افسانے گھڑلئے گئے ہیں_ ان افسانوں کو اس داستان کے ساتھ خلط ملط کرنے سے اصل داستان کی صورت بھی بگڑ جاتی ہے_ جاننا چاہیئے کہ یہ کوئی پہلی داستان نہیں ہے کہ جس کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا ہے اور بہت سی سچی داستانوں کے ساتھ یہی حال کیا گیا ہے_

لہذا حقیقت تک رسائی کے لئے قرآن کو بنیاد قرار دیا جانا چاہیئے جس میں یہ داستا ن بیان ہوئي ہے_یہاں تک کہ احادیث کو بھی اسی صورت میں قبول کیا جاسکتا ہے جب وہ قرآن کے موافق ہوں_ اگر کوئي حدیث اس کے برخلاف ہو تو یقینا وہ قابل قبول نہیں ہے اور خوش قسمتی سے معتبر احادیث میں ایسی کوئي حدیث نہیں ہے_

علم موسی (ع) و خضر (ع)، علم خدا کے مقابلہ میں

پیغمبر اکرم (ص) سے منقول ہے:

"جس وقت موسی علیہ السلام خضر علیہ السلام سے ملے تو ایک پرندہ ان کے سامنے ظاہر ہوا_ اس نے پانی کا ایک قطرہ اپنی چونچ میں لیا تو حضرت موسی علیہ السلام سے خضر علیہ السلام نے کہا:

جانتے ہو کہ پرندہ کیا کہتا ہے:

موسی علیہ السلام نے کہا: کیا کہتا ہے؟
خضر علیہ السلام کہنے لگے: کہتا ہے:
"تیرا علم اور موسی کا علم، خدا کے علم کے مقابلے میں اس قطرے کی طرح ہے جو میں نے پانی سے چونچ میں لیا ہے"۔

وہ خزانہ کیا تھا؟

اس داستان کے بارے میں ایک سوال اور بھی ہے اور وہ یہ کہ وہ خزانہ آخر کیا تھا جسے موسی علیہ السلام کے عالم دوست پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے اور آخر اس با ایمان شخص یعنی یتیموں کے باپ نے یہ خزانہ کیوں چھپا دیا تھا؟

بعض نے کہا ہے کہ وہ خزانہ مادی پہلو کی بجائے زیادہ معنوی پہلو رکھتا تھا۔ بہت سی شیعہ سنی روایات کے مطابق وہ ایک تختی تھی جس پر حکمت آمیز کلمات نقش تھے۔ اس بارے میں مفسرین میں اختلاف ہے کہ وہ حکمت آمیز کلمات کیا تھے۔

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ (ع) نے فرمایا:
یہ سونے چاندی کا خزانہ نہیں تھا۔ یہ تو صرف ایک تختی تھی جس پر چار جملے ثبت تھے۔
اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔
جو موت پر یقین رکھتا ہے وہ (بے ہودہ) نہیں ہنستا۔
اور جسے اللہ کی طرف سے حساب کا یقین ہے (اور اسے جوابدہی کی فکر ہے) وہ خوش نہیں رہتا۔
اور جسے تقدیر الہی کا یقین ہے وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔

اوربنی اسرائیل کی نافرمانی اصحاب سبت، سنیچر کی چھٹي بنی اسرائیل کا ایک گروہ جو ایک سمندر (بظاہر بحیرہ احمر جو فلسطین کے پاس ہے) کے کنارے شہر"ایلہ"(جسے آج کل"ایلات"کہتے ہیں)میں رہتے تھے،ان کی آزمائش کے لئے اللہ نے انہیں حکم دیا تھا کہ ہفتہ کے روز مچھلی کا شکار نہ کریں ،سارے دنوں میں شکار کریں صرف ایک دن تعطیل کردیا کریں لیکن ان لوگوں نے اس حکم کی صریحاً مخالفت کی جس کے نتیجے میں وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہوئے جس کی تفصیل قرآن میں بیان کی گئي ہے۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:"جویہودی تمہارے زمانہ میں موجودہیں ان سے اس شہر کے ماجرے کے متعلق سوال کرو جو سمندر کے کنارے آباد تھا"۔ اور انہیں وہ زمانہ یاددلائو جبکہ وہ ہفتہ کے روز قانون الہی کی مخالفت کرتے تھے۔"[1]

کیونکہ ہفتہ کے روز ان کی تعطیل کا دن تھا جس میں ان کو یہ حکم ملا تھا کہ اس روز وہ اپنا کاروبار ترک کردیں اور عبادت خدا میں مشغول ہوں لیکن انہوں نے اس حکم کی طرف کوئي توجہ نہ دي۔

---

(۱)سورہ اعراف ۱۶۲

اس کے بعد قرآن کریم اس جملے کی جو اجمالی طور پر پہلے گزر چکا ہے اس طرح شرح کرتا ہے کہ یاد کرو: "جب ہفتہ کے دن مچھلیاں پانی کے اوپر ظاہر ہوتی تھیں اور دوسرے دنوں میں وہ کم دکھلائي دیتی تھیں"۔[1]

یہ بات واضح ہے کہ جو لوگ سمندر کے کنارے زندگی بسر کرتے تھے ان کی خوراک اور آمدنی کا بڑا ذریعہ مچھلی کا شکار ہوتا ہے، اور چونکہ ہفتہ کے روز مسلسل تعطیل ان کے درمیان رائج تھي، لہذا اس روز مچھلیاں امن محسوس کرتی تھیں اور وہ گروہ در گروہ پانی کی سطح پر ظاہر ہوتی تھیں لیکن دوسرے دنوں میں چونکہ ان کا شکار کیا جاتا تھا اس لئے وہ گہرے پانی میں بھاگ جاتی تھیں۔ بہر حال یہ کیفیت چاہے کسی فطری امر کے نتیجہ میں ہو یا کوئي خلاف معمول الہی بات ہو اس سے ان لوگوں کی آزمائش مطلوب تھی جیسا کہ قرآن بیان کرتا ہے:

"ہم نے اس طرح ان لوگوں کی آزمائش کی اس چیز کے ذریعے جس کی وہ مخالفت کرتے تھے"۔[2]

جس وقت بنی اسرائیل اس بڑی آزمائش سے دوچار ہوئے جو ان کی زندگی کے ساتھ وابستہ تھی تو وہ تین گروہوں میں بٹ گئے:

اول: جن کی اکثریت تھي، وہ لوگ تھے جنہوں نے اس فرمان الہی کی مخالفت پر کمر باندھ لي۔

دوم: جو حسب معمولی ایک چھوٹی اقلیت پر مشتمل تھا وہ گروہ اول کے مقابلے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شرعی ذمہ داری ادا کرتا تھا۔

سوم: یہ وہ لوگ تھے جو ساکت اور غیر جانبدار تھے۔ یہ نہ تو گنہگاروں کے ساتھ تھے اور نہ انہیں گناہوں سے منع کرتے تھے۔

قرآن میں اس گروہ نے دوسرے گروہ سے جو گفتگو کی ہے اسے نقل کیا گیا ہے۔

---

(۱) سورہ اعراف آیت ۱۶۲

(۲) سورہ اعراف آیت ۱۶۳

اس وقت کو یاد کرو جب ان میں سے ایک گروہ نے دوسرے سے کہا:
تم ان لوگوں کو کیوں وعظ و نصیحت کرتے ہو جنہیں آخر کار خدا ہلاک کرنے والا ہے یا دردناک عذاب میں بتلا کرنے والا ہے_

انہوں نے جواب میں کہا: ہم اس لئے برائي سے منع کرتے ہیں کہ خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری کو ادا کردیں اور وہ اس بارے ہم سے کوئي بازپرس نہ کرے_

علاوہ ازیں شاید ان کے دلوں میں ہماری باتوں کا کوئي اثر بھی ہوجائے اور وہ طغیان و سرکشی سے ہاتھ اٹھالیں_[1]

"آخر کار دنیا پرستی نے ان پر غلبہ کیا_ اور انہوں نے خدا کے فرمان کو فراموش کردیا_ اس وقت ہم نے ان لوگوں کو جو لوگوں کو گناہ سے منع کرتے تھے، نجات دي، لیکن گناہگاروں کو ان کے گناہ کے سبب سخت عذاب میں بتلا کردیا"_[2]

اس کے بعد انہیں سزادیئے جانے کی کیفیت اس طرح بیان فرمائي گئي ہے:"انہوں نے اس بات کے مقابلے میں سرکشی کی جس سے انہیں روکا گیا تھا_ (لہذا) ہم نے ان سے کہا دھتکارے ہوئے بندروں کی شکل میں ہوجائو"_[3]

بنی اسرائیل نے کس طرح گناہ کیا تھا؟

اس امر میں کہ بنی اسرائیل نے کس وقت قانون شکنی کي، مفسرین کے درمیان بحث ہے_بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ایک حیلہ اختیار کیا، انہوں نے سمندر کے کنارے بہت سے حوض بنالئے تھے اور انہیں نہروں کے ذریعے سمندر سے ملا دیا تھا_ہفتہ کے روز ان حوضوں کے راستے کھول دیتے تھے پانی کے ساتھ مچھلیاں ان حوضوں کے اندر آجاتی تھیں، غروب کے وقت جب واپس جانا چاہتی تھیں تو

---

(۱)سورہ اعراف ۱۶۴

(۲)سورہ اعراف آیت ۱۶۵

(۳)سورہ اعراف آیت ۱۶۶

واپسی کا راستہ بند کر دیتے تھے،جب اتوار کا دن ہوتا تھا تو پھر ان کا شکار کرلیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہم نے ہفتہ کے روز شکار تھوڑی کیا ہے بلکہ ہم نے تو صرف انہیں حوضوں میں محصور کرلیا تھا اصل شکار تو اتوار کے روز ہوا ہے_

بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ وہ لوگ ہفتہ کے روز مچھلی پکڑنے کے کانٹوں کو دریا میں ڈال دیتے تھے اس کے بعد جب اس میں مچھلیاں پھنس جاتی تھیں تو دوسرے روز انہیں نکال لیتے تھے اور اس حیلہ سے ان کا شکار کرتے تھے_

بعض روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ بغیر کسی حیلہ کے بروز شنبہ بڑی ڈھٹائی کے ساتھ شکار میں مشغول ہوتے تھے_

ممکن ہے کہ یہ تمام روایات صحیح ہوں اس طرح کہ ابتداء میں حوضوں یا قلابوں کے ذریعے حیلے سے شکار کرتے ہوں ،جب اس طرح سے ان کی نظر میں گناہ کی اہمیت کم ہوگئي ہو تو پھر انہوں نے اعلانیہ گناہ کرنا شروع کردیا ہو اور ہفتہ کے دن کی حرمت کو ضائع کرکے مچھلی کی تجارت سے مالدار ہوگئے ہوں_[۱]

---

(۱)آیا یہ مسخ جسمانی تھایا روحاني؟

"مسخ"یا دوسرے لفظوں میں"انسانی شکل کا کسی حیوان کی شکل میں تبدیل ہو جانا"مسلمہ طورپر ایک خلاف معمول اور خلاف طبیعت بات ہے اگرچہ میوٹیشن(mut a t i on)بعض حیوانات کا دوسرے حیوانات کی شکل اختیار کرلینا نادر طور پر دیکھا گیا ہے اور سائنس میں تکامل حیات کی بنیاد بھی اس بات پر رکھی گئي ہے، لیکن میوٹیشن(mut a t i on)جہاں دیکھا گیا ہے وہ بہت نادر الموقع موارد ہیں ،وہ بھی حیوانات کی جزوی صفات میں پایا جاتا ہے نہ کہ ان کی کلی صفات میں ،بلکہ ایسا ہرگز نہیں ہوا کہ میوٹیشن(mut a t i on)کی وجہ سے ایک حیوان اپنی نوع مثلاً بندر سے بکری بن گیا ہو_ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی حیوان کی خصوصیات دگرگوں ہو جائیں ،پھر یہ کہ یہ تبدیلی اس کی نسل میں پیدا ہوتی ہے نہ کہ جو حیوان پیدا ہوگیا ہے اس کی شکل یک بیک بدل گئي ہو،بنا بریں کسی انسان یا حیوان کی شکل کا بدل کر دوسری نوع اختیار کرلینا ایک خلاف معمول بات ہے_

ہم نے بارہا یہ بات کہی ہے کہ کچھ مسائل ایسے بھی ہیں جو طبیعت اور عادت کے بر خلاف واقع ہوتے ہیں جو کبھی تو پیغمبروں کے معجزوں کی صورت میں اور کبھی بعض خارق العادت کاموں کی صورت میں بعض انسانوں سے ظاہر ہوتے ہیں ، -

بنی اسرائیل کی گائے کا واقعہ

بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نا معلوم طور پر قتل ہو جاتا ہے_اس کے قاتل کا کسی طرح پتا نہیں چلتا_

تاریخ اور تفاسیر سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قتل کا سبب مال تھا یا شادي_

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک ثروت مند شخص تھا_ اس کے پاس بے پناہ دولت تھي_اس دولت کا وارث اس کے چچا زاد بھائي کے علاوہ کوئي نہ تھا_وہ دولت مند کافی عمر رسیدہ ہوچکا تھا_اس کے چچازاد بھائي نے بہت انتظار کیا کہ وہ دنیا سے چلا جائے تاکہ اس کا وارث بن سکے لیکن اس کا انتظار بے نتیجہ رہا لہذا اس نے اسے ختم کردینے کا تہیہ کرلیا_بالآخر اسے تنہائي میں پا کر قتل کردیا اور اس کی لاش سڑک پر رکھ دی اور گریہ وزاری کرنے لگا اور حضرت موسی علیہ السلام کی بارگاہ میں مقدمہ پیش کیا کہ بعض لوگوں نے میرے چچا زاد بھائي کو قتل کردیا ہے_

سلیمان (ع) اپنی فوجی طاقت کا مظاہرہ دیکھتے ہیں

قرآن میں موجود مختلف قرائن سے مجموعی طور پر نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک روز حضرت سلیمان (ع) اپنے تیز رفتار گھوڑوں کا معائنہ کررہے تھے کہ جنھیں میدان جہاد کے لئے تیار کیا گیا تھا_ عصر کا وقت تھا_ مامورین مذکورہ گھوڑوں کے ساتھ مارچ کرتے ہوئے ان کے سامنے سے گزر رہے تھے_

ایک عادل اور با اثر حکمران کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پاس طاقتور فوج ہو اور اس زمانے میں لشکر کے اہم ترین وسائل میں سے تیز رفتار گھوڑے تھے لہذا حضرت سلیمان (ع) کا مقام ذکر کرنے کے بعد نمونے کے طور پر گھوڑوں کا ذکر آیا ہے_

ملکہ سبا کے دل میں نور ایمان

قرآن میں سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کی سبق آموز داستان سے متعلق ایک اور پہلو پیش کیا گیا ہے_

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کی عقل و خرد کو آزمانے اور خدا پر اس کے ایمان لانے کے لئے راہ ہموار کرنے کی غرض سے اس کے تخت میں کچھ تبدیلی کرنے کا حکم دیا_ تاکہ وہ پہچانا نہ جا سکے چنانچہ انھوں نے کہا: اس کے تخت میں کچھ تبدیلی کردو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ سمجھ پاتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو ہدایت نہیں پاتے"_[۱]

۶ انبیاء علیہم السلام کے واقعات

حضرت ایوب علیہ السلام

حضرت ایوب (ع) کی حیران کن زندگی اور ان کا صبر

گفتگو حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں ہیں کہ جو صبر و استقامت کا نمونہ تھے، ان کا ذکر اس لئے ہے تاکہ اس وقت کے اور پھر اج کے اور ائندہ کے مسلمانوں کے لئے مشکلوں اورپریشانیوں میں استقامت ،قیام اور جد و جہد کا درس ہو اور انھیں پامردی کی دعوت دی جائے اور اس صبر و استقامت کا حسن انجام واضح کیا جائے۔

حضرت ایوب علیہ السلام وہ تیسرے نبی ہیں کہ ہمارے عظیم نبی (ص) پر فرض کیا گیا ہے کہ ان کے واقعہ کو مسلمان کے لئے بیان کریں تاکہ مسلمان بڑی بڑی مشکلات سے نہ گھبرائیں اوراس کی رحمت سے کبھی بھی مایوس نہ ہوں۔[۱]

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:"ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو کہ جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا اور عرض كي:شیطان نے مجھے بہت تکلیف اور اذیت میں بتلا کر رکھا ہے"۔[۲]

---

(۱)بر خلاف موجودہ توریت کے کہ جو انھیں انبیاء کے زمرے میں شمار نہیں کرتی بلکہ انھیں ایک نیک اور صالح انسان سمجھتی ہے کہ جن کی بہت سی اولاد تھی اور جو صاحب مال شخص تھے۔

(۲) سورہ انبیاء ایت ۴۱

اس گفتگو میں قرآن:

اولاً: بارگاہ الہی میں حضرت ایوب علیہ السلام کا بلند مقام "عبدنا "(ہمارا بندہ) سے معلوم ہوتا ہے_

ثانیاً: اشارتاً حضرت ایوب علیہ السلام کی شدید اور طاقت فرسا تکلیف اور فراواں مصیبت کا ذکر ہے، اس ماجرے کی تفصیل قران میں نہیں ائي لیکن حدیث و تفسیر کی مشہور کتب میں اس کی تفصیل نقل ہوئي ہے_

حضرت ایوب علیہ السلام کیوں مشکلات میں گرفتار ہوئے

کسی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا:

وہ مصیبت جو حضرت ایوب علیہ السلام کو دامن گیر ہوئي، کس بنا پر تھی ؟(شاید سائل کا خیال تھا کہ ان سے کوئي غلط کام سرزد ہوگیا تھا جس کی وجہ سے اللہ نے انھیں مصیبت میں بتلا کردیا)_

امام علیہ السلام نے اس سوال کا تفصیلي جواب دیا جس کا خلاصہ یوں ہے:

ایوب علیہ السلام کفران نعمت کی وجہ سے ان عظیم مصائب میں گرفتار نہیں ہوئے بلکہ اس کے برعکس شکر نعمت کی وجہ سے ہوئے، کیونکہ شیطان نے بارگاہ خدا میں عرض کی کہ یہ جو ایوب تیرا شکر گزار ہے وہ فراواں نعمتوں کی وجہ سے ہے کہ جو تونے اسے دی ہیں، اگر یہ نعمتیں اس سے چھین لی جائیں تو یقینا وہ کبھی شکر گزار بندہ نہیں ہوگا_

اس بنا پر کہ ساری دنیا پر ایوب علیہ السلام کا خلوص واضح ہو جائے اور انھیں عالمین کے لئے نمونہ قرار دیا جائے تاکہ لوگ نعمت اور مصیبت ہر دوعالم میں شاکر و صابر وہیں_ اللہ نے شیطان کو اجازت دی کہ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی دنیا پر قبضہ کرلے، شیطان نے اللہ سے خواہش کی ایوب کا فراواں مال و دولت، ان کی کھیتیاں، بھیڑبکریاں اور ال اولاد سب ختم ہو جائے_ افتیں اور مصیبتیں ائیں اور دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ تباہ و برباد ہوگیا لیکن نہ صرف یہ کہ ایوب علیہ السلام کے شکر میں کمی نہیں ائي بلکہ اس میں اور اضافہ ہو

گیا۔ خدا سے شیطان نے خواہش کی کہ اب اسے ایوب علیہ السلام کے بدن پر بھی مسلط کردے اور وہ اس طرح بیمار ہو جائیں کہ ان کا بدن شدت درد کی لپیٹ میں اجائے اور وہ بیماری کے بستر کا اسیر ہوجائے لیکن اس چیز نے بھی ان کے مقام شکر میں کمی نہ کی۔

پھر ایک ایسا واقعہ پیش ایا کہ جس نے ایوب علیہ السلام کا دل توڑدیا اور ان کی روح کو سخت مجروح کیا، وہ یہ کہ نبی اسرائیل کے راہبوں کی ایک جماعت انھیں دیکھنے ائي اور انھوں نے کہا کہ تونے کون سا گناہ کیا ہے جس کی وجہ سے اس دردناک عذاب میں مبتلا ہے؟ایوب علیہ السلام نے جواباً کہا: میرے پروردگار کی قسم کہ مجھ سے کوئي غلط کام نہیں ہوا میں ہمیشہ اللہ کی اطاعت میں کوشاں رہا ہوں اور میں نے جب بھی کوئي لقمہ غذا کا کھایا ہے کوئي نہ کوئي یتیم و بے نوا میرے دسترخوان پر ہوتا تھا۔

یہ ٹھیک ہے کہ ایوب علیہ السلام دوستوں کی اس شماتت پر ہر دوسری مصیبت سے زیادہ دکھی ہوئے پھر بھی صبر کا دامن نہ چھوڑا اور شکر کے صفاف و شریں پانی کو کفران سے الودہ نہ کیا، صرف بارگاہ خدا کی طرف رخ کیا اور مذکورہ جملہ عرض کیا اور چونکہ اپ اللہ کے امتحانوں سے خوب عہدہ برا ہوئے لہذا اللہ نے اپنے اس شاکر و صابر بندے پر پھر اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے اور کھوئي ہوئي نعمتیں یکے بعد دیگرے پہلے سے بھی زیادہ انھیں عطا کیں تاکہ سب لوگ صبرو شکر کا نیک انجام دیکھ لیں۔

بہرحال کہتے ہیں کہ ان کی بیماری اور ناراحتی سات سال تک رہی اور ایک روایت کے مطابق سترہ برس تک رہی ،یہاں تک کہ اپ کے نزدیک ترین ساتھی بھی ساتھ چھوڑ گئے ،صرف ایک بیوی نے وفا میں استقامت کی اور یہ چیز خود ایک شاہد ہے بعض بیویوں کی وفاداری پر۔

سب سے بڑا غم دشمنوں کی شماتت

لیکن حضرت ایوب علیہ السلام کو جس چیز سے زیادہ دکھ ہوتا تھا وہ دشمنوں کی شماتت تھي،اسی لئے ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام کو کھوئي ہوئي صحت و سلامتی پھر مل گئي اور رحمت الہی کے

دروازے ان کے لئے کھل گئے تو لوگوں نے اپ سے سوال کیا کہ سب سے شدید درداپ کو کون سا تھا؟تواپ نے کہا:دشمنوں کی شماتت_

آخرم کار حضرت ایوب علیہ السلام ازمائش الٰہی کی اس گرم بھٹی سے صحیح و سالم باہر نکل ائے اور پھر رحمت خدا کا اغاز ہوا، انھیں حکم دیا گیا کہ" اپنا پاوں زمین پر مارو"تو پانی کا چشمہ ابل پڑے گا کہ جو تیرے نہانے کے لئے ٹھنڈا بھی ہوگا اور تیرے پینے کے لئے عمدہ بھي_[1]

وہی خدا جس نے خشک اور تپتے بیابان میں شیر خوار اسماعیل کی ایڑیوں کے نیچے چشمہ پیدا کردیا، وہی خدا کہ ہر حرکت و سکون اور ہر نعمت و عنایت جس کی طرف سے ہے، اس نے یہ فرمان ایوب علیہ السلام کے لئے بھی صادر فرمایا، پانی کا چشمہ ابلنے لگا، ٹھنڈا اور میٹھا چشمہ جو اندرونی و بیرونی سب بیماریوں کے لئے شفا بخش تھا_

بعض کا خیال ہے کہ اس چشمے میں ایک طرح کا معدنی پانی تھا جو پینے کے لئے بھی اچھا تھا اور بیماریوں کو درو کرنے کے لئے بھی موثر تھا، بہر حال کچھ بھی تھا ایک صابر و شاکر بنی کے لئے اللہ کا لطف و کرم تھا_

پہلی اور اہم ترین خدائي نعمت صحت تھی، جب وہ ایوب علیہ السلام کی طرف لوٹ ائي تو دوسری نعمتوں کے لوٹنے کی نوبت ائي، اس سلسلے میں قران کہتا ہے:"ہم نے اسے اس کے گھر والے بخش دیئے_ اور ان کے ساتھ ان کے مانند بھی قرار دیئے_تاکہ ہماری طرف سے رحمت ہو اور صاحبان فکر و نظر کے لئے نصیحت بھی"_[2]

ان کا گھرانہ ان کے پاس واپس ایا، اس سلسلے میں مختلف تفسیریں موجودہیں، مشہور یہ ہے کہ وہ مر چکے تھے اور اللہ نے انھیں پھر زندگی دي_

---

(۱)سورہ ص ایت ۴۲

(۲)سورہ ص ایت ۴۳

لیکن بعض نے لکھا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی طویل بیماری کے باعث وہ ادھر ادھر بکھر چکے تھے جب حضرت ایوب علیہ السلام صحت یاب ہوگئے تو وہ پھر اپ کے گرد اگرد جمع ہوگئے _

کچھ لوگوں نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ وہ سب یا ان میں سے بعض افراد بھی طرح طرح کی بیماریوں میں بتلا ہوگئے تھے رحمت الہی ان کے شامل حال ہوئي وہ سب رو بصحت ہوئے اورپروانوں کی طرح وجودپدر کی شمع کے گرد جمع ہوئے _

"اور ان کے ساتھ ان کے مانند بھی قرار دیئے "یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے ان کے گھر کو پہلے سے بھی زیادہ اباد اورپر رونق کیا اور ایوب علیہ السلام کو مزید بیٹے عطا کئے _

قران میں اگرچہ حضرت ایوب علیہ السلام کے مال و دولت کے بارے میں بات نہیں کی گئي لیکن موجودقرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے پھر اپ کو مال ودولت بھی فراواں تر عطا فرمایا_

حضرت ایوب علیہ السلام کی قسم

اب صرف ایک مشکل ایوب علیہ السلام کے لئے باقی تھی ،وہ قسم جو انھوں نے اپنی بیوی کے بارے میں کھائي تھی اور وہ یہ تھی کہ انھوں نے ان سے کوئي خلاف مرضی کام دیکھا تھا لہذا انھوں نے اس بیماری کی حالت میں قسم کھائي کہ جس وقت ان میں طاقت پیدا ہو گئي تو وہ اسے ایک سویا اس سے کچھ کم کوڑے ماریں گے، لیکن صحت یابی کے بعد وہ چاہتے تھے _

کہ اس کی خدمات اور وفاداریوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اسے معاف کردیں لیکن قسم اور خدا کے نام کا مسئلہ درمیان میں تھا _

خدانے یہ مشکل بھی ان کے لئے حل کردی ،جیسا کہ قران کہتا ہے کہ ان سے فرمایا گیا:"گندم کی شاخوں (یا اسی قسم کی کسی چیز)کی ایک مٹھی بھر لو اور اس کے ساتھ مارو اور اپنی قسم نہ توڑو "_(۱)

---

(۱)سورہ ص ایت ۴۴

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کا نام ایک روایت کے مطابق "لیا" بنت یعقوب تھا ، اس بارے میں کہ اس سے کون سی غلطی ہوئی تھی مفسرین کے درمیان بحث ہے _

مشہورترین مفسر، ابن عباس سے نقل ہوا ہے کہ شیطان یا (کوئي شیطان صفت) ایک طبیب کی صورت میں ایوب علیہ السلام کی بیوی کے پاس ایا اس نے کہا :میں تیرے شوہر کا علاج کرتا ہوں صرف اس شرط پر کہ جس وقت وہ ٹھیک ہو جائے تو وہ مجھ سے یہ کہہ دے کہ صرف میں نے اسے شفا یاب کیا ہے، اس کے علاوہ میں اور کوئي اجرت نہیں چاہتا _ ان کی بیوی نے جو ان کی مسلسل بیماری کی وجہ سے سخت پریشان تھی اس شرط کو قبول کر لیا اور حضرت ایوب علیہ السلام کے سامنے یہ تجویز پیش کي، حضرت ایوب علیہ السلام جو شیطان کے جال کو سمجھتے تھے ،بہت ناراض ہوئے اور قسم کھائي کہ وہ اپنی بیوی کو سزا دیں گے _

بعض نے کہا ہے کہ جناب ایوب علیہ السلام نے اسے کسی کام کے لئے بھیجا تھا تو اس نے دیر کردي، حضرت ایوب علیہ السلام چونکہ بیماری سے تکلیف میں تھے ،بہت پریشان ہوئے اور اس طرح کی قسم کھائي_ بہر حال اگر وہ ایک طرف سے اس قسم کی سزا کی مستحق تھی تو دوسری طرف اس طویل بیماری میں اس کی وفاداري، خدمت اور تیمارداری اس قسم کے عفو و درگذر کا استحقاق بھی رکھتی تھی _

یہ ٹھیک ہے کہ گندم کی شاخوں کے ایک دستہ یا خوشہ خرما کی لکڑیوں سے مارنا ان کی قسم کا واقعی مصداق نہیں تھا لیکن خدا کے نام کے احترام کی حفاظت اور قانون شکنی پھیلنے سے روکنے کے لئے انھوں نے یہ کام کیا اور یہ بات صرف اس صورت میں ہے کہ کوئي مستحق عفو و درگذر ہو، اور انسان چاہے کہ عفو و درگذر کے باجود قانون کے ظاہر کو بھی محفوظ رکھے ورنہ ایسے مواقع پر جہاں استحقاق عفو و بخشش نہ ہو وہاں ہرگز اس کام کی اجازت نہیں ہے_ قران میں اس واقعہ کے اخری جملے میں جو اس داستان کی ابتداء و انتہا کا نچوڑ ہے ،فرمایا گیا ہے:"ہم نے اسے صابر و شکیبا پایا ، ایوب کتنا اچھا بندہ تھا جو ہماری طرف بہت زیادہ باز گشت کرنے والا تھا"_ (۱)

---

(۱)سورہ ص ایت ۴۴

یہ بات کہے بغیر ہی ظاہر ہے کہ ان کا خدا کی بارگاہ میں دعا کرنا اور شیطان کو وسوسوں اور درد، تکلیف اور بیماری کے درو ہونے کا تقاضا کرنا، مقام صبر و شکیبائي کے منافی نہیں اور وہ بھی سات سال اور ایک روایت کے مطابق اٹھارہ سال تک بیماری اور فقر و ناداری کے ساتھ نبھانے اور شاکر رہنے کے بعد_

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس جملے میں حضرت ایوب علیہ السلام کی تین اہم صفات کے ساتھ توصیف کی گئي ہے کہ جو جس کسی میں بھی پائي جائیں وہ ایک انسان کامل ہوتا ہے _

۱_مقام عبودیت ۲_صبر و استقامت ۳_پے درپے خدا کی طرف بازگشت_

حضرت ایوب علیہ السلام قرآن اور توریت میں

اس عظیم پیغمبر کا پاک چہرہ، جو صبر و شکیبائي کا مظہر ہے، یہاں تک کہ صبر ایوب علیہ السلام سب کے لئے ضرب المثل ہو گیا ہے، قران مجید میں ہم نے دیکھ لیا ہے کہ خدا نے کس طرح سے اس داستان کی ابتدا اور انتہا میں ان کی تعریف کی ہے_

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس عظیم پیغمبر کی سرگزشت بھی جاہلوں یا دانا دشمنوں کی دستبرد سے محفوظ نہ رہی اور ایسے ایسے خرافات ان پر باندھے گئے جن سے ان کی مقدس و پاک شخصیت منزہ ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ بیماری کے وقت حضرت ایوب علیہ السلام کے بدن میں کیڑے پڑگئے تھے اور ان میں بدبو پیدا ہو گئي تھی کہ بستی والوں نے انھیں ابادی سے باہر نکال دیا_

بلا شک و شبہ اس قسم کی روایت جعلی اور من گھڑت ہے، چاہے وہ حدیث کی کتابوں کے اندر ہی کیوں نہ ذکر ہوئي ہوں، کیونکہ پیغمبروں کی رسالت کا تقاضا یہ ہے کہ لوگ ہر وقت اور ہر زمانے میں میل و رغبت کے ساتھ ان سے مل سکیں اور جو بات لوگوں کے تنفر و بے زاری اور افراد کے ان سے دور رہنے کا موجب بنے، چاہے وہ تنفر بیماریاں ہوں یا عیوب جسمانی یا اخلاقی خشونت و سختی، ان میں نہیں ہوں گي، کیونکہ یہ چیزیں ان کے فلسفہ رسالت سے تضاد رکھتی ہیں_

لیکن توریت میں ایک مفصل قصہ "ایوب" کے بارے میں نظر اتا ہے جو "مزامیر داود" سے پہلے موجود ہے، یہ کتاب ۴۲/ فصل پر مشتمل ہے اور ہر فصل میں تفصیلی بحث موجود ہے، بعض فصول میں تو انتہائی تکلیف دہ مطالب نظر اتے ہیں، ان میں سے تیسری فصل میں ہے کہ:

ایوب علیہ السلام نے شکایت کے لئے زبان کھولی اور بہت زیادہ شکوہ کیا، جب کہ قران نے ان کی صبر وشکیبائی کی تعریف کی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام

"یونس""متي" کے فرزندہیں "ذوالنون"(مچھلی والا)اپ کا لقب ہے اور یہ لقب اس بناپر ہے کہ چونکہ ان کی سر گذشت ،جیسا کہ ہم بیان کریں گے،ایک مچھلی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے ،اپ ان مشہور پیغمبروں میں سے ہیں جو حضرت موسی علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے بعد اس دنیا میں ائے _

بعض نے انھیں حضرت ہود علیہ السلام کی اولاد میں سے قرار دیا ہے اور ان کی ماموریت قوم ثمود کے باقی ماندہ لوگوں کی ہدایت قرار دیا ہے_

ان کے ظہور کا مقام عراق کا ایک علاقہ ہے جس کا نام نینوا تھا_

بعض نے ان کا ظہور ۸۲۵ قبل مسیح لکھا ہے اور اب بھی کوفہ کے نزدیک شط فرات کے کنارے "یونس" کے نام کی معروف قبر موجود ہے_

بعض کتابوں نے لکھا ہے کہ اپ بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد اہل نینوا کی طرف مبعوث ہوئے_ (۱)

---

(۱) کتاب "یوناہ" میں جو عہد عتیق (توریت) کی کتابوں میں سے ہے_"یونس" کے بارے میں تفصیلی ذکر"یوناہ بن متي" کے نام سے کیا گیا ہے_

اس کے مطابق وہ اس کے لئے مامور ہوئے تھے کہ عظیم شہر نینوا جائیں اور لوگوں کی شرارت کے خلاف قیام کریں،

یونس علیہ السلام امتحان کی بھٹی میں

یونس(ع) نے بھی دیگر انبیاء کی طرح اپنی دعوت کی ابتداء توحید اور بت پرستی کے خلاف قیام سے شروع کي۔ اس کے بعد ان برائیوں کے خلاف نبرد آزمائي کی جو اس ماحول میں رائج تھے۔

لیکن وہ متعصب قوم،جو آنکھیں اور کان بند کرکے،اپنے بوڑھوں کی تقلید کررہی تھي۔ ان کی دعوت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوئي۔

قرآن میں حضرت مریم(ع) سے فرشتوں کی گفتگو کی تفصیل بیان کی گئي ہے_ انہوں نے حضرت مریم(ع) کو خدا کی طرف سے برگزیدہ ہونے کی بشارت دینے کے بعد کہا:"اب پروردگار کے حضور خضوع کرو اور سجدہ و قیام بجالائو"_ (۱)

یہ درحقیقت اس عظیم نعمت پر شکرانہ تھا_

حضرت عیسی علیہ السلام کی ولادت کا سرآغاز

قرآن حضرت عیسی علیہ السلام کی ولادت کے واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے:

"آسمانی کتاب قرآن میں مریم(ع) کی بات کرو کہ جس وقت اس نے اپنے گھروالوں سے جدا ہوکر مشرقی حصہ میں قیام کیا"_ (۲)

درحقیقت وہ ایک ایسی خالی اور فارغ جگہ چاہتی تھی جہاں پر کسی قسم کا کوئی شور و غل نہ ہوتا کہ وہ اپنے خدا سے راز و نیاز میں مشغول رہ سکے، اور کوئي چیز اسے یاد محبوب سے غافل نہ کرے، اسی مقصد کے لئے اس نے عظیم عبادت گاہ بیت المقدس کی مشرقی سمت کو جو شاید زیادہ آرام و سکون کی جگہ تھی یا سورج کی روشنی کے لحاظ سے زیادہ پاک و صاف اور زیادہ مناسب تھي، انتخاب کیا_

اس وقت مریم(ع) نے "اپنے اور دوسروں کے درمیان ایک پردہ ڈال لیا"_ (۳)

تاکہ اس کی خلوت گاہ ہر لحاظ سے کامل ہوجائے_

---

۷ دیگر قرآنی واقعات

دیگر قرآنی واقعات

حضرت لقمان

حضرت لقمان کا نام سورہ لقمان کی دوایات میں ایا ہے، ایا وہ پیغمبر تھے یا صرف ایک دانا اور صاحب حکمت انسان تھے ؟قران میں اس کی کوئي وضاحت نہیں ملتی، لیکن ان کے بارے میں قران کالب ولہجہ نشان دہی کرتا ہے کہ وہ پیغمبر نہیں تھے کیونکہ عام طورپر پیغمبروں کے بارے میں جو گفتگو ہوتی ہے اس میں رسالت; توحید کی طرف دعوت، شرک اور ماحول میں موجود بے راہ روی سے نبرد ازمائي، رسالت کی ادائیگی کے سلسلہ میں کسی قسم کی اجرت کا طلب نہ کرنا نیز امتوں کو بشارت و انذار کے مسائل وغیرہ دیکھنے میں اتے ہیں، جب کہ لقمان کے بارے میں ان مسائل میں سے کوئي بھی بیان نہیں ہوا، صرف انکے پند نصائح بیان ہوئے ہیں جو اگرچہ خصوصی طورپر تو ان کے اپنے بیٹے کے لئے ہیں لیکن ان کا مفہوم عمومی حیثیت کا حامل ہے اوریہی چیز اس بات پر گواہ ہے کہ وہ صرف ایک مرد حکیم و دانا تھے_

جو حدیث پیغمبر گرامی اسلام (ص) سے نقل ہوئي ہے اس طرح درج ہے :

" سچی بات یہ ہے کہ لقمان پیغمبر نہیں تھے بلکہ وہ اللہ کے ایسے بندے تھے جو زیادہ غور وفکر کیا کرتے، ان کا ایمان و یقین اعلی درجے پر تھا، خدا کو دوست رکھتے تھے اور خدا بھی انھیں دوست رکھتا تھا اور اللہ نے انھیں اپنی نعمتوں سے مالا مال کردیا تھا"_

بعض تواریخ میں ہے لقمان مصر اور سوڈان کے لوگوں میں سے سیاہ رنگ کے غلام تھے باوجودیکہ ان کا چہرہ خوبصورت نہیں تھا لیکن روشن دل اور مصفا روح کے مالک تھے وہ ابتدائے زندگی سے سچ بولتے اورا

مانت کو خیانت سے الودہ نہ کرتے اور جو امور ان سے تعلق نہیں رکھتے تھے ان میں دخل اندازی نہیں کرتے تھے ۔
بعض مفسرین نے ان کی نبوت کا احتمال دیا ہے لیکن جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں اس پر کوئي دلیل موجود نہیں ہے بلکہ واضح شواہد اس کے خلاف موجودہیں ۔

یہ تمام حکمت کہاں سے

بعض روایات میں ایا ہے کہ ایک شخص نے لقمان سے کہا کیا ایسا نہیں ہے کہ اپ ہمارے ساتھ مل کر جانور چرایاکرتے تھے ؟

اپ نے جواب میں کہا ایسا ہی ہے اس نے کہا توپھر اپ کو یہ سب علم و حکمت کہاں سے نصیب ہوئے ؟

لقمان نے فرمایا:اللہ کی قدرت، امانت کی ادائیگی، بات کی سچائي اور جو چیز مجھ سے تعلق نہیں رکھتی اس کے بارے میں خاموشی اختیار کرنے سے

حدیث بالا کے ذیل میں انحضرت سے ایک روایت یوں بھی نقل ہوئي ہے کہ :

"ایک دن حضرت لقمان دوپہر کے وقت ارام فرمارہے تھے کہ اچانک انھوں نے ایک اواز سنی کہ اے لقمان کیا اپ چاہتے ہیں کہ خداوند عالم اپ کو زمین میں خلیفہ قرار دے تاکہ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کریں ؟

لقمان نے اس کے جواب میں کہا کہ اگر میرا پروردگار مجھے اختیار دے دے تو میں عافیت کی راہ قبول کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اگر اس قسم کی ذمہ داری میرے کندھے پر ڈال دے گا تو یقینا میری مدد بھی کرے گا اور مجھے لغزشوں سے بھی محفوظ رکھے گا ۔

فرشتوں نے اس حالت میں کہ لقمان انھیں دیکھ رہے تھے کہا اے لقمان کیوں (ایسا نہیں کرتے؟)

تو انھوں نے کہا اس لئے کیونکہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنا سخت ترین منزل اور اہم ترین مرحلہ ہے

اور ہر طرف سے ظلم و ستم کی موجیں اس کی طرف متوجہ ہیں اگر خدا انسان کی حفاظت کرے تو وہ نجات پاجائے گا لیکن اگر خطا کی راہ پر چلے تو یقینا جنت کی راہ سے منحرف ہوجائے گا اور جس شخص کا سر دنیا میں جھکا ہوا اور اخرت میں بلند ہو اس سے بہتر ہے کہ جس کا سر دنیا میں بلند اور اخرت میں جھکا ہو اہو اور جو شخص دنیا کو اخرت پر ترجیح دے تو نہ تو وہ دنیا کو پاسکے گا اور نہ ہی اخرت کو حاصل کر سکے گا۔

فرشتے لقمان کی اس دلچسپ گفتگو اور منطقی باتوں سے متعجب ہوئے، لقمان نے یہ بات کہی اور سو گئے اور خدا نے نور حکمت ان کے دل میں ڈال دیا جس وقت بیدار ہوئے تو ان کی زبان پر حکمت کی باتیں تھیں"۔

اصحاب کہف

چند بیدار فکر اور باایمان نوجوان تھے، وہ نازو نعمت کی زندگی بسر کر رہے تھے، انھوں نے اپنے عقیدے کی حفاظت اور اپنے زمانے کے طاغوت سے مقابلے کے لئے ان سب نعمتوں کو ٹھوکر ماردی پہاڑ کے ایک میں جا پناہ لی، وہ جس میں کچھ بھی نہ تھا، یہ اقدام کر کے انھوں نے راہ ایمان میں اپنی استقامت اور پا مردی ثابت کردی ـ

یہ بات لائق توجہ ہے کہ اس مقام پر قران فن فصاحت و بلاغت کے ایک اصول سے کام لیتے ہوئے پہلے ان افراد کی سر گزشت کو اجمالی طورپر بیان کرتا ہے تاکہ سننے والوں کا ذہن مائل ہو جائے، اس سلسلے میں چار ایات میں واقعہ بیان کیا گیا ہے اور اس کے بعد میں تفصیل بیان کی گئی ہے ـ

اصحاب کہف کی زندگی کا اجمالی جائزہ

پہلے فرمایا گیا ہے :"کیا تم سمجھتے ہو کہ اصحاب کہف و رقیم ہماری عجیب ایات میں سے تھے"ـ[1]

زمین و اسمان میں ہماری بہت سی عجیب ایات ہیں کہ جن میں سے ہر ایک عظمت تخلیق کا ایک نمونہ ہے، خود تمہاری زندگی میں عجیب اسرار موجودہیں کہ جن میں سے ہر ایک تمہاری دعوت کی حقانیت کی نشانی ہے اور اصحاب کہف کی داستان مسلماً ان سے عجیب تر نہیں ہے ـ

---

(۱)سورہ کہف ایت ۹

"اصحاب کہف"(اصحاب)کو یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ انھوں نے اپنے جان بچانے کے لئے میں پناہ لی تھی جس کی تفصیل انکی زندگی کے حالات بیان کرتے ہوئے ائے گی_

لیکن "رقیم "دراصل "رقم "کے مادہ سے" لکھنے "کے معنی میں ہے ،زیادہ تر مفسرین کا نظریہ ہے کہ یہ اصحاب کہف کا دوسرا نام ہے کیونکہ اخر کا ر اس کا نام ایک تختی پر لکھا گیا اور اسے کے دروزاے پر نصب کیا گیا_

بعض اسے اس پہاڑ کا نام سمجھتے ہیں کہ جس میں یہ تھی اور بعض اس زمین کا نام سمجھتے ہیں کہ جس میں وہ پہاڑ تھا بعض کا خیال ہے کہ یہ اس شہر کا نام ہے جس سے اصحاب کہف نکلے تھے لیکن پہلا معنی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے_[(۱)]

اس کے بعد فرمایا گیا ہے :

"اس وقت کا سوچو جب چند جوانوں نے ایک میں جا پناہ لی"_[(۲)(۳)]

---

(۱)رہا بعض کا یہ احتمال کہ اصحاب کہف اور تھے اور اصحاب رقیم اور تھے بعض روایت میں ان کے بارے میں ایک داستان بھی نقل کی گئي ہے ،یہ ظاہر ایت سے ہم اہنگ نہیں ہے کیونکہ زیر قران کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اصحاب کہف و رقیم ایک ہی گروہ کا نام ہے یہی وجہ ہے کہ ان دو الفاظ کے استعمال کے بعد صرف "اصحاب کہف "کہہ کر داستان شروع کی گئي ہے اور انکے علاوہ ہر گز کسی دوسرے گروہ کا ذکر نہیں کیا گیا ،یہ صورت حال خود ایک ہی گروہ ہونے کی دلیل ہے

(۲)سورہ کہف آیت ۱۰

(۳)جیسا کہ قرآن میں موجود ہے:"اذا وی الفتیۃ الی الکھف"

(فتیۃ) فتی کی جمع ہے_در اصل یہ نوخیز و سرشار جوان کے معنی میں ہے البتہ کبھی کبھار بڑی عمر والے ان افراد کے لئے بھی بولاجاتا ہے کہ جن کے جذبے جوان اور سرشار ہوں _اس لفظ میں عام طورپر جوانمردی حق کے لئے ڈٹ جانے اور حق کے حضور سر تسلیم خم کرنے کا مفہوم بھی ہوتا ہے_

اس امر کی شاہد وہ حدیث ہے جو امام صادق علیہ السلام سے نقل ہوئي ہے_

امام(ع) نے اپنے ایک صحابی سے پوچھا:"فتی "کس شخص کو کہتے ہیں ؟

جب وہ ہر طرف سے مایوس تھے، انہوں نے بارگاہ خدا کا رخ کیا اور عرض کي:"پروردگارا ہمیں اپنی رحمت سے بہرہ ور کر"_ (۱)

اور ہمارے لئے راہ نجات پیدا کردے_

ایسی راہ کہ جس سے ہمیں اس تاریک مقام سے چھٹکارا مل جائے اور تیری رضا کے قریب کردے_ ایسی راہ کہ جس میں خیر و سعادت ہو اور ذمہ داری ادا ہوجائے_

ہم نے ان کی دعا قبول کي"ان کے کانوں پر خواب کے پردے ڈال دیئے اور وہ سالہا سال تک میں سوئے رہے"_

"پھر ہم نے انہیں اٹھایا اور بیدار کیا تاکہ ہم دیکھیں کا ان میں سے کون لوگ اپنی نیند کی مدت کا بہتر حساب لگاتے ہیں"_ (۲)

داستان اصحاب کہف کی تفصیل

جیسا کہ ہم نے کہا ہے اجمالی طور پر واقعہ بیا ن کرنے کے بعد میں اس کی تفصیل بیان کی گئي ہے_ گفتگو کا آغاز یوں کیا گیاہے: "ان کی داستان، جیسا کہ ہے، ہم تجھ سے بیان کرتے ہیں"_ (۳)

ہم اس طرح سے واقعہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ہر قسم کی فضول بات بے بنیاد چیزوں اور غلط باتو ں سے پاک ہوگا_

---

۸ حضرت رسول اکرم (ص)

حضرت رسول اکرم (ص)

نبوت سے پہلے آنحضرت (ص) کس دین پر تھے؟

اس بات میں تو شک کی گنجائش ہی نہیں کہ بعثت سے پہلے آنحضرت (ص) نے نہ تو کسی بت کو سجدہ کیا اور نہ ہی توحید کی راہ سے سر مو انحراف کیا، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس دین پر پابند تھے؟ تو اس بارے میں علماء کی آراء مختلف ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ آپ (ص) دین مسیح (ع) پر تھے، کیونکہ آنحضرت (ص) کی بعثت سے پہلے جو مستقل، قانونی اور غیر منسوخ دین تھا وہ حضرت عیسی (ع) کا دین ہی تھا۔

بعض علماء آپ (ص) کو دین ابراہیمی پر پابند سمجھتے ہیں۔ کیونکہ جناب ابراہیم (ع) شیخ الانبیاء اور ابوالانبیاء تھے اور قرآن کی بعض آیات میں بھی دین اسلام کا دین ابراہیم (ع) کے نام سے تعارف کروایا گیا ہے۔[۱]

بعض علماء نے اس بارے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ یقیناً آپ (ص) کسی دین پر تو پابند تھے لیکن یہ نہیں معلوم کہ وہ کونسا دین تھا؟

---

(۱)"ملة ابیکم ابراهیم" (سورہ حج ایت ۷۸)

اگر چہ ان احتمالات میں سے ہر ایک کی اپنی جگہ پر دلیل تو ہے لیکن مسلم کوئی بھی نہیں_ البتہ ان تینوں اقوال سے ہٹ کر ایک چوتھا احتمال زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ"آنحضرت(ص) خداوند عالم کی طرف سے اپنے لئے ایک خاص پروگرام رکھتے تھے، اور اسی پر عمل پیرا تھے اور در حقیقت یہ آپ(ص) کی ذات کے لیے مخصوص ایک دین تھا، جب تک کہ اسلام نازل نہیں ہوگیا"_

اس قول پر وہ حدیث شاہد ہے جو نہج البلاغہ میں موجود ہے:

"جس وقت سے پیغمبر(ص) کی دودھ بڑھائي ہوئي، اللہ نے اپنے فرشتوں میں سے ایک عظیم فرشتے کو آپ(ص) کے ساتھ ملادیا، جو شب و روز مکارم الاخلاق اور نیک راستوں پر آپ(ص) کو اپنے ساتھ رکھتا"_

اس قول کا ایک اور گواہ یہ ہے کہ کسی بھی تاریخ میں نہیں ملتا کہ پیغمبر اسلام(ص) یہود یا نصاری یا کسی اور مذہب کے عبادت خانوں میں عبادت کے لیے تشریف لے گئے ہوں، نہ تو کفار کے ساتھ مل کر کبھی کسی بت خانے میں گئے اور نہ ہی اہل کتاب کے ساتھ کسی عبادت خانے میں بلکہ ہمیشہ راہ توحید پر گامزن رہے اور آپ(ص) اخلاقی اصولوں اور عبادت الہی کے سخت پابند تھے_

بحار الانوار میں علامہ مجلسي کے مطابق، بہت سی اسلامی روایات اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ پیغمبر اسلام(ص) اپنی عمر کے آغاز ہی سے روح القدس کے ساتھ موید تھے اور اس تائید کے ساتھ یقینا وہ روح القدس کی راہنمائي کے مطابق عمل کیا کرتے تھے_

علامہ مجلسي ذاتی طور پر اس بات کے معتقد ہیں کہ پیغمبر اسلام(ص) رسالت کے مرتبے پر فائز ہونے سے پہلے مقام نبوت پر فائز تھے، اور کبھی آپ(ص) ان کی آواز سنا کرتے تھے اور کبھی سچے خواب کی صورت میں آپ(ص) پر خدائي الہام ہوا کرتا تھا_ چالیس سال کے بعد اعلان رسالت کا حکم ہوا اور اسلام و قرآن با قاعدہ طور پر آپ(ص) پر نازل ہوئے_

علامہ مجلسي نے اپنے اس مدعا پر چھ دلائل ذکر کئے ہیں جن میں سے کچھ ان دلائل کے ساتھ ملتے جلتے اور ہم آہنگ ہیں جو ہم اوپر بیان کرچکے ہیں_

آغاز وحي

پیغمبر اکرم (ص) کوہ حرا پر گئے ہوئے تھے کہ جبرئیل آئے اور کہا : اے محمد پڑھ :پیغمبر (ص) نے فرمایا میں پڑھا ہوانہیں ہوں ـ جبرئیل نے انہیں آغوش میں لے کردبایا اور پھر دوبارہ کہا : پڑھ، پیغمبر (ص) نے پھر اسی جواب کو دہرایا ـ اس کے بعد جبرئیل نے پھر وہی کام کیا اور وہی جواب سنا ، اور تیسری بار کہا: (اقرا باسم ربک الذی خلق)[1]

جبرئیل (ع) یہ بات کہہ کر پیغمبر (ص) کی نظروں سے غائب ہوگئے رسول خدا (ص) جو وحی کی پہلی شعاع کو حاصل کرنے کے بعد بہت تھکے ہوئے تھے خدیجہ کے پاس آئے اور فرمایا : "زملونی ودثرونی "مجھے اڑھادو اور کوئي کپڑا میرے اوپر ڈال دوتاکہ میں آرام کروں ـ

"علامہ طبرسي" بھی مجمع البیان میں یہ نقل کرتے ہیں کہ رسو لخدا (ص) نے خدیجہ سے فرمایا :

"جب میں تنہا ہوتا ہوں تو ایک آواز سن کرپریشان ہوجاتا ہوں" ـ حضرت خدیجہ(ع) نے عرض کیا : خداآپ کے بارے میں خیر اور بھلائي کے سوا کچھ نہیں کرے گا کیونکہ خدا کی قسم آپ امانت کو ادا کرتے ہیں اور صلہ رحم بجالاتے ہیں 'اور جوبات کرتے ہیں اس میں سچ بولتے ہیں ـ

---

(۱) سورہ علق آیت ۱

"خدیجہ"(ع) کہتی ہیں : اس واقعہ کے بعد ہم ورقہ بن نوفل کے پاس گئے (نوفل خدیجہ کا زاد بھائي اور عرب کے علماء میں سے تھا)رسول اللہ (ص) نے جو کچھ دیکھا تھا وہ" ورقہ" سے بیان کیا " ورقہ " نے کہا : جس وقت وہ پکارنے والا آپ کے پاس آئے تو غور سے سنو کہ وہ کیا کہتا ہے ؟ اس کے بعد مجھ سے بیان کرنا_

پیغمبر (ص) نے اپنی خلوت گاہ میں سنا کہ وہ کہہ رہا ہے :

اے محمد کہو:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالك یوم الدین ایاك نعبدوایاك نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیرالمغضوب علیھم ولاالضالین"_

اور کہو " لاالہ الااللہ " اس کے بعد آپ ورقہ کے پاس آئے اور اس ماجرے کو بیان کیا _

" ورقہ " نے کہا : آپ کو بشارت ہو' پھر بھی آپ کو بشارت ہو_ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جن کی عیسی بن مریم نے بشارت دی ہے' آپ موسی علیہ السلام کی طرح صاحب شریعت ہیں اور پیغمبر مرسل ہیں_ آج کے بعد بہت جلدہی جہاد کے لیے مامور ہوں گے اور اگر میں اس دن تک زندہ رہا تو آپ کے ساتھ مل کر جہاد کروں گا " جب " ورقہ دنیا سے رخصت ہو گیا تو رسول خدا (ص) نے فرمایا:

"میں نے اس روحانی شخص کو بہشت (برزخی جنت) میں دیکھا ہے کہ وہ جسم پر ریشمی لباس پہنے ہوئے تھا' کیونکہ وہ مجھ پر ایمان لایا تھا اور میری تصدیق کی تھي_"(۱)

---

(۱)یقینی طورپر مفسرین کے بعض کلمات یا تاریخ کی کتابوں میں پیغمبر اکرم (ص) کی زندگی کی اس فصل کے بارے میں ایسے ناموزوں مطالب نظر آتے ہیں جو مسلمہ طور پر جعلي' وضعي' گھڑی ہوئي روایات اور اسرائیلیات سے ہیں' مثلاًیہ کہ پیغمبر (ص) نزول وحی کے پہلے واقعہ کے بعد بہت ہی ناراحت ہوئے اور ڈر گئے کہ کہیں یہ شیطانی القاآت نہ ہوں' یا آپ نے کئي مرتبہ

پہلا مسلمان(۱)

اس سوال کے جواب میں سب نے متفقہ طور پر کہا ہے کہ عورتوں میں سے جو خاتون سب سے پہلے مسلمان ہوئیں وہ جناب خدیجہ(ع) تھیں جو پیغمبر اکرم (ص) کی وفادار اور فداکار زوجہ تھیں باقی رہا مردوں میں سے تو تمام شیعہ علماء ومفسرین اور اہل سنت علماء کے ایک بہت بڑے گروہ نے کہا ہے کہ حضرت علی (ع) وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مردوں میں سے دعوت پیغمبر (ص) پر لبیک کہی علماء اہل سنت میں اس امرکی اتنی شہرت ہے کہ ان میں سے ایک جماعت نے اس پر اجماع واتفاق کا دعوی کیا ہے ان میں سے حاکم نیشاپوری (۲) نے کہا ہے:

مورخین میں اس امر پر کوئي اختلاف نہیں کہ علی ابن ابی طالب اسلام لانے والے پہلے شخص ہیں_ اختلاف اسلام قبول کرتے وقت انکے بلوغ کے بارے میں ہے_

جناب ابن عبدالبر(۳) لکھتے ہیں: اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ خدیجہ(ع) وہ پہلی خاتون ہیں جو خدا اور

اس بات کا پختہ ارادہ کرلیا کہ خود کو پہاڑ سے گرادیں' اور اسی قسم کے فضول اور بے ہودہ باتیں جو نہ تو نبوت کے بلند مقام کے ساتھ سازگارہیں اور نہ ہی پیغمبر(ص) کی اس عقل اور حد سے زیادہ دانش مندی' مدبریت' صبر و تحمل وشکیبائي' نفس پر تسلط اور اس اعتماد کو ظاہر کرتی ہیں جو تاریخوں میں ثبت ہے_

ایسا دکھائي دیتا ہے کہ اس قسم کی ضعیف ورکیک روایات دشمنان اسلام کی ساختہ وپرداختہ ہیں جن کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کو بھی مورد اعتراض قراردے دیں اور پیغمبر اسلام (ص) کی ذات گرامی کو بھی_

(۱)اس سوال کو اکثر مفسرین نے سورہ توبہ ایت ۱۰۰"السابقون الاولون"کے ضمن میں بیان کیا ہے

(۲)مستدرک علی صحیحین کتاب معرفت ص ۲۲

(۳)استیعاب ،ج ۲ ص ۴۵۷

اس کے رسول پر ایمان لائیں اور جو کچھ وہ لائے تھے اسی کی تصدیق کی_ پھر حضرت علی نے ان کے بعد یہی کام انجام دیا_(۱)

ابو جعفر الکافی معتزلی لکھتا ہے: تمام لوگوں نے یہی نقل کیا ہے کہ سبقت اسلام کا افتخار علی سے مخصوص ہے_(۲) قطع نظر اس کے کہ پیغمبر اکرم (ص) سے، خود حضرت علی (ع) سے اور صحابہ سے اس بارے میں بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں جو حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں، ذیل میں چند روایات ہم نمونے کے طور پر نقل کرتے ہیں: پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا:

۱_ پہلا شخص جو حوض کوثر کے کنارے میرے پاس پہنچے گا وہ شخص ہے جو سب سے پہلے اسلام لایا اور وہ علی بن ابی طالب ہے_(۳)

۲_ علماء اہل سنت کے ایک گروہ نے پیغمبر اکرم (ص) سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت (ص) نے حضرت علی (ع) کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

یہ پہلا شخص ہے جو مجھ پر ایمان لایا اور پہلا شخص ہے جو قیامت میں مجھ سے مصافحہ کرے گا اور یہ "صدیق اکبر" ہے_(۴)

۳_ ابو سعید خدری رسول اکرم (ص) سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت (ص) نے حضرت علی علیہ السلام کے دونوں شانوں کے درمیان ہاتھ مار کر فرمایا: "اے علی (ع): تم سات ممتاز صفات کے حامل ہو کہ جن کے بارے میں روز قیامت کوئی تم سے حجت بازی نہیں کرسکتا_ تم وہ پہلے شخص ہو جو خدا پر ایمان لائے اور خدائی پیمانوں کے زیادہ وفادار ہو اور فرمان خدا کی اطاعت میں تم زیادہ قیام کرنیوالے ہو"(۵)

---

(۱) الغدیر ج ،۳ص ۲۳۷

(۲) الغدیر ج ،۳ص ۲۳۷

(۳) الغدیر میں یہ حدیث مستدرک حاکم ج۲ص ۱۳۶ ، استیعاب ج ۲ ص ۴۵۷ اور شرح ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۲۵۸ سے نقل کی گئی ہے

(۴) الغدیر ہی میں یہ حدیث طبرانی اور بیہقی سے نقل کی گئی ہے نیز بیہقی نے مجمع میں ، حافظ گنجی نے کفایہ المکال میں اور کنز العمال میں نقل کی ہے

(۵) الغدیر میں یہ حدیث حلیتہ الاولیاء ج اص ۶۶ کے حوالے سے نقل کی گئی ہے

تحریف تاریخ

یہ امر لائق توجہ ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی جو ایمان اور اسلام میں حضرت علی کی سبقت کا سیدھے طریقے سے تو انکار نہیں کرسکے لیکن کچھ واضح البطلان علل کی بنیاد پر ایک اور طریقے سے انکار کی کوشش کی ہے یا اسے کم اہم بنا کر پیش کیا ہے بعض نے کوشش کی ہے ان کی جگہ حضرت ابوبکر کو پہلا مسلمان قرار دیں یہ لوگ کبھی کہتے ہیں کہ علی اس وقت دس سال کے تھے لہذا طبعاًنا بالغ تھے اس بناء پر ان کا اسلام ایک بچے کے اسلام کی حیثیت سے دشمن کے مقابلے میں مسلمانوں کے محاذ کے لیے کوئي اہمیت نہیں رکھتا تھا_[1]

یہ بات واقعاً عجیب ہے اور حقیقت میں خود پیغمبر خدا پر اعتراض ہے کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ یوم الدار (دعوت ذی العشیرہ کے موقع پر)رسول اللہ (ص) نے اسلام اپنے قبیلے کے سامنے پیش کیا اور کسی نے حضرت علي(ع) کے سوا اسے قبول نہ کیا اس وقت حضرت علی کھڑے ہوگئے اور اسلام کا اعلان کیا تو آپ نے ان کے اسلام کو قبول کیا بلکہ یہاں تک اعلان کیا کہ تو میرے بھائي، میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے_

یہ وہ حدیث ہے جو شیعہ سنی حافظان حدیث نے کتب صحاح اور مسانید میں نقل کی ہے، اسی طرح کئي مورخین اسلام نے اسے نقل کیا ہے یہ نشاندہی کرتی ہے کہ رسول اللہ (ص) نے حضرت علی (ع) کی اس کم سنی میں نہ صرف ان کا اسلام قبول کیا ہے بلکہ ان کا اپنے بھائي، وصی اور جانشین کی حیثیت سے تعارف بھی کروایا ہے_[2]

کبھی کہتے ہیں کہ عورتوں میں پہلی مسلمان خدیجہ تھیں، مردوں میں پہلے مسلمان ابوبکر تھے اور بچوں

---

(۱) یہ بات فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر میں سورہ توبہ آیت ۱۰۰ کے ذیل میں ذکر کی ہے

(۲) یہ حدیث مختلف عبارات میں نقل ہوئي ہے اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اسے ابو جعفر اسکافی نے کتاب "نہج العثمانیہ" میں، برہان الدین نے" نجبا الانبا" میں، ابن اثیر نے کامل میں اور بعض دیگر علماء نے نقل کیا ہے (مزید وضاحت کے لئے الغدیر، عربی کی جلد دوم ص۲۷۸ تا ۲۸۶ کی طرف رجوع کریں)

میں پہلے مسلمان علی تھےیوں دراصل وہ اس امرکی اہمیت کم کرنا چاہتے ہیں [1]

حالانکہ اول تو جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں حضرت علی علیہ السلام کی اہمیت اس وقت کی سن سے اس امرکی اہمیت کم نہیں ہوسکتی خصوصاً جب کہ قرآن حضرت يحيي(ع) کے بارے میں کہتا ہے: "ہم نے اسے بچپن کے عالم میں حکم دیا"_ [2]

حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں بھی ہے کہ وہ بچپن کے عالم میں بھی بول اٹھے اور افراد ان کے بارے میں شک کرتے تھے ان سے کہا: "میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اس نے آسمانی کتاب دی اور مجھے نبی بنایا ہے"_ [3]

ایسی آیات کو اگر ہم مذکورہ حدیث سے ملاکردیکھیں کہ جس میں آپ نے حضرت علی (ع) کو اپنا وصي، خلیفہ اور جانشین قرار دیا ہے تو واضح ہوجاتاہے کہ صاحب المنار کی متعصبانہ گفتگو کچھ حیثیت نہیں رکھتی_

دوسری بات یہ ہے کہ یہ امر تاریخی لحاظ سے مسلم نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر اسلام لانے والے تیسرے شخص تھے بلکہ تاریخ وحدیث کی بہت سی کتب میں ان سے پہلے بہت سے افراد کے اسلام قبول کرنے ذکر ہے_ یہ بحث ہم اس نکتے پر ختم کرتے ہیں کہ حضرت علی (ع) نے خود اپنے ارشادات میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ میں پہلا مومن، پہلا مسلمان اور رسول اللہ (ص) کے ساتھ پہلا نماز گذار ہوں اور اس سے آپ نے اپنے مقام و حیثیت کو واضح کیا ہے یہ بات آپ سے بہت سی کتب میں منقول ہے_

علاوہ ازیں ابن ابی الحدید مشہور عالم ابو جعفر اسکافی معتزلی سے نقل کرتے ہیں کہ یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابوبکر اسلام میں سبقت رکھتے تھے اگر یہ امر صحیح ہے تو پھر خود انھوں نے اس سے کسی مقام پر اپنی فضیلت کے لیے استدلال کیوں نہیں کیا اور نہ ہی ان کے حامی کسی صحابی نے ایسا دعوی کیا ہے_ [4]

---

(۱) یہ تعبیر مشہور اور متعصب مفسر مولف المنارنے بھی سورہ توبہ آیت ۱۰۰ کے ذیل میں ذکر ہے

(۲) سورہ مریم آیت ۱۲

(۳) سورہ مریم آیت ۳۰

(۴) الغدیر ج ۲ ص ۲۴۰

دعوت ذوالعشیرۃ

تاریخ اسلام کی رو سے آنحضرت (ص) کو بعثت کے تیسرے سال اس دعوت کا حکم ہوا کیونکہ اب تک آپ کی دعوت مخفی طور پر جاری تھی اور اس مدت میں بہت کم لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا ، لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی " وانذر عشیرتک الا قربین " [1]

اور یہ آیت بھی " فاصدع بما تومر واعرض عن المشرکین " [2] تو آپ کھلم کھلا دعوت دینے پر مامور ہوگئے اس کی ابتداء اپنے قریبی رشتہ داروں سے کرنے کا حکم ہوا ـ

اس دعوت اور تبلیغ کی اجمالی کیفیت کچھ اس طرح سے ہے : آنحضرت (ص) نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو جناب ابو طالب کے گھر میں دعوت دی اس میں تقریباً چالیس افراد شریک ہوئے آپ کے چچاؤں میں سے ابو طالب، حمزہ اور ابو لہب نے بھی شرکت کی ـ

کھانا کھالینے کے بعد جب آنحضرت (ص) نے اپنا فریضہ ادا کرنے کا ارادہ فرمایا تو ابو لہب نے بڑھ کر کچھ ایسی باتیں کیں جس سے سارا مجمع منتشر ہوگیا لہذا آپ نے انھیں کل کے کھانے کی دعوت دے دی ـ

دوسرے دن کھانا کھانے کے بعد آپ نے ان سے فرمایا : " اے عبد المطلب کے بیٹو: پورے عرب میں مجھے کوئی ایسا شخص دکھائی نہیں دیتا جو اپنی قوم کے لیے مجھ سے بہتر چیز لایا ہو ، میں تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمھیں اس دین کی دعوت دوں ، تم میں سے کون

---

(۱) سورہ شعراء آیت ۲۱۴

(۲)سورہ حجرات آیہ ۹۴

ہے جو اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے تاکہ وہ میرا بھائي ، میرا وصی اور میرا جانشین ہو" ؟ سب لوگ خاموش رہے سوائے علی بن ابی طالب کے جو سب سے کم سن تھے، علی اٹھے اور عرض کی : "اے اللہ کے رسول اس راہ میں میں آپ(ص) کا یارو مددگار ہوں گا" آنحضرت (ص) نے اپنا ہاتھ علی (ع) کی گردن پر رکھا اور فرمایا : "ان ھذا اخی ووصی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوہ"_ یہ (علی (ع)) تمہارے درمیان میرا بھائي ، میرا وصی اور میرا جانشین ہے اس کی باتوں کو سنو اور اس کے فرمان کی اطاعت کرو_ یہ سن کر سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور تمسخر آمیز مسکراہٹ ان کے لبوں پر تھی ، ابوطالب (ع) سے سے کہنے لگے، "اب تم اپنے بیٹے کی باتوں کو سنا کرو اور اس کے فرمان پر عمل کیا کرنا"_ (۱)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت (ص) ان دنوں کس حدتک تنہا تھے اور لوگ آپ کی دعوت کے جواب میں کیسے کیسے تمسخر آمیز جملے کہا کرتے تھے اور علی علیہ السلام ان ابتدائي ایام میں جب کہ آپ بالکل تنہا تھے کیونکر آنحضرت (ص) کے مدافع بن کر آپ کے شانہ بشانہ چل رہے تھے_

ایک اور روایت میں ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) نے اس وقت قریش کے ہر قبیلے کا نام لے لے کر انھیں بلایا اور انھیں جہنم کے عذاب سے ڈرایا، کبھی فرماتے:"یا بنی کعب انقذوا انفسکم من النار"_

اے بنی کعب : خود کو جہنم سے بچائو، کبھی فرماتے : "یا بنی عبد الشمس"__ کبھی فرماتے : "یا بنی عبد مناف"_ کبھی فرماتے : "یا بنی ہاشم"_ کبھی فرماتے : "یا بنی عبد المطلب انقذوا انفسکم النار"_ تم خودہی اپنے آپ کو جہنم سے بچائو ، ورنہ کفر کی صورت میں میں تمہارا دفاع نہیں کرسکوں گا_

---

(۱)اس روایت کو بہت سے اہل سنت علماء نے نقل کیا ہے جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں :

ابن ابی جریر، ابن ابی حاتم ، ابن مردویہ ، ابو نعیم ، بیہقی ، ثعلبی اور طبری مورخ ابن اثیر نے یہ واقعہ اپنی کتاب "کامل" میں اور "ابو الفداء" نے اپنی تاریخ میں اور دوسرے بہت سے مورخین نے اپنی اپنی کتابوں میں اسے درج کیا ہے مزید اگاہی کے لئے کتاب" المرجعات "ص ۱۳۰ کے بعد سے اور کتاب "احقاق الحق"ج ۲،ص ۶۲ ملاحظہ فرمائیں

ایمان ابوطالب

تمام علمائے شیعہ اور اہل سنت کے بعض بزرگ علماء مثلاً "ابن ابی الحدید"شارح نہج البلاغہ نے اور"قسطلاني" نے ارشاد الساری میں اور" زيني دحلان" نے سیرۃ حلبی کے حاشیہ میں حضرت ابوطالب کو مومنین اہل اسلام میں سے بیان کیا ہے۔ اسلام کی بنیادی کتابوں کے منابع میں بھی ہمیں اس موضوع کے بہت سے شواہد ملتے ہیں کہ جن کے مطالعہ کے بعد ہم گہرے تعجب اور حیرت میں پڑجاتے ہیں کہ حضرت ابوطالب پر ایک گروہ کی طرف سے اس قسم کی بے جا تہمیں کیوں لگائي گئیں ؟

جو شخص اپنے تمام وجود کے ساتھ پیغمبر اسلام کا دفاع کیا کرتا تھا اور بارہا خود اپنے فرزند کو پیغمبر اسلام کے وجود مقدس کو بچانے کے لئے خطرات کے مواقع پر ڈھال بنادیا کرتا تھا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس پر ایسی تہمت لگائي جائے۔

یہی سبب ہے کہ دقت نظر کے ساتھ تحقیق کرنے والوں نے یہ سمجھا ہے کہ حضرت ابوطالب کے خلاف، مخالفت کی لہر ایک سیاسی ضرورت کی وجہ سے ہے جو " شجرہ خبیثہ بنی امیّہ"کی حضرت علی علیہ السلام کے مقام ومرتبہ کی مخالفت سے پیدا ہوئي ہے۔

کیونکہ یہ صرف حضرت ابوطالب کی ذات ہی نہیں تھی کہ جو حضرت علی علیہ السلام کے قرب کی وجہ سے ایسے حملے کی زد میں آئي ہو ،بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہروہ شخص جو تاریخ اسلام میں کسی طرح سے بھی امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام سے قربت رکھتا ہے ایسے ناجو انمردانہ حملوں سے نہیں بچ سکا، حقیقت میں

حضرت ابوطالب کا کوئي گناہ نہیں تھا سوائے اس کے وہ حضرت علی علیہ السلام جیسے عظیم پیشوائے اسلام کے باپ تھے۔

ایمان ابو طالب پر سات دلیل

ہم یہاں پر ان بہت سے دلائل میں سے جو واضح طورپر ایمان ابوطالب کی گواہی دیتے ہیں کچھ دلائل مختصر طورپر فہرست وار بیان کرتے ہیں تفصیلات کے لئے ان کتابوں کی طرف رجوع کریں جو اسی موضوع پر لکھی گئي ہیں۔

۱۔ حضرت ابوطالب پیغمبر اکرم (ص) کی بعثت سے پہلے خوب اچھی طرح سے جانتے تھے کہ ان کا بھتیجا مقام نبوت تک پہنچے گا کیونکہ مورخین نے لکھا ہے کہ جس سفر میں حضرت ابوطالب قریش کے قافلے کے ساتھ شام گئے تھے تو اپنے بارہ سالہ بھتیجے محمد (ص) کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اس سفر میں انہوں نے آپ سے بہت سی کرامات مشاہدہ کیں۔

ان میں ایک واقعہ یہ ہے کہ جو نہیں قافلہ "بحیرا" نامی راہب کے قریب سے گزرا جو قدیم عرصے سے ایک گرجے میں مشغول عبادت تھا اور کتب عہدین کا عالم تھا، تجارتی قافلے اپنے سفر کے دوران اس کی زیارت کے لئے جاتے تھے، تو راہب کی نظریں قافلہ والوں میں سے حضرت محمد (ص) پر جم کر رہ گئیں، جن کی عمر اس وقت بارہ سال سے زیادہ نہ تھی۔

بحیرا نے تھوڑی دیر کے لئے حیران و ششدر رہنے اور گہری اور پُر معنی نظروں سے دیکھنے کے بعد کہا: یہ بچہ تم میں سے کس سے تعلق رکھتا ہے؟ لوگوں نے ابوطالب کی طرف اشارہ کیا، انہوں نے بتایا کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔

"بحیرا" نے کہا: اس بچہ کا مستقبل بہت درخشاں ہے، یہ وہی پیغمبر ہے کہ جس کی نبوت ورسالت کی آسمانی کتابوں نے خبردی ہے اور میں نے اسکی تمام خصوصیات کتابوں میں پڑھی ہیں۔

ابوطالب اس واقعہ اور اس جیسے دوسرے واقعات سے پہلے دوسرے قرائن سے بھی پیغمبر اکرم (ص) کی

نبوت اور معنویت کو سمجھ چکے تھے_

اہل سنت کے عالم شہرستانی (صاحب ملل و نحل) اور دوسرے علماء کی نقل کے مطابق: "ایک سال آسمان مکہ نے اپنی برکت اہل مکہ سے روک لی اور سخت قسم کی قحط سالی نے لوگوں کو گھیر لیا تو ابوطالب نے حکم دیا کہ ان کے بھتیجے محمد کو جو ابھی شیر خوار ہی تھے لایا جائے، جب بچے کو اس حال میں کہ وہ ابھی کپڑے میں لپٹا ہوا تھا انہیں دیا گیا تو وہ اسے لینے کے بعد خانہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہوگئے اور تضرع وزاری کے ساتھ اس طفل شیر خوار کو تین مرتبہ اوپر کی طرف بلند کیا اور ہر مرتبہ کہتے تھے، پروردگارا، اس بچہ کے حق کا واسطہ ہم پر برکت والی بارش نازل فرما_

کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ افق کے کنارے سے بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور مکہ کے آسمان پر چھا گیا اور بارش سے ایسا سیلاب آیا کہ یہ خوف پیدا ہونے لگا کہ کہیں مسجد الحرام ہی ویران نہ ہوجائے"_

اس کے بعد شہرستانی لکھتا ہے کہ یہی واقعہ جو ابوطالب کی اپنے بھتیجے کے بچپن سے اس کی نبوت و رسالت سے آگاہ ہونے پر دلالت کرتا ہے ان کے پیغمبر پر ایمان رکھنے کا ثبوت بھی ہے اور ابوطالب نے بعد میں اشعار ذیل اسی واقعہ کی مناسبت سے کہے تھے:

و ابیض یستسقی الغمام بوجهه

ثمال الیتامی عصمة الارامل

" وہ ایسا روشن چہرے والا ہے کہ بادل اس کی خاطر سے بارش برساتے ہیں وہ یتیموں کی پناہ گاہ اور بیوائوں کے محافظ ہیں"

یلوذ به الهلاك من آل هاشم

فهم عنده فی نعمة و فواضل

"بنی ہاشم میں سے جو چل بسے ہیں وہ اسی سے پناہ لیتے ہیں اور اسی کے صدقے میں نعمتوں اور احسانات سے بہرہ مند ہوتے ہیں،،

ومیزان عدلہ یخیس شعیرۃ

ووزان صدق وزنہ غیرہائل

" وہ ایک ایسی میزان عدالت ہے کہ جو ایک جَو برابر بھی ادھرادھر نہیں کرتا اور درست کاموں کا ایسا وزن کرنے والا ہے کہ جس کے وزن کرنے میں کسی شک وشبہ کا خوف نہیں ہے "

قحط سالی کے وقت قریش کا ابوطالب کی طرف متوجہ ہونا اور ابوطالب کا خدا کو آنحضرت کے حق کا واسطہ دینا شہرستانی کے علاوہ اور دوسرے بہت سے عظیم مورخین نے بھی نقل کیا ہے _"(۱)

اشعار ابوطالب زندہ گواہ

۲_اس کے علاوہ مشہور اسلامی کتابوں میں ابوطالب کے بہت سے اشعار ایسے ہیں جو ہماری دسترس میں ہیں ان میں سے کچھ اشعار ہم ذیل میں پیش کررہے ہیں :

واللہ ان یصلوالیك بجمعهم

حتی اوسدفی التراب دفینا

"اے میرے بھتیجے خدا کی قسم جب تک ابوطالب مٹی میں نہ سوجائے اور لحد کو اپنا بستر نہ بنالے دشمن ہرگزہرگز تجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے"

فاصدع بامرك ماعلیك غضاضته

وابشربذاك وقرمنك عیونا

"لہذا کسی چیز سے نہ ڈراور اپنی ذمہ داری اور ماموریت کا ابلاغ کر، بشارت دے اور آنکھوں کو ٹھنڈا کر"_

---

(۱) علامہ امینی نے اسے اپنی کتاب"الغدیر"میں " شرح بخاري" ،"المواہب اللدنیہ" ،" الخصائص الکبری" ،" شرح بہجتہ المحافل" ،"سیرہ حلبي"،" سیرہ نبوي" اور" طلبتہ الطالب" سے نقل کیا ہے

ودعوتني وعلمت انك ناصحي

ولقد دعوت وكنت ثم امينا

"تو نے مجھے اپنے مکتب کی دعوت دی اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تیرا ہدف ومقصد صرف پندو نصیحت کرنا اور بیدار کرنا ہے، تو اپنی دعوت میں امین اور صحیح ہے"

ولقد علمت ان دين محمد(ص)

من خير اديان البرية ديناً

" میں یہ بھی جانتا ہوں کہ محمد کا دین ومکتب تمام دینوں اور مکتبوں میں سب سے بہتر دین ہے"۔

اور یہ اشعار بھی انہوں نے ہی ارشاد فرمائے ہیں :

الم تعلمواانا وجدنا محمد اً

رسولا كموسى خط فى اول الكتب

" اے قریش کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ محمد((ص))موسی (علیہ السلام) کی مثل ہیں اور موسی علیہ السلام کے مانند خدا کے پیغمبر اور رسول ہیں جن کے آنے کی پیشین گوئي پہلی آسمانی کتابوں میں لکھی ہوئي ہے اور ہم نے اسے پا لیا ہے"۔

وان عليه فى العباد محبة

ولاحيف فى من خصه الله فى الحب

" خدا کے بندے اس سے خاص لگائو رکھتے ہیں اور جسے خدا وندمتعال نے اپنی محبت کے لئے مخصوص کرلیا ہو اس شخص سے یہ لگائو بے موقع نہیں ہے۔"

ابن ابی الحدید نے جناب ابوطالب کے کافی اشعار نقل کرنے کے بعد (کہ جن کے مجموعہ کو ابن شہر آشوب نے " متشابہات القرآن" میں تین ہزار اشعار کہا ہے) کہتا ہے : "ان تمام اشعار کے مطالعہ سے ہمارے لئے کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئي گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ ابوطالب اپنے بھتیجے کے دین پر ایمان

رکھتے تھے"_

۳_ پیغمبر اکرم (ص) سے بہت سی ایسی احادیث بھی نقل ہوئی ہیں جو آنحضرت (ص) کی ان کے فدا کار چچا ابوطالب کے ایمان پر گواہی دیتی ہیں منجملہ ان کے کتاب " ابوطالب مومن قریش" کے مولف کی نقل کے مطابق ایک یہ ہے کہ جب ابوطالب کی وفات ہوگئی تو پیغمبر اکرم (ص) نے ان کی تشیع جنازہ کے بعد اس سوگواری کے ضمن میں جو اپنے چچا کی وفات کی مصیبت میں آپ کررہے تھے آپ یہ بھی کہتے تھے:

"ہائے میرے بابا ہائے ابوطالب میں آپ کی وفات سے کس قدر غمگین ہوں کس طرح آپ کی مصیبت کو میں بھول جائوں ، اے وہ شخص جس نے بچپن میں میری پرورش اور تربیت کی اور بڑے ہونے پر میری دعوت پر لبیک کہی ، میں آپ کے نزدیک اس طرح تھا جیسے آنکھ خانہ چشم میں اور روح بدن میں"_

نیز آپ ہمیشہ یہ کیا کرتے تھے :" مانالت منی قریش شیئًااکرھه حتی مات ابوطالب"

"اہل قریش اس وقت تک کبھی میرے خلاف ناپسندیدہ اقدام نہ کرسکے جب تک ابوطالب کی وفات نہ ہوگئی"_

۴_ ایک طرف سے یہ بات مسلم ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) کو ابوطالب کی وفات سے کئی سال پہلے یہ حکم مل چکا تھا کہ وہ مشرکین کے ساتھ کسی قسم کا دوستانہ رابطہ نہ رکھیں ، اس کے باوجود ابوطالب کے ساتھ اس قسم کے تعلق اور مہر و محبت کا اظہار اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) انھیں مکتب توحید کا معتقد جانتے تھے، ورنہ یہ بات کس طرح ممکن ہوسکتی تھی کہ دوسروں کو تو مشرکین کی دوستی سے منع کریں اور خود ابوطالب سے عشق کی حدتک مہر و محبت رکھیں_

۵_ ان احادیث میں بھی کہ جو اہل بیت پیغمبر کے ذریعہ سے ہم تک پہنچی ہیں حضرت ابوطالب کے ایمان و اخلاص کے بڑی کثرت سے مدارک نظر آتے ہیں ، جن کا یہاں نقل کرنا طول کا باعث ہوگا ، یہ احادیث منطقی استدلالات کی حامل ہیں ان میں سے ایک حدیث چوتھے امام علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے اس میں امام علیہ السلام نے اس سوال کے جواب میں کہ کیا ابوطالب مومن تھے؟ جواب دینے کے بعد ارشاد فرمایا:

"ان ھنا قوماًیزعمون انہ کافر"، اس کے بعد فرمایاکہ:"تعجب کی بات ہے کہ بعض لوگ یہ کیوں خیال کرتے ہیں کہ ابوطالب کافرتھے_کیا وہ نہیں جانتے کہ وہ اس عقیدہ کے ساتھ پیغمبر(ص) اور ابوطالب پر طعن کرتے ہیں کیا ایسا نہیں ہے کہ قرآن کی کئي آیات میں اس بات سے منع کیا گیا ہے (اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ) مومن عورت ایمان لانے کے بعد کافر کے ساتھ نہیں رہ سکتی اور یہ بات مسلم ہے کہ فاطمہ بنت اسدرضی اللہ عنہا سابق ایمان لانے والوں میں سے ہیں اور وہ ابوطالب کی زوجیت میں ابوطالب کی وفات تک رہیں_"

ابوطالب تین سال تک شعب میں

٦_ان تمام باتوں کو چھوڑتے ہوئے اگر انسان ہرچیزمیں ہی شک کریں تو کم ازکم اس حقیقت میں تو کوئي شک نہیں کرسکتا کہ ابوطالب اسلام اور پیغمبر اکرم (ص) کے درجہ اول کے حامی ومددگار تھے، ان کی اسلام اور پیغمبر کی حمایت اس درجہ تک پہنچی ہوئي تھی کہ جسے کسی طرح بھی رشتہ داری اور قبائلی تعصبات سے منسلک نہیں کیا جاسکتا_

اس کا زندہ نمونہ شعب ابوطالب کی داستان ہے_تمام مورخین نے لکھا ہے کہ جب قریش نے پیغمبر اکرم (ص) اور مسلمانوں کا ایک شدید اقتصادي، سماجی اور سیاسی بائیکاٹ کرلیا اور اپنے ہر قسم کے روابط ان سے منقطع کرلئے تو آنحضرت (ص) کے واحد حامی اور مدافع، ابوطالب نے اپنے تمام کاموں سے ہاتھ کھینچ لیا اور برابر تین سال تک ہاتھ کھینچے رکھا اور بنی ہاشم کو ایک درہ کی طرف لے گئے جومکہ کے پہاڑوں کے درمیان تھا اور "شعب ابوطالب" کے نام سے مشہور تھا اور وہاں پر سکونت اختیار کرلي_

ان کی فداکاری اس مقام تک جاپہنچی کہ قریش کے حملوں سے بچانے کے لئے کئي ایک مخصوص قسم کے برج تعمیر کرنے کے علاوہ ہررات پیغمبر اکرم (ص) کو ان کے بستر سے اٹھاتے اوردوسری جگہ ان کے آرام کے لئے مہیا کرتے اور اپنے فرزند دلبند علي کو ان کی جگہ پر سلادیتے اور جب حضرت علي کہتے:"بابا جان میں تو اسی حالت میں قتل ہوجائوں گا "تو ابوطالب جواب میں کہتے :میرے پیارے بچے بردباری اور صبرہاتھ

سے نہ چھوڑو، ہر زندہ موت کی طرف رواں دواں ہے، میں نے تجھے فرزند عبد اللہ کا فدیہ قرار دیا ہے _

یہ بات اور بھی طالب توجہ ہے کہ جو حضرت علی علیہ السلام باپ کے جواب میں کہتے ہیں کہ بابا جان میرا یہ کلام اس بناپر نہیں تھا کہ میں راہ محمد میں قتل ہونے سے ڈرتاہوں ، بلکہ میرا یہ کلام اس بنا پر تھا کہ میں یہ چاہتا تھا کہ آپ کو معلوم ہوجائے کہ میں کس طرح سے آپ کا اطاعت گزار اور احمد مجتبی کی نصرت ومدد کے لئے آمادہ وتیار ہوں _

قارئین کرام ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص بھی تعصب کو ایک طرف رکھ کر غیر جانبداری کے ساتھ ابوطالب کے بارے میں تاریخ کی سنہری سطروں کو پڑھے گا تو وہ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ کا ہمصدا ہوکر کہے گا :

ولولا ابوطالب وابنه لما مثل الدين شخصا وقاما

فذاك بمكة آوى وحامي وهذا بيثرب جس الحماما

" اگر ابوطالب اور ان کا بیٹا نہ ہوتے تو ہر گز مکتب اسلام باقی نہ رہتا اور اپنا قد سیدھا نہ کرتا ، ابوطالب تو مکہ میں پیغمبر کی مدد کے لئے آگے بڑھے اور علی یثرب (مدینہ) میں حمایت اسلام کی راہ میں گرداب موت میں ڈوب گئے"

ابوطالب کا سال وفات ''عام الحزن

"۷_"ابوطالب کی تایخ زندگي، جناب رسالت مآب (ص) کے لئے ان کی عظیم قربانیاں اور رسول اللہ اور مسلمانوں کی ان سے شدید محبت کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے ہم یہاں تک دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوطالب کی موت کے سال کا نام "عام الحزن" رکھا یہ سب باتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ حضرت ابوطالب کو اسلام سے عشق تھا اور وہ جو پیغمبر اسلام کی اس قدر مدافعت کرتے تھے وہ محض رشتہ داری کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اس دفاع میں آپ کی حیثیت ایک مخلص، ایک جاں نثار اور ایسے فداکار کی تھی جو اپنے رہبر اور پیشوا کا تحفظ کررہا ہو_"

ابو لہب کی دشمني

اس کانام " عبدالعزي" (عزی بت کا بندہ) اور اس کی کنیت "ابو لہب" تھي_ اس کے لیے اس کنیت کا انتخاب شاید اس وجہ سے تھا کہ اس کا چہرہ سرخ اور بھڑکتا ہوا تھا، چونکہ لغت میں لہب آگ کے شعلہ کے معنی میں ہے_

وہ اور اس کی بیوی "ام جمیل"جو ابوسفیان کی بہن تھی ، پیغمبر اکرم (ص) کے نہایت بدزبان اور سخت ترین دشمنوں میں سے تھے_

"طارق محارق " نامی ایک شخص کہتاہے : میں " ذی المجاز " کے بازار میں تھا_[1]

اچانک میں نے ایک جوان کو دیکھا جو پکارپکار کرکہہ رہا تھا: اے لوگو: لاالہ الا اللہ کا اقرار کرلو تو نجات پاجائوگے_ اور اس کے پیچھے پیچھے میں نے ایک شخص کو دیکھا جو اس کے پائوں کے پچھلے حصہ پرپتھر مارتاجاتاہے جس کی وجہ سے اس کے پائوں سے خون جاری تھا اوروہ چلا چلا کر کہہ رہاتھا_ اے لوگو یہ جھوٹاہے اس کی بات نہ ماننا "_

میں نےپوچھا کہ یہ جوان کون ہے ؟تو لوگوں نے بتایا :" یہ محمد، ، (ص) ہے جس کاگمان یہ ہے کہ وہ پیغمبر ہے اور یہ بوڑھا اس کاچچا ابولہب ہے جو جو اس کو جھوٹا سمجھتا ہے_

---

(۱)ذی المجار عرفات کے نزدیک مکہ سے تھوڑے سے فاصلہ پر ہے

"ربیع بن عباد" کہتا ہے : میں اپنے باپ کے ساتھ تھا، میں نے رسول اللہ (ص) کو دیکھا کہ وہ قبائل عرب کے پاس جاتے اور ہر ایک کو پکار کر کہتے : میں تمہاری طرف خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں : تم خدائے یگانہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ_

جب وہ اپنی بات سے فارغ ہوجاتا تو ایک خوبرو بھینگا آدمی جو ان کے پیچھے پیچھے تھا، پکار کر کہتا : اے فلاں قبیلے : یہ شخص یہ چاہتاہے کہ تم لات وعزی بت اور اپنے ہم پیمان جنوں کو چھوڑدو اور اس کی بدعت وضلالت کی پیروی کرنے لگ جاؤاس کی نہ سننا، اور اس کی پیروی نہ کرنا"_

میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے ؟ تو انہوں نے بتایا کہ یہ " اس کاچچا ابو لہب ہے "_

ابو لہب پیغمبر کا پیچھا کرتا رہا

جب مکہ سے باہر کے لوگوں کا کوئي گروہ اس شہر میں داخل ہوتا تھا تو وہ پیغمبر (ص) سے اس کی رشتہ داری اور سن وسال کے لحاظ سے بڑاہونے کی بناپر ابو لہب کے پاس جاتا تھا اور رسول اللہ (ص) کے بارے میں تحقیق کرتا تھا وہ جواب دیتا تھا: محمد ایک جادوگر ہے ،وہ بھی پیغمبر سے ملاقات کئے بغیر ہی لوٹ جاتے اسی اثناء میں ایک ایسا گروہ آیا جنہوں نے یہ کہا کہ ہم تو اسے دیکھے بغیر واپس نہیں جائیں گے ابو لہب نے کہا :"ہم مسلسل اس کے جنون کا علاج کررہے ہیں : وہ ہلاک ہوجائے "_

وہ اکثر مواقع پر سایہ کی طرح پیغمبر کے پیچھے لگارہتا تھا اور کسی خرابی سے فروگذاشت نہ کرتا تھا خصوصاً اس کی زبان بہت ہی گندی اور آلودہ ہوتی تھی اور وہ رکیک اور چبھنے والی باتیں کیا کرتا تھا اور شاید اسی وجہ سے پیغمبر اسلام (ص) کے سب دشمنوں کا سرغنہ شمار ہوتا تھا اسی بناء پر قرآن کریم اس پر اور اس کی بیوی ام جمیل پر ایسی صراحت اور سختی کے ساتھ تنقید کررہاہے وہی ایک اکیلا ایسا شخص تھا جس نے پیغمبر اکرم (ص) سے بنی ہاشم کی حمایت کے عہد وپیمان پر دستخط نہیں کئے تھے اور اس نے آپ کے دشمنوں کی صف میں رہتے ہوئے دشمنوں کے عہد وپیمان میں شرکت کی تھي_

ابو لہب کے ہاتھ کٹ جائیں

"ابن عباس"سے نقل ہوا ہے کہ جس وقت آیہ"وَأَنذِرْ عشيرتك الاقربين"_نازل ہوئي اور پيغمبر(ص) اپنے قریبی رشتہ داروں کو انذار کرنے اور اسلام کی دعوت دینے پر مامور ہوئے،تو پیغمبر(ص) کوہ صفا پر آئے اور پکار کر کہا"یا صباحاہ"(یہ جملہ عرب اس وقت کہتے تھے جب ان پر دشمن کی طرف سے غفلت کی حالت میں حملہ ہو جاتا تھا تاکہ سب کو باخبر کردیں اور وہ مقابلہ کے لیے کھڑے ہو جائیں، لہذا کوئي شخص"یا صباحاہ"کہہ کر آواز دیتا تھا"صباح"کے لفظ کا انتخاب اس وجہ سے کیا جاتا تھا کہ عام طور پر غفلت کی حالت میں حملے صبح کے وقت کیے جاتے تھے_

مکہ کے لوگوں نے جب یہ صدا سنی تو انہوں نے کہا کہ یہ کون ہے جو فریاد کررہا ہے_

کہا گیا کہ یہ"محمد"(ص) ہیں_کچھ لوگ آپ(ص) کے پاس پہنچے تو آپ(ص) نے قبائل عرب کو ان کے نام کے ساتھ پکارا_آپ(ص) کی آواز پر سب کے سب جمع ہوگئے تو آپ(ص) نے ان سے فرمایا:

"مجھے بتلائو اگر میں تمہیں یہ خبردوں کہ دشمن کے سوار اس پہاڑ کے پیچھے سے حملہ کرنے والے ہیں،تو کیا تم میری بات کی تصدیق کروگے"_

انہوں نے جواب دیا:"ہم نے آپ(ص) سے کبھی بھی جھوٹ نہیں سنا"_

آپ(ص) نے فرمایا:

"انی نذير لكم بين يدى عذاب شديد"_

"میں تمہیں خدا کے شدید عذاب سے ڈراتا ہوں"_

("میں تمہیں توحید کا اقرار کرنے اور بتوں کو ترک کرنے کی دعوت دیتا ہوں")جب ابو لہب نے یہ بات سنی تو اس نے کہا:

"تبالكا ما جمعتنا الا لهذا؟"_

تو ہلاک ہو جائے کیا تو نے ہمیں صرف اس بات کے لیے جمع کیا ہے"؟

اس موقع پر یہ سورہ نازل ہوا :

(تبت یدااا بی لھب وتب)(۱)

اے ابو لہب تو ہی ہلاک ہو اور تیرے ہاتھ ٹوٹیں، تو ہی زیاں کار اور ہلاک ہونے والا ہے، اس کے مال وثروت نے اور جو کچھ اس نے کمایا ہے اس نے، اسے ہر گز کوئي فائدہ نہیں دیا اور وہ اسے عذاب الٰہی سے نہیں بچائے گا"۔

اس تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک دولت مند مغرور شخص تھا جو اپنی اسلام دشمن کوششوں کے لئے اپنے مال ودولت پر بھروسہ کرتا تھا۔

بعد میں قرآن مزید کہتا ہے، "وہ جلدی ہی اس آگ میں داخل ہوگا جس کے شعلے بھڑکنے والے ہیں"۔ (۲)

اگر اس کا نام "ابو لہب" ہے تو اس کے لئے عذاب بھي "بو لہب" ہے یعنی اس کے لئۓ بھڑکتے ہوئے اگ کے شعلہ ہیں۔

ایندھن اٹھائے ہوئے

قرآن کریم نے اس کے بعد اس کی بیوی "ام جمیل" کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: "اس کی بیوی بھی جہنم کی بھڑکتی ہوئي آگ میں داخل ہوگی، جو اپنے دوش پر ایندھن اٹھاتی ہے"۔ (۳)

"اور اس کی گردن میں خرما کی چھال کی رسی یا گردن بند ہے"۔(۴) "فی جیدھا حبل من مسد"

---

(۱)سورہ مسد آیت ۱ تا ۲

(۲)سورہ مسد آیت ۳

(۳)سورہ مسد آیت ۴

(۴)سورہ مسد آیت ۴

"مسد" (بروزن حسد) اس رسی کے معنی میں ہے جو کھجور کے پتوں سے بنائي جاتی ہے _ بعض نے یہ کہا ہے کہ "مسد" وہ رسی ہے جو جہنم میں اس کی گردن میں ڈالیں گے جس میں کھجور کے پتوں جیسی سختی ہوگی اور اس میں آگ کی حرارت اور لوہے کی سنگینی ہوگی _

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ چونکہ بڑے لوگوں کی عورتیں اپنی شخصیت کو آلات وزیورات خصوصا گردن کے قیمتی زیورات سے زینت دینے میں خاص بات سمجھتی ہیں، لہذا خدا قیامت میں اس مضراور وخود پسند عورت کی تحقیر کے لیے لیف خرما کا ایک گردن بند اس کی گردن میں ڈال دے گا یا یہ اصلا اس کی تحقیر سے کنا یہ ہے _

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس تعبیر کے بیان کرنے کا سبب یہ ہے کہ " ام جمیل " کے پاس جواہرات کا ایک بہت ہی قیمتی گردن بند تھا اور اس نے یہ قسم کھائي تھی کہ وہ اسے پیغمبر اکرم (ص) کی دشمنی میں خرچ کرے گی لہذا اس کے اس کام کے بدلے میں خدا نے بھی اس کے لئے ایسا عذاب مقرر کردیا ہے _

ابو لہب کا عبرت ناک انجام

روایات میں ایا ہے کہ جنگ "بدر" اور سخت شکست کے بعد، جو مشرکین قریش کو اٹھانی پڑی تھی ، ابو لہب نے جو خود میدان جنگ میں شریک نہیں ہوا تھا ، ابوسفیان کے واپس آنے پر اس ماجرے کے بارے میں سوال کیا، ابو سفیان کے قریش کے لشکر کی شکست اور سرکوبی کی کیفیت بیان کي، اس کے بعد اس نے مزید کہا : خدا کی قسم ہم نے اس جنگ میں آسمان وزمین کے درمیان ایسے سوار دیکھے ہیں جو محمد کی مدد کے لیے آئے تھے _

اس موقع پر" عباس " کے ایک غلام "ابورافع " نے کہا : میں وہاں بیٹھا ہوا تھا ، میں نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور کہا کہ وہ آسمانی فرشتے تھے _

اس سے ابو لہب بھڑک اٹھا اور اس نے ایک زوردار تھپڑ میرے منہ پر دے مارا ، مجھے اٹھا کر زمین پر

پٹخ دیا اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے مجھے پیٹے چلے جارہا تھا وہاں عباس کی بیوي"ام الفضل" بھی موجود تھی اس نے ایک چھڑی اٹھائي اور ابو لہب کے سر پر دے ماری اور کہا :"کیا تونے اس کمزور آدمی کو اکیلا سمجھا ہے ؟"

ابو لہب کا سر پھٹ گیا اور اس سے خون بہنے لگا سات دن کے بعد اس کے بدن میں بد بو پیدا ہوگئی، اس کی جلد میں طاعون کی شکل کے دانے نکل آئے اور وہ اسی بیماری سے واصل جہنم ہوگیا _

اس کے بدن سے اتنی بد بو آرہی تھی کہ لوگ اس کے نزدیک جانے کی جرات نہیں کرتے تھے وہ اسے مکہ سے باہر لے گئے اور دور سے اس پر پانی ڈالا اور اس کے بعد اس کے اوپر پتھر پھینکے یہاں تک کہ اس کا بدن پتھروں اور مٹی کے نیچے چھپ گیا _

ابو سفیان وابو جہل چھپ کر قرآن سنتے ہیں

ایک شب ابو سفیان ، ابو جہل اور مشرکین کے بہت سے دوسرے سردار جداگانہ طور پر اور ایک دوسرے سے چھپ کر آنحضرت (ص) سے قرآن سننے کے لئے آگئے آپ اس وقت نماز پڑھنے میں مشغول تھے اور ہر ایک ، ایک دوسرے سے بالکل بے خبر علیحدہ علیحدہ مقامات پر چھپ کر بیٹھ گئے چنانچہ وہ رات گئے تک قرآن سنتے رہے اور جب واپس پلٹنے لگے تو اس وقت صبح کی سفیدی نمودار ہوچکی تھی _ اتفاق سے سب نے واپسی کے لیے ایک ہی راستے کا انتخاب کیا اور ان کی اچانک ایک دوسرے سے ملاقات ہوگئي اور ان کا بھانڈا وہیں پر پھوٹ گیا انھوں نے ایک دوسرے کو ملامت کی اور اس بات پر زور دیا کہ آئندہ ایسا کام نہیں کریں گے ، اگر نا سمجھ لوگوں کو پتہ چل گیا تو وہ شک وشبہ میں پڑجائیں گے _

دوسری اور تیسری رات بھی ایسا ہی اتفاق ہوا اور پھر وہی باتیں دہرائي گئیں اور آخری رات تو انھوں نے کہا جب تک اس بات پر پختہ عہد نہ کرلیں اپنی جگہ سے ہلیں نہیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور پھر ہر ایک نے اپنی راہ لی _ اسی رات کی صبح اخنس بن شریق نامی ایک مشرک اپنا عصالے کر سیدھا ابو سفیان کے گھر پہنچا اور اسے کہا : تم نے جو کچھ محمد سے سنا ہے اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے ؟

اس نے کہا: خدا قسم : کچھ مطالب ایسے سنے ہیں جن کا معنی بخوبی سمجھ سکا ہوں اور کچھ مسائل کی مراد اور معنی کو نہیں سمجھ سکا _ اخنس وہاں سے سیدھا ابو جہل کے پاس پہنچا اس سے بھی وہی سوال کیا : تم نے جو کچھ محمد سے سنا ہے اس کے بارے میں کیا کہتے ہو ؟

ابو جہل نے کہا : سنا کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہماری اور اولاد عبد مناف کی قدیم زمانے سے رقابت

چلی آرہی ہے انھوں نے بھوکوں کو کھانا کھلایا، ہم نے بھی کھلایا ، انھوں نے پیدل لوگوں کو سواریاں دیں ہم نے بھی دیں ، انھوں نے لوگوں پر خرچ کیا، سو ہم نے بھی کیا گویا ہم دوش بدوش آگے بڑھتے رہے_جب انھوں نے دعوی کیا ہے کہ ان کے پاس وحی آسمانی بھی آتی ہے تو اس بارے میں ہم ان کے ساتھ کس طرح برابری کر سکتے ہیں ؟ اب جب کہ صورت حال یہ ہے تو خدا کی قسم ہم نہ تو کبھی اس پر ایمان لائیں گے اور نہ ہی اس کی تصدیق کریں گے_ اخنس نے جب یہ بات سنی تو وہاں سے اٹھ کر چلا گیا (۱)

جی ہاں : قرآن کی کشش نے ان پر اس قدر اثر کردیا کہ وہ سپیدہ صبح تک اس الہی کشش میں گم رہے لیکن خود خواہی ، تعصب اور مادی فوائدان پر اس قدر غالب آچکے تھے کہ انھوں نے حق قبول کرنے سے انکار کردیا_ اس میں شک نہیں کہ اس نورالہی میں اس قدر طاقت ہے کہ ہر آمادہ دل کو وہ جہاں بھی ہو، اپنی طرف جذب کرلیتا ہےیہی وجہ ہے کہ اس (قرآن)کا ان آیات میں "جہاد کبیر" کہہ کر تعارف کروایا گیا ہے_ (۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک دن "اخنس بن شریق" کا ابوجہل سے آمنا سامنا ہوگیا جب کہ وہاں پر اور کوئی دوسرا آدمی موجود نہیں تھا_تو اخنس نے اس سے کہا : سچ بتاؤ محمد سچاہے ،یاجھوٹا ؟قریش میں سے کوئی شخص سوامیرے اور تیرے یہاں موجود نہیں ہے جو ہماری باتوں کو سنے_

ابوجہل نے کہا: وائے ہو تجھ پر خدا کی قسم وہ میرے عقیدے میں سچ کہتا ہے اور اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا لیکن اگر یہ اس بات کی بنا ہو جائے کہ محمد کا خاندان سب چیزوں کو اپنے قبضہ میں کرلے، حج کا پرچم ، حاجیوں کو پانی پلانا،کعبہ کی پردہ داری اور مقام نبوت تو باقی قریش کے لئے کیا باقی رہ جائے گا_ (۳)

---

(۱)سیرت ابن ہشام جلداول ص۳۳۷ ، اور تفسیر فی ظلال القرآن جلد ۶ ص ۱۷۳

(۲)تفسیر نمونہ ج ۸ ص ۱۴۴

(۳)مندرجہ بالاروایات تفسیر المنار اور مجمع البیان سے سورہ انعام ایت ۳۳/ کے ذیل میں بیان کردہ تفسیر سے لی گئی ہیں

اسلام کے پہلے مہاجرین

پیغمبر اکرم (ص) کی بعثت اور عمومی دعوت کے ابتدائي سالوں میں مسلمان بہت ہی کم تعداد میں تھے قریش نے قبائل عرب کو یہ نصیحت کررکھی تھی کہ ہر قبیلہ اپنے قبیلہ کے ان لوگوں پر کہ جو پیغمبر اکرم (ص) پر ایمان لاچکے ہیں انتہائي سخت دبائوڈالیں اور اس طرح مسلمانوں میں سے ہر کوئي اپنی قوم وقبیلہ کی طرف سے انتہائي سختی اور دبائو میں بتلا تھا اس وقت مسلمانوں کی تعداد جہاد آزادی شروع کرنے کے لئے کافی نہیں تھی _پیغمبراکرم (ص) نے اس چھوٹے سے گروہ کی حفاظت اور مسلمانوں کے لئے حجاز سے باہر قیام گاہ مہیا کرنے کے لئے انہیں ہجرت کا حکم دے دیا اور اس مقصد کے لئے حبشہ کو منتخب فرمایا اور کہا کہ وہاں ایک نیک دل بادشاہ ہے جو ظلم و ستم کرنے سے اجتناب کرتا ہے_ تم وہاں چلے جائو یہاں تک کہ خداوند تعالی کوئي مناسب موقع ہمیں عطا فرمائے_پیغمبر اکرم (ص) کی مراد نجاشی سے تھی (نجاشی ایک عام نام تھا جیسے "کسری" جو حبشہ کے تمام بادشاہوں کا خاص لقب تھا لیکن اس نجاشی کا اصل نام جو پیغمبر اکرم (ص) کا ہم عصر تھا اصحمہ تھا جو کہ حبشہ کی زبان میں عطیہ و بخشش کے معنی میں ہے)_

مسلمانوں میں سے گیارہ مرد اور چار عورتیں حبشہ جانے کے لئے تیار ہوئے اور ایک چھوٹی سی کشتی کرایہ پر لے کر بحری راستے سے حبشہ جانے کے لئے روانہ ہوگئے_یہ بعثت کے پانچویں سال ماہ رجب کا واقعہ ہے_کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ جناب جعفر بن ابوطالب بھی مسلمانوں کے ایک دوسرے گروہ کے ساتھ حبشہ چلے گئے_ اب اس اسلامی جمعیت میں ۸۲/مردوں علاوہ کافی تعداد میں عورتیں اور بچے بھی تھے_

مشرکین، مہاجرین کی تعقیب میں

اس ہجرت کی بنیادبت پرستوں کے لئے سخت تکلیف دہ تھی کیونکہ دہ اچھی طرح سے دیکھ رہے تھے کہ کچھ زیادہ عرصہ نہیں گمزرے گا کہ وہ لوگ جوتدریجاً اسلام کو قبول کرچکے ہیں اور حبشہ کی سرزمین امن وامان کی طرف چلے گئے ہیں، مسلمانوں کی ایک طاقتور جماعت کی صورت اختیار کرلیں گے یہ حیثیت ختم کرنے کے لئے انہوں نے کام کرنا شروع کردیا اس مقصد کے لئے انہوں نے جوانوں میں سے دوہوشیار، فعال، حیلہ باز اور عیار جوانوں یعنی عمروبن عاص اور عمارہ بن ولید کا انتخاب کیا بہت سے ہدیے دے کر ان کو حبشہ کی طرف روانہ کیا گیا، ان دونوں نے کشتی میں بیٹھ کر شراب پی اور ایک دوسرے سے لڑپڑے لیکن آخرکار وہ اپنی سازش کو روبہ عمل لانے کے لئے سرزمین حبشہ میں داخل ہوگئے _ ابتدائي مراحل طے کرنے کے بعد وہ نجاشی کے دربار میں پہنچ گئے ،دربار میں باریاب ہونے سے پہلے انہوں نے نجاشی کے درباریوں کو بہت قیمتی ہدیے دے کران کو اپنا موافق بنایا تھا اور ان سے اپنی طرفداری اورتائید کرنے کا وعدہ لے لیا تھا _

" عمروعاص " نے اپنی گفتگو شروع کی اور نجاشی سے اس طرح ہمکلام ہوا:

ہم سرداران مکہ کے بھیجے ہوئے ہیں ہمارے درمیان کچھ کم عقل جوانوں نے مخالفت کا علم بلند کیا ہے اور وہ اپنے بزرگوں کے دین سے پھر گئے ہیں، اور ہمارے خدائوں کو برابھلا کہتے ہیں، انہوں نے فتنہ وفساد برپا کردیا ہے لوگوں میں نفاق کا بیج بودیا ہے، آپ کی سرزمین کی آزادی سے انہوں نے غلط فائدہ اٹھایا ہے اور انہوں نے یہاں آکرپناہ لے لی ہے ، ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ وہ یہاں بھی خلل اندازی نہ کریں بہتریہ ہے کہ آپ انہیں ہمارے سپرد کردیں تاکہ ہم انہیں اپنی جگہ واپس لے جائیں _

یہ کہہ کر ان لوگوں نے وہ ہدیئے وہ اپنے ساتھ لائے تھے پیش کیے _

نجاشی نے کہا : جب تک میں اپنی حکومت میں پناہ لینے والوں کے نمائندوں سے نہ مل لوں اس سلسلے میں کوئي بات نہیں کرسکتا اورچونکہ یہ ایک مذہبی بحث ہے لہذا ضروری ہے کہ تمہاری موجودگی میں مذہبی نمائندوں کو بھی ایک جلسہ میں دعوت دی جائے _

جعفر بن ابی طالب مہاجرین کے بہترین خطیب

چنانچہ دوسرے دن ایک اہم جلسہ منعقد ہوا، اس میں نجاشی کے مصاحبین اور عیسائي علماء کی ایک جماعت شریک تھی جعفر بن ابی طالب مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے موجود تھے اور قریش کے نمائندے بھی حاضر ہوئے نجاشی نے قریش کے نمائندوں کی باتیں سننے کے بعد جناب جعفر کی طرف رخ کیا اور ان سے خواہش کی کہ وہ اس سلسلے میں اپنا نقطہ نظر بیان کریں جناب جعفر ادائے احترام کے بعد اس طرح گویا ہوئے : پہلے ان سے پوچھیے کہ کیا ہم ان کے بھاگے ہوئے غلاموں میں سے ہیں ؟

عمرو نے کہا : نہیں بلکہ آپ آزاد ہیں _

جعفر: ان سے یہ بھی پوچھئے کہ کیا ان کا کوئي قرض ہمارے ذمہ ہے کہ جس کا وہ ہم سے مطالبہ کرتے ہیں ؟

عمرو : نہیں ہمارا آپ سے ایسا کوئي مطالبہ نہیں ہے _

جعفر: کیا ہم نے تمہارا کوئي خون بہایا ہے کہ جس کا ہم سے بدلہ لینا چاہتے ہو ؟

عمرو:نہیں ایسا کچھ نہیں ہے؟

جعفر: تو پھر تم ہم سے کیا چاہتے ہو ؟تم نے ہم پر اتنی سختیاں کیں اور اتنی تکلیفیں پہنچائیں اور ہم تمہاری سرزمین سے جو سراسر مرکز ظلم وجور تھی باہر نکل آئے ہیں _

اس کے بعد جناب جعفر نے نجاشی کی طرف رخ کیا اور کہا : ہم جاہل اور نادان تھے، بت پرستی کرتے تھے ،مردار کا گوشت کھاتے تھے ، طرح طرح کے برے اور شرمناک کام انجام دیتے تھے، قطع رحمی کرتے تھے ، اپنے ہمسایوں سے برا سلوک کرتے تھے اور ہمارے طاقتور کمزوروں کے حقوق ہڑپ کرجاتے تھے _ لیکن خداوند تعالی نے ہمارے درمیان ایک پیغمبر کو معبوث فرمایا، جس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم خدا کا کوئي مثل اور شریک نہ بنائیں اور فحشاء ومنکر، ظلم وستم اور قماربازی ترک کردیں ہمیں حکم دیا کہ ہم نماز پڑھیں ،

زکوۃ ادا کریں ، عدل و احسان سے کام لیں اور اپنے وابستگان کی مدد کریں _

نجاشی نے کہا : عیسی مسیح علیہ السلام بھی انہی چیزوں کے لئے مبعوث ہوئے تھے _

اس کے بعد اس نے جناب جعفر سے پوچھا : ان آیات میں سے جو تمہارے پیغمبر پر نازل ہوئی ہیں کچھ تمہیں یاد ہیں _جعفر نے کہا : جی ہاں : اور پھر انہوں نے سورہ مریم کی تلاوت شروع کردی ، اس سورہ کی ایسی ہلادینے والی آیات کے ذریعہ جو مسیح علیہ السلام اور ان کی ماں کو ہر قسم کی نارو اتہمتوں سے پاک قراردیتی ہیں ، جناب جعفر کے حسن انتخاب نے عجیب وغریب اثر کیایہاں تک کہ مسیحی علماء کی آنکھوں سے فرط شوق میں آنسو بہنے لگے اور نجاشی نے پکار کر کہا : خدا کی قسم : ان آیات میں حقیقت کی نشانیاں نمایاں ہیں _

جب عمر نے چاہا کہ اب یہاں کوئی بات کرے اور مسلمانوں کو اس کے سپرد کرنے کی درخواست کرے ، نجاشی نے ہاتھ بلند کیا اور زور سے عمرو کے منہ پر مارا اور کہا: خاموش رہو، خدا کی قسم اگر ان لوگوں کی مذمت میں اس سے زیادہ کوئی بات کی تو میں تجھے سزادوں گا ، یہ کہہ کر مامورین حکومت کی طرف رخ کیا اور پکار کر کہا : ان کے ہدیے ان کو واپس کردو اور انہیں حبشہ کی سرزمین سے باہر نکال دو جناب جعفر اور ان کے ساتھیوں سے کہا : تم آرام سے میرے ملک میں زندگی بسر کرو_

اس واقعہ نے جہاں جعفر اور ان کے ساتھیوں سے کہا تم آرام سے میرے ملک میں زندگی بسر کرو_(۱)

اس واقعہ نے جہاں حبشہ کے کچھ لوگوں پر اسلام شناسی کے سلسلے میں گہرا تبلیغی اثر کیا وہاں یہ واقعہ اس بات کا بھی سبب بنا کہ مکے کے مسلمان اس کو ایک اطمینان بخش جائے پناہ شمار کریں اور نئے مسلمان ہونے والوں کو اس دن کے انتظار میں کہ جب وہ کافی قدرت و طاقت حاصل کریں ، وہاں پر بھیجتے رہیں _

---

(۱)بہت سے مفسرین نے نقل کیا ہے کہ سورہ مائدہ ایات ۸۲تا۸۶ نجاشی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں

فتح خیبرکی زیادہ خوشی ہے یا جعفر کے پلٹنے کي

کئي سال گزر گئے پیغمبر (ص) بھی ہجرت فرماگئے اور اسلام روزبروز ترقی کی منزلیں طے کرنے لگا،عہدنامہ حدیبیہ لکھا گیا اور پیغمبر اکرم (ص) فتح خیبرکی طرف متوجہ ہوئے اس وقت جب کہ مسلمان یہودیوں کے سب سے بڑے اور خطر ناک مرکز کے لوٹنے کی وجہ سے اتنے خوش تھے کہ پھولے نہیں سماتے تھے، دورسے انہوں نے ایک مجمع کو لشکر اسلام کی طرف آتے ہوئے دیکھا ، تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ معلوم ہوا کہ یہ وہی مہاجرین حبشہ ہیں ، جو آغوش وطن میں پلٹ کر آرہے ہیں ،جب کہ دشمنوں کی بڑی بڑی طاقتیں دم توڑچکی ہیں اور اسلام کا پودا اپنی جڑیں کافی پھیلا چکا ہے ۔

پیغمبر اکرم (ص) نے جناب جعفراور مہا جرین حبشہ کو دیکھ کر یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا:

"میں نہیں جانتا کہ مجھے خیبر کے فتح ہونے کی زیادہ خوشی ہے یا جعفر کے پلٹ آنے کی"

کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے علاوہ شامیوں میں سے آٹھ افراد کہ جن میں ایک مسیحی راہب بھی تھا اور ان کا اسلام کی طرف شدید میلان پیدا ہوگیا تھاپیغمبر (ص) کی خدمت میں حاضرہوئے اور انہوں نے سورہ ی سین کی کچھ آیات سننے کے بعد رونا شروع کردیا اور مسلمان ہوگئے اور کہنے لگے کہ یہ آیات مسیح علیہ السلام کی سچی تعلیمات سے کس قدر مشابہت رکھتی ہیں۔

اس روایت کے مطابق جو تفسیر المنار، میں سعید بن جبیر سے منقول ہے نجاشی نے اپنے یارو انصار میں سے تیس بہترین افراد کوپیغمبر اکرم (ص) اوردین اسلام کے ساتھ اظہار عقیدت کے لئے مدینہ بھیجا تھا اور یہ وہی تھے جو سورہ ی سین کی ایات سن کر روپڑے تھے اور اسلام قبول کرلیا تھا۔

معراج رسول (ص)

علماء اسلام کے درمیان مشہور یہ ہے کہ رسول اکرم (ص) جس وقت مکہ میں تھے تو ایک ہی رات میں آپ قدرت الہی سے مسجد الحرام سے اقصی پہنچے کہ جو بیت المقدس میں ہے، وہاں سے آپ آسمانوں کی طرف گئے، آسمانی وسعتوں میں عظمت الہی کے آثار مشاہدہ کئے اور اسی رات مکہ واپس آ گئے۔

نیز یہ بھی مشہور ہے کہ یہ زمینی اور آسمانی سیر جسم اور روح کے ساتھ تھی البتہ یہ سیر چونکہ بہت عجیب غریب اور بے نظیر تھی لہذا بعض حضرات نے اس کی توجیہ کی اور اسے معراج روحانی قرار دیا اور کہا کہ یہ ایک طرح کا خواب تھا یا مکاشفہ روحی تھا لیکن جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں یہ بات قرآن کے ظاہری مفہوم کے بالکل خلاف ہے کیونکہ ظاہر قرآن اس معراج کے جسمانی ہونے کی گواہی دیتا ہے۔

معراج کی کیفیت قرآن و حدیث کی نظر سے

قرآن حکیم کی دو سورتوں میں اس مسئلے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے پہلی سورت بنی اسرائیل ہے اس میں اس سفر کے ابتدائی حصے کا تذکرہ ہے۔ (یعنی مکہ کی مسجد الحرام سے بیت المقدس کی مسجد الاقصی تک کا سفر) اس سلسلے کی دوسری سورت۔ سورہ نجم ہے اس کی آیت ۱۳ تا ۱۸ میں معراج کا دوسرا حصہ بیان کیا گیا ہے اور یہ آسمانی سیر کے متعلق ہے ارشاد ہوتا ہے:

ان چھ آیات کا مفہوم یہ ہے: رسول اللہ نے فرشتہ وحی جبرئیل کو اس کو اصلی صورت میں دوسری مرتبہ

دیکھا (پہلے آپ اسے نزول وحی کے آغاز میں کوہ حرا میں دیکھ چکے تھے) یہ ملاقات بہشت جاوداں کے پاس ہوئی، یہ منظر دیکھتے ہوئے رسول اللہ (ص) کسی اشتباہ کا شکار نہ تھے آپ نے عظمت الہی کی عظیم نشانیاں مشاہدہ کیں۔

یہ آیات کہ جو اکثر مفسرین کے بقول واقعہ معراج سے متعلق ہیں یہ بھی نشاندہی کرتی ہیں کہ یہ واقعہ عالم بیداری میں پیش آیا خصوصا "مازاغ البصروماطغي" اس امر کا شاہد ہے کہ رسول اللہ (ص) کی آنکھ کسی خطا واشتباہ اور انحراف سے دوچار نہیں ہوئي۔

اس واقعے کے سلسلے میں مشہور اسلامی کتابوں میں بہت زیادہ روایات نقل ہوئي ہیں۔

علماء اسلام نے ان روایات کے تواتر اور شہرت کی گواہی دی ہے۔(۱)

معراج کی تاریخ

واقعہ معراج کی تاریخ کے سلسلے میں اسلامی مورخین کے درمیان اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ یہ واقعہ بعثت کے دسویں سال ۲۷/رجب کی شب پیش آیا، بعض کہتے ہیں کہ یہ بعثت کے بارہویں سال ۱۷/رمضان المبارک کی رات وقوع پذیر ہوا جب کہ بعض اسے اوائل بعثت میں ذکر کرتے ہیں لیکن اس کے وقوع پذیر ہونے کی تاریخ میں اختلاف، اصل واقعہ پر اختلاف میں حائل نہیں ہوتا۔

اس نکتے کا ذکر بھی ضروری ہے کہ صرف مسلمان ہی معراج کا عقیدہ نہیں رکھتے بلکہ دیگرادیان کے پیروکاروں میں بھی کم و بیش یہ عقیدہ پایا جاتا ہے ان میں حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں یہ عقیدہ عجیب تر صورت میں نظر آتا ہے جیسا کہ انجیل مرقس کے باب ٦/ لوقا کے باب ۲۴/ اوریوحنا کے باب ۲۱/ میں ہے:

عیسی علیہ السلام مصلوب ہونے کے بعد دفن ہوگئے تو مردوں میں سے اٹھ کھڑے ہوئے، اور چالیس روز تک لوگوں میں موجود رہے پھر آسمان کی طرف چڑھ گئے (اور ہمیشہ کے لئے معراج پر چلے گئے)

---

(۱)رجوع کریں تفسیر نمونہ ج

ضمناً یہ وضاحت بھی ہوجائے کہ بعض اسلامی روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض گزشتہ انبیاء کو بھی معراج نصیب ہوئي تھی_

پیغمبر گرامی (ص) نے یہ آسمانی سفر چند مرحلوں میں طے کیا_

پہلا مرحلہ، مسجد الحرام اور مسجد اقصی کے درمیانی فاصلہ کا مرحلہ تھا، جس کی طرف سورہ اسراء کی پہلی آیت میں اشارہ ہوا ہے: "منزہ ہے وہ خدا جو ایک رات میں اپنے بندہ کو مسجد الحرام سے مسجد اقصی تک لے گیا"_ بعض معتبر روایات کے مطابق آپ (ص) نے اثناء راہ میں جبرئیل (ع) کی معیت میں سرزمین مدینہ میں نزول فرمایا اور وہاں نماز پڑھی_

اور مسجد الاقصی میں بھی ابراہیم و موسی و عیسی علیہم السلام انبیاء کی ارواح کی موجودگی میں نماز پڑھی اور امام جماعت پیغمبر (ص) تھے، اس کے بعد وہاں سے پیغمبر (ص) کا آسمانی سفر شروع ہوا، اور آپ (ص) نے ساتوں آسمانوں کو یکے بعد دیگرے عبور کیا اور ہر اسمان میں ایک نیا ہی منظر دیکھا، بعض آسمانوں میں پیغمبروں اور فرشتوں سے، بعض آسمانوں میں دوزخ اور دوزخیوں سے اور بعض میں جنت اور جنتیوں سے ملاقات کی، اور پیغمبر (ص) نے ان میں سے ہر ایک سے بہت سی تربیتی اور اصلاحی قیمتی باتیں اپنی روح پاک میں ذخیرہ کیں اور بہت سے عجائبات کا مشاہدہ کیا جن میں سے ہر ایک عالم ہستی کے اسرار میں سے ایک راز تھا، اور واپس آنے کے بعد ان کو صراحت کے ساتھ اور بعض اوقات کنایہ اور مثال کی زبان میں امت کی آگاہی کے لئے مناسب فرصتوں میں بیان فرماتے تھے، اور تعلیم و تربیت کے لئے اس سے بہت زیادہ فائدہ اٹھاتے تھے_

یہ امر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس آسمانی سفر کا ایک اہم مقصد، ان قیمتی مشاہدات کے تربیتی و عرفانی نتائج سے استفادہ کرنا تھا، اور قرآن کی یہ پر معنی تعبیر "لقد رای من آیات ربہ الکبری "[1]

---

(۱)سورہ نجم ایت۱۸

ان تمام امور کی طرف ایک اجمالی اور سربستہ اشارہ ہو سکتی ہے _

البتہ جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں کہ وہ بہشت اور دوزخ جس کو پیغمبر (ص) نے سفر معراج میں مشاہدہ کیا اور کچھ لوگوں کو وہاں عیش میں اور عذاب میں دیکھا ، وہ قیامت والی جنت اور دوزخ نہیں تھیں ، بلکہ وہ برزخ والی جنت ودوزخ تھیں ، کیونکہ قرآن مجید کے مطابق جیسا کہ کہتا ہے کہ قیامت والی جنت ودوزخ قیام قیامت اور حساب وکتاب سے فراغت کے بعد نیکو کاروں اور بدکاروں کو نصیب ہوگی _

آخر کار آپ ساتویں آسمان پر پہنچ گئے ، وہاں نور کے بہت سے حجابوں کا مشاہدہ کیا ، وہی جگہ جہاں پر "سدرة المنتهى " اور" جنة الماوى " واقع تھي، اور پیغمبر (ص) اس جہان سراسر نورروشنی میں ، شہود باطنی کی اوج، اور قرب الی اللہ اور مقام " قاب قوسین اوادني"پر فائز ہوئے اور خدا نے اس سفر میں آپ کو مخالب کرتے ہوئے بہت سے اہم احکام دیئے اور بہت سے ارشادات فرمائے جن کا ایک مجموعہ اس وقت اسلامی روایات میں " احادیث قدسی " کی صورت میں ہمارے لئے یادگار رہ گیا ہے _

قابل توجہ بات یہ ہے کہ بہت سی روایات کی تصریح کے مطابق پیغمبر (ص) نے اس عظیم سفر کے مختلف حصوں میں اچانک علی علیہ السلام کو اپنے پہلو میں دیکھا، اور ان روایات میں کچھ ایسی تعبیریں نظر آتی ہیں ، جو پیغمبر اکرم (ص) کے بعد علی علیہ السلام کے مقام کی حد سے زیادہ عظمت کی گواہ ہیں _

معراج کی ان سب روایات کے باوجود کچھ ایسے پیچیدہ اور اسرار آمیز جملے ہیں جن کے مطالب کو کشف کرنا آسان نہیں ہے، اور اصطلاح کے مطابق روایات متشابہ کا حصہ ہیں یعنی ایسی روایات جن کی تشریح کو خود معصومین علیہم السلام کے سپرد کردینا چاہئے _(۱)

ضمنی طورپر، معراج کی روایات اہل سنت کی کتابوں میں بھی تفصیل سے آئي ہیں ، اور ان کے راویوں میں سے تقریباً ۳۰/ افراد نے حدیث معراج کو نقل کیا ہے_

---

(۱)روایات معراج کے سلسلہ میں مزید اطلاع کے لئے بحار الانوار کی جلد ۱۸ از ص ۲۸۲ تا ص ۴۱۰ رجوع فرمائیں

یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے: یہ اتنا لمبا سفر طے کرنا اور یہ سب عجیب اور قسم قسم کے حادثات، اور یہ ساری لمبی چوڑی گفتگو، اور یہ سب کے سب مشاہدات ایک ہی رات میں یا ایک رات سے بھی کم وقت میں کس طرح سے انجام پا گئے؟

لیکن ایک نکتہ کی طرف توجہ کرنے سے اس سوال کا جواب واضح ہوجاتا ہے، سفر معراج ہرگز ایک عام سفر نہیں تھا، کہ اسے عام معیاروں سے پرکھا جائے نہ تو اصل سفر معمولی تھا اور نہ ہی آپ کی سواری معمولی اور عام تھي،نہ آپ کے مشاہدات عام اور معمولی تھے اور نہ ہی آپ کی گفتگو، اور نہ ہی وہ پیمانے جواس میں استعمال ہوئے، ہمارے کرہ خاکی کے محدود اور چھوٹے پیمانوں کے مانند تھے، اور نہ ہی وہ تشبیہات جواس میں بیان ہوئي ہیں ان مناظر کی عظمت کو بیان کرسکتی ہیں جو پیغمبر (ص) نے مشاہدہ کیے، تمام چیزیں خارق العادت صورت میں، اور اس مکان وزمان سے خارج ہونے کے پیمانوں میں، جن سے ہم آشنا نہیں، واقع ہوئیں۔

اس بناپر کوئي تعجب کی بات نہیں ہے کہ یہ امور ہمارے کرہ زمین کے زمانی پیمانوں کے ساتھ ایک رات یا ایک رات سے بھی کم وقت میں واقع ہوئے ہوں۔ (۱)

معراج جسمانی تھی یا روحانی؟

شیعہ اور سنی علمائے اسلام کے درمیان مشہور ہے کہ یہ واقعہ عالم بیداری میں صورت پذیر ہوا، سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت اور سورہ نجم کی مذکورہ آیات کا ظاہری مفہوم بھی اس امر کا شاہد ہے کہ یہ واقعہ بیداری کی حالت میں پیش آیا۔

تواریخ اسلامی بھی اس امر پر شاہد وصادق ہیں، تاریخ کہتی ہے: جس وقت رسول اللہ (ص) نے واقعہ معراج کا ذکر کیا تو مشرکین نے شدت سے اس کا انکار کردیا اور اسے آپ کے خلاف ایک بہانہ بنا لیا۔

---

(۱) تفسیر نمونہ ج ۱۳ ص ۹۷ تا ۹۹

یہ بات گواہی دیتی ہے کہ رسول اللہ (ص) ہرگز خواب یا مکاشفہ روحانی کے مدعی نہ تھے ورنہ مخالفین اس قدر شور و غوغا نہ کرتے۔

یہ جو حسن بصری سے روایت ہے کہ: "یہ واقعہ خواب میں پیش آیا"۔

اور اسی طرح جو حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ: "خدا کی قسم بدن رسول اللہ (ص) ہم سے جدا نہیں ہوا صرف آپ کی روح آسمان پر گئي" ایسی روایات ظاہراً سیاسی پہلو رکھتی ہیں۔

معراج کا مقصد

گزشتہ مباحث پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ معراج کا مقصد یہ نہیں کہ رسول اکرم (ص) دیدار خدا کے لئۓ آسمانوں پر جائیں، جیسا کہ سادہ لوح افراد خیال کرتے ہیں، افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض مغربی دانشور بھی ناآگاہی کی بناء پر دوسروں کے سامنے اسلام کا چہرہ بگاڑ کر پیش کرنے کے لئۓ ایسی باتیں کرتے ہیں ان میں سے ایک مسڑ" گیور گیو" بھی ہیں وہ بھی کتاب "محمد وہ پیغمبر ہیں جنہیں پھر سے پہچانا چاہیۓ"[1] میں کہتے ہیں:

"محمد اپنے سفر معراج میں ایسی جگہ پہنچے کہ انہیں خدا کے قلم کی آواز سنائي دي، انہوں نے سمجھا کہ اللہ اپنے بندوں کے حساب کتاب میں مشغول ہے البتہ وہ اللہ کے قلم کی آواز تو سنتے تھے مگر انہیں اللہ دکھائي نہ دیتا تھا کیونکہ کوئي شخص خدا کو نہیں دیکھ سکتا خواہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہوں" یہ عبارت نشاندھی کرتی ہے کہ قلم لکڑی کا تھا، ایسا کہ کاغذ پر لکھتے وقت لرزتا تھا اور اواز پیدا کرتا تھا، اسی طرح کی اور بہت سارے خرافات اس میں موجود ہیں"۔ جب کہ مقصد معراج یہ تھا کہ اللہ کے عظیم پیغمبر کائنات میں بالخصوص عالم بالا میں موجود عظمت الہی کی نشانیوں کا مشاہدہ کریں اور انسانوں کی ہدایت و رہبری کے لئۓ ایک نیا ادراک اور ایک نئي بصیرت حاصل کریں۔

---

(۱) مذکورہ کتاب کے فارسی ترجمے کا نام ہے "محمد پیغمبری کہ از نوباید شناخت" ص ۱۲۵ دیکھئے

یہ ھدف واضح طورپر سورہ بنی اسرائیل کی پہلی ایت اور سورہ نجم کی ایت ۱۸ میں بیان ہوا ہے_

امام صادق علیہ السلام سے مقصد معراج پوچھاگیا تو آپ نے فرمایا :

"خدا ہرگز کوئی مکان نہیں رکھتا اور نہ اس پر کوئی زمانہ گزرتاہے لیکن وہ چاہتا تھا کہ فرشتوں اور آسمان کے باسیوں کو اپنے پیغمبر کی تشریف آوری سے عزت بخشے اور انہیں آپ کی زیارت کا شرف عطا کرے نیزآپ کو اپنی عظمت کے عجائبات دکھائے تاکہ واپس آکر آپ انہیں لوگوں سے بیان کریں"_

معراج اور سائنس

گزشتہ زمانے میں بعض فلاسفہ بطلیموس کی طرح یہ نظریہ رکھتے تھے کہ نو آسمان پیاز کے چھلکے کی طرح تہہ بہ تہہ ایک دوسرے کے اوپرہیں واقعہ معراج کو قبول کرنے میں ان کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ان کا یہی نظریہ تھا ان کے خیال میں اس طرح تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ آسمان شگافتہ ہوگئے اور پھر آپس میں مل گئے_ (۱)

لیکن" بطلیموسی "نظریہ ختم ہو گیا تو اسمانوں کے شگافتہ ہونے کا مسئلہ ختم ہوگیا البتہ علم ہئیت میں جو ترقی ہوئی ہے اس سے معراج کے سلسلے میں نئے سوالات ابھرے ہیں مثلاً:

۱)ایسے فضائی سفر میں پہلی بار رکاوٹ کشش ثقل ہے کہ جس پر کنٹرول حاصل کرنے کے لے غیر معمولی وسائل و ذرائع کی ضرورت ہے کیونکہ زمین کے مداراور مرکز ثقل سے نکلنے کے لئے کم از کم چالیس ہزار کلو میٹر فی گھنٹہ رفتار کی ضرورت ہے_

۲)دوسری رکاوٹ یہ ہے کہ زمین کے باہر خلا میں ہوا نہیں ہے جبکہ ہوا کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا_

---

(۱)بعض قدیم فلاسفہ کا نظریہ یہ تھا کہ اسمانوں میں ایسا ہونا ممکن نہیں ہے_ اصطلاح میں وہ کہتے تھے کہ افلاک میں --"خرق "(پھٹنا)اور "التیام"(ملنا) ممکن نہیں

۳)تیسری رکاوٹ ایسے سفر میں اس حصہ میں سورج کی جلادینے والی تپش ہے جبکہ جس حصہ پر سورج کی مستقیماً روشنی پڑرہی ہے اور اسی طرح اس حصے میں جان لیوا سردی ہے جس میں سورج کی روشنی نہیں پڑرہی ہے۔

۴) اس سفر میں چوتھی رکاوٹ وہ خطرناک شعاعیں ہیں کہ جو فضا ئے زمین کے اوپر موجود ہیں مثلاً کاسمک ریز c o s mi c r a v s الٹراوائلٹ ریز u l t r a vi o l e t r a v s اور ایکس ریز x r a v s یہ شعاعیں اگر تھوڑی مقدار میں انسانی بدن پرپڑیں تو بدن کے آرگانزم o t g a n i s m کے لئے نقصان دہ نہیں ہیں لیکن فضائے زمین کے باہر یہ شعاعیں بہت تباہ کن ہوتی ہیں (زمین پر رہنے والوں کے لئے زمین کے اوپر موجود فضاکی وجہ سے ان کی تپش ختم ہوجاتی ہے)

۵) ایک اور مشکل اس سلسلہ میں یہ ہے کہ خلامیں انسان بے وزنی کی کیفیت سے دوچار ہوجاتا ہے اگرچہ تدریجاً بے وزنی کی عادت پیدا کی جاسکتی ہے لیکن اگر زمین کے باسی بغیر کسی تیاری اور تمہید کے خلا میں جا پہنچیں تو بے وزنی سے نمٹنا بہت ہی مشکل ہے۔

٦) آخری مشکل اس سلسلے میں زمانے کی مشکل ہے اور یہ نہایت اہم رکاوٹ ہے کیونکہ دورحاضر کے سان سی علوم کے مطابق روشنی کی رفتار ہر چیز سے زیادہ ہے اور اگر کوئي آسمانوں کی سیر کرنا چاہے تو ضروری ہو گا کہ اس کی رفتار سے زیادہ ہو۔

ان سوالات کے پیش نظر چندچیزوں پر توجہ

ان امور کے جواب میں ان نکات کی طرف توجہ ضروری ہے۔

۱۔ہم جانتے ہیں کہ فضائي سفر کی تمام تر مشکلات کے باوجود آخر کار انسان علم کی قوت سے اس پر دسترس حاصل کرچکا ہے اور سوائے زمانے کی مشکل کے باقی تمام مشکلات حل ہوچکی ہیں اور زمانے والی مشکل بھی بہت دور کے سفر سے مربوط ہے۔

۲_اس میں شک نہیں کہ مسئلہ معراج عمومی اور معمولی پہلو نہیں رکھتا بلکہ یہ اللہ کی لامتناہی قدرت و طاقت کے ذریعے صورت پذیر ہوا اور انبیاء کے تمام معجزات اسی قسم کے تھے زیادہ واضح الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ معجزہ عقلاً محال نہیں ہونا چاہیئے اور جب معجزہ بھی عقلاً ممکن ہے، توباقی معاملات اللہ کی قدرت سے حل ہوجاتے ہیں_

جب انسان یہ طاقت رکھتا ہے کہ سائنسی ترقی کی بنیاد پر ایسی چیزیں بنالے جو زمینی مرکز ثقل سے باہر نکل سکتی ہیں، ایسی چیزیں تیار کرلے کہ فضائے زمین سے باہر کی ہولناک شعاعیں ان پر اثر نہ کرسکیں اور ایسے لباس تیار کرلے کہ جو اسے انتہائی زیادہ گرمی اور سردی سے محفوظ رکھ سکیں اور مشق کے ذریعے بے وزنی کی کیفیت میں رہنے کی عادت پیدا کرلے، یعنی جب انسان اپنی محدود قوت کے ذریعے یہ کام کرسکتا ہے تو پھر کیا اللہ اپنی لا محدود طاقت کے ذریعہ یہ کام نہیں کرسکتا؟

ہمیں یقین ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو اس سفر کے لئے انتہائی تیز رفتار سواری دی تھی اور اس سفر میں درپیش خطرات سے محفوظ رہنے کے لئے انہیں اپنی مدد کا لباس پہنایا تھا، ہاں یہ سواری کس قسم کی تھی اور اس کا نام کیا تھا براق؟ رفرف؟ یا کوئی اور؟ یہ مسئلہ قدرت کا راز ہے، ہمیں اس کا علم نہیں_

ان تمام چیزوں سے قطع نظر تیز ترین رفتار کے بارے میں مذکورہ نظریہ آج کے سائنسدانوں کے درمیان متزلزل ہوچکا ہے اگرچہ آئن سٹائن اپنے مشہور نظریہ پر پختہ یقین رکھتا ہے_

آج کے سائنسداں کہتے ہیں کہ امواج جاذمہ r d v s of at f f i on زمانے کی احتیاج کے بغیر آن واحد میں دنیا کی ایک طرف سے دوسری طرف منتقل ہوجاتی ہیں اور اپنا اثر چھوڑتی ہیں یہاں تک کہ یہ احتمال بھی ہے کہ عالم کے پھیلائو سے مربوط حرکات میں ایسے منظومے موجودہیں کہ جو روشنی کی رفتار سے زیادہ تیزی سے مرکز جہان سے دور ہوجاتے ہیں (ہم جانتے ہیں کہ کائنات پھیل رہی ہے اور ستارے اور نظام ہائے شمسی تیزی کے ساتھ ایک دوسرے سے دور ہورہے ہیں)(غور کیجئے گا) مختصر یہ کہ اس سفر کے لئے جو بھی مشکلات بیان کی گئی ہیں ان میں سے کوئی بھی عقلی طور پر اس راہ میں حائل نہیں ہے اور ایسی کوئی بنیاد نہیں کہ

واقعہ معراج کو محال عقلی سمجھا جائے اس راستے میں درپیش مسائل کو حل کرنے کے لئے جو وسائل درکار ہیں وہ موجود ہوں تو ایسا ہوسکتا ہے _

بہرحال واقعہ معراج نہ تو عقلی دلائل کے حوالے سے ناممکن ہے اور نہ دور حاضر کے سائنسی معیاروں کے لحاظ سے ، البتہ اس کے غیر معمولی اور معجزہ ہونے کو سب قبول کرتے ہیں لہذا جب قطعی اور یقینی نقلی دلیل سے ثابت ہوجائے تو اسے قبول کرلینا چاہیئے_

شب معراج پیغمبر (ص) سے خدا کی باتیں

پیغمبر نے شب معراج پروردگار سبحان سے اس طرح سوال کیا :

پروردگارا : کونسا عمل افضل ہے ؟

خداوند تعالی نے فرمایا :

"کوئی چیز میرے نزدیک مجھ پر توکل کرنے ، اور جو کچھ میں نے تقسیم کرکے دیا ہے اس پر راضی ہونے سے بہتر نہیں ہے ، اے محمد جو لوگ میری خاطر ایک دوسرے کو دوست رکھتے ہیں میری محبت ان کے شامل حال ہوگی اور جو لوگ میری خاطر ایک دوسرے پر مہربان ہیں اور میری خاطر دوستی کے تعلقات رکھتے ہیں انھیں دوست رکھتا ہوں علاوہ بر ایں میری محبت ان لوگوں کے لئے جو مجھ پر توکل کریں فرض اور لازم ہے اور میری محبت کے لئے کوئی حد او رکنارہ اوراس کی انتہا نہیں ہے"_

اس طرح سے محبت کی باتیں شروع ہوتی ہیں ایسی محبت جس کی کوئی انتہا نہیں ،جو کشادہ اور اصولی طور پر عالم ہستی میں اسی محور محبت پر گردش کررہا ہے _

ایک اور دوسرے حصہ میں یہ آیا ہے _

"اے احمد بچوں کی طرح نہ ہونا جو سبز وزرد اور زرق وبرق کو دوست رکھتے ہیں اور جب انہیں کوئی عمدہ اور شیریں غذا دیدی جاتی ہے تو وہ مغرور ہوجاتے ہیں اور ہر چیز کو بھول جاتے ہیں"_

پیغمبر نے اس موقع پر عرض کیا :

پروردگارا :مجھے کسی ایسے عمل کی ہدایت فرما جو تیری بارگاہ میں قرب کا باعث ہو _

فرمایا : رات کو دن اور دن کو رات قرار دے _

عرض کیا : کس طرح ؟

فرمایا : اس طرح کے تیرا سونا نماز ہو اور ہرگز اپنے شکم کو مکمل طور پر سیر نہ کرنا _

ایک اور حصہ میں آیا ہے :

"اے احمد میری محبت فقیروں اور محروموں سے محبت ہے ، ان کے قریب ہوجاو اور ان کی مجلس کے قریب بیٹھو کہ میں تیرے نزدیک ہوں اور دنیا پرست اور ثروت مندوں کو اپنے سے دور رکھو اور ان کی مجالس سے بچتے رہو "_

اہل دنیا و آخرت

ایک اور حصہ میں آیا ہے:

"اے احمد دنیا کے زرق برق اور دنیا پرستوں کو مبغوض شمار کر اور آخرت کو محبوب رکھ" عرض کرتے ہیں :

پروردگارا : اہل دنیا اور اہل آخرت کون ہیں ؟

فرمایا :"اہل دنیا تو وہ لوگ ہیں جو زیادہ کھاتے ہیں زیادہ ہنستے ہیں زیادہ سوتے ہیں اور غصہ کرتے ہیں اور تھوڑا خوش ہوتے ہیں نہ ہی تو برائیوں کے مقابلہ میں کسی سے عذر چاہتے ہیں _ اور نہ ہی کسی عذر چاہنے والے سے اس کا عذر قبول کرتے ہیں اطاعت خدا میں سست ہیں اور گناہ کرنے میں دلیر ہیں ، لمبی چوڑی آرزوئیں رکھتے ہیں حالانکہ ان کی اجل قریب آپہنچی ہے مگر وہ ہرگز اپنے اعمال کا حساب نہیں کرتے ان سے لوگوں کو بہت کم نفع ہوتا ہے ، باتیں زیادہ کرتے ہیں احساس ذمہ داری نہیں رکھتے اور کھانے پینے سے ہی غرض رکھتے ہیں _

اہل دنیا نہ تو نعمت میں خدا کا شکریہ ادا کرتے ہیں اورنہ ہی مصائب میں صبر کرتے ہیں۔ زیادہ خدمات بھی ان کی نظر میں تھوڑی ہیں (اور خود ان کی اپنی خدمات تھوڑی بھی زیادہ ہیں) اپنے اس کام کے انجام پانے پر جو انہوں نے انجام نہیں دیا ہے تعریف کرتے ہیں اور ایسی چیز کا مطالبہ کرتے ہیں جو ان کا حق نہیں ہے۔ ہمیشہ اپنی آرزوئوں اور تمنا وں کی بات کرتے ہیں اور لوگوں کے عیوب تو بیان کرتے رہتے ہیں لیکن ان کی نیکیوں کو چھپاتے ہیں۔

"عرض کیا :پروردگارا : کیا دنیا پرست اس کے علاوہ بھی کوئي عیب رکھتے ہیں ؟

"فرمایا : اے احمد ان کا عیب یہ ہے کہ جہل اور حماقت ان میں بہت زیادہ ہے جس استاد سے انہوں علم سیکھا ہے وہ اس سے تواضع نہیں کرتے اور اپنے آپ کو عاقل کل سمجھتے ہیں حالانکہ وہ صاحبان علم کے نزدیک نادان اور احمق ہیں" ۔

اہل بہشت کے صفات

خدا وند عالم اس کے بعد اہل آخرت اور بہشتیوں کے اوصاف کویوں بیان کرتا ہے : "وہ ایسے لوگ ہیں جو با حیا ہیں ان کی جہالت کم ہے ، ان کے منافع زیادہ ہیں ، لوگ ان سے راحت و آرام میں ہوتے ہیں اور وہ خود اپنے ہاتھوں تکلیف میں ہوتے ہیں اور ان کی باتیں سنجیدہ ہوتی ہیں"۔

وہ ہمیشہ اپنے اعمال کا حساب کرتے رہتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ خود کو زحمت میں ڈالتے رہتے ہیں ان کی آنکھیں سوئي ہوئي ہوتی ہیں لیکن ان کے دل بیدار ہوتے ہیں ان کی آنکھ گریاں ہوتی ہے اور ان کا دل ہمیشہ یاد خدا میں مصروف رہتا ہے جس وقت لوگ غافلوں کے زمرہ میں لکھے جارہے ہوں وہ اس وقت ذکر کرنے والوں میں لکھے جاتے ہیں۔

نعمتوں کے آغاز میں حمد خدا بجالاتے ہیں اور ختم ہونے پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں ، ان کی دعائیں بارگاہ خدا میں قبول ہوتی ہیں اور ان کی حاجتیں پوری کی جاتی ہیں اور فرشتے ان کے وجود سے مسرور اور خوش

رہتے ہیں (غافل) لوگ ان کے نزدیک مردہ ہیں اور خدا اُن کے نزدیک حی و قیوم اور کریم ہے (ان کی ہمت اتنی بلند ہے کہ وہ اس کے سوا کسی کے اوپر نظر نہیں رکھتے)

لوگ تو اپنی عمر میں صرف ایک ہی دفعہ مرتے ہیں لیکن وہ جہاد با النفس اور ہوا وہوس کی مخالفت کی وجہ سے ہر روز ستر مرتبہ مرتے ہیں (اور نئي زندگی پاتے ہیں)

جس وقت عبادت کے لیئےیرے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو ایک فولادی باندھ اور بنیان مرصوص کے مانند ہوتے ہیں اور ان کے دل میں مخلوقات کی طرف کوئي توجہ نہیں ہوتی مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے کہ میں انہیں ایک پاکیزہ زندگی بخشونگا اور عمر کے اختتام پر میں خود ان کی روح کو قبض کروں گا اور ان کی پرواز کے لئے آسمان کے دروازوں کو کھول دوں گاتمام حجابوں کو ان کے سامنے سے ہٹا دوں گا اور حکم دوں گا کہ بہشت خود اپنے ان کے لئے آراستہ کرے "اے احمد عبادت کے دس حصہ ہیں جن میں سے نو حصے طلب رزق حلال میں ہیں جب تیرا کھانا اور پینا حلال ہوگا تو تیری حفظ و حمایت میں ہوگا"

بہترین اور جاویدانی زندگي

ایک اور حصہ میں آیا ہے:

"اے احمد کیا تو جانتا ہے کہ کونسی زندگی زیادہ گوارا اور زیادہ دوام رکھتی ہے"؟

عرض کیا : خداوندا: نہیں ۔

فرمایا: گوارا زندگی وہ ہوتی ہے جس کا صاحب ایک لمحہ کے لئے بھی میری یاد سے غافل نہ رہے، میری نعمت کو فراموش نہ کرے ، میرے حق سے بے خبر نہ رہے اور رات دن میری رضا کو طلب کرے ۔

لیکن باقی رہنے والی زندگی وہ ہے جس میں اپنی نجات کے لئے عمل کرے ، دنیا اس کی نظر میں حقیر ہو اور آخرت بڑی اور بزرگ ہو، میری رضا کو اپنی رضا پر مقدم کرے، اور ہمیشہ میری خوشنودی کو طلب کرے، میرے حق کو بڑا سمجھے اور اپنی نسبت میری آگاہی کی طرف توجہ رکھے ۔

ہرگناہ اور معصیت پر مجھے یاد کرلیا کرے ، اور اپنے دل کو اس چیز سے جو مجھے پسند نہیں ہے پاک

رکھے، شیطانی وسوسوں کو مبغوض رکھے ، اور ابلیس کو اپنے دل پر مسلط نہ کرے ـ

جب وہ ایسا کرے گا تو میں ایک خاص قسم کی محبت کو اس کے دل میں ڈال دوں گا اس طرح سے کہ اس کا دل میرے اختیار میں ہوگا ، اس کی فرصت اور مشغولیت اس کا ہم و غم اور اس کی بات ان نعمتوں کے بارے میں ہوگی جو میں اہل محبت کو بخشتا ہوں ـ میں اس کی آنکھ اور دل کے کان کھول دیتا ہوں تاکہ وہ اپنے دل کے کان سے غیب کے حقائق کو سننے اور اپنے دل سے میرے جلال و عظمت کو دیکھے" :

اور آخر میں یہ نورانی حدیث ان بیدار کرنے والے جملوں پر ختم ہوجاتی ہے :

" اے احمد اگر کوئي بندہ تمام اہل آسمان اور تمام اہل زمین کے برابر نماز ادا کرے ، اور تمام اہل آسمان وزمین کے برابر روزہ رکھے، فرشتوں کی طرح کھانا نہ کھائے اور کوئي فاخرہ لباس بدن پر نہ پہنے (اور انتہائي زہد اور پارسائي کی زندگی بسر کرے) لیکن اس کے دل میں ذرہ برابر بھی دنیا پرستی یا ریاست طلبی یا زینت دنیا کا عشق ہو تو وہ میرے جاودانی گھر میں میرے جوار میں نہیں ہوگا اور میں اپنی محبت کو اس کے دل سے نکال دوں گا ، میرا سلام ور حمت تجھ پر ہو ، والحمد للہ رب العالمین "

یہ عرشی باتیں ـــ جو انسانی روح کو آسمانوں کی طرف بلند کرتی ہیں ، اور آستان ہ عشق وشہود کی طرف کھینچتی ہیں ـ حدیث قدسی کا صرف ایک حصہ ہے ـ

مزید براں ہمیں اطمینان ہے کہ پیغمبر نے اپنے ارشادات میں جو کچھ بیان فرمایا ہے ان کے علاوہ بھي، اس شب عشق وشوق اور جذبہ ووصال کی شب میں ، ایسی باتیں ، اسرار ورموز اور اشارے آپ کے اور اپ کے محبوب کے درمیان ہوتے ہیں جن کو نہ تو کان سننے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ عام افکار میں ان کے درک کی صلاحیت ہے، اور اسی بنا پر وہ ہمیشہ پیغمبر کے دل وجان کے اندر ہی مکتوم اور پوشیدہ رہے ، اور آپ کے خواص کے علاوہ کوئي بھی ان سے آگاہ نہیں ہوا ـ

ہجرت پیامبر اکرم (ص)[1]

مختلف قبائل قریش اور اشراف مکہ کا ایک گروہ جمع ہوا تاکہ وہ" دار الندوہ" میں میٹنگ کریں اور انہیں رسول اللہ کی طرف سے درپیش خطرے پر غور وفکر کریں ۔

(کہتے ہیں) اثنائے راہ میں انہیں ایک خوش ظاہر بوڑھا شخص ملا جو در اصل شیطان تھا (یا کوئي انسان جو شیطانی روح وفکر کا حامل تھا)۔

انہوں نے اس سے پوچھا : تم کون ہو؟

کہنے لگا : اہل نجد کا ایک بڑا بوڑھا ہوں ،مجھے تمہارے ارادے کی اطلاع ملی تو میں نے چاہا کہ تمہاری میٹنگ میں شرکت کروں اور اپنا نظریہ اور خیر خواہی کی رائے پیش کرنے میں دریغ نہ کروں ۔

کہنے لگے :بہت اچھا اندر آجایئے ۔

اس طرح وہ بھي" دارالندوۃ"میں داخل ہوگیا ۔

حاضرین میں سے ایک نے ان کی طرف رخ کیا اور (پیغمبر اسلام (ص) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کہا : اس شخص کے بارے میں کوئي سوچ بچار کرو ، کیونکہ بخدا ڈر ہے کہ وہ تم پر کامیاب ہوجائے (اور تمہارے دین اور تمہاری عظمت کو خاک میں ملادے گا)

---

(۱)سورہ انفال ایت ۳۰ کے ذیل میں واقعہ ہجرت بیان ہوا ہے

ایک نے تجویز پیش کی : اسے قید کردو یہاں تک کے زندان ہی میں مرجائے _

بوڑھے نجدی نے اس تجویز پراعتراض کیا اور کہا : اس میں خطرہ یہ ہے کہ اس کے طرف دار ٹوٹ پڑیں اور کسی مناسب وقت اسے قید خانے سے چھڑا کر اس سرزمین سے باہر لے جائیں لہذا کوئي اور بنیادی بات کرو _

ایک اور شخص نے کہا: اسے اپنے شہر سے نکال دو تاکہ تمہیں اس سے چھٹکارا مل جائے کیونکہ جب وہ تمہارے درمیان سے چلا جائے گا تو پھر جو کچھ بھی کرتا پھرے تمہیں کوئي نقصان نہیں پہنچا سکتا اور پھر وہ دوسروں ہی سے سروکار رکھے گا _

اس بوڑھے نجدی نے کہا : واللہ یہ نظریہ بھی صحیح نہیں ہے ، کہا تم اس کی شیریں بیانی ،قدرت زبان اور لوگوں کے دلوں میں اس کے نفوذ نہیں دیکھتے؟ اگر ایسا کروگے تو وہ تمام دنیائے عرب کے پاس جائے گا اور وہ اس کے گرد جمع ہوجائیں گے اور پھر وہ ایک انبوہ کثیر کے ساتھ تمہاری طرف پلٹے گا اور تمہیں تمہارے شہروں سے نکال باہر کرے گا اور بڑوں کو قتل کردے گا _

مجمع نے کہا بخدا یہ سچ کہہ رہاہے کوئي اور تجویز سوچو _

ابو جہل کی رائے

ابوجہل ابھی تک خاموش بیٹھا تھا ، اس نے گفتگو شروع کی اور کہا : میرا ایک نظریہ ہے اور اس کے علاوہ میں کسی رائے کو صحیح نہیں سمجھتا _

حاضرین کہنے لگے :وہ کیا ہے ؟

کہنے لگا : ہم ہر قبیلے سے ایک بہادر شمشیر زن کا انتخاب کریں اور ان میں سے ہر ایک ہاتھ میں ایک تیز تلوار دے دیں اور پھر وہ سب مل کر موقع پاتے ہی اس پر حملہ کریں جب وہ اس صورت میں قتل ہوگا تو اس کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا اور میں نہیں سمجھتا کہ بنی ہاشم تمام قبائل قریش سے لڑسکیں گے لہذا مجبورا اس

صورت میں خون بہا پر راضی ہوجائیں گے اوریوں ہم بھی اس کے آزار سے نجات پالیں گے۔

بوڑھے نجدی نے (خوش ہوکر) کہا: بخدا: صحیح رائے یہی ہے جو اس جواں مرد نے پیش کی ہے میرا بھی اس کے علاوہ کوئي نظریہ نہیں۔

اس طرح یہ تجویز اتفاق رائے سے پاس ہوگئي اور وہ یہی مصمم ارادہ لے کروہاں سے اٹھے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنی جان کو بیچ ڈالي

جبرئیل نازل ہوئے اور پیغمبر اسلام (ص) کو حکم ملا کہ وہ رات کو اپنے بستر پر نہ سوئیں، پیغمبر اکرم (ص) رات کو غار ثور کی طرف روانہ ہوگئے اور حکم دے گئے کہ علي آپ کے بستر پر سوجائیں (تاکہ جو لوگ دروازے کی درازسے بستر پیغمبر (ص) پر نظر رکھے ہوئے ہیں انہیں بستر پر سویا ہوا سمجھیں اور آپ کو خطرے کے علاقہ سے دور نکل جانے کی مہلت مل جائے)۔

اہل سنت کے مشہور مفسر ثعلبی کہتے ہیں کہ جب پیغمبراسلام (ص) نے ہجرت کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا تو اپنے قرضوں کی ادائیگی اور موجود امانتوں کی واپسی کے لئے حضرت علی علیہ السلام کو اپنی جگہ مقرر کیا اور جس رات آپ غار ثور کی طرف جانا چاہتے تھے اس رات مشرکین آپ پر حملہ کرنے کے لئے آپ کے گھر کا چاروں طرف سے محاصرہ کئے ہوے تھے، آپ نے حضرت علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ آپ کے بستر پر لیٹ جائیں، اپنی مخصوص سبز رنگ کی چادر انہیں اوڑھنے کو دی، اس وقت خداوند عالم نے جبرائیل اور میکائیل پر وحی کی کہ میں نے تم دونوں کے درمیان بھائي چارہ اور اخوت قائم کی ہے اور تم میں سے ایک کی عمر کو زیادہ مقرر کیا ہے تم میں سے کون ہے جو ایثار کرتے ہوئے دوسرے کی زندگی کو اپنی حیات پر ترجیح دے ان میں سے کوئي بھی اس کے لئے تیار نہ ہوا تو ان پروحی ہوئي کہ اس وقت علی میرے پیغمبر کے بستر پر سویا ہوا ہے اور وہ تیار ہے کہ اپنی جان ان پر قربان کردے، زمین پرجاؤ اور اس کے محافظ ونگہبان بن جاؤ،جب جبرئیل، حضرت علی علیہ السلام کے سرہانے آئے اور میکائیل پاؤں کی طرف بیٹھے تو جبرئیل کہہ رہے تھے: سبحان اللہ، صدآفرین آپ پر اے علی علیہ السلام کہ خدا آپ کے ذریعے فرشتوں پر فخر ومباہات کررہاہے، اس موقع پر آیت نازل

ہوئي "کچھ لوگ اپني جان خدا کي خوشنودي کے بدلے بيچ ديتے ہيں اور خدا اپنے بندوں پر مہربان ہے" اور اسي بناء پروہ تاريخي رات " ليلة المبيت "(شب ہجرت) کے نام سے مشہور ہوگئي _

ابن عباس کہتے ہيں :جب پيغمبر (ص) مشرکين سے چھپ کر ابوبکر کے ساتھ غار کي طرف جارہے تھے يہ ايت علي عليہ السلام کے بارے ميں نازل ہوئي جو اس وقت بستر رسول (ص) پر سوئے ہوئے تھے _

ابوجعفر اسکافي کہتے ہيں : جيسے ابن ابي الحديد نے شرح نہج البلاغہ، جلد ۳ ص ۲۷۰ پر لکھا ہے :

پيغمبر (ص) کے بستر پر حضرت علي عليہ السلام کے سونے کا واقعہ تو اتر سے ثابت ہے اور اس کا انکار غير مسلموں اور کم ذہن لوگوں کے علاوہ کوئي نہيں کرتا [۱]

جب صبح ہوئي تومشرکين گھر ميں گھس آئے _ انہوں نے جستجو کي تو حضرت علي عليہ السلام کو پيغمبر (ص) کي جگہ پر ديکھا _ اس طرح سے خدا نے ان کي سازش کو نقش برآب کرديا _

وہ پکارے: محمد کہاں ہے ؟

آپ نے جواب ديا : ميں نہيں جانتا _

وہ آپ کے پائوں کے نشانوں پر چل پڑے يہاں تک کہ غار کے پاس پہنچ گئے ليکن (انہوں نے تعجب سے ديکھا کہ مکڑي نے غار کے سامنے جالاتن رکھاہے ايک نے دوسرے سے کہا کہ اگر وہ اس غار ميں ہوتے تو غار کے دہانے پر مکڑي کا جالا نہ ہوتا ، اس طرح وہ واپس چلے گئے)

پيغمبر (ص) تين دن تک غار کے اندر رہے (اور جب دشمن مکہ کے تمام بيابانوں ميں آپ کو تلاش کرچکے اور تھک ہار کرمايوس پلٹ گئے تو آپ مدينہ کي طرف چل پڑے)_

---

(۱) الغدير، جلد ۲ ص ۴۵ پر ہے کہ غزالي نے احياء العلوم ج ۳ ص ۲۳۸ پر، صفوري نے نزہتہ المجالس ج ۲ ،ص ۲۰۹ پر، ابن صباغ مالکي نے فصول المہمہ، ميں سبط ابن جوزي نے تذکرہ الخواص ص ۲۱ پر، امام احمد نے مسندج اص ۳۴۸ پر، تاريخ طبري جلد ۲ ص ۹۹ پر، سيرة ابن ہشام ج ۲، ص ۲۹۱ پر، سيرة حلبي ج ۱ ص ۲۹ پر، تاريخي يعقوبي ج ۲ ص ۲۹ پر ليلة المبيت کے واقعہ کو نقل کيا ہے

قبلہ کی تبدیلي

بعثت کے بعد تیرہ سال تک مکہ میں اورچند ماہ تک مدینہ میں پیغمبر اسلام (ص) حکم خدا سے بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے رہے لیکن اس کے بعد قبلہ بدل گیا اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ مکہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھیں۔

مدینہ میں کتنے ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی جاتی رہي؟ اس سلسلے میں مفسرین میں اختلاف ہے، یہ مدت سات ماہ سے لے کر سترہ ماہ تک بیان کی گئي ہے لیکن یہ جتنا عرصہ بھی تھا اس دوران یہودی مسلمانوں کو طعنہ زنی کرتے رہے کیونکہ بیت المقدس دراصل یہودیوں کا قبلہ تھا وہ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ان کا اپنا کوئي قبلہ نہیں بلکہ ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے ہیں اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ہم حق پر ہیں۔

یہ باتیں پیغمبر اکرم (ص) اور مسلمانوں کے لئے ناگوار تھیں ایک طرف وہ فرمان الہی کے مطیع تھے اور دوسری طرف یہودیوں کے طعنے ختم نہ ہوتے تھے، اسی لئے پیغمبر اکرم (ص) آسمان کی طرف دیکھتے تھے گویا وحی الہی کے منتظر تھے۔

پیغمبر اکرم (ص) کا خانہ کعبہ سے خاص لگائو

پیغمبر اکرم (ص) خصوصیت سے چاہتے تھے کہ قبلہ، کعبہ کی طرف تبدیل ہوجائے اور آپ انتظار

میں رہتے تھے کہ خدا کی طرف سے اس سلسلہ میں کوئی حکم نازل ہو، اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ آنحضرت (ص) کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے آثار سے عشق تھا، علاوہ از ایں کعبہ توحید کا قدیم ترین مرکز تھا، آپ (ص) جانتے تھے کہ بیت المقدس تو وقتی قبلہ ہے لیکن آپ کی خواہش تھی کہ حقیقی و آخری قبلہ جلد معین ہوجائے_

آپ چونکہ حکم خدا کے سامنے سر تسلیم خم تھے، پس اپ یہ تقاضا زبان تک نہ لاتے صرف منتظر نگاہیں آسمان کی طرف لگائے ہوئے تھے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو کعبہ سے کس قدر عشق اور لگائو تھا_

اس انتظار میں ایک عرصہ گذر گیا یہاں تک کہ قبلہ کی تبدیلی کا حکم صادر ہوا ایک روز مسجد "بنی سالم" میں پیغمبر نماز ظہر پڑھا رہے تھے دو رکعتیں پڑھ چکے تھے کہ جبرئیل کو حکم ہوا کہ پیغمبر کا بازو تھام کر ان کا رخ انور کعبہ کی طرف پھیردیں_

مسلمانوں نے بھی فوراً اپنی صفوں کا رخ بدل لیا، یہاں تک کہ ایک روایت میں منقول ہے کہ عورتوں نے اپنی جگہ مردوں کو دی اور مردوں نے اپنے جگہ عورتوں کو دیدی ، (توجہ رہے کہ بیت المقدس شمالی سمت میں تھا ، اور خانہ کعبہ جنوبی سمت میں تھا_)

اس واقعے سے یہودی بہت پریشان ہوئے اور اپنے پرانے طریقہ کے مطابق ، ڈھٹائی، بہانہ سازی اور طعنہ بازی کا مظاہرہ کرنے لگے پہلے تو کہتے تھے کہ ہم مسلمانوں سے بہتر ہیں کیونکہ ان کا کوئی اپنا قبلہ نہیں ، یہ ہمارے پیروکار ہیں لیکن جب خدا کی طرف سے قبلہ کی تبدیلی کا حکم نازل ہوا تو انہوں نے پھر زبان اعتراض درازکی چنانچہ قرآن کہتا ہے_

"بہت جلد کم عقل لوک کہیں گے ان (مسلمانوں) کو کس چیز نے اس قبلہ سے پھیر دیا جس پر وہ پہلے تھے"_[۱]

مسلمانوں نے اس سے کیوں اعراض کیا ہے جو گذشتہ زمانہ میں انبیائے ماسلف کا قبلہ رہا ہے، اگر

---

(۱) سورہ بقرہ آیت ۱۴۲

پہلا قبلہ صحیح تھا تو اس تبدیلی کا کیا مقصد، اور اگر دوسرا صحیح ہے تو پھر تیرہ سال اور پندرہ ماہ.بیت المقدس کی طرف رخ کرکے کیوں نماز پڑھتے رہے ہیں_؟

چنانچہ خدا وند عالم نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا:

"ان سے کہہ دو عالم کے مشرق و مغرب اللہ کے لئے ہیں وہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے"_[(۱)]

تبدیلی قبلہ کا راز

.بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف قبلہ کی تبدیلی ان سب کے لئے اعتراض کا موجب.بنی جن کا گمان تھا کہ ہر حکم کو مستقل رہنا چاہیئے تھا اگر ہمارے لئے ضروری تھا کہ کعبہ کی طرف نماز پڑھیں تو پہلے دن یہ حکم کیوں نہ دیا گیا اور اگر.بیت المقدس مقدم ہے جو گذشتہ انبیاء کا بھی قبلہ شمار ہوتا ہے تو پھر اسے کیوں بدلا گیا_؟

دشمنوں کے ہاتھ بھی طعنہ زنی کا موقع آگیا، شاید وہ کہتے تھے کہ پہلے تو انبیاء ماسبق کے قبلہ کی طرف نماز پڑھتا تھا لیکن کامیابیوں کے بعد اس پر قبیلہ پرستی نے غلبہ کرلیا ہے لہذا اپنی قوم اور قبیلے کے قبلہ کی طرف پلٹ گیا ہے یا کہتے تھے کہ اس نے دھوکا دینے اوریہودو نصاری کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کے لئے پہلے.بیت المقدس کو قبول کرلیا اور جب یہ بات کارگر نہ ہوسکی تو اب کعبہ کی طرف رخ کرلیا ہے_

واضح ہے کہ ایسے وسوسے اور وہ بھی ایسے معاشرے میں جہاں ابھی نور علم نہ پھیلا ہو اور جہاں شرک وبت پرستی کی رسمیں موجود ہوں کیسا تذبذب و اضطراب پیدا کردیتے ہیں اسی لئے قرآن صراحت سے کہتا ہے کہ" یہ مومنین اورمشرکین میں امتیاز پیدا کرنے والی ایک عظیم آزمائش تھي"_[(۲)]

ممکن ہے کہ قبلہ کی تبدیلی کے اہم اسباب میں سے درج ذیل مسئلہ بھی ہو خانہ کعبہ اس وقت

---

(۱)سورہ بقرہ آیت ۱۴۲

(۲)سورہ بقرہ ایت ۱۴۳

مشرکین کے بتوں کا مرکز بنا ہوا تھا لہذا حکم دیا گیا کہ مسلمان وقتی طور پر بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھ لیا کریں تاکہ اس طرح مشرکین سے اپنی صفیں الگ کرسکیں ۔

لیکن جب مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد اسلامی حکومت وملت کی تشکیل ہوگئی اور مسلمانوں کی صفیں دوسروں سے مکمل طور پر ممتاز ہوگئیں تو اب یہ کیفیت برقرار رکھنا ضروری نہ رہا ، لہذا اس وقت کعبہ کی طرف رخ کرلیا گیا جو قدیم ترین مرکز توحید اور انبیاء کا بہت پرانا مرکز تھا ۔

ایسے میں ظاہر ہے کہ جو کعبہ کو اپنا خاندانی معنوی اور روحانی سرمایہ سمجھتے تھے.بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا ان کے لئے مشکل تھا اور اسی طرح بیت المقدس کے بعد کعبہ کی طرف پلٹنا، لہذا اس میں مسلمانوں کی سخت آزمائش تھی تاکہ شرک کے جتنے آثار ان میں باقی رہ گئے تھے اس کٹھالی میں پڑکر جل جائیں اور ان کے گذشتہ شرک آلود رشتے ناتے ٹوٹ جائیں ۔

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں اصولی طور پر تو خدا کے لئے مکان نہیں ہے قبلہ تو صرف وحدت اور صفوں میں اتحاد کا ایک رمز ہے اور اس کی تبدیلی کسی چیز کو دگرگوں نہیں کرسکتی ، اہم ترین امر تو خدا کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے اور تعصب اور ہٹ دھرمی کے بتوں کو توڑنا ہے ۔

جنگ بدر[۱]

جنگ بدر کی ابتداء یہاں سے ہوئی کہ مکہ والوں کا ایک اہم تجارتی قافلہ شام سے مکہ کی طرف واپس جارہا تھا اس قافلے کو مدینہ کی طرف سے گزرنا تھا اہل مکہ کا سردار ابوسفیان قافلہ کا سالار تھا اس کے پاس ہزار دینار کا مال تجارت تھا پیغمبر اسلام نے اپنے اصحاب کو اس عظیم قافلے کی طرف تیزی سے کوچ کا حکم دیا کہ جس کے پاس دشمن کا ایک بڑا سرمایہ تھا تاکہ اس سرمائے کو ضبط کرکے دشمن کی اقتصادی قوت کو سخت ضرب لگائی جائے تاکہ اس کا نقصان دشمن کی فوج کو پہنچے[۲]

---

(۱)واقعہ جنگ بدر سورہ انفال آیات ۵ تا ۱۸ کے ذیل میں بیان ہوئی ہے_

(۲)پیغمبراور ان کے اصحاب ایسا کرنے کا حق رکھتے تھے کیونکہ مسلمان مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرکے آئے تو اہل مکہ نے ان کے بہت سے اموال پر قبضہ کرلیا تھا جس سے مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا لہذا وہ حق رکھتے تھے کہ اس نقصان کی تلافی کریں_ اس سے قطع نظر بھی اہل مکہ نے گذشتہ تیرہ برس میں پیغمبر اسلام (ص) اور مسلمانوں سے جو سلوک روارکھا اس سے بات ثابت ہوچکی تھی وہ مسلمانوں کو ضرب لگانے اور نقصان پہنچانے کے لئے کوئی موقع ہاتھ سے نہیں گنوائیں گے.یہاں تک کہ وہ خود پیغمبر اکرم (ص) کو قتل کرنے پر تل گئے تھے ایسا دشمن پیغمبر اکرم (ص) کے ہجرت مدینہ کی وجہ سے بے کار نہیں بیٹھ سکتا تھا واضح تھا کہ وہ قاطع ترین ضرب لگانے کے لئے اپنی قوت مجتمع کرتا پس عقل و منطق کا تقاضا تھا کہ پیش بندی کے طور پر ان کے تجارتی قافلے کو گھیر کر اس کے اتنے بڑے سرمائے کو ضبط کرلیا جاتا تاکہ اس پر ضرب پڑے اور اپنی فوجی اور اقتصادی بنیاد مضبوط کی جاتی ایسے اقدامات آج بھی اور گذشتہ ادوار میں بھی عام دنیا میں فوجی طریق کار کا حصہ رہے ہیں ،جو لوگ ان پہلوئوں کو نظر انداز کرکے قافلے کی طرف پیغمبر کی پیش قدمی کو ایک طرح کی غارت گری کے طور پر پیش کرنا چاہتے ہیں یاتو وہ حالات سے آگاہ نہیں اور اسلام کے تاریخی مسائل کی بنیادوں سے بے خبر ہیں اور یا ان کے کچھ مخصوص مقاصد ہیں جن کے تحت وہ واقعات وحقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں

بہرحال ایک طرف ابوسفیان کو مدینہ میں اس کے ذریعے اس امر کی اطلاع مل گئي اور دوسری طرف اس نے اہل مکہ کو صورت حال کی اطلاع کے لئے ایک تیز رفتار قاصد روانہ کردیا کیونکہ شام کی طرف جاتے ہوئے بھی اسے اس تجارتی قافلہ کی راہ میں رکاوٹ کا اندیشہ تھا_

قاصد، ابوسفیان کی نصیحت کے مطابق اس حالت میں مکہ میں داخل ہوا کہ اس نے اپنے اونٹ کی ناک کو چیر دیا تھا اس کے کان کاٹ دیئے تھے، خون ہیجان انگیز طریقہ سے اونٹ سے بہہ رہا تھا، قاصد نے اپنی قمیض کو دونوں طرف سے پھاڑ دیا تھا اونٹ کی پشت کی طرف منہ کرکے بیٹھا ہوا تھا تاکہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرسکے، مکہ میں داخل ہوتے ہی اس نے چیخنا چلانا شروع کردیا:

اے کامیاب وکامران لوگو اپنے قافلے کی خبر لو، اپنے کارواں کی مدد کرو_ لیکن مجھے امید نہیں کہ تم وقت پر پہنچ سکو، محمد اور تمہارے دین سے نکل جانے والے افراد قافلے پر حملے کے لئے نکل چکے ہیں_

اس موقع پر پیغمبر (ص) کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا ایک عجیب وغریب خواب تھا مکہ میں زبان زد خاص وعام تھا اور لوگوں کے ہیجان میں اضافہ کرہا تھا_ خواب کا ماجرا یہ تھا کہ عاتکہ نے تین روز قبل خواب میں دیکھا کہ:

ایک شخص پکار رہا ہے کہ لوگو اپنی قتل گاہ کی طرف جلدی چلو، اس کے بعد وہ منادی کوہ ابوقیس کی چوٹی پر چڑھ گیا اس نے پتھر کی ایک بڑی چٹان کو حرکت دی تو وہ چٹان ریزہ ریزہ ہوگئي اور اس کا ایک ایک ٹکڑا قریش کے ایک ایک گھر میں جاپڑا اور مکہ کے درے سے خون کا سیلاب جاری ہوگیا_

عاتکہ وحشت زدہ ہوکر خواب سے بیدار ہوئي اور اپنے بھائي عباس کو سنایا_ اس طرح خواب لوگوں تک پہنچا تو وہ وحشت وپریشانی میں ڈوب گئے_ ابوجہل نے خواب سنا تو بولا: یہ عورت دوسرا پیغمبر ہے جو اولاد عبدالمطلب میں ظاہر ہوا ہے لات وعزی کی قسم ہم تین دن کی مہلت دیتے ہیں اگر اتنے عرصے میں اس خواب کی تعبیر ظاہر نہ ہوئي تو ہم آپس میں ایک تحریر لکھ کر اس پر دستخط کریں گے کہ بنی ہاشم قبائل عرب میں سے سب سے زیادہ جھوٹے ہیں تیسرا دن ہوا تو ابوسفیان کا قاصد آپہنچا، اس کی پکار نے تمام اہل مکہ کو ہلاکو رکھ دیا_

اورچونکہ تمام اہل مکہ کا اس قافلے میں حصہ تھا سب فوراً جمع ہوگئے ابو جہل کی کمان میں ایک لشکر تیار ہوا ، اس میں ۹۵۰/ جنگجو تھے جن میں سے بعض انکے بڑے اور مشہور سردار اور بہادر تھے ۷۰۰/ اونٹ تھے اور ۱۰۰/ گھوڑے تھے لشکر مدینہ کی طرف روانہ ہوگیا ـ

دوسری طرف چونکہ ابو سفیان مسلمانوں سے بچ کر نکلنا چاہتا تھا ، لہذا اس نے راستہ بدل دیا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا ـ

۳۱۳/ وفادار ساتھي

پیغمبر اسلام (ص) ۳۱۳/ افراد کے ساتھ جن میں تقریباً تمام مجاہدین اسلام تھے سرزمین بدر کے پاس پہنچ گئے تھے یہ مقام مکہ اور مدینہ کے راستے میں ہے یہاں آپ کو قریش کے لشکر کی روانگی کی خبر ملی اس وقت آپ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ کیا ابوسفیان کے قافلہ کا تعاقب کیا جائے اور قافلہ کے مال پر قبضہ کیا جائے یا لشکر کے مقابلے کے لئے تیار ہوا جائے؟ ایک گروہ نے دشمن کے لشکر کا مقابلہ کرنے کو ترجیح دی جب کہ دوسرے گروہ نے اس تجویز کو ناپسند کیا اور قافلہ کے تعاقب کو ترجیح دی ، ان کی دلیل یہ تھی کہ ہم مدینہ سے مکہ کی فوج کا مقابلہ کرنے کے ارادہ سے نہیں نکلے تھے اور ہم نے اس لشکر کے مقابلے کے لئے جنگی تیاری نہیں کی تھی جب کہ وہ ہماری طرف پوری تیاری سے آرہا ہے ـ

اس اختلاف رائے اور تردد میں اس وقت اضافہ ہوگیا جب انہیں معلوم تھا کہ دشمن کی تعداد مسلمانوں سے تقریبا تین گنا ہے اور ان کا سازوسامان بھی مسلمانوں سے کئي گنا زیادہ ہے، ان تمام باتوں کے باوجود پیغمبر اسلام (ص) نے پہلے گروہ کے نظریے کو پسند فرمایا اور حکم دیا کہ دشمن کی فوج پر حملہ کی تیاری کی جائے ـ

جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو دشمن کو یقین نہ آیا کہ مسلمان اس قدر کم تعداد اور سازو سامان کے ساتھ میدان میں آئے ہوں گے ، ان کا خیال تھا کہ سپاہ اسلام کا اہم حصہ کسی مقام پر چھپا ہوا ہے تاکہ وہ غفلت میں کسی وقت ان پر حملہ کردے لہذا انہوں نے ایک شخص کو تحقیقات کے لئے بھیجا، انہیں جلدی معلوم

ہوگیا کہ مسلمانوں کی جمعیت یہی ہے جسے وہ دیکھ رہے ہیں_

دوسری طرف جیسا کہ ہم نے کہا ہے مسلمانوں کا ایک گروہ وحشت وخوف میں غرق تھا اس کا اصرار تھا کہ اتنی بڑی فوج جس سے مسلمانوں کا کوئي موازنہ نہیں، خلاف مصلحت ہے، لیکن پیغمبر اسلام (ص) نے خدا کے وعدہ سے انہیں جوش دلایا اور انہیں جنگ پر اُبھارا، آپ نے فرمایا: کہ خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ دوگروہوں میں سے ایک پر تمہیں کامیابی حاصل ہوگی قریش کے قافلہ پر یا لشکر قریش پر اور خدا کے وعدہ کے خلاف نہیں ہوسکتا_

خدا کی قسم ابوجہل اور کئي سرداران قریش کے لوگوں کی قتل گاہ کو گویا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں_

اس کے بعد آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ بدر کے کنوئیں کے قریب پڑاؤ ڈالیں_

رسول اللہ (ص) نے پہلے سے خواب میں اس جنگ کا منظر دیکھا تھا، آپ نے دیکھا کہ دشمن کی ایک قلیل سی تعداد مسلمانوں کے مقابلہ میں آئي ہے، یہ دراصل کامیابی کی ایک بشارت تھی آپ نے بعینہ یہ خواب مسلمانوں کے سامنے بیان کردیا، یہ بات مسلمانوں کے میدان بدر کی طرف پیش روی کے لئے ان کے جذبہ اور عزم کی تقویت کا باعث بنی_

البتہ پیغمبر اکرم (ص) نے یہ خواب صحیح دیکھا تھا کیونکہ دشمن کی قوت اور تعداد اگرچہ ظاہراً بہت زیادہ تھی لیکن باطناً کم، ضعیف اور ناتواں تھي، ہم جانتے ہیں کہ خواب عام طورپر اشارے اور تعبیر کا پہلو رکھتے ہیں، اور ایک صحیح خواب میں کسی مسئلے کا باطنی چہرہ آشکار ہوتا ہے_

قریش کا ایک ہزار کا لشکر

اس ہنگامے میں ابوسفیان اپنا قافلہ خطرے کے علاقے سے نکال لے گیا_ اصل راستے سے ہٹ کردریائے احمر کے ساحل کی طرف سے وہ تیزی سے مکہ پہنچ گیا_ اس کے ایک قاصد کے ذریعے لشکر کو پیغام

بھیجا:

خدانے تمہارا قافلہ بچا لیا ہے میرا خیال ہے کہ ان حالات میں محمد کا مقابلہ کرنا ضروری نہیں کیونکہ اس کے اتنے دشمن ہیں جو اس کا حساب چکالیں گے _

لشکر کے کمانڈر ابو جہل نے اس تجویز کو قبول نہ کیا ، اس نے اپنے بتوں لات اور عزی کی قسم کھائي کہ نہ صرف ان کا مقابلہ کریں گے بلکہ مدینہ کے اندر تک ان کا تعاقب کریں گے یا انہیں قید کرلیں گے اور مکہ میں لے آئیں گے تاکہ اس کامیابی کا شہرہ تمام قبائل عرب کے کانوں تک پہنچ جائے _ آخر کار لشکر قریش بھی مقام بدر تک آپہنچا، انہوں نے اپنے غلام کو پانی لانے کے لئے کنویں کی طرف بھیجے ، اصحاب پیغمبر نے انہیں پکڑلیا اور ان سے حالات معلوم کرنے کے لئے انہیں خدمت پیغمبر (ص) میں لے آئے حضرت نے ان سے پوچھا تم کون ہو ؟ انہوں نے کہا : ہم قریش کے غلام ہیں ، فرمایا: لشکر کی تعداد کیا ہے ؟ انہوں نے کہا : ہمیں اس کا پتہ نہیں ، فرمایا : ہر روز کتنے اونٹ کھانے کے لئے نحر کرتے ہیں ؟ انہوں نے کہا : نو سے دس تک، فرمایا: ان کی تعداد ۹/ سو سے لے کر ایک ہزار تک ہے (ایک اونٹ ایک سو فوجی جوانوں کی خوراک ہے)_

ماحول پُر ہیبت اور وحشت ناک تھا لشکر قریش کے پاس فراواں جنگی سازوسامان تھا_یہاں تک کہ حوصلہ بڑھانے کے لئے وہ گانے بجانے والی عورتوں کو بھی ساتھ لائے تھے _ اپنے سامنے ایسے حریف کو دیکھ رہے تھے کہ انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ ان حالات میں وہ میدان جنگ میں قدم رکھے گا_

مسلمانو! فرشتے تمہاری مدد کریں گے

پیغمبر اکرم (ص) دیکھ رہے تھے کہ ممکن ہے آپ کے اصحاب خوف ووحشت کی وجہ سے رات میں آرام سے سو نہ سکیں اور پھر کل دن کو تھکے ہوئے جسم اور روح کے ساتھ دشمن کے مقابل ہوں لہذا خدا کے وعدے کے مطابق ان سے فرمایا:

تمہاری تعداد کم ہو تو اس کا غم نہ کر، آسمانی فرشتوں کی ایک عظیم جماعت تمہاری مدد کے لئے آئے گي، آپ نے انہیں خدائي وعدے کے مطابق اگلے روز فتح کی پوری تسلی دے کر مطمئن کردیا اور وہ رات

آرام سے سوگئے_

دوسری مشکل جس سے مجاہدین کو پریشانی تھی وہ میدان بدر کی کیفیت تھی ،ان کی طرف زمین نرم تھی اور اس میں پائوں دھنس جاتے تھے اسی رات یہ ہوا کہ خوب بارش ہوئي ،اس کے پانی سے مجاہدین نے وضو کیا ، غسل کیا اور تازہ دم ہوگئے ان کے نیچے کی زمین بھی اس سے سخت ہوگئي ، تعجب کی بات یہ ہے کہ دشمن کی طرف اتنی زیادہ بارش ہوئي کہ وہ پریشان ہوگئے_

دشمن کے لشکر گاہ سے مسلمان جاسوسوں کی طرف سے ایک نئي خبر موصول ہوئي اور جلد ہی مسلمانوں میں پھیل گئي ، خبر یہ تھی کہ فوج قریش اپنے ان تمام وسائل کے باوجود خو فزدہ ہے گویا وحشت کا ایک لشکر خدا نے ان کے دلوں کی سرزمین پر اتار دیا تھا ،اگلے روز چھوٹا سا اسلامی لشکر بڑے ولولے کے ساتھ دشمن کے سامنے صف آراء ہوا، پیغمبر اکرم (ص) نے پہلے انہیں صلح کی تجویز پیش کی تاکہ عذر اور بہانہ باقی نہ رہے، آپ نے ایک نمائندے کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ میں نہیں چاہتا کہ تم وہ پہلا گروہ بن جائو کہ جس پر ہم حملہ آور ہوں ، بعض سردار ان قریش چاہتے تھے یہ صلح کا ہاتھ جوان کی طرف بڑھایا گیا ہے اسے تھام لیں اور صلح کرلیں ، لیکن پھر ابو جہل مانع ہوا_

ستر قتل ستر اسیر

آخر کار جنگ شروع ہوئي ،اس زمانے کے طریقے کے مطابق پہلے ایک کے مقابلے میں ایک نکلا ،ادھر لشکر اسلام میں رسول اللہ (ص) کے چچا حمزہ اور حضرت علی علیہ السلام جوجو ان ترین افراد تھے میدان میں نکلے، مجاہدین اسلام میں سے چند اور بہادر بھی اس جنگ میں شریک ہوئے ،ان جوانوں نے اپنے حریفوں کے پیکر پر سخت ضربیں لگائیں اور کاری وار کئے اور ان کے قدم اکھاڑدیئے ،دشمن کا جذبہ اور کمزور پڑگیا ،یہ دیکھا تو ابو جہل نے عمومی حملے کا حکم دے دیا_

ابو جہل پہلے ہی حکم دے چکا تھا کہ اصحاب پیغمبر (ص) میں سے جو اہل مدینہ میں سے ہیں انہیں قتل

کردو، مہاجرین مکہ کو اسیر کرلو مقصد یہ تھا کہ ایک طرح کے پروپیگنڈا کے لئے انہیں مکہ لے جائیں۔

یہ لمحات بڑے حساس تھے، رسول اللہ (ص) نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جمعیت کی کثرت پر نظر نہ کریں اور صرف اپنے مد مقابل پر نگاہ رکھیں دانتوں کو ایک دوسرے پر رکھ کر پیسیں، باتیں کم کریں، خدا سے مدد طلب کریں، حکم پیغمبر سے کہیں رتی بھر سرتابی نہ کریں اور مکمل کامیابی کی امید رکھیں، رسول اللہ (ص) نے دست دعا آسمان کی طرف بلند کئے اور عرض کیا: "پالنے والے اگر یہ لوگ قتل ہوگئے تو پھر تیری عبادت کوئی نہیں کرے گا"۔

دشمن کے لشکر کی سمت میں سخت ہوا چل رہی تھی اور مسلمان ہوا کی طرف پشت کرکے ان پر حملے کررہے تھے۔ ان کی استقامت، پامردی اور دلاوری نے قریش کا ناطقہ بند کردیا ابو جہل سمیت دشمن کے ستر آدمی قتل ہوگئے ان کی لاشیں خاک وخون میں غلطاں پڑی تھیں ستر افراد مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوگئے مسلمانوں کے بہت کم افراد شہید ہوئے۔

اس طرح مسلمانوں کی پہلی مسلح جنگ طاقتور دشمن کے خلاف غیر متوقع کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔

جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھي، ان میں ۷۷/ مہاجر تھے اور دو سو چھتیس (۲۳۶) انصار، مہاجرین کا پرچم حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ میں تھا، اور انصار کا پرچم بردار" سعد بن عبادہ" تھے، اس عظیم معرکہ کے لئے ان کے پاس صرف ۷۰ / اونٹ دو گھوڑے، ۶/زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں، دوسری طرف دشمن کی فوج ہزار افراد سے متجاوز تھي، اس کے پاس کافی ووافی اسلحہ تھا اور ایک سو گھوڑے تھے، اس جنگ ۲۲/ مسلمان شہید ہوئے ان میں چودہ مہاجر اور ۸/ انصار تھے، دشمن کے ستر (۷۰) افراد مارے گئے اور ستر ہی قیدی ہوئے، اس طرح مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اوریوں مکمل کامرانی کے ساتھ وہ مدینہ کی طرف پلٹ گئے۔

واقعاً یہ عجیب و غریب بات تھی کہ تواریخ کے مطابق مسلمانوں کے چھوٹے سے لشکر کے مقابلہ میں

قریش کی طاقتور فوج نفسیاتی طور پر اس قدر شکست خوردہ ہوچکی تھی کہ ان میں سے ایک گروہ مسلمانوں سے جنگ کرنے سے ڈرتا تھا، بعض اوقات وہ دل میں سوچتے کہ یہ عام انسان نہیں ہیں ، بعض کہتے ہیں کہ یہ موت کو اپنے اونٹوں پر لادکر مدینہ سے تمہارے لئے سوغات لائے ہیں ۔

"سعدبن معاذانصاری "نمائندہ کے طور پر خدمت پیغمبر میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے :

میرے ماں باپ آپ پر قربان اے اللہ کے رسول ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے آپ کی نبوت کی گواہی دی ہے کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں خدا کی طرف سے ہے، آپ جو بھی حکم دینا چاہیں دیجئے اور ہمارے مال میں سے جو کچھ آپ چاہیں لے لیں ، خدا کی قسم اگر آپ ہمیں حکم دیں کہ اس دریا (دریائے احمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ،جووہاں سے قریب تھا) میں کودپڑو تو ہم کو دپڑیں گے ہماری یہ آرزو ہے کہ خدا ہمیں توفیق دے کہ ایسی خدمت کریں جو آپ کی آنکھ کی روشنی کا باعث ہو ۔

روز بدر رسول اللہ (ص) نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

زمین سے مٹی اور سنگریزوں کی ایک مٹھی بھر کے مجھے دیدو ۔

حضرت علی علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور رسول خدا (ص) نے اسے مشرکین کی طرف پھینک دیا اور فرمایا:

"شاہت الوجوہ"(تمہارے منھ قبیح اور سیاہ ہوجائیں)

لکھا ہے کہ معجزانہ طور پر گرد و غبار اور سنگریزے دشمن کی آنکھوں میں جا پڑے اور سب وحشت زدہ ہوگئے ۔

مجاہدین کی تشویق

ابن عباس سے منقول ہے کہ رسول اللہ (ص) نے جنگ بدر کے روز مجاہدین اسلام کی تشویق کے لئے کچھ انعامات مقرر کیے مثلاً فرمایا کہ جو فلاں دشمن کو قید کرکے میرے پاس لائے گا اُسے یہ انعام دوں گا ان

میں پہلے ہی روح ایمان وجہاد موجود تھی اوپر سے یہ تشویق بھي، نتیجہ یہ ہوا کہ جوان سپاہی بڑے افتخار سے مقابلہ کے لئے آگے بڑھے اور اپنے مقصد کی طرف لپکے بوڑھے سن رسیدہ افراد جھنڈوں تلے موجود رہے جب جنگ ختم ہوئي تو نوجوان اپنے پر افتخار انعامات کے لئے بارگاہ پیغمبر اکرم (ص) کی طرف بڑھے، بوڑھے ان سے کہنے لگے کہ اس میں ہمارا بھی حصہ ہے کیونکہ ہم تمہارے لئے پناہ اور سہارے کاکام کررہے تھے اور تمہارے لئے جوش وخروش کا باعث تھے اگر تمہارا معاملہ سخت ہوجاتاہے تو تمہیں پیچھے ہٹنا پڑتا تو یقیناً تم ہماری طرف آتے اس موقع پر دو انصاریوں میں تو تو میں میں بھی ہوگئي اور انہوں نے جنگی غنائم کے بارے میں بحث کی ۔

اس اثناء میں سورہ انفال کی پہلی آیت نازل ہوئي جس میں صراحت کے ساتھ بتایا گیا کہ غنائم کا تعلق پیغمبر (ص) سے ہے وہ جیسے چاہیں انہیں تقسیم فرمائیں، پیغمبر اکرم (ص) نے بھی مساوی طور پر سب سپاہیوں میں غنائم تقسیم کردیئے اور برادران دینی میں صلح و مصالحت کا حکم دیا ۔

جنگ کا خاتمہ اور اسیروں کا واقعہ

جنگ بدر کے خاتمہ پر جب جنگی قیدی بنالئے گئے اور پیغمبر اکرم (ص) نے یہ حکم دیا کہ قیدیوں میں سے دو خطرناک افراد عقبہ اور نضر کو قتل کردیاجائے تو اس پر انصار گھبرا گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ حکم تمام قیدیوں کے متعلق جاری ہوجائے اور وہ فدیہ لینے سے محروم ہوجائیں) لہذا انہوں نے رسول اللہ کی خدمت میں عرض کیا : ہم نے ستر آدمیوں کو قتل کیا ہے اور ستر ہی کو قیدی بنایا ہے اور یہ آپ کے قبیلے میں سے آپ ہی کے قیدی ہیں، یہ ہمیں بخش دیجئے تاکہ ہم ان کی آزادی کے بدلے فدیہ لے سکیں ۔

(رسول اللہ اس کے لئے وحی آسمانی کے منتظر تھے) اس موقع پروحی الہی نازل ہوئي اورقیدیوں کی آزادی کے بدلے فدیہ لینے کی اجازت دیدی گئي ۔

اسیروں کی ازادی کے لئے زیادہ سے زیادہ چار ہزار درہم اور کم سے کم ایک ہزار درہم معین کی گئي، یہ بات قریش کے کانوں تک پہونچی تو انھوں نے ایک ایک کے بدلے معین شدہ رقم بھیج کر اسیروں کو ازاد

کرالیا_

تعجب کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ (ص) کا داماد ابو العاص بھی ان قیدیوں میں تھا ،رسول (ص) کی بیٹی یعنی زینب جو ابولعاص کی بیوی تھی نے وہ گلوبند جو جناب خدیجہ نے ان کی شادی کے وقت انہیں دیا تھا فدیہ کے طور پر رسول اللہ (ص) کے پاس بھیجا،جب پیغمبر اکرم (ص) کی نگاہ گلوبند پرپڑی تو جناب خدیجہ جیسی فداکار اور مجاہدہ خاتون کی یادیں ان کی آنکھوں کے سامنے مجسم ہوگئیں ،آپ(ص) نے فرمایا:خداکی رحمت ہو خدیجہ پر ، یہ وہ گلوبند ہے جو اس نے میری بیٹی زینب کو جہیز میں دیا تھا(اور بعض دوسری روایات کے مطابق جناب خدیجہ کے احترام میں آپ (ص) نے گلوبند قبول کرنے سے احراز کیا اور حقوق مسلمین کو پیش نظر کرتے ہوئے اس میں ان کی موافقت حاصل کي)_

اس کے بعد پیغمبر اکرم (ص) نے ابوالعاص کو اس شرط پر آزاد کردیا کہ وہ زینب کو (جو اسلام سے پہلے ابو العاص کی زوجیت میں تھیں)مدینہ پیغمبر (ص) کے پاس بھیج دے ، اس نے بھی اس شرط کو قبول کرلیا او ربعد میں اسےپورا بھی کیا_

آنحضرت(ص) کے چچا عباس کا اسلام قبول کرنا

انصار کے کچھ آدمیوں نے رسول اللہ (ص) سے اجازت چاہی کہ آپ کے چچا عباس جو قیدیوں میں تھے ان سے آپ(ص) کے احترام میں فدیہ نہ لیا جائے لیکن پیغمبر (ص) نے فرمایا:

"خداکی قسم اس کے ایک درھم سے بھی صرف نظر نہ کرو"(اگر فدیہ لینا خدائي قانون ہے تو اسے سب پر جاری ہونا چاہئے ،یہاں تک کہ میرے چچا پر بھی اس کے اوردوسروں کے درمیان کوئي فرق نہیں ہے_)

پیغمبر اکرم (ص) عباس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اپنی طرف سے او راپنے بھتیجے (عقیل بن ابی طالب) کی طرف سے آپ(ص) کو فدیہ ادا کرنا چاہئے_

عباس (جو مال سے بڑا لگائو رکھتے تھے) کہنے لگے: اے محمد(ص) کیا تم چاہتے ہو کہ مجھے ایسا فقیر او رمحتاج کردو کہ میں اہل قریش کے سامنے اپنا ہاتھ پھیلائوں_

رسول اللہ (ص) نے فرمایا: اس مال میں سے فدیہ ادا کریں جو آپ(ص) نے اپنی بیوی ام الفضل کے پاس رکھا تھا اور اس سے کہا تھا کہ اگر میں میدان جنگ میں مارا جائوں تو اس مال کو اپنے اور اپنی اولاد کے مصارف کے لئے سمجھنا_

عباس یہ بات سن کر بہت متعجب ہوئے اور کہنے لگے: آپ(ص) کو یہ بات کس نے بتائي (حالانکہ یہ تو بالکل محرمانہ تھی)؟

رسول اللہ (ص) نے فرمایا: جبرئیل نے، خدا کی طرف سے_

عباس بولے: اس کی قسم کہ جس کی محمد (ص) قسم کھاتا ہے کہ میرے اور میری بیوی کے علاوہ اس راز سے کوئي آگاہ نہ تھا_

اس کے بعد وہ پکار اٹھے: "اشھد انک رسول اللہ"

(یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ(ص) اللہ کے رسول ہیں)

اوریوں وہ مسلمان ہوگئے_

آزادی کے بعد بدر کے تمام قیدی مکہ لوٹ گئے لیکن عباس، عقیل اور نوفل مدینہ ہی میں رہ گئے کیونکہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا_

عباس کے اسلام لانے کے بارے میں بعض تواریخ میں ہے کہ اسلام قبول کرلینے کے بعد وہ مکہ کی طرف پلٹ گئے تھے اور خط کے ذریعہ رسول اللہ (ص) کو سازش سے باخبر کیا کرتے تھے، پھر ۸ سے پہلے فتح مکہ کے سال مدینہ کی طرف ہجرت کر آئے_

جنگ احد[1]

جنگ احد کا پیش خیمہ جب کفار مکہ جنگ بدر میں شکست خوردہ ہوئے اور ستر(۷۰) قیدی چھوڑکر مکہ کی طرف پلٹ گئے تو ابو سفیان نے لوگوں کو خبر دار کیا کہ وہ اپنی عورتوں کو مقتولین بدر پر گریہ وزاری نہ کرنے دیں کیونکہ آنسو غم واندوہ کو دور کردیتے ہیں اور اس طرح محمدکی دشمنی اور عداوت ان کے دلوں سے ختم ہوجائے گی، ابو سفیان نے خود یہ عہد کررکھا تھا کہ جب تک جنگ بدر کے قاتلوں سے انتقام نہ لے لے اس وقت تک وہ اپنی بیوی سے ہمبستری نہیں کرے گا،بہر حال قریش ہر ممکن طریقہ سے لوگوں کوپیغمبر اسلام (ص) کے خلاف اکساتے تھے اور انتقام کی صدا شہرمکہ میں بلند ہورہی تھی ۔

ہجرت کے تیسرے سال قریش ہزار سوار اور دوہزارپیدل کے ساتھ بہت سامان جنگ لے کر آپ سے جنگ کرنے کے لئے مکہ سے نکلے اور میدان جنگ میں ثابت قدمی سے لڑنے کے لئے اپنے بڑے بڑے بت اور اپنی عورتوں کو بھی ہمراہ لے آئے ۔

()جنگ احد کا واقعہ سورہ آل عمران آیت ۱۲۰ کے ذیل میں بیان ہوا ہے

جناب عباس کی بر وقت اطلاع

حضرت رسول خدا (ص) کے چچا حضرت عباس جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے اور قریش کے درمیان ان کے ہم مشرب و ہم مذہب تھے لیکن اپنے بھتیجے سے فطری محبت کی بنا پر جب انھوں نے دیکھا کہ قریش کا ایک طاقتور لشکر پیغمبر (ص) سے جنگ کرنے کے لئے مکہ سے نکلا ہے تو فوراً ایک خط لکھا اور قبیلہ بنی غفار کے ایک آدمی کے ہاتھ مدینہ بھیجا ،عباس کا قاصد بڑی تیزی سے مدینہ کی طرف روانہ ہوا ،جب آپ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے سعد بن اُبَ کو عباس کا پیغام پہنچایا اور حتی الامکان اس واقعہ کو پردہ راز میں رکھنے کی کوشش کی۔

پیغمبر کا مسلمانوں سے مشورہ

جس دن عباس کا قاصد آپ کو موصول ہوا آپ نے چند مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مکہ ومدینہ کے راستہ پر جائیں اور لشکر کفار کے کوائف معلوم کریں ، آپ کے دو نمائندے ان کے حالات معلوم کرکے بہت جلدی واپس آئے اور قریش کی قوت وطاقت سے آنحضرت (ص) کو مطلع کیا اور یہ بھی اطلاع دی کہ طاقتور لشکر خود ابوسفیان کی کمان میں ہے۔

پیغمبر اکرم (ص) نے چند روز کے بعد تمام اصحاب اور اہل مدینہ کو بلایا اور ان درپیش حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے میٹنگ کي، اس میں عباس کے خط کو بھی پیش کیا گیا اور اس کے بعد مقام جنگ کے بارے میں رائے لی گئي اس میٹنگ میں ایک گروہ نے رائے دی کہ جنگ دشمن سے مدینہ کی تنگ گلیوں میں کی جائے کیونکہ اس صورت میں کمزور مرد، عورتیں بلکہ کنیزیں بھی مددگار ثابت ہوسکیں گی۔

عبد اللہ بن ابی نے تائید اکہا یا رسول اللہ (ص) آج تک ایسا نہیں ہوا کہ ہم اپنے قلعوں اور گھروں میں ہوں اور دشمن ہم پر کامیاب ہوگیا ہو۔

اس رائے کو آپ بھی اس وقت کی مدینہ کی پوزیشن کے مطابق بنظر تحسین دیکھتے تھے کیونکہ آپ بھی

مدینہ ہی میں ٹھہرنا چاہتے تھے لیکن نوجوانوں اور جنگجو ؤں کا ایک گروہ اس کا مخالف تھا چنانچہ سعد بن معاذ اور قبیلہ اوس کے چند افراد نے کھڑے ہو کر کہا اے رسول خدا (ص) گذشتہ زمانے میں عربوں میں سے کسی کو یہ جرات نہ تھی کہ ہماری طرف نظر کرے جبکہ ہم مشرک اور بت پرست تھے اب جبکہ ہمارے درمیان آپ کی ذات والا صفات موجود ہے کس طرح وہ ہمیں دبا سکتے ہیں اس لئے شہر سے باہر جنگ کرنی چاہئے اگر ہم میں سے کوئي مارا گیا تو وہ جام شہادت نوش کرے گا اور اگر کوئي بچ گیا تو اسے جہاد کا اعزاز وافتخار نصیب ہوگا اس قسم کی باتوں اور جوش شجاعت نے مدینہ سے باہر جنگ کے حامیوں کی تعداد کو بڑھا دیا یہاں تک کہ عبد اللہ بن اُبَ کی پیش کش سرد خانہ میں جاپڑی خود پیغمبر (ص) نے بھی اس مشورے کا احترام کیا اور مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کے طرف داروں کی رائے کو قبول فرمالیا اور ایک صحابی کے ساتھ مقام جنگ کا انتخاب کرنے کے لئے شہر سے باہر تشریف لے گئے آپ نے کوہ احد کا دامن لشکر گاہ کے لئے منتخب کیا کیونکہ جنگی نقطہ نظر سے یہ مقام زیادہ مناسب تھا ـ

مسلمانوں کی دفاعی تیاریاں

جمعہ کے دن آپ نے یہ مشورہ لیا اور نماز جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے آپ نے حمدو ثناء کے بعد مسلمانوں کو لشکر قریش کی آمد کی اطلاع دی اور فرمایا:

"تہہ دل سے جنگ کے لئے آمادہ ہوجاؤ اور پورے جذبہ سے دشمن سے لڑو تو خدا وند قدوس تمہیں کامیابی وکامرانی سے ہمکنار کرے گا اور اسی دن آپ ایک ہزار افراد کے ساتھ لشکر گاہ کی طرف روانہ ہوئے آپ خود لشکر کی کمان کررہے تھے مدینہ سے نکلنے سے قبل آپ نے حکم دیا کہ لشکر کے تین علم بنائے جائیں جن میں ایک مہاجرین اور دو انصار کے ہوں"ـ

پیغمبر اکرم (ص) نے مدینہ اور احد کے درمیانی فاصلے کو پاپیادہ طے کیا اور سارے راستے لشکر کی دیکھ بھال کرتے رہے خود لشکر کی صفوں کو منظم ومرتب رکھا تاکہ وہ ایک ہی سیدھی صف میں حرکت کریں ـ

ان میں سے کچھ ایسے افراد کو دیکھا جو پہلی دفعہ آپ کو نظر پڑے پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں ؟ بتایا گیا کہ یہ عبداللہ بن ابی کے ساتھی کچھ یہودی ہیں اور اس مناسبت سے مسلمانوں کی مدد کے لئے آئے ہیں آپ نے فرمایا کہ مشرکین سے جنگ کرنے میں مشرکین سے مدد نہیں لی جاسکتی مگر یہ کہ یہ لوگ اسلام قبول کرلیں یہودیوں نے اس شرط کو قبول نہ کیا اور سب مدینہ کی طرف پلٹ آئے یوں ایک ہزار میں سے تین سو افراد کم ہوگئے ۔

لیکن مفسرین نے لکھا ہے کہ چونکہ عبداللہ بن اُبَ کی رائے کو رد کیا گیا تھا اس لئے وہ اثنائے راہ میں تین سو سے زیادہ افراد کو لے کر مدینہ کی طرف پلٹ آیا بہر صورت پیغمبر اکرم (ص) لشکر کی ضروری چھان بین (یہودیوں یا ابن ابی ابی کے ساتھیوں کے نکالنے) کے بعد سات سو افراد کو ہمراہ لے کر کوہ احد کے دامن میں پہنچ گئے، اور نماز فجر کے بعد مسلمانوں کی صفوں کو آراستہ کیا ۔

عبد اللہ بن جبیر کو پچاس ماہر تیر اندازوں کے ساتھ پہاڑ کے درہ پر تعینات کیا اور انھیں تاکید کی کہ وہ کسی صورت میں اپنی جگہ نہ چھوڑیں اور فوج کے پچھلے حصے کی حفاظت کریں اور اس حد تک تاکید کی کہ اگر ہم دشمن کا مکہ تک پیچھا کریں یا ہم شکست کھاجائیں اور دشمن ہمیں مدینہ تک جانے پر مجبور کردے پھر بھی تم اپنا مورچہ نہ چھوڑنا، دوسری طرف سے ابو سفیان نے خالد بن ولید کو منتخب سپاہیوں کے ساتھ اس درہ کی نگرانی پر مقرر کیا اور انھیں ہر حالت میں وہیں رہنے کا حکم دیا اور کہا کہ جب اسلامی لشکر اس درہ سے ہٹ جائے تو فوراً لشکر اسلام پر پیچھے سے حملہ کردو ۔

آغاز جنگ

دونوں لشکر ایک دوسرے کے امنے سامنے جنگ کے لئے آمادہ ہوگئے اور یہ دونوں لشکر اپنے نوجوانوں کو ایک خاص انداز سے اکسا رہے تھے، ابوسفیان کعبہ کے بتوں کے نام لے کر اور خوبصورت عورتوں کے ذریعے اپنے جنگی جوانوں کی توجہ مبذول کراکے ان کو ذوق وشوق دلاتا تھا ۔

جب کہ پیغمبر اسلام (ص) خدا کے اسم مبارک اور انعامات اعلی کے حوالے سے مسلمانوں کو جنگ

کی ترغیب دیتے تھے اچانک مسلمانوں کی صدائے اللہ اکبر اللہ اکبر سے میدان اور دامن کوہ کی فضا گونج اٹھی جب کہ میدان کی دوسری طرف قریش کی لڑکیوں نے دف اور سارنگی پر اشعار گا گا کر قریش کے جنگ جو افراد کے احساسات کو ابھارتی تھیں۔

جنگ کے شروع ہوتے ہی مسلمانوں نے ایک شدید حملہ سے لشکر قریش کے پرخچے اڑادیئےور وہ حواس باختہ ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے اور لشکر اسلام نے ان کا پیچھا کرنا شروع کردیا خالدبن ولید نے جب قریش کی یقینی شکست دیکھی تو اس نے چاہا کہ درہ کے راستے نکل کر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کرے لیکن تیراندازوں نے اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کردیا قریش کے قدم اکھڑتے دیکھ کر تازہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے دشمن کو شکست خوردہ سمجھ کرمال غنیمت جمع کرنے کے لئے اچانک اپنی پوزیشن چھوڑدی، ان کی دیکھا دیکھی درہ پر تعینات تیراندازوں نے بھی اپنا مورچہ چھوڑدیا، ان کے کمانڈر عبد اللہ بن جبیر نے انہیں آنحضرت (ص) کا حکم یاددلایا مگر سوائے چند (تقریباً دس افراد) کے کوئی اس اہم جگہ پر نہ ٹھہرا۔

پیغمبر اکرم (ص) کی مخالفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ خالدبن ولید نے درہ خالی دیکھ کر بڑی تیزی سے عبد اللہ بن جبیر پر حملہ کیا اور اسے اس کے ساتھیوں سمیت قتل کردیا، اس کے بعد انہوں نے پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کردیا اچانک مسلمانوں نے ہر طرف چمک دار تلواروں کی تیزدھاروں کو اپنے سروں پر دیکھا تو حواس باختہ ہوگئے اور اپنے آپ کو منظم نہ رکھ سکے قریش کے بھگوڑوں نے جب یہ صورتحال دیکھی تو وہ بھی پلٹ آئے اور مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھیرلیا۔

اسی موقع پر لشکر اسلام کے بہادر افسر سید الشہداء حضرت حمزہ نے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ جام شہادت نوش کیا ،سوائے چند شمع رسالت کے پروانوں کے اور بقیہ مسلمانوں نے وحشت زدہ ہوکر میدان کو دشمن کے حوالے کردیا۔

اس خطرناک جنگ میں جس نے سب سے زیادہ فداکاری کا مظاہرہ کیا اور پیغمبر اکرم (ص) پر ہونے والے دشمن کے ہر حملے کا دفاع کیا وہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام تھے۔

حضرت علی علیہ السلام بڑی جرات اور بڑے حوصلہ سے جنگ کررہے تھےیہاں تک کہ آپ کی تلوار ٹوٹ گئي، اور پیغمبر اکرم (ص) (ص) نے اپنی تلوار آپ کو عنایت فرمائي جو ذوالفقار کے نام سے مشہور ہے بالآخر آپ ایک مورچہ میں ٹھہر گئے اور حضرت علی علیہ السلام مسلسل آپ کا دفاع کرتے رہےیہاں تک کہ بعض مورخین کی تحقیق کے مطابق حضرت علی علیہ السلام کے جسم پر ساٹھ کاری زخم آئے، اور اسی موقع پر قاصد وحی نے پیغمبر اکرم (ص) سے عرض کیا :اے محمد یہ ہے مواسات ومعاونت کا حق ،آپ (ص) نے فرمایا (ایسا کیوں نہ ہو کہ) علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں ،تو جبرئیل نے اضافہ کیا : میں تم دونوں سے ہوں ۔

امام صادق ارشاد فرماتے ہیں کہ پیغمبر اکرم (ص) نے قاصد وحی کو آسمان میں یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ: "لاسیف الاذوالفقار ولا فتی الا علی" (ذوالفقار کے علاوہ کوئي تلوار نہیں اور علی کے سوا کوئي جوانمرد نہیں)

اس اثناء میں یہ آواز بلند ہوئي کہ محمد قتل ہوگئے ۔

یہ آواز فضائے عالم میں گونج اٹھی اس آواز سے جتنابت پرستوں کے جذبات پر مثبت اثرپیدا ہوا اتنا ہی مسلمانوں میں عجیب اضطراب پیدا ہوگیا چنانچہ ایک گروہ کے ہاتھ پائوں جواب دے گئے اور وہ بڑی تیزی سے میدان جنگ سے نکل گئے یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے سوچا کہ پیغمبر شہید ہوگئے ہیں لہذا اسلام ہی کو خیرباد کہہ دیا جائے اور بت برستوں کے سرداروں سے امان طلب کرلی جائے لیکن ان کے مقابلہ میں فداکاروں اور جانثاروں کی بھی ایک قلیل جماعت تھی جن میں حضرت علی ابودجانہ اور طلحہ جیسے بہادر لوگ موجود تھے جو باقی لوگوں کو پامردی اور استقامت کی دعوت دے رہے تھے ان میں سے انس بن نضر لوگوں کے درمیان آیا اور کہنے لگا :اے لوگو اگر محمد شہید ہوگئے ہیں تو محمد کا خدا تو قتل نہیں ہوا چلو اور جنگ کرو ،اسی نیک اور مقدس ہدف کے حصول کے لئے درجہ شہادت پر فائز ہو جائو ، یہ گفتگو تمام کرتے ہی انھوں نے دشمن پر حملہ کردیا یہاں تک کہ شہید ہوگئے ،تاہم جلد معلوم ہوگیا کہ پیغمبر اکرم (ص) سلامت ہیں اور اطلاع ایک شایعہ تھی ۔

کون پکارا کہ محمد (ص) قتل ہوگئے ؟

"ابن قمعہ" نے اسلامی سپاہی مصعب کو پیغمبر سمجھ کر اس پر کاری ضرب لگائي اور باآواز بلند کہا :لات وعزی کی قسم محمد قتل ہوگئے _

اس میں کوئي شک نہیں ہے کہ یہ افواہ چاہے مسلمانوں نے اڑائي یا دشمن نے لیکن مسلمانوں کے لئے فائدہ مند ثابت ہوئي اس لئے کہ جب آواز بلند ہوئي تو دشمن میدان چھوڑ کر مکہ کی طرف چل پڑے ورنہ قریش کا فاتح لشکر جو حضور (ص) کے لئے دلوں میں کینہ رکھتا تھا اور انتقام لینے کی نیت سے آیا تھا کبھی میدان نہ چھوڑتا، قریش کے پانچ ہزار افراد پر مشتمل لشکر نے میدان جنگ میں مسلمانوں کی کامیابی کے بعد ایک رات بھی صبح تک وہاں نہ گذاری اور اسی وقت مکہ کی طرف چل پڑے _

پیغمبر (ص) کی شہادت کی خبر نے بعض مسلمانوں میں اضطراب وپریشانی پیدا کردی ،جو مسلمان اب تک میدان کارزار میں موجود تھے ، انھوں نے اس خیال سے کہ دوسرے مسلمان پراکندہ نہ ہوں آنحضرت (ص) کو پہاڑ کے اوپر لے گئے تاکہ مسلمانوں کو پتہ چل جائے کہ آپ بقید حیات ہیں ، یہ دیکھ کر بھگوڑے واپس آگئے اور آنحضرت کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہوگئے ،آپ نے ان کو ملامت وسرزنش کی کہ تم نے ان خطرناک حالات میں کیوں فرار کیا ، مسلمان شرمندہ تھے انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا : یا رسول خدا ہم نے آپ کی شہادت کی خبر سنی تو خوف کی شدت سے بھاگ کھڑے ہوے _

مفسر عظیم مرحوم طبرسي، ابو القاسم بلخی سے نقل کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن (پیغمبر اکرم (ص) کے علاوہ) سوائے تیرہ افراد کے تمام بھاگ گئے تھے، اور ان تیرہ میں سے آٹھ انصار اور پانچ مہاجر تھے، جن میں سے حضرت علی علیہ السلام اور طلحہ کے علاوہ باقی ناموں میں اختلاف ہے، البتہ دونوں کے بارے میں تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ انھوں نے فرار نہیں کیا _

یوں مسلمانوں کو جنگ احد میں بہت زیادہ جانی اور مالی نقصان کا سامنا کرنا ،پڑا مسلمانوں کے ستر

افراد شہید ہوئے اور بہت سے زخمی ہوگئے لیکن مسلمانوں کو اس شکست سے بڑا درس ملا جو بعد کی جنگوں میں ان کی کامیابی و کامرانی کا باعث بنا_

جنگ کا خطرناک مرحلہ

جنگ احد کے اختتام پر مشرکین کا فتحیاب لشکر بڑی تیزی کے ساتھ مکہ پلٹ گیا لیکن راستے میں انہیں یہ فکر دامن گیر ہوئي کہ انہوں نے اپنی کامیابی کو ناقص کیوں چھوڑدیا_ کیا ہی اچھا ہو کہ مدینہ کی طرف پلٹ جائیں اور اسے غارت و تاراج کردیں اور اگر محمد زندہ ہوں تو انہیں ختم کردیں تاکہ ہمیشہ کے لئے اسلام اور مسلمانوں کی فکر ختم ہوجائے ، اور اسی بنا پر انہیں واپس لوٹنے کا حکم دیا گیا اور در حقیقت جنگ احد کا یہ وہ خطرناک مرحلہ تھا کیونکہ کافی مسلمان شہید اور زخمی ہو چکے تھے اور فطری طور پر وہ ازسر نو جنگ کرنے کے لئے آمادہ نہیں تھے_ جبکہ اس کے برعکس اس مرتبہ دشمن پورے جذبہ کے ساتھ جنگ کرسکتا تھا_

یہ اطلاع پیغمبر اکرم (ص) کو پہنچی تو آپ نے فوراً حکم دیا کہ جنگ احد میں شریک ہونے والا لشکر دوسری جنگ کے لئے تیار ہوجائے ، آپ نے یہ حکم خصوصیت سے دیا کہ جنگ احد کے زخمی بھی لشکر میں شامل ہوں ،(حضرت علی علیہ السلام نے جن کے بدن پر دشمنوں نے ۶۰/ زخم لگائے تھے، لیکن اپ پھر دوبارہ دشمنوں کے مقابلہ میں اگئے) ایک صحابی کہتے ہیں :

میں بھی زخمیوں میں سے تھا لیکن میرے بھائي کے زخم مجھ سے زیادہ شدید تھے ، ہم نے ارادہ کرلیا کہ جو بھی حالت ہو ہم پیغمبر اسلام کی خدمت میں پہونچے گے، میری حالت چونکہ میرے بھائي سے کچھ بہتر تھی ، جہاں میرا بھائي نہ چل پاتا میں اسے اپنے کندھے پر اٹھالیتا، بڑی تکلیف سے ہم لشکر تک جاپہنچے، پیغمبر اکرم (ص) اور لشکر اسلام "حمراء الاسد" کے مقام پر پہنچ گئے اور وہاں پر پڑاؤ ڈالا یہ جگہ مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھي_

یہ خبر جب لشکر قریش تک پہنچی خصوصاً جب انھوں نے مقابلہ کے لئے ایسی آمادگی دیکھی کہ زخمی بھی میدان جنگ میں پہنچ گئے ہیں تو وہ پریشان ہوگئے اور ساتھ ہی انھیں یہ فکر بھی لاحق ہوئي کہ مدینہ سے تازہ دم

فوج ان سے آملی ہے۔

اس موقع پر ایسا واقعہ پیش آیا جس نے ان کے دلوں کو اور کمزور کردیا اور ان میں مقابلہ کی ہمت نہ رہی ، واقعہ یہ ہوا کہ ایک مشرک جس کا نام "معبد خزاعي" تھا مدینہ سے مکہ کی طرف جارہا تھا اس نے پیغمبر اکرم اور ان کے اصحاب کی کیفیت دیکھی تو انتہائي متاثر ہوا، اس کے انسانی جذبات میں حرکت پیدا ہوئي، اس نے پیغمبر اکرم (ص) سے عرض کیا: آپ کی یہ حالت و کیفیت ہمارے لئے بہت ہی ناگوار ہے آپ آرام کرتے تو ہمارے لئے بہتر ہوتا، یہ کہہ کر وہ وہاں سے چل پڑا اور" روحاء" کے مقام پر ابو سفیان کے لشکر سے ملا، ابو سفیان نے اس سے پیغمبر اسلام (ص) کے بارے میں سوال کیا تو اس نے جواب میں کہا: میں نے محمد (ص) کو دیکھا ہے کہ وہ ایسا عظیم لشکر لئے ہوئے تمہارا تعاقب کر رہے ہیں ایسا لشکر میں نے کبھی نہیں دیکھا او رتیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔

ابو سفیان نے اضطراب اور پریشانی کے عالم میں کہا: تم کیا کہہ رہے ہو؟ ہم نے انہیں قتل کیا زخمی کیا اور منتشر کر کے رکھ دیا تھا، معبد خزاعی نے کہا: میں نہیں جانتا کہ تم نے پایا کیا ہے، میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ ایک عظیم اور کثیر لشکر اس وقت تمہارا تعاقب کر رہا ہے۔

ابو سفیان اور اسکے ساتھیوں نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ وہ تیزی سے پیچھے کی طرف ہٹ جائیں اور مکہ کی طرف پلٹ جائیں اور اس مقصد کے لئے کہ مسلمان ان کا تعاقب نہ کریں اور انہیں پیچھے ہٹ جانے کا کافی موقع مل جائے، انہوں نے قبیلہ عبد القیس کی ایک جماعت سے خواہش کی کہ وہ پیغمبر اسلام (ص) اور مسلمانوں تک یہ خبر پہنچا دیں کہ ابو سفیان اور قریش کے بت پرست باقی ماندہ اصحاب پیغمبر (ص) کے ختم کرنے کے لئے ایک عظیم لشکر کے ساتھ تیزی سے مدینہ کی طرف آرہے ہیں، یہ جماعت گندم خریدنے کے لئے مدینہ جا رہی تھی جب یہ اطلاع پیغمبر اسلام (ص) اور مسلمانوں تک پہنچی تو انہوں نے کہا :"حسبنا الله و نعم الوکیل" (خدا ہمارے لئے کافی ہے اور وہ ہمارا بہترین حامی اور مدافع ہے)۔

انہوں نے بہت انتظار کیا لیکن دشمن کے لشکر کی کوئي خبر نہ ہوئي، لہذا تین روز توقف کے بعد، وہ

مدینہ کی طرف لوٹ گئے۔

کھوکھلی باتیں

جنگ بدر میں بعض مسلمانوں کی پر افتخار شہادت کے بعد بعض مسلمان جب باہم مل بیٹھتے تو ہمیشہ شہادت کی آرزو کرتے اور کہتے کاش یہ اعزاز میدان بدر میں ہمیں بھی نصیب ہوجاتا ،یقینا ان میں کچھ لوگ سچے بھی تھے لیکن ان میں ایک جھوٹا گروہ بھی تھا جس نے اپنے آپ کو سمجھنے میں غلطی کی ،بہر حال زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ جنگ احد کا وحشتناک معرکہ درپیش ہوا تو ان سچے مجاہدین نے بہادری سے جنگ کی اور جام شہادت نوش کیا اور اپنی آرزو کو پا لیا لیکن جھوٹوں کے گروہ نے جب لشکر اسلام میں شکست کے آثار دیکھے تو وہ قتل ہونے کے ڈر سے بھاگ کھڑے ہوئے تو یہ قران انہیں سرزنش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ"تم ایسے لوگ تھے کہ جو دلوں میں آرزو اور تمنائے شہادت کے دعویدار تھے، پھر جب تم نے اپنے محبوب کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا تو کیوں بھاگ کھڑے ہوئے"۔[١]

حضرت علی علیہ السلام کے زخم

امام باقر علیہ السلام سے اس طرح منقول ہے:حضرت علی علیہ السلام کو احد کے دن اکسٹھ زخم لگے تھے اور پیغمبر (ص) نے "ام سلیم" اور "ام عطیہ" کو حکم دیا کہ وہ دونوں حضرت علی علیہ السلام کے زخموں کا علاج کریں، تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ وہ حالت پریشانی میں آنحضرت(ص) کی خدمت میں عرض کرنے لگے: کہ حضرت علی علیہ السلام کے بدن کی کیفیت یہ ہے کہ ہم جب ایک زخم باندھتے ہیں تو دوسرا کھل جاتاہے اور ان کے بدن کے زخم اس قدرزیادہ اور خطرناک ہیں کہ ہم ان کی زندگی کے بارے میں پریشان ہیں تو حضرت رسول خدا (ص) اور کچھ دیگر مسلمان حضرت علی علیہ السلام کی عیادت کے لئے ان کے گھر آئے جب کہ ان

---

(١)سورہ ال عمران ایت ١٤٣

کے بدن پر زخم ہی زخم تھے پیغمبر اکرم (ص) اپنے دست مبارک ان کے جسم سے مس کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو شخص راہ خدا میں اس حالت کو دیکھ لے وہ اپنی ہی ذمہ داری کے آخری درجہ کو پہنچ چکا ہے اور جن زخموں پر آپ (ص) ہاتھ رکھتے تھے وہ فوراًمل جاتے تھے تو اس وقت حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: الحمد اللہ کہ ان حالات میں جنگ سے نہیں بھا گا اور دشمن کو پشت نہیں دکھائی خدا نے ان کی کوشش کی قدردانی کی۔

ہم نے شکست کیوں کھائی؟

کافی شہید دے کر اور بہت نقصان اٹھا کر جب مسلمان مدینہ کی طرف پلٹ آئے تو ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ کیا خدا نے ہم سے فتح و کامیابی کا وعدہ نہیں کیا تھا، پھر اس جنگ میں ہمیں کیوں شکست ہوئی؟ اسی سے قران میں انہیں جواب دیا گیا اور شکست کے اسباب کی نشاندہی کی گئی۔(۱)

قرآن کہتا ہے کہ کامیابی کہ بارے میں خدا کا وعدہ درست تھا اور اس کی وجہ ہی سے تم ابتداء جنگ میں کامیاب ہوئے اور حکم خدا سے تم نے دشمن کو تتر بتر کردیا کامیابی کا یہ وعدہ اس وقت تک تھا جب تک تم استقامت اور پائیداری اور فرمان پیغمبری (ص) کی پیروی سے دست بردار نہیں ہوئے اور شکست کا دروازہ اس وقت کھلا جب سستی اور نا فرمائی نے تمہیں آگھیرا، یعنی اگر تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ کامیابی کا وعدہ بلا شرط تھا تو تمہاری بڑی غلط فہمی ہے بلکہ کامیابی کے تمام وعدے فرمان خدا کی پیروی کے ساتھ مشروط ہیں۔

عمومی معافی کا حکم

جو لوگ واقعہ احد کے دوران جنگ سے فرار ہوگئے تھے وہ پیغمبر اکرم (ص) کے گرد جمع ہوگئے اور انہوں نے ندامت وپشیمانی کے عالم میں معافی کی درخواست کی تو خدا ئے تعالی نے پیغمبر اکرم (ص) سے انہیں عام معافی دینے کے لئے فرمایا لہذا حکم الہی نازل ہوتے ہی آپ نے فراخ دلی سے توبہ کرنے والے خطاکاروں کو معاف کردیا۔

---

(۱)ال عمران ایت ۱۵۲

قرآن میں پیغمبر اکرم(ص) (ص) کی ایک بہت بڑی اخلاقی خوبی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تم پروردگار کے لطف وکرم کے سبب ان پر مہربان ہوگئے اور اگر تم ان کے لئے سنگدل، سخت مزاج اور تند خو ہوتے اور عملاً ان پر لطف وعنایت نہ کرتے تو وہ تمہارے پاس سے بکھر جاتے _ اس کے بعد حکم دیا گیا کہ " ان کی کوتاہیوں سے درگزر فرمایئےور انہیں اپنے دامن عفو میں جگہ دیجئے"_ (۱)

یعنی اس جنگ میں انہوں نے جو بے وفائیاں آپ سے کی ہیں اور جو تکا لیف اس جنگ میں آپ کو پہنچائی ہیں ، ان کے لئے ان کی مغفرت طلب کیجئے اور میں خود ان کے لئے تم سے سفارش کرتا ہوں کہ انہوں نے میری جو مخالفتیں کی ہیں ، مجھ سے ان کی مغفرت طلب کرو دوسرے لفظوں میں جو تم سے مربوط ہے اسے تم معاف کردو اور جو مجھ سے ربط رکھتا ہے اسے میں بخش دیتا ہوں ، آنحضرت (ص) نے فرمان خدا پر عمل کرتے ہوئے ان تمام خطا کاروں کو عام معافی دے دی _ (۲)

پیغمبر اکرم (ص) شہداء سے مخاطب

ابن مسعود پیغمبر اکرم (ص) سے روایت کرتے ہیں : خدا نے شہداء بدر واحد کی ارواح کو خطاب کرتے ہوئے ان سے پوچھا کہ تمہاری کیا آرزو ہے تو انہوں نے کہا : پروردگارا ہم اس سے زیادہ کیا آرزو کرسکتے ہیں کہ ہم ہمیشہ کی نعمتوں میں غرق ہیں اور تیرے عرش کے سائے میں رہتے ہیں ، ہمارا تقاضا صرف یہ ہے کہ ہم دوبارہ دنیا کی طرف پلٹ جائیں اور پھر سے تیری راہ میں شہید ہوں ، اس پر خدا نے فرمایا : میرا اٹل فیصلہ ہے کہ کوئی شخص دوبارہ دنیا کی طرف نہیں پلٹے گا _

---

(۱) سورہ آل عمران آیت ۱۵۹

(۲) واضح رہے کہ عفو ودر گزر کرنے کے لئے یہ ایک اہم اور بہت مناسب موقع تھا اور اگر آپ ایسا نہ کرتے تو لوگوں کے بکھر جانے کے لئے فضا ہموار تھی وہ لوگ جو اتنی بری شکست کا سامنا کر چکے تھے اور بہت سے مقتول ومجروح پیش کر چکے تھے (اگر چہ یہ سب کچھ ان کی اپنی غلطی سے ہوا تھا ہم) ایسے لوگوں کو محبت ، دلجوئی اور تسلی کی ضرورت تھی تاکہ ان کے دل اور جسم کے زخم پر مرہم لگ سکے اور وہ ان سے جانبر ہوکر آئندہ کے معرکوں کے لئے تیار ہوسکیں

انہوں نے عرض کیا : جب ایسا ہی ہے تو ہماری تمنا ہے کہ ہمارے پیغمبر کو ہمارا اسلام کو پہنچادے ، ہماری حالت ہمارے پسماندگان کو بتادے اور انہیں ہماری حالت کی بشارت دے تاکہ ہمارے بارے میں انہیں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔

حنظلہ غسیل الملائکہ

"حنظلہ بن ابی عیاش" جس رات شادی کرنا چاہتے تھے اس سے اگلے دن جنگ احد برپا ہوئی پیغمبر اکرم (ص) اپنے اصحاب سے جنگ کے بارے میں مشورہ کررہے تھے کہ وہ آپ کے پاس آئے اور عرض کی اگر رسول اللہ (ص) اجازت دےدیں تو یہ رات میں بیوی کے ساتھ گزرالوں ، آنحضرت (ص) نے انہیں اجازت دےدی ۔

صبح کے وقت انہیں جہاد میں شرکت کرنے کی اتنی جلدی تھی کہ وہ غسل بھی نہ کرسکے اسی حالت میں معرکہ کارزار میں شریک ہوگئے اور بالآخر جام شہادت نوش کیا ، رسول اللہ (ص) نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا : میں نے فرشتوں کو دیکھا ہے کہ وہ آسمان وزمین کے درمیان حنظلہ کو غسل دے رہے ہیں ۔

اسی لئے انہیں حنظلہ کو :" غسیل الملائکہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔

قبیلہ بنی نضیر کی سازش

مدینہ میں یہودیوں کے تین قبیلے رہتے تھے، بنی نظیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع، کہا جاتاہے کہ وہ اصلاً اہل حجازنہ تھے لیکن چونکہ اپنی مذہبی کتب میں انہوں نے پڑھا تھا کہ ایک پیغمبر مدینہ میں ظہور کرے گا لہذا انہوں نے اس سرزمین کی طرف کوچ کیا اور وہ اس عظیم پیغمبر (ص) کے انتظار میں تھے۔

جس وقت رسول خدا نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائي تو آپ نے ان کے ساتھ عدم تعرض کا عہد باندھا لیکن ان کو جب بھی موقع ملا انہوں نے یہ عہد توڑا۔

دوسری عہد شکنیوں کے علاوہ یہ کہ جنگ احد(جنگ احد ہجرت کے تیسرے سال واقع ہوئي) کعب ابن اشرف چالیس سواروں کے ساتھ مکہ پہنچا وہ اور اس کے ساتھی سب قریش کے پاس اور ان سے عہد کیا کہ سب مل کر محمد (ص) کے خلاف جنگ کریں اس کے بعد ابوسفیان چالیس مکی افراد کے ساتھ اور کعب بن اشرف ان چالیس یہودیوں کے ساتھ مسجد الحرام میں وارد ہوئے اور انہوں نے خانہ کعبہ کے پاس اپنے عہدوپیمان کو مستحکم کیا یہ خبر بذریعہ وحی پیغمبر اسلام (ص) کو مل گئي۔

دوسرے یہ کہ ایک روز پیغمبر اسلام (ص) اپنے چند بزرگ اصحاب کے ساتھ قبیلہ بنی نضیر کے پاس آئے یہ لوگ مدینہ کے قریب رہتے تھے۔

پیغمبر اسلام (ص) اور آپ کے صحابہ کا حقیقي مقصدیہ تھا کہ آپ اس طرح بنی نظیر کے حالات قریب سے دیکھنا چاہتے تھے اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان غفلت کا شکار ہو کر دشمنوں کے ہاتھوں مارے

جائیں۔

پیغمبر اسلام (ص) یہودیوں کے قلعہ کے باہر تھے آپ (ص) نے کعب بن اشرف سے اس سلسلہ میں بات کی اسی دوران یہودیوں کے درمیان سازش ہونے لگی وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ایسا عمدہ موقع اس شخص کے سلسلہ میں دوبارہ ہاتھ نہیں آئے گا، اب جب کہ یہ تمہاری دیوار کے پاس بیٹھا ہے ایک آدمی چھت پر جائے اور ایک بہت بڑا پتھر اس پر پھینک دے اور ہمیں اس سے نجات دلادے ایک یہودی، جس کا نام عمر بن حجاش تھا، اس نے آمادگی ظاہر کی وہ چھت پر چلا گیا رسول خدا (ص) بذریعہ وحی باخبر ہوگئے اور وہاں سے اٹھ کر مدینہ آگئے آپ نے اپنے اصحاب سے کوئی بات نہیں کی ان کا خیال تھا کہ پیغمبر اکرم (ص) لوٹ کر مدینہ جائیں گے ان کو معلوم ہوا کہ آپ مدینہ پہنچ گئے ہیں چنانچہ وہ بھی مدینہ پلٹ آئے یہ وہ منزل تھی کہ جہاں پیغمبر اسلام (ص) پر یہودیوں کی پیمان شکنی واضح وثابت ہوگئی تھی آپ نے مسلمانوں کو جنگ کے لئے تیار ہوجانے کا حکم دیا۔

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ بنی نظیر کے ایک شاعر نے پیغمبر اسلام (ص) کی ہجو میں کچھ اشعار کہے اور آپ کے بارے میں بد گوئی بھی کی ان کی پیمان شکنی کی یہ ایک اور دلیل تھی۔

پیغمبر اسلام (ص) نے اس وجہ سے کہ ان پر پہلے سے ایک کاری ضرب لگائیں، محمد بن مسلمہ کو جو کعب بن اشرف رئیس یہود سے آشنائی رکھتا تھا، حکم دیا کہ وہ کعب کو قتل کردے اس نے کعب کو قتل کردیا، کعب بن اشرف کے قتل ہوجانے نے یہودیوں کو متزلزل کردیا، اس کے ساتھ ہی پیغمبر اکرم (ص) نے حکم دیا کہ ہر مسلمان اس عہد شکن قوم سے جنگ کرنے کے لئے چل پڑے جس وقت وہ اس صورت حال سے باخبر ہوئے تو انہوں نے اپنے مضبوط و مستحکم قلعوں میں پناہ لے لی اور دروازے بند کرلئے، پیغمبر اسلام (ص) نے حکم دیا کہ وہ چند کھجوروں کے درخت جو قلعوں کے قریب ہیں، کاٹ دیے جائیں یا جلادئے جائیں۔

یہ کام غالباً اس مقصد کے پیش نظر ہوا کہ یہودی اپنے مال واسباب سے بہت محبت رکھتے تھے وہ اس نقصان کی وجہ سے قلعوں سے باہر نکل کر آمنے سامنے جنگ کریں گے مفسرین کی طرف سے یہ احتمال بھی تجویز

کیا گیا ہے کہ کاٹے جانے والے کھجوروں کے یہ درخت مسلمانوں کی تیز نقل وحرکت میں رکاوٹ ڈالتے تھے لہذا انہیں کاٹ دیا جانا چاہئے تھا بہرحال اس پر یہودیوں نے فریاد کی انہوں نے کہا :"اے محمد آپ تو ہمیشہ اس قسم کے کاموں سے منع کرتے تھے یہ کیا سلسلہ ہے"تو اس وقت وحی نازل ہوئي[1] اور انہیں جواب دیا کہ یہ ایک مخصوص حکم الہی تھا_

محاصرہ نے کچھ دن طول کھینچا اور پیغمبر اسلام (ص) نے خوں ریزی سے پرہیز کرتے ہوئے ان سے کہا کہ وہ مدینہ کو خیر باد کہہ دیں اور کہیں دوسری جگہ چلے جائیں انہوں نے اس بات کو قبول کرلیا کچھ سامان اپنا لے لیا اور کچھ چھوڑدیا ایک جماعت" اذرعات " شام کی طرف اور ایک مختصر سی تعداد خیبر کی طرف چلی گئي ایک گروہ" حیرہ" کی طرف چلا گیا ان کے چھوڑے ہوئے اموال، زمینیں، باغات اور گھر مسلمانوں کے ہاتھ لگے، چلتے وقت جتنا ان سے ہوسکا انہوں نے اپنے گھر توڑپھوڑدئے_ یہ واقعہ جنگ احد کے چھ ماہ بعد اور ایک گروہ کی نظر کے مطابق جنگ بدر کے چھ ماہ بعد ہوا[2]

---

(۱)سورہ حشر ایت ۵

(۲)یہ واقعہ سورہ حشر کی ابتدائي آیات میں بیان ہوا ہے.

۹ حضرت رسول اکرم (ص)

جنگ احزاب

تاریخ اسلام کے اہم حادثوں میں سے ایک جنگ احزاب بھی ہے یہ ایک ایسی جنگ جو تاریخ اسلام میں ایک اہم تاریخی موڑ ثابت ہوئي اور اسلام وکفر کے درمیان طاقت کے موازنہ کے پلڑے کو مسلمانوں کے حق میں جھکادیا اور اس کی کامیابی آئندہ کی عظیم کامیابیوں کے لئے کلیدی حیثیت اختیار کر گئي اور حقیقت یہ ہے کہ اس جنگ میں دشمنوں کی کمر ٹوٹ گئي اور اس کے بعد وہ کوئي خاص قابل ذکر کارنامہ انجام دینے کے قابل نہ رہ سکے _

" یہ جنگ احزاب" جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے تمام اسلام دشمن طاقتوں اور ان مختلف گروہوں کی طرف سے ہر طرح کا مقابلہ تھا کہ اس دین کی پیش رفت سے ان لوگوں کے ناجائز مفادات خطرے میں پڑ گئے تھے _ جنگ کی آگ کی چنگاري"بنی نضیر"یہودیوں کے اس گروہ کی طرف سے بھڑکی جو مکہ میں آئے اور قبیلہ "قریش" کو آنحضرت (ص) سے لڑنے پر اکسایا اور ان سے وعدہ کیا کہ آخری دم تک ان کا ساتھ دیں گے پھر قبیلہ "غطفان " کے پاس گئے اور انھیں بھی کارزار کے لئے آمادہ کیا _

ان قبائل نے اپنے ہم پیمان اور حلیفوں مثلاً قبیلہ "بنی اسد " اور" بنی سلیم " کو بھی دعوت دی اور چونکہ یہ سب قبائل خطرہ محسوس کئے ہوئے تھے، لہذا اسلام کا کام ہمیشہ کے لئے تمام کرنے کے لئے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا تاکہ وہ اس طرح سے پیغمبر کو شہید، مسلمانوں کو سرکوب ، مدینہ کو غارت اور اسلام کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل کردیں _

کل ایمان کل کفر کے مقابلہ میں

جنگ احزاب کفر کی آخری کوشش، ان کے ترکش کا آخری تیر اور شرک کی قوت کا آخری مظاہرہ تھا اسی بنا پر جب دشمن کا سب سے بڑا پہلو ان عمروبن عبدودعالم اسلام کے دلیر مجاہد حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے مقابلہ میں آیا تو پیغمبر اسلام (ص) نے فرمایا :"سارے کا سارا ایمان سارے کے سارے (کفر اور) شرک کے مقابلہ میں آگیا ہے"_

کیونکہ ان میں سے کسی ایک کی دوسرے پر فتح کفر کی ایمان پر یا ایمان کی کفر پر مکمل کامیابی تھی دوسرے لفظوں میں یہ فیصلہ کن معرکہ تھا جو اسلام اور کفر کے مستقبل کا تعین کررہا تھا اسی بناء پر دشمن کی اس عظیم جنگ اور کارزار میں کمر ٹوٹ گئي اور اس کے بعد ہمیشہ مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا_

دشمن کا ستارہ اقبال غروب ہوگیا اور اس کی طاقت کے ستون ٹوٹ گئے اسی لئے ایک حدیث میں ہے کہ حضرت رسول گرامی (ص) نے جنگ احزاب کے خاتمہ پر فرمایا :

"اب ہم ان سے جنگ کریں گے اور ان میں ہم سے جنگ کی سکت نہیں ہے"_

لشکر کی تعداد

بعض مورخین نے لشکر کفار کی تعداد دس ہزار سے زیادہ لکھی ہے_مقریزی اپنی کتاب "الا متاع "میں لکھتے ہیں :"صرف قریش نے چارہزار جنگ جوئوں، تین سو گھوڑوں اور پندرہ سو اونٹوں کے ساتھ خندق کے کنارے پڑائو ڈالا تھا ،قبیلہ "بنی سلیم "سات سو افراد کے ساتھ "مرالظہران" کے علاقہ میں ان سے آملا، قبیلہ "بنی فرازہ"ہزار افراد کے ساتھ ، "بنی اشجع" اور"بنی مرہ" کے قبائل میں سے ہر ایک چارچار سو افراد کے ساتھ پہنچ گیا_ اوردوسرے قبائل نے بھی اپنے آدمی یہ بھیجے جن کی مجموعی تعداد دس ہزار سے بھی زیادہ بنتی ہے"

جبکہ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہ تھی انہوں نے (مدینہ کے قریب)" سلع "نامی

پہاڑی کے دامن کو جو ایک بلند جگہ تھی وہاں پر لشکر کفر نے مسلمانوں کا ہر طرف سے محاصرہ کرلیا اور ایک روایت کے مطابق بیس دن دوسری روایت کے مطابق پچیس دن اور بعض روایات کے مطابق ایک ماہ تک محاصرہ جاری رہا_ باوجودیکہ دشمن مسلمانوں کی نسبت مختلف پہلوئوں سے برتری رکھتا تھا لیکن جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں، آخر کار ناکام ہو کر واپس پلٹ گیا_

خندق کی کھدائی

خندق کے کھودنے کا سلسلہ حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے وقوع پذیر ہوا خندق کے اس زمانے میں ملک ایران میں دفاع کا موثر ذریعہ تھا اور جزیرة العرب میں اس وقت تک اس کی مثال نہیں تھی اور عرب میں اس کا شمار نئي ایجادات میں ہوتا تھا اطراف مدینہ میں اس کا کھودنا فوجی لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل تھا یہ خندق دشمن کے حوصلوں کو پست کرنے اور مسلمانوں کے لئے روحانی تقویت کا بھی ایک موثر ذریعہ تھی_

خندق کے کوائف اور جزئیات کے بارے میں صحیح طورپر معلومات تک رسائي تو نہیں ہے البتہ مورخین نے اتنا ضرور لکھا ہے کہ اس کا عرض اتنا تھا کہ دشمن کے سوار جست لگا کر بھی اس کو عبور نہیں کرسکتے تھے اس کی گہرائي یقینا اتنی تھی کہ اگر کوئي شخص اس میں داخل ہوجاتا ہے تو آسانی کے ساتھ دوسری طرف باہر نہیں نکل سکتا تھا، علاوہ ازیں مسلمان تیر اندازوں کا خندق والے علاقے پر اتنا تسلط تھا کہ اگر کوئي شخص خندق کو عبور کرنے کا ارادہ کرتا تھا تو ان کے لئے ممکن تھا کہ اسے خندق کے اندرہی تیر کا نشانہ بنالیتے_

رہی اس کی لمبائي تو مشہور روایت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ حضرت رسالت ماب (ص) نے دس، دس افراد کو چالیس ہاتھ (تقریباً ۲۰ میٹر) خندق کھودنے پر مامور کیا تھا، اور مشہور قول کے پیش نظر لشکر اسلام کی تعداد تین ہزار تھی تو مجموعی طورپر اس کی لمبائي اندازاً بارہ ہزار ہاتھ (چھ ہزار میٹر) ہوگي_

اس بات کا بھی اعتراف کرنا چاہیئے کہ اس زمانے میں نہایت ہی ابتدائي وسائل کے ساتھ اس قسم کی

خندق کھودنا بہت ہی طاقت فرسا کام تھا خصوصاً جب کہ مسلمان خوراک اور دوسرے وسائل کے لحاظ سے بھی سخت تنگی میں تھے ۔
یقینا خندق کھودی بھی نہایت کم مدت میں گئي یہ امر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ لشکر اسلام پوری ہوشیاری کے ساتھ دشمن کے حملہ آور ہونے سے پہلے ضروری پیش بندی کرچکا تھا اور وہ بھی اس طرح سے کہ لشکر کفر کے مدینہ پہنچنے سے تین دن پہلے خندق کی کھدائي کا کام مکمل ہوچکا تھا ۔

عمرو بن عبدود سے حضرت علی (ع) کی تاریخی جنگ

اس جنگ کا ایک اہم واقعہ حضرت علی علیہ السلام کا دشمن کے لشکر کے نامی گرامی پہلو ان عمرو بن عبدود کے ساتھ مقابلہ تھا تاریخ میں آیا ہے کہ لشکر احزاب نے جن دلاوران عرب میں سے بہت طاقت ور افراد کو اس جنگ میں اپنی امداد کے لئے دعوت دے رکھی تھي، ان میں سے پانچ افراد زیادہ مشہور تھے، عمروبن عبدود، عکرمہ بن ابی جہل ،ہبیرہ، نوفل اور ضرار یہ لوگ دوران محاصرہ ایک دن دست بدست لڑائي کے لئے تیار ہوئے ، لباس جنگ بدن پر سجایا اور خندق کے ایک کم چوڑے حصے سے ، جو مجاہدین اسلام کے تیروں کی پہنچ سے کسی قدر دور تھا ، اپنے گھوڑوں کے ساتھ دوسری طرف جست لگائي اور لشکر اسلام کے سامنے آکھڑے ہوئے ان میں سے عمروبن عبدود زیادہ مشہور اور نامور تھا اس کي"کوئي ہے بہادر"کی آواز میدان احزاب میں گونجی اورچونکہ مسلمانوں میں سے کوئي بھی اس کے مقابلہ کے لئے تیار نہ ہوا لہذا وہ زیادہ گستاخ ہوگیا اور مسلمانوں کے عقاید اورنظریات کا مذاق اڑانے لگا اورکہنے لگا :
"تم تو یہ کہتے ہو کہ تمہارے مقتول جنت میں ہیں اور ہمارے مقتول جہنم میں توکیاتم میں سے کوئي بھی ایسا نہیں جسے میں بہشت میں بھیجوں یا وہ مجھے جہنم کی طرف روانہ کرے ؟"
اس موقع پر پیغمبر اسلام (ص) نے حکم دیا کہ کوئي شخص کھڑا ہواور اس کے شر کو مسلمانوں کے سر سے کم کردے لیکن حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے سوا کوئي بھی اس کے ساتھ جنگ کے لئے آمادہ نہ ہوا تو آنحضرت نے علی ابن اطالب علیہ السلام سے فرمایا : یہ عمرو بن عبدود ہے" حضرت علی علیہ السلام نے عرض کی

حضور: میں بالکل تیار ہوں خواہ عمرو ہی کیوں نہ ہو، پیغمبر اکرم (ص) نے ان سے فرمایا " میرے قریب آئو: چنانچہ علی علیہ السلام آپ کے قریب گئے اور آنحضرت (ص) نے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور اپنی مخصوص تلوار ذوالفقار انہیں عطا فرمائي اور ان الفاظ میں انھیں دعا دی:

خدایا، علی کے سامنے سے، پیچھے سے، دائیں اور بائیں سے اور اوپر اور نیچے سے حفاظت فرما_

حضرت علی علیہ السلام بڑی تیزی سے عمرو کے مقابلہ کے لئے میدان میں پہنچ گئے_

یہی وہ موقع تھا کہ پیغمبر اکرم (ص) ختمی المرتبت (ص) نے وہ مشہور جملہ ارشاد فرمایا:

"کل ایمان کل کفر کے مقابلہ میں جارہا ہے"_

ضربت علی (ع) ثقلین کی عبادت پر بھاري

امیر المومنین علی علیہ السلام نے پہلے تو اسے اسلام کی دعوت دی جسے اس نے قبول نہ کیا پھر میدان چھوڑ کر چلے جانے کو کہا اس پر بھی اس نے انکار کیا اور اپنے لئے باعث ننگ وعار سمجھا آپ کی تیسری پیشکش یہ تھی کہ گھوڑے سے اتر آئے اور پیادہ ہوکر دست بدست لڑائي کرے_

عمرو آگ بگولہ ہوگیا اور کہا کہ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ عرب میں سے کوئي بھی شخص مجھے ایسی تجویز دے گا گھوڑے سے اتر آیا اور علی علیہ السلام پر اپنی تلوار کا وار کیا لیکن امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنی مخصوص مہارت سے اس وار کو اپنی سپر کے ذریعے روکا، مگر تلوار نے سپر کو کاٹ کر آپ کے سرمبارک کو زخمی کردیا اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے ایک خاص حکمت عملی سے کام لیا عمرو بن عبدود سے فرمایا: تو عرب کا زبردست پہلوان ہے، جب کہ میں تجھ سے تن تنہا لڑرہا ہوں لیکن تو نے اپنے پیچھے کن لوگوں کو جمع کررکھا ہے اس پر عمرو نے جیسے ہی پیچھے مڑکر دیکھا_

حضرت علی علیہ السلام نے عمرو کی پنڈلی پر تلوار کا وار کیا، جس سے وہ سروقد زمین پر لوٹنے لگا شدید گردوغبار نے میدان کی فضا کو گھیر رکھا تھا کچھ منافقین یہ سوچ رہے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام، عمرو کے

ہاتھوں شہید ہوگئے ہیں لیکن جب انھوں نے تکبیر کی آواز سنی تو علی کی کامیابی ان پر واضح ہوگئي اچانک لوگوں نے دیکھا کہ آپ کے سرمبارک سے خون بہہ رہا تھا اور لشکرگاہ اسلام کی طرف خراماں خراماں واپس آرہے تھے جبکہ فتح کی مسکراہٹ آپ کے لبوں پر کھیل رہی تھی اور عمرو کا پیکر بے سر میدان کے کنارے ایک طرف پڑا ہوا تھا_

عرب کے مشہور پہلوان کے مارے جانے سے لشکر احزاب اور ان کی آرزوئوں پر ضرب کاری لگی ان کے حوصلے پست اور دل انتہائي کمزور ہوگئے اس ضرب نے ان کی فتح کی آرزووں پر پانی پھیردیا اسی بناء پر آنحضرت (ص) نے اس کامیابی کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام سے ارشاد فرمایا :

"اگر تمہارے آج کے عمل کو ساری امت محمد کے اعمال سے موازنہ کریں تو وہ ان پر بھاری ہوگا، کیونکہ عمرو کے مارے جانے سے مشرکین کا کوئي ایسا گھر باقی نہیں رہا جس میں ذلت وخواری داخل نہ ہوئي ہو اور مسلمانوں کا کوئي بھی گھر ایسا نہیں ہے جس میں عمرو کے قتل ہوجانے کی وجہ سے عزت داخل نہ ہوئي ہو"_

اہل سنت کے مشہور عالم، حاکم نیشاپوری نے اس گفتگو کو نقل کیا ہے البتہ مختلف الفاظ کے ساتھ اور وہ یہ ہے :

" لمبارزة علی بن ابیطالب لعمروبن عبدودیوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامة"

"یعنی علی بن ابی طالب کی خندق کے دن عمروبن عبدود سے جنگ میری امت کے قیامت تک کے اعمال سے افضل ہے"

آپ کے اس ارشاد کا فلسفہ واضح ہے، کیونکہ اس دن اسلام اور قرآن ظاہراًنابودی کے کنارے پر پہنچ چکے تھے، ان کے لئے زبردست بحرانی لمحات تھے، جس شخص نے پیغمبر اکرم (ص) کی فداکاری کے بعد اس میدان میں سب سے زیادہ ایثار اور قربانی کا ثبوت دیا، اسلام کو خطرے سے محفوظ رکھا، قیامت تک اس کے دوام کی ضمانت دي، اس کی فداکاری سے اسلام کی جڑیں مضبوط ہوگئیں اور پھر اسلام عالمین پر پھیل گیا

لہذا سب لوگوں کی عبادتیں اسکی مرہون منت قرار پا گئیں_

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ مشرکین نے کسی آدمی کو پیغمبر (ص) کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ عمرو بن عبدود کے لاشہ کو دس ہزار درہم میں خرید لائے (شاید ان کا خیال یہ تھا کہ مسلمان عمرو کے بدن کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو سنگدل ظالموں نے حمزہ(ص) کے بدن کے ساتھ جنگ میں کیا تھا) لیکن رسول اکرم(ص) نے فرمایا: اس کا لاشہ تمھاری ملکیت ہے ہم مردوں کی قیمت نہیں لیا کرتے_

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ جس وقت عمرو کی بہن اپنے بھائي کے لاشہ پر پہنچی اوراس کی قیمتی زرہ کو دیکھا کہ حضرت علی علیہ السلام نے اس کے بدن سے نہیں اتاری تو اس نے کہا:

"میں اعتراف کرتی ہوں کہ اس کا قاتل کریم اور بزرگوار شخص ہی تھا"

نعیم بن مسعود کی داستان اور دشمن کے لشکر میں پھوٹ

نعیم جو تازہ مسلمان تھے اور ان کے قبیلہ "غطفان" کو لشکر اسلام کی خبر نہیں تھي،وہ پیغمبر اکرم (ص) کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ آپ(ص) مجھے جو حکم بھی دیں گے ،میں حتمی کامیابی کے لئے اس پر کاربند رہوں گا_

رسول اللہ (ص) نے فرمایا :

"تمہارے جیسا شخص ہمارے درمیان اور کوئي نہیں ہے_ اگر تم دشمن کے لشکر کے درمیان پھوٹ ڈال سکتے ہو توڈ الو_کیونکہ جنگ پوشیدہ تدابیر کا مجموعہ ہے"_

نعیم بن مسعود نے ایک عمدہ تدبیر سوچی اور وہ یہ کہ وہ بنی قریظہ کے یہودیوں کے پاس گیا ،جن سے زمانہ جاہلیت میں ان کی دوستی تھی ان سے کہا اے بنی قریظہ تم جانتے ہوکہ مجھے تمہارے ساتھ محبت ہے_

انھوں نے کہا آپ سچ کہتے ہیں :ہم آپ پراس بارے میں ہرگز کوئي الزام نہیں لگاتے_

نعیم بن مسعود نے کہا :قبیلہ قریش اور غطفان تمہاری طرح نہیں ہیں ، یہ تمہارا اپنا شہر ہے، تمہارا مال

اولاد اور عورتیں یہاں پر ہیں اور تم ہرگز یہ نہیں کر سکتے کہ یہاں سے کوچ کر جاؤ۔

قریش اور قبیلہ غطفان محمد(ص) اور ان کے اصحاب کے ساتھ جنگ کرنے کے لے آئے ہوئے ہیں اور تم نے ان کی حمایت کی ہے جبکہ ان کا شہر کہیں اور رہے اور ان کے مال او رعورتیں بھی دوسری جگہ پرہیں ، اگر انھیں موقع ملے تو لوٹ مار اور غارت گری کرکے اپنے ساتھ لے جائیں گے، اگر کوئی مشکل پیش آجائے تو اپنے شہر کو لوٹ جائیں گے، لیکن تم کو اور محمد(ص) کو تو اسی شہر میں رہنا ہے او ریقیناتم اکیلے ان سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، تم اس وقت تک اسلحہ نہ اٹھاؤجب تک قریش سے کوئی معاہدہ نہ کرلو او روہ اس طرح کہ وہ چند سرداروں اور بزرگوں کو تمہارے پاس گروی رکھ دیں تاکہ وہ جنگ میں کوتاہی نہ کریں۔

بنی قریظہ کے یہودیوں نے اس نظریہ کو بہت سراہا۔

پھر نعیم مخفی طورپر قریش کے پاس گیا اور ابو سفیان اور قریش کے چند سرداروں سے کہا کہ تم اپنے ساتھ میری دوستی کی کیفیت سے اچھی طرح آگاہ ہو، ایک بات میرے کانوں تک پہنچی ہے، جسے تم تک پہنچانا میں اپنا فریضہ سمجھتا ہوں تاکہ خیر خواہی کا حق ادا کرسکوں لیکن میری خواہش یہ ہے کہ یہ بات کسی اور کو معلوم نہ ہونے پائے۔

انھوں نے کہا کہ تم بالکل مطمئن رہو۔

نعیم کہنے لگے : تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہودی محمد(ص) کے بارے میں تمھارے طرز عمل سے اپنی برائت کا فیصلہ کر چکے ہیں ،یہودیوں نے محمد(ص) کے پاس قاصد بھیجا ہے او رکہلوایا ہے کہ ہم اپنے کئے پر پشیمان ہیں اورکیا یہ کافی ہو گا کہ ہم قبیلہ قریش او رغطفان کے چند سردار آپ(ص) کے لئے یرغمال بنالیں اور ان کو بندھے ہاتھوں آپ کے سپرد کردیں تاکہ آپ ان کی گردن اڑادیں ، اس کے بعد ہم آپ کے ساتھ مل کر ان کی بیخ کنی کریں گے ؟ محمد(ص) نے بھی ان کی پیش کش کو قبول کرلیا ہے، اس بناء پر اگریہودی تمہارے پاس کسی کو بھیجیں او رگروی رکھنے کا مطالبہ کریں تو ایک آدمی بھی ان کے سپرد نہ کرنا کیونکہ خطرہ یقینی ہے۔

پھر وہ اپنے قبیلہ غطفان کے پاس آئے اور کہا :تم میرے اصل اور نسب کو اچھی طرح جانتے ہو۔

میں تمھارا عاشق او رفریفتہ ہوں او ریں سوچ بھی نہیں سکتا کہ تمھیں میرے خلوص نیت میں تھوڑا سا بھی شک اور شبہ ہو۔

انھوں نے کہا: تم سچ کہتے ہو ،یقینا ایسا ہی ہے ۔

نعیم نے کہا : میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں لیکن ایسا ہو کہ گویا تم نے مجھ سے بات نہیں سنی ۔

انھوں نے کہا : مطمئن رہویقینا ایسا ہی ہو گا ،وہ بات کیا ہے ؟

نعیم نے وہی بات جو قریش سے کہی تھی یہودیوں کے پشیمان ہونے او ریر غمال بنانے کے ارادے کے بارے میں حرف بحرف ان سے بھی کہہ دیا او رانھیں اس کام کے انجام سے ڈرایا ۔

اتفاق سے وہ (ماہ شوال سن ۵ ہجری کے) جمعہ او رہفتہ کی درمیانی رات تھی ۔ ابو سفیان او رغطفان کے سرداروں نے ایک گروہ بنی قریظہ کے یہودیوں کے پاس بھیجا او رکہا : ہمارے جانور یہاں تلف ہو رہے ہیں اوریہاں ہمارے لئے ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہیں ۔ کل صبح ہمیں حملہ شروع کرنا چاہیے تاکہ کام کو کسی نتیجے تک پہنچائیں ۔

یہودیوں نے جواب میں کہا :کل ہفتہ کا دن ہے او رہم اس دن کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتے ،علاوہ ازیں ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ اگر جنگ نے تم پر دبائو ڈالا تو تم اپنے شہروں کی طرف پلٹ جائو گے او رہمیں یہاں تنہا چھوڑدوگے ۔ ہمارے تعاون او رساتھ دینے کی شرط یہ ہے کہ ایک گروہ گروی کے طور پر ہمارے حوالے کردو، جب یہ خبر قبیلہ قریش او رغطفان تک پہنچی تو انھوں نے کہا :خداکی قسم نعیم بن مسعود سچ کہتا تھا،دال میں کالا ضرو رہے ۔

لہذا انھوں نے اپنے قاصد یہودیوں کے پاس بھیجے اور کہا : بخدا ہم تو ایک آدمی بھی تمھارے سپرد نہیں کریں گے او راگر جنگ میں شریک ہو تو ٹھیک ہے شروع کرو ۔

بنی قریظہ جب اس سے با خبر ہوئے تو انھوں نے کہا :واقعا نعیم بن مسعود نے حق بات کہی تھی یہ جنگ نہیں کرنا چاہتے بلکہ کوئی چکر چلا رہے ہیں ، یہ چاہتے ہیں کہ لوٹ مار کر کے اپنے شہروں کو لوٹ جائیں او

رہمیں محمد(ص) کے مقابلہ میں اکیلا چھوڑجائیں پھر انہوں نے پیغام بھیجا کہ اصل بات وہی ہے جو ہم کہہ چکے ہیں ،بخدا جب تک کچھ افرادگروی کے طورپر ہمارے سپرد نہیں کروگے ،ہم بھی جنگ نہیں کریں گے ،قریش اورغطفان نے بھی اپنی بات پراصرارکیا، لہذا ان کے درمیان بھی اختلاف پڑگیا_ اور یہ وہی موقع تھا کہ رات کو اس قدر زبردست سرد طوفانی ہوا چلی کہ ان کے خیمے اکھڑگئے اور دیگیں چولہوں سے زمین پر آپڑیں_

یہ سب عوامل مل ملاکر اس بات کا سبب بن گئے کہ دشمن کو سرپرپائوں رکھ کربھاگنا پڑا اور فرار کو قرار پر ترجیح دینی پڑی_یہاں تک کہ میدان میں انکا ایک آدمی بھی نہ رہا_

حذیفہ کا واقعہ

بہت سی تواریخ میں آیا ہے، کہ حذیفہ یمانی کہتے ہیں کہ ہم جنگ خندق میں بھوک اور تھکن ،وحشت اوراضطراب اس قدر دوچار تھے کہ خدا ہی بہتر جانتا ہے ،ایک رات (لشکر احزاب میں اختلاف پڑجانے کے بعد)پیغمبر(ص) نے فرمایا:کیا تم میں سے کوئي ایسا شخص ہے جو چھپ چھپا کر دشمن کی لشکرگاہ میں جائے اور ان کے حالات معلوم کرلائے تاکہ وہ جیت میں میرا رفیق اور ساتھی ہو_

حذیفہ کہتے ہیں: خدا کی قسم کوئي شخص بھی شدت وحشت، تھکن اور بھوک کے مارے اپنی جگہ سے نہ اٹھا_

جس وقت آنحضرت(ص) نے یہ حالت دیکھی تومجھے آوازدي، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایاجائو اور میرے پاس ان لوگوں کی خبر لے آئو_ لیکن وہاں کوئي اورکام انجام نہ دینا یہاں تک کہ میرے پاس آجائو_

میں ایسی حالت میں وہاں پہنچا جب کہ سخت آندھی چل رہی تھی اور طوفان برپا تھا اور خدا کا یہ لشکر انھیں تہس نہس کررہا تھا_خیمے تیزآندھی کے سبب ہوا میں اڑرہے تھے_ آگ بیابان میں پھیل چکی تھي_ کھانے کے برتن الٹ پلٹ گئے تھے اچانک میں نے ابوسفیان کا سایہ محسوس کیاکہ وہ اس تاریکی میں بلند آواز سے کہہ رہا تھا: اے قریش تم میں سے ہر ایک اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے کو اچھی طرح سے پہچان لے تا

کہ یہاں کوئي بے گانہ نہ ہو، میں نے پہل کر کے فوراًہی اپنے پاس بیٹھنے والے شخص سے پوچھا کہ تو کون ہے ؟ اس نے کہا ، فلاں ہوں، میں نے کہابہت اچھا_

پھر ابو سفیان نے کہا: خدا کی قسم یہ ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے، ہمارے اونٹ گھوڑے ضائع ہو چکے ہیں اور بنی قریظہ نے اپنا پیمان توڑ ڈالا ہے اور اس طوفان نے ہمارے لئے کچھ نہیں چھوڑا_

پھر وہ بڑی تیزی سے اپنے اونٹ کی طرف بڑھا اور سوار ہونے کے لئے اسے زمین سے اٹھایا، اور اس قدر جلدی میں تھا کہ اونٹ کے پائوں میں بندھی ہوئي رسی کھولنا بھول گیا، لہذا اونٹ تین پائوں پر کھڑا ہو گیا، میں نے سوچا ایک ہی تیر سے اسکا کام تمام کردوں، ابھی تیر چلہ کمان میں جوڑا ہی تھا کہ فوراًآنحضرت(ص) کا فرمان یادآگیا کہ جس میں آپ (ص) نے فرمایا تھا کچھ کاروائي کے بغیر واپس آجانا، تمہارا کام صرف وہاں کے حالات ہمارے پاس لانا ہے، لہذا میں واپس پلٹ گیا اور جاکر تمام حالات عرض کئے_ پیغمبر اکرم (ص) نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا :

"خداوندا تو کتاب کو نازل کرنے والا او رسریع الحساب ہے، توخود ہی احزاب کو نیست و نابو دفرما خدایا انہیں تباہ کردے اور ان کے پائوں نہ جمنے دے"_

جنگ احزاب قرآن کی روشنی میں

قرآن اس ماجرا تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:"اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو، اپنے اوپر خدا کی عظیم نعمت کو یاد کرو،اس موقع پر جب کہ عظیم لشکر تمہاری طرف آئے"_(۱)

"لیکن ہم نے ان پر آندھی اور طوفان بھیجے اور ایسے لشکر جنہیں تم نہیں دیکھتے رہے تھے اور اس ذریعہ سے ہم نے ان کی سرکوبی کی اور انھیں تتر بتر کردیا"_(۲)

"نہ دکھنے والے لشکر" سے مراد جو رسالت ماب (ص) کی نصرت کے لئے آئے تھے، وہی فرشتے

---

(۱)سورہ احزاب آیت ۹

(۲) سورہ احزاب آیت ۹

تھے جن کا مومنین کی جنگ بدر میں مدد کرنا بھی صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے لیکن جیسا (کہ سورہ انفال کی آیہ ۹ کے ذیل میں) ہم بیان کرچکے ہیں ہمارے پاس کوئي دلیل نہیں ہے کہ یہ نظر نہ آنے والا فرشتوں کا خدائي لشکر باقاعدہ طور پر میدان میں داخل ہوا اور وہ جنگ میں بھی مصروف ہوا ہو بلکہ ایسے قرائن موجود ہیں جو واضح کرتے ہیں کہ وہ صرف مومنین کے حوصلے بلند کرنے اور ان کا دل بڑھانے کے لئے نازل ہوئے تھے _

بعد والی آیت جو جنگ احزاب کی بحرانی کیفیت ، دشمنوں کی عظیم طاقت اور بہت سے مسلمانوں کی شدید پریشانی کی تصویر کشی کرتے ہوئےیوں کہتی ہے " اس وقت کو یاد کرو جب وہ تمہارے شہر کے اوپر اور نیچے سے داخل ہوگئے ، اور مدینہ کو اپنے محاصرہ میں لے لیا) اور اس وقت کو جب آنکھیں شدت وحشت سے پتھرا گئي تھیں اور جاں بلب ہوگئے تھے اور خدا کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیاں کرتے تھے "_[1]

اس کیفیت سے مسلمانوں کی ایک جماعت کے لئے غلط قسم کے گمان پیدا ہوگئے تھے کیونکہ وہ ابھی تک ایمانی قوت کے لحاظ سے کمال کے مرحلہ تک نہیں پہنچ پائے تھے یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں بعد والی آیت میں کہتا ہے کہ وہ شدت سے متزلزل ہوئے _

شاید ان میں سے کچھ لوگ گمان کرتے تھے کہ آخر کار ہم شکست کھا جائیں گے اور اس قوت و طاقت کے ساتھ دشمن کا لشکر کامیاب ہوجائے گا، اسلام کے زندگی کے آخری دن آپہنچے ہیں اور پیغمبر (ص) کا کامیابی کا وعدہ بھی پورا ہوتا دکھائي نہیں دیتا _

البتہ یہ افکار اور نظریات ایک عقیدہ کی صورت میں نہیں بلکہ ایک وسوسہ کی شکل میں بعض لوگوں کے دل کی گہرائیوں میں پیدا ہو گئے تھے بالکل ویسے ہی جیسے جنگ احد کے سلسلہ میں قرآن مجید ان کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے :"یعنی تم میں سے ایک گروہ جنگ کے ان بحرانی لمحات میں صرف اپنی جان کی فکر میں تھا اور

---

(۱)سورہ احزاب ایت ۱۰

دور جاہلیت کے گمانوں کی مانند خدا کے بارے میں بدگمانی کررہے تھے"_

یہی وہ منزل تھی کہ خدائی امتحان کا تنور سخت گرم ہوا جیسا کہ بعد والی آیت کہتی ہے کہ "وہاں مومنین کو آزمایا گیا اور وہ سخت دہل گئے تھے_(۱)

فطری امر ہے کہ جب انسان فکری طوفانوں میں گھر جاتا ہے تو اس کا جسم بھی ان طوفانوں سے لا تعلق نہیں رہ سکتا ،بلکہ وہ بھی اضطراب اور تزلزل کے سمندر میں ڈوبنے لگتا ہے ،ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ جب لوگ ذہنی طور پر پریشان ہوتے ہیں تو وہ جہاں بھی بیٹھتے ہیں اکثر بے چین رہتے ہیں ،ہاتھ ملتے کانپتے رہتے ہیں اور اپنے اضطراب اور پریشانیوں کو اپنی حرکات سے ظاہر کرتے رہتے ہیں_

اس شدید پریشانی کے شواہد میں سے ایک یہ بھی تھا جسے مورخین نے بھی نقل کیا ہے کہ عرب کے پانچ مشہور جنگجو پہلوان جن کا سردار عمرو بن عبدود تھا ،جنگ کا لباس پہن کر اور مخصوص غرور اور تکبر کے ساتھ میدان میں آئے اور "ھل من مبارز" (ہے کوئی مقابلہ کرنے والا) کی آواز لگانے لگے ، خاص کر عمرو بن عبدود رجز پڑھ کر جنت اور آخرت کا مذاق اڑا رہا تھا ،وہ کہہ رہا تھا کہ "کیا تم یہ نہیں کہتے ہو کہ تمہارے مقتول جنت میں جائیں گے ؟تو کیا تم میں سے کوئی بھی جنت کے دیدار کا شوقین نہیں ہے ؟ لیکن اس کے ان نعروں کے برخلاف لشکر اسلام پر بُری طرح کی خاموشی طاری تھی اور کوئی بھی مقابلہ کی جرائت نہیں رکھتا تھا سوائے علی بن ابی طالب علیہ السلام کے جو مقابلہ کے لئے کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کو عظیم کامیابی سے ہم کنار کردیا_اس کی تفصیل نکات کی بحث میں آئے گی_

جی ہاں جس طرح فولاد کو گرم بھٹی میں ڈالتے ہیں تا کہ وہ نکھر جائے اسی طرح اوائل کے مسلمان بھی جنگ احزاب جیسے معرکوں کی بھٹی میں سے گزریں تا کہ کندن بن کر نکلیں او رحوادثات کے مقابل میں جرات اور پامردی کا مظاہرہ کر سکیں_

---

(۱)سورہ احزاب آیت ۱۱

منافقین او ر ضعیف الایمان جنگ احزاب میں

ہم کہہ چکے ہیں کہ امتحان کی بھٹی جنگ احزاب میں گرم ہوئی او رسب کے سب اس عظیم امتحان میں گھر گئے۔
واضح رہے کہ اس قسم کے بحرانی دور میں جو لوگ عام حالات میں ظاہراً ایک ہی صف میں قرارپاتے ہیں، کئی صفوں میں بٹ جاتے ہیں ،یہاں پر بھی مسلمان مختلف گروہوں میں بٹ گئے تھے، ایک جماعت سچے مومنین کی تھی ، ایک گروہ ہٹ دھرم اور سخت قسم کے منافقین کا تھا اور ایک گروہ اپنے گھربار ،زندگی اور بھاگ کھڑے ہونے کی فکر میں تھا ، اور کچھ لوگوں کی یہ کوشش تھی کہ دوسرے لوگوں کو جہاد سے روکیں ۔ اور ایک گروہ اس کوشش میں مصروف تھا کہ منافقین کے ساتھ اپنے رشتہ کو محکم کریں ۔

خلاصہ یہ کہ ہر شخص نے اپنے باطنی اسرار اس عجیب "عرصہ محشر"اور "یوم البروز"میں آشکار کردیئے۔

میں نے ایران، روم اور مصر کے محلوں کو دیکھا ہے

خندق کھودنے کے دوران میں جب ہر ایک مسلمان خندق کے ایک حصہ کے کھودنے میں مصروف تھا تو ایک مرتبہ پتھر کے ایک سخت اوربڑے ٹکڑے سے ان کا سامنا ہوا کہ جس پر کوئی ہتھوڑا کارگر ثابت نہیں ہورہا تھا ، حضرت رسالت مآب (ص) کو خبر دی گئي تو آنحضرت (ص) بنفس نفیس خندق میں تشریف لے گئے او راس پتھر کے پاس کھڑے ہو کراور ہتھوڑا لے کرپہلی مرتبہ ہی اس کے دل پر ایسی مضبوط چوٹ لگائی کہ اس کا کچھ حصہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور اس سے ایک چمک نکلی جس پر آپ (ص) نے فتح وکامرانی کی تکبیر بلند کي۔ آپ (ص) کے ساتھ دوسرے مسلمانوں نے بھی تکبیر کہي۔

آپ (ص) نے ایک اور سخت چوٹ لگائي تو اس کا کچھ حصہ او رٹوٹا اوراس سے بھی چمک نکلي۔ اس پر بھی سرورکونین (ص) نے تکبیر کہی اور مسلمانوں نے بھی آپ (ص) (ص) (ص) کے ساتھ تکبیر کہی آخر کا آپ (ص) نے تیسری چوٹھی لگائیَ جس سے بجلی کوندی اورباقی ماندہ پتھر بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ، حضوراکرم (ص) نے پھر تکبیر کہی او ر

مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کیا، اس موقع پر جناب سلمان فارسي نے اس ماجرا کے بارے میں دریافت کیا تو سرکار رسالت مآب (ص) نے فرمایا :"پہلی چمک میں میں نے "حیرہ"کی سرزمین او رایران کے بادشاہوں کے قصر ومحلات دیکھے ہیں او رجبرئیل نے مجھے بشارت دی ہے کہ میری امت ان پر کامیابی حاصل کرے گي،دوسری چمک میں "شام او رروم"کے سرخ رنگ کے محلات نمایاں ہوئے او رجبرئیل نے پھر بشارت دی کہ میری امت ان پر فتح یاب ہوگي، تیسری چمک میں مجھے "صنعا ویمن "کے قصور ومحلات دکھائي دیئےورجبرئیل نے نوید دی کہ میری امت ان پر بھی کامیابی حاصل کرے گي، اے مسلمانو تمھیں خوشخبری ہو

منافقین نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا او رکہا: کیسی عجیب و غریب باتیں کر رہے ہیں اور کیا ہی باطل اور بے بنیاد پروپیگنڈاہے ؟مدینہ سے حیرہ او رمدائن کسری کو تو دیکھ کر تمہیں ان کے فتح ہونے کی خبردیتا ہے حالانکہ اس وقت تم چند عربوں کے چنگل میں گرفتا رہو (او رخوددفاعی پوزیشن اختیار کئے ہوئے ہو)تم تو"بیت الحذر"(خوف کی جگہ)تک نہیں جا سکتے (کیا ہی خیال خام او رگمان باطل ہے _

الہی وحی نازل ہوئي او رکہا:

"یہ منافق او ردل کے مریض کہتے ہیں کہ خدا او راس کے رسول نے سوائے دھوکہ و فریب کے ہمیں کوئي وعدہ نہیں دیا، (وہ پر وردگارکی بے انتہا قدرت سے بے خبرہیں "_)[۱]

اس وقت اس قسم کی بشارت او رخوشخبری سوائے آگاہ او ربا خبر مومنین کی نظر کے علاوہ (باقی لوگوں کے لئے)دھوکا او رفریب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھی لیکن پیغمبر (ص) کی ملکوتی آنکھیں ان آتشیں چنگاریوں کے درمیان سے جو کدالوں او رہتھوڑوں کے خندق کھودنے کے لئے زمین پر لگنے سے نکلتی تھیں ، ایران روم او ریمن کے بادشاہوں کے قصرو محلات کے دروازوں کے کھلنے کو دیکھ سکتے تھے او رآئندہ کے اسرارو رموز سے پردے بھی اٹھا سکتے تھے_

---

(۱)سورہ احزاب آیت ۱۲

منافقانہ عذر

جنگ احزاب کے واقعہ کے سلسلے میں قرآن مجید منافقین اور دل کے بیمار لوگوں میں سے ایک خطرناک گروہ کے حالات تفصیل سے بیان کرتا ہے جو دوسروں کی نسبت زیادہ خبیث اور آلودہ گناہ ہیں، چنانچہ کہتا ہے: "اور اس وقت کو بھی یاد کرو، جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا: اے یثرب (مدینہ) کے رہنے والو یہاں تمہارے رہنے کی جگہ نہیں ہے ،اپنے گھروں کی طرف لوٹ جائو"(۱)

خلاصہ یہ کہ دشمنوں کے اس انبوہ کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہو سکتا، اپنے آپ کو معرکہ کارزار سے نکال کرلے جائو اور اپنے آپ کو ہلاکت کے اور بیوی بچوں کو قید کے حوالے نہ کرو_ اس طرح سے وہ چاہتے تھے کہ ایک طرف سے تو وہ انصار کے گروہ کو لشکر اسلام سے جدا کرلیں اوردوسری طرف "انہیں منافقین کا ٹولہ جن کے گھر مدینہ میں تھے ،نبی اکرم (ص) سے اجازت مانگ رہے تھے کہ وہ واپس چلے جائیں اور اپنی اس واپسی کے لئے حیلے بہانے پیش کررہے تھے ، وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ہمارے گھروں کے درودیوار ٹھیک نہیں ہیں حالانکہ ایسا نہیں تھا ،اس طرح سے وہ میدان کو خالی چھوڑکر فرار کرنا چاہتے تھے"_(۲)

منافقین اس قسم کا عذر پیش کرکے یہ چاہتے تھے کہ وہ میدان جنگ چھوڑکر اپنے گھروں میں جاکر پناہ لیں_

ایک روایت میں آیا ہے کہ قبیلہ "بنی حارثہ "نے کسی شخص کو حضور رسالت پناہ (ص) کی خدمت میں بھیجا اور کہا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں اور انصار میں سے کسی کا گھر بھی ہمارے گھروں کی طرح نہیں اور ہمارے اور قبیلہ "غطفان "کے درمیان کوئي رکاوٹ نہیں ہے جو مدینہ کی مشرقی جانب سے حملہ آور ہو رہے ہیں ، لہذا اجازت دیجئے تاکہ ہم اپنے گھروں کو پلٹ جائیں اور اپنے بیوی بچوں کا دفاع کریں تو سرکار رسالت (ص) (ص) نے انھیں اجازت عطا فرمادی_

---

(۱)سورہ احزاب آیت ۱۲

(۲)سورہ احزاب آیت ۱۳

جب یہ بات انصار کے سردار "معدبن معاذ" کے گوش گذارہوئي توانھوں نے پیغمبر اسلام (ص) کی خدمت میں عرض کیا "سرکارانہیں اجازت نہ دیجئے ، بخدا آج تک جب بھی کوئي مشکل درپیش آئي توان لوگوں نے یہی بہانہ تراشا، یہ جھوٹ بولتے ہیں"_[۱]

چنانچہ آنحضرت (ص) نے حکم دیا کہ واپس آجائیں_[۲]

قرآن میں خداوندعالم اس گروہ کے ایمان کی کمزوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:"وہ اسلام کے اظہار میں اس قدر ضعیف اورناتواں ہیں کہ اگر دشمن مدینہ کے اطراف و جوانب سے اس شہر میں داخل ہوجائیں اور مدینہ کو فوجی کنٹرول میں لے کر انھیں پیش کش کریں کہ کفر و شرک کی طرف پلٹ جائیں توجلدی سے اس کو قبول کرلیں گے اور اس راہ کے انتخاب کرنے میں ذراسا بھی توقف نہیں کریں گے"_[۳]

ظاہرہے کہ جو لوگ اس قدرت ضعیف، کمزور اور غیر مستقل مزاج ہوں کہ نہ تو دشمن سے جنگ کرنے

---

(۱)سورہ احزاب ۱۴

(۲)"یثرب "مدینہ کاقدیمی نام ہے ،جناب رسالت مآب (ص) کے اس شہر کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے تک اس کا نام "یثرب"رہا پھر آہستہ آہستہ اس کا نام "مدینة الرسول"(پیغمبر کا شہر)پڑگیا جس کا مخفف"مدینہ "ہے_ اس شہر کے کئي ایک نام او ربھی ہیں_ سید مرتضی نے ان دو ناموں (مدینہ او ریثرب) کے علاوہ اس شہر کے گیارہ او رنام بھی ذکر کیے ہیں، منجملہ ان کے "طیبہ""طابہ""سکینہ""محبوبہ""مرحومہ" اور"قاصمہ"ہیں_ (اوربعض لوگ اس شہر کی زمین کو"یثرب"کا نام دیتے ہیں)چند ایک روایات میں آیاہے کہ رسالت مآب (ص) نے فرمایا کہ "اس شہر کو یثرب نہ کہا کرو شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ یثرب اصل میں "ثرب"(بروزن حرب)کے مادہ سے ملامت کرنے کے معنی میں ہے اور آپ(ص) اس قسم کے نام کو اس بابرکت شہر کے لئے پسند نہیں فرماتے تھے_بہرحال منافقین نے اہل مدینہ کو"یا اہل یثرب" کے عنوان سے جو خطاب کیا ہے وہ بلاوجہ نہیں ہے او رشاید اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت (ص) کو اس نام سے نفرت ہے ،یا چاہتے تھے کہ اسلام او ر"مدینة الرسو(ص) ل" کے نام کو تسلیم نہ کرنے کا اعلان کریں _یا لوگوں کو زمانہ جاہلیت کی یادتازہ کرائیں_

(۳) سورہ احزاب آیت ۱۴

کے لئے تیار ہوں اور نہ ہی راہ خدا میں شہادت قبول کرنے کے لئے، ایسے لوگ بہت جلد ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور اپنی راہ فوراً بدل دیتے ہیں۔

پھر قرآن اس منافق ٹولے کو عدالت کے کٹہرے میں لاکر کہتا ہے: "انھوں نے پہلے سے خدا کے ساتھ عہد و پیمان باندھا ہوا تھا کہ دشمن کی طرف پشت نہیں کریں گے اور اپنے عہد و پیمان پر قائم رہتے ہوئے توحید، اسلام اور پیغمبر کے لئے دفاع میں کھڑے ہوں گے، کیا وہ جانتے نہیں کہ خدا سے کئے گئے عہد و پیمان کے بارے میں سوال کیا جائے گا"۔(۱)

جب خدا نے منافقین کی نیت کو فاش کردیا کہ ان کا مقصد گھروں کی حفاظت کرنا نہیں، بلکہ میدان جنگ سے فرار کرنا ہے تو انھیں دو دلیلوں کے ساتھ جواب دیتا ہے۔

پہلے تو پیغمبر (ص) سے فرماتا ہے: "کہہ دیجئے کہ اگر موت یا قتل ہونے سے فرار کرتے ہو تو یہ فرار تمہیں کوئي فائدہ نہیں پہونچائے گا اور تم دنیاوی زندگی کے چند دن سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھاپاؤ گے"۔(۲)

دوسرا یہ کہ کیا تم جانتے ہو کہ تمہارا سارا انجام خدا کے ہاتھ میں ہے اور تم اس کی قدرت و مشیت کے دائرہ اختیار سے ہرگز بھاگ نہیں سکتے۔ "اے پیغمبر (ص) ان سے کہہ دیجئے: کون شخص خدا کے ارادہ کے مقابلہ میں تمہاری حفاظت کرسکتا ہے، اگر وہ تمہارے لئے مصیبت یا رحمت چاہتا ہے"۔(۳)

روکنے والا ٹولہ

اس کے بعد قران مجید منافقین کے اس گروہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جو جنگ احزاب کے میدان سے خودکنارہ کش ہوا اور دوسروں کو بھی کنارکشی کی دعوت دیتا ہو فرماتا ہے: " خدا تم میں سے اس گروہ کو جانتا ہے جو کوشش کرتے تھے کہ لوگوں کو جنگ سے منحرف کردیں، اور اسی طرح سے ان لوگوں کو بھی جانتا ہے جو

---

(۱) سورہ احزاب آیت ۱۵

(۲) سورہ احزاب آیت ۱۶

(۳) سورہ احزاب آیت ۱۷

اپنے بھائیوں سے کہتے تھے کہ ہماری طرف آئو" اور اس خطرناک جنگ سے دستبردار ہوجائو_

وہی لوگ جو اہل جنگ نہیں ہیں اور سوائے کم مقدار کے اور وہ بھی بطور جبر و اکراہ یا دکھاوے کے; جنگ کے لئے نہیں جاتے_[۱]

ہم ایک روایت میں پڑھتے ہیں کہ ایک صحابی رسول کسی ضرورت کے تحت میدان" احزاب " سے شہر میں آیا ہوا تھا اس نے اپنے بھائي کو دیکھا کہ اس نے اپنے سامنے روٹی ، بھنا ہوا گوشت اور شراب رکھے ہوئے تھے، تو صحابی نے کہا تم تو یہاں عیش و عشرت میں مشغول ہو اور رسول خدا نیزوں اور تلواروں کے درمیان مصروف پیکار ہیں اس نے جواب میں کہا ، اے بے وقوف : تم بھی ہمارے ساتھ بیٹھ جائو اور مزے اڑائو اس نے کہا: اس خدا کی قسم جس کی محمد کھاتا ہے وہ اس میدان سے ہرگز پلٹ کر واپس نہیں آئے گا اور یہ عظیم لشکر جو جمع ہوچکا ہے اسے اور اس کے ساتھیوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا_

یہ سن کر وہ صحابی کہنے لگے :تو بکتا ہے، خدا کی قسم میں ابھی رسول اللہ کے پاس جاکر تمہاری اس گفتگو سے باخبر کرتا ہوں ، چنانچہ انھوں نے بارگاہ رسالت میں پہنچ کر تمام ماجرا بیان کیا _

وہ ہرگز ایمان نہیں لائے

قرآن فرماتاہے:" ان تمام رکاوٹوں کا باعث یہ ہے کہ وہ تمہاری بابت تمام چیزوں میں بخیل ہیں "_[۲]

نہ صرف میدان جنگ میں جان قربان کرنے میں بلکہ وسائل جنگ مہیا کرنے کے لئے مالی امداد اور خندق کھودنے کے لئے جسمانی امداد حتی کہ فکری امداد مہیا کرنے میں بھی بخل سے کام لیتے ہیں ، ایسا بخل جو حرص کے ساتھ ہوتا ہے اور ایسا حرص جس میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے _

ان کے بخل اور ہر قسم کے ایثار سے دریغ کرنے کے بیان کے بعد ان کے ان دوسرے اوصاف کو جو

---

(۱)سورہ احزاب ایت ۱۸

(۲)سورہ احزاف ایت ۱۹

ہر عہد اور ہر دور کے تمام منافقین کے لئے تقریباً عمو میت کا درجہ رکھتے ہیں. بیان کرتے ہوئے کہتا ہے :" جس وقت خوفناک اور بحرانی لمحات آتے ہیں تو وہ اس قدر بزدل اور ڈرپوک ہیں کہ آپ دیکھیں گے کہ وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں حالانکہ ان کی آنکھوں میں ڈھیلے بے اختیار گردش کررہے ہیں ، اس شخص کی طرح جو جاں کنی میں بتلا ہو "(۱)

چونکہ وہ صحیح ایمان کے مالک نہیں ہیں اور نہ ہی زندگی میں ان کا کوئي مستحکم سہارا ہے ، جس وقت کسی سخت حادثہ سے دوچار ہوتے ہیں تو وہ لوگ بالکل اپنا توازن کھوبیٹھتے ہیں جیسے ان کی روح قبض ہی ہوجائے گي۔

پھر مزید کہتا ہے: " لیکن یہی لوگ جس وقت طوفان رک جاتاہے اور حالات معمول پر آجاتے ہیں تو تمہارے پاس یہ توقع لے کر آتے ہیں کہ گویا جنگ کے اصلی فاتح یہی ہیں اور قرض خواہوں کی طرح پکارپکار کر سخت اور درشت الفاظ کے ساتھ مال غنیمت سے اپنے حصہ کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس میں سخت گیر، بخیل اور حریص ہیں "۔(۲)

آخر میں ان کی آخری صفت کی طرف جو درحقیقت میں ان کی تمام بد بختیوں کی جڑ اور بنیاد ہے ، اشارہ کرتے ہوئے فرماتاہے " وہ ہرگز ایمان نہیں لائے۔ اور اسی بناپر خدانے ان کے اعمال نیست ونابود کردیئےیں کیونکہ ان کے اعمال خدا کے لئے نہیں ہیں اور ان میں اخلاص نہیں پایا جاتا۔(۳)

"وہ اس قدر وحشت زدہ ہو چکے ہیں کہ احزاب اور دشمن کے لشکروں کے پراگندہ ہوجانے کے بعد بھی یہ تصور کرتے ہیں کہ ابھی وہ نہیں گئے"۔(۴)

وحشتناک اور بھیانک تصور نے ان کی فکر پر سایہ کررکھا ہے گویا کفر کی افواج پے درپے ان کي

---

(۱)سورہ احزاب ۱۹

(۲)سورہ احزاب ۱۹

(۳)سورہ احزاب آیت ۱۹

(۴)سورہ احزاب ایت ۲۰

آنکھوں کے سامنے قطار در قطار چلی جارہی ہیں ، ننگی تلواریں اور نیزے تانے ان پر حملہ کررہی ہیں _

یہ بزدل جھگڑالو ، ڈرپوک منافق اپنے سائے سے بھی ڈرتے ہیں ، جب کسی گھوڑے کے ہنہنانے یا کسی اونٹ کے بلبلانے کی آواز سنتے ہیں تو مارے خوف کے لرزنے لگتے ہیں کہ شاید احزاب کے لشکر واپس آرہے ہیں _

اس کے بعد کہتا ہے " اگر احزاب دوبارہ پلٹ کر آجائے تو وہ اس بات پر تیار ہیں کہ بیابان کا رخ کرلیں اور بادیہ نشین بدوو ں کے درمیان منتشر ہو کرپنہاں ہو جائیں ہاں ، ہاں وہ چلے جائیں اور وہاں جاکر رہیں " اور ہمیشہ تمہاری خبروں کے جویا رہیں "_ (۱)

ہر مسافر سے تمہاری ہر ہر پل کی خبر کے جویا رہیں ایسا نہ ہوکہ کہیں احزاب ان کی جگہ قریب آجائیں اور ان کا سایہ ان کے گھر کی دیواروں پر آپڑے اور تم پر یہ احسان جتلائیں کہ وہ ہمشہ تمہاری حالت اور کیفیت کے بارے میں فکر مند تھے _

اور آخری جملہ میں کہتا ہے:

"بالفرض وہ فرار بھی نہ کرتے اور تمہارے درمیان ہی رہتے ، پھر بھی سوائے تھوڑی سی جنگ کے وہ کچھ نہ کرپاتے"_ (۲)

نہ ان کے جانے سے تم پریشان ہونا اور نہ ہی ان کے موجود رہنے سے خوشی منانا، کیونکہ نہ تو ان کی قدر وقیمت ہے اور نہ ہی کوئي خاص حیثیت، بلکہ ان کا نہ ہونا ان کے ہونے سے بہتر ہے _

ان کی یہی تھوڑی سی جنگ بھی خدا کے لئے نہیں بلکہ لوگوں کی سرزنش اور ملامت کے خوف اور ظاہرداری یاریاکاری کے لئے ہے کیونکہ اگر خدا کے لئے ہوتی تو اس کی کوئي حدو انتہا نہ ہوتی اور جب تک جان میں جان ہوتی وہ اس میدان میں ڈٹے رہتے _

---

(۱)سورہ احزاب ایت ۲۰

(۲) سورہ احزاب ایت ۲۰

جنگ احزاب میں سچے مومنین کا کردار

اب تک مختلف گروہوں اور ان کے جنگ احزاب میں کارناموں کے بارے میں گفتگو ہورہی تھی جن میں ضعیف الایمان مسلمان ، منافق، کفر ونفاق کے سرغنے اور جہد سے روکنے والے شامل ہیں ۔

قرآن مجید اس گفتگو کے آخر میں "سچے مئومنین" ان کے بلند حوصلوں ، پامردیوں ، جرائتوں اور اس عظیم جہاد میں ان کی دیگر خصوصیات کے بارے میں گفتگو کرتا ہے ۔

اس بحث کی تمہید کو پیغمبر اسلام (ص) کی ذات سے شروع کرتا ہے جو مسلمانوں کے پیشوا ، سرداراور اسوہ کامل تھے، خدا کہتا ہے: "تمہارے لئے رسول اللہ (ص) کی زندگی اور (میدان احزاب میں) ان کا کردار ایک اچھا نمونہ اوراسوہ ہے ، ان لوگوں کے لئے جورحمت خدا اور روز قیامت کی امید رکھتے ہیں اور خدا کو بہت زیادہ یاد کرتے ہیں ۔"[(۱)]

تمہارے لئے بہترین اسوہ اور نمونہ ،نہ صرف اس میدان میں بلکہ ساری زندگی پیغمبر اسلام کی ذات والا صفات ہے آپ کے بلند حوصلے، صبرو استقامت ،پائمردی ،زیرکی ، دانائي ، خلوص ، خدا کی طرف توجہ، حادثات پر کنڑول، مشکلات اور مصائب کے آگے سر تسلیم خم نہ کرنا ، غرضکہ ان میں سے ہر ایک چیز مسلمانوں کے لئے نمونہ کامل اور اسوہ حسنہ ہے وہ ایسا عظیم نا خدا ہے کہ جب اس کی کشتی سخت ترین طوفانوں میں گھر جاتی ہے تو ذرہ برابر بھی کمزوري، گھبراہٹ اور سراسیمگی کا مظاہرہ نہیں کرتا وہ کشتی کا نا خدا بھی ہے اور اس کا قابل اطمینان لنگر اور چراغ ہدایت بھی وہ اس میں بیٹھنے والوں کے لئے آرام وسکون کا باعث بھی ہے اور ان کے لئے راحت جان بھی ۔

وہ دوسرے مئومنین کے ساتھ مل کر کدال ہاتھ میں لیتا ہے اور خندق کھودتا ہے،بلیچے کے ساتھ پتھر اکھاڑکر کے خندق سے باہرڈال آتا ہے اپنے اصحاب کے حوصلے بڑھانے اور ٹھنڈے دل سے سوچنے کے

---

(۱)سورہ احزاب آیت ۲۱

لئے ان سے مزاح بھی کرتا ہے ان کے قلب و روح کو گرمانے کے حربی اور جوش وجذبہ دلانے والے اشعار پڑھ کر انھیں ترغیب بھی دلاتا ہے، ذکر خدا کرنے پر مسلسل اصرار کرتا ہے اور انھیں درخشاں مستقبل اور عظیم فتوحات کی خوشخبری دیتا ہے انہیں منافقوں کی سازشوں سے متنبہ کرتا ہے اور ان سے ہمیشہ خبردار رہنے کا حکم دیتا ہے ۔

صحیح حربی طریقوں اور بہترین فوجی چالوں کو انتخاب کرنے سے ایک لمحہ بھی غافل نہیں رہتا اس کے باوجود مختلف طریقوں سے دشمن کی صفوں میں شگاف ڈالنے سے بھی نہیں چوکتا ۔

جی ہاں : وہ مومنین کا بہترین مقتدا ہے اور ان کے لئے اسوہ حسنہ ہے اس میدان میں بھی اور دوسرے تمام میدانوں میں بھی۔

مومنین کے صفات

اس مقام پر مومنین کے ایک خاص گروہ کی طرف اشارہ ہے:

"جو پیغمبر اکرم (ص) کی اقتداء میں سب سے زیادہ پیش قدمی کرتے تھے وہ خدا سے کئے ہوئے اپنے اس عہدو پیمان پر قائم تھے کہ وہ آخری سانس اور آخری قطرہ خون تک فداکاری اور قربانی کے لئے تیار ہیں فرمایا گیا ہے مومنین میں ایسے بھی ہیں جو اس عہدوپیمان پر قائم ہیں جو انھوں نے خدا سے باندھا ہے ان میں سے کچھ نے تو میدان جہاد میں شربت شہادت نوش کرلیا ہے اور بعض انتظار میں ہیں ۔ ور انھوں نے اپنے عہدوپیمان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کی " ۔ (۱)

اور نہ ہی ان کے قدموں میں لغزش پیدا ہوئی ہے ۔

مفسرین کے درمیان اختلاف ہے کہ یہ آیت کن افراد کے بارے میں نازل ہوئی ہے ۔

---

(۱) سورہ احزاب آیت ۲۳

اہل سنت کے مشہور عالم، حاکم ابو القاسم جسکانی سند کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

آیہ "رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ" ہمارے بارے میں نازل ہوئي ہے اور بخدا میں ہی وہ شخص ہوں جو (شہادت کا) انتظار کررہاہوں (اور قبل از ایں ہم میں حمزہ سید الشہداء جیسے لوگ شہادت نوش کرچکے ہیں) اور میں نے ہرگز اپنی روش اور اپنے طریقہ کار میں تبدیلی نہیں کی اور اپنے کیئے ہوے عہدوپیمان پر قائم ہوں۔

جنگ بنی قریظہ

مدینہ میں یہودیوں کے تین مشہور قبائل رہتے تھے: بنی قریظہ، بنی النضیر اور بنی قینقاع۔

تینوں گروہوں نے پیغمبر اسلام (ص) سے معاہدہ کر رکھا تھا کہ آپ (ص) کے دشمنوں کا ساتھ نہیں دیں گے، ان کے لئے جاسوسی نہیں کریں گے، اور مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر امن و آشتی کی زندگی گزاریں گے، لیکن قبیلہ بنی قینقاع نے ہجرت کے دوسرے سال اور قبیلہ بنی نضیر نے ہجرت کے چوتھے سال مختلف حیلوں بہانوں سے اپنا معاہدہ توڑ ڈالا، اور پیغمبر اکرم (ص) سے مقابلہ کے لئے تیار ہوگئے آخر کار ان کی مزاحمت اور مقابلہ کی سکت ختم ہوگئي اور وہ مدینہ سے باہر نکل گئے۔

بنی قینقاع" اذرعات" شام کی طرف چلے گئے اور بنی نضیر کے کچھ لوگ تو خیبر کی طرف اور کچھ شام کی طرف چلے گئے۔

اسی بناء پر ہجرت کے پانچویں سال جب کہ جنگ احزاب پیش آئي تو صرف قبیلہ بنی قریظہ مدینہ میں باقی رہ گیا تھا ، وہ بھی اس میدان میں اپنے معاہدہ کو توڑ کر مشرکین عرب کے ساتھ مل گئے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں تلواریں سونت لیں ۔

جب جنگ احزاب ختم ہوگئي اور قریش، بنی غطفان اور دیگر قبائل عرب بھی رسوا کن شکست کے بعد مدینہ سے پلٹ گئے تو اسلامی روایات کے مطابق پیغمبر اکرم (ص) اپنے گھر لوٹ آئے اور جنگی لباس اتار کر نہانے دھونے میں مشغول ہوگئے تو اس موقع پر جبرئیل حکم خدا سے آپ پر نازل ہوئے اور کہا: کیوں آپ نے

ہتھیار اتار دیئے ہیں جبکہ فرشتے ابھی تک آمادہ پیکارہیں آپ فوراً بنی قریظہ کی طرف جائیں اور ان کا کام تمام کردیں_

واقعاً بنی قریظہ کا حساب چکانے کے لئے اس سے بہتر کوئي اور موقع نہیں تھا مسلمان اپنی کامیابی پر خوش خرم تھے، بنی قریظہ شکست کی شدید وحشت میں گرفتار تھے اور قبائل عرب میں سے ان کے دوست اور حلیف تھکے ماندے اور بہت ہی پست حوصلوں کے ساتھ شکست خوردہ حالت میں اپنے اپنے شہروں اور علاقوں میں جا چکے تھے اور کوئي نہیں تھا جو ان کی حمایت کرے_

بہرحال منادی نے پیغمبر اکرم (ص) کی طرف سے ندادی کہ نماز عصر پڑھنے سے پہلے بنی قریظہ کی طرف چل پڑو مسلمان بڑی تیزی کے ساتھ ہی بنی قریظہ کے محکم و مضبوط قلعوں کو مسلمانوں نے اپنے محاصرے میں لے لیا_

پچیس دن تک محاصرہ جاری رہا چنانچہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے بنی قریظہ کے قلعوں پر حملہ کرنے کے لئے اتنی جلدی کی کہ بعض مسلمان نماز عصر سے غافل ہوگئے کہ مجبوراً بعد میں قضا کي، خداوند عالم نے ان کے دلوں میں سخت رطب و دبدبہ طاری ہوگیا_

تین تجاویز

"کعب بن اسد" کا شمار یہودیوں کے سرداروں میں ہوتا تھا اس نے اپنی قوم سے کہا : مجھے یقین ہے کہ محمد ہمیں اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک ہم جنگ نہ کریں لہذا میری تین تجاویز ہیں ، ان میں سے کسی ایک کو قبول کرلو ،پہلی تجویز تو یہ ہے کہ اس شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس پر ایمان لے او اور اس کی پیروی اختیار کرلو کیونکہ تم پر ثابت ہوچکا ہے کہ وہ خدا کا پیغمبر ہے اوراس کی نشانیاں تمہاری کتابوں میں پائي جاتی ہیں تو اس صورت میں تمہارے مال ، جان، اولاد اور عورتیں محفوظ ہوجائیں گي_

وہ کہنے لگے کہ ہم ہرگز حکم توریت سے دست بردار نہیں ہوں گے اور نہ ہی اس کا متبادل اختیار کریں گے_

اس نے کہا: اگر یہ تجویز قبول نہیں کرتے تو پھر آئو اور اپنے بچوں اور عورتوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرڈالو تاکہ ان کی طرف سے آسودہ خاطر ہوکر میدان جنگ میں کودپڑیں اور پھر دیکھیں کہ خدا کیا چاہتا ہے ؟ اگر ہم مارے گئے تو اہل وعیال کی جانب سے ہمیں کوئي پریشانی نہیں ہوگی اور اگر کامیاب ہوگئے تو پھر عورتیں بھی بہت بچے بھی بہت ـ

وہ کہنے لگے کہ ہم ان بے چاروں کو اپنے ہی ہاتھوں سے قتل کردیں ؟ان کے بعد ہمارے لئے زندگی کی قدرو قیمت کیارہ جائے گی ؟

کعب بن اسد نے کہا : اگر یہ بھی تم نے قبول نہیں کیا تو آج چونکہ ہفتہ کی رات ہے محمد (ص) اور اس کے ساتھی یہ خیال کریں گے کہ ہم آج رات حملہ نہیں کریں گے انھیں اس غفلت میں ڈال کر ان پر حملہ کردیں شاید کامیابی حاصل ہوجائے ـ

وہ کہنے لگے کہ یہ کام بھی ہم نہیں کریں گے کیونکہ ہم کسی بھی صورت میں ہفتہ کا احترام پامال نہیں کریں گے ـ

کعب کہنے لگا : پیدائش سے لے کر آج تک تمہارے اندر عقل نہیں آسکی ـ

اس کے بعد انھوں نے پیغمبر اکرم (ص) سے بات کی کہ" ابولبابہ" کو ان کے پاس بھیجا جائے تاکہ وہ ان سے صلاح مشورہ کرلیں ـ

ابولبابہ کی خیانت

جس وقت ابولبابہ ان کے پاس آئے تو یہودیوں کی عورتیں اور بچے ان کے سامنے گریہ وزاری کرنے لگے اس بات کا ان کے دل پر بہت اثر ہوا اس وقت لوگوں نے کہا کہ آپ ہمیں مشورہ دیتے ہیں کہ ہم محمد کے آگے ہتھیار ڈال دیں ؟ ابولبابہ نے کہا ہاں اور ساتھ ہی اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی تم سب کو قتل کردیں گے ـ

ابو لبابہ کہتے ہیں ، جیسے ہی میں وہاں سے چلا تو مجھے اپنی خیانت کا شدید احساس ہوا پیغمبر اکرم (ص) کے پاس نہ گیا بلکہ سیدھا مسجد کی طرف چلا اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا اور کہا اپنی جگہ سے اس وقت تک حرکت نہیں کروں گا جب تک خدا میری توبہ قبول نہ کرلے ـ

سات دن تک اس نے نہ کھانا کھایا نہ پانی پیا اوریونہی بے ہوش پڑا رہا یہاں تک کہ خدا نے اس کی توبہ قبول کرلی ,جب یہ خبر بعض مومنین کے ذریعہ اس تک پہنچی شتو اس ننے قسم کھائی میں خود رہنے کو اس ستون سے نہیں کھولوں گا یہاں تک کہ پیغمبر(ص) آکر کھولیں ـ

پیغمبر اکرم (ص) آئے اور اس کو کھولا ابو لبابہ نے کہا کہ اونی توبہ کو کامل ہونے کے لئے اپنا سارا مال راہ خدا میں دیتا ہوں ـ اس وقت پیغمبر(ص) نے کہا: ایک سوم مال کافی ہے،"آخر کار خدانے اس کا یہ گناہ اس کی صداقت کی بناء پر بخش دیا [1]

لیکن آخر کار بنی قریظہ کے یہودیوں نے مجبور ہو کر غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے ـ

جناب پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا سعد بن معاذ تمہارے بارے میں جو فیصلہ کردیں کیا وہ تمہیں قبول ہے ؟وہ راضی ہوگئے ـ

سعدبن معاذ نے کہا کہ اب وہ موقع آن پہنچا ہے کہ سعد کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو نظر میں رکھے بغیر حکم خدا بیان کرے ـ

سعد نے جس وقت یہودیوں سے دوبارہ یہی اقرار لے لیا تو آنکھیں بند کرلیں اور جس طرف پیغمبر (ص) کھڑے ہوئے تھے ادھر رخ کرکے عرض کیا : آپ بھی میرا فیصلہ قبول کریں گے ؟ آنحضرت (ص) نے فرمایا ضرور: تو سعد نے کہا : میں کہتا ہوں کہ جو لوگ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ تھے (بنی قریظہ کے مرد) انھیں قتل کردینا چاہئے ، ان کی عورتیں اور بچے قید اور ان کے اموال تقسیم کردیئے جائیں البتہ ان میں سے ایک

---

(۱)سورہ توبہ آیت ۱۰۲

گروہ اسلام قبول کرنے کے بعد قتل ہونے سے بچ گیا _
قران اس ماجرا کی طرف مختصر اور بلیغ اشارہ کرتا ہے اور اس ماجرا کا تذکرہ خدا کی ایک عظیم نعمت او رعنایت کے طور پر ہوا ہے _
پہلے فرمایا گیا ہے:"خدا نے اہل کتاب میں سے ایک گروہ کو جنہوں نے مشرکین عرب کی حمایت کی تھی ،ان کے محکم و مضبوط قلعوں سے نیچے کھینچا _ [1]
یہاں سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہودیوں نے اپنے قلعے مدینہ کے پاس بلند او راونچی جگہ پر بنا رکھے تھے او ران کے بلند برجوں سے اپنا دفاع کرتے تھے "انزل "(نیچے لے آیا) کی تعبیر اسی معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے _
اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے :"خدا نے ان کے دلوں میں خوف او ررعب ڈال دیا ":
آخر کا ران کا مقابلہ یہاں تک پہنچ گیا کہ "تم ان میں سے ایک گروہ کو قتل کررہے تھے او ردوسرے کو اسیر بنا رہے تھے _"او ران کی زمینیں گھر اور مال و متاع تمھارے اختیارمیں دے دیا "_ [2]
یہ چند جملے جنگ بنی قریظہ کے عام نتائج کا خلاصہ ہیں_ ان خیانت کاروں میں سے کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے، کچھ قید ہوگئے اوربہت زیادہ مال غنیمت جس میں ان کی زمینیں ،گھر ،مکا نات او رمال و متاع شامل تھا ، مسلمانوں کو ملا _

---

(۱)سورہ احزاب آیت ۲۶

(۲)سورہ احزاب ایت ۲۶،۲۷

صلح حدیبیہ

چھٹی ہجری کے ماہ ذی قعدہ میں پیغمبر اکرم (ص) عمرہ کے قصد سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے، مسلمانوں کو رسول اکرم(ص) کے خواب کی اطلاع مل چکی تھی کہ رسول اکرم(ص) نے اپنے تمام اصحاب کے ساتھ "مسجد الحرام"میں وارد ہونے کو خواب میں دیکھا ہے، اور تمام مسلمانوں کو اس سفر میں شرکت کا شوق دلایا، اگرچہ ایک گروہ کنارہ کش ہو گیا، مگر مہاجرین و انصار اور بادیہ نشین اعراب کی ایک کثیر جماعت آپ کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہو گئی۔

یہ جمعیت جو تقریباً ایک ہزار چار سو افراد پر مشتمل تھی، سب کے سب نے لباس احرام پہنا ہوا تھا، اور تلوار کے علاوہ جو مسافروں کا اسلحہ شمار ہوتی تھی، کوئی جنگی ہتھیار ساتھ نہ لیا تھا۔

جب مسلمان "ذی الحلیفہ" مدینہ کے نزدیک پہونچے، اور بہت اونٹوں کو قربانی کے لئے لے لیا۔

پیغمبر(ص) (اور آپ (ع) کے اصحاب کا)طرز عمل بتا رہا تھا کہ عبادت کے علاوہ کوئی دوسرا قصد نہیں تھا۔ جب پیغمبر(ص) مکہ کے نزدیکی مقام آپ کو اطلاع ملی کہ قریش نے یہ پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ آپ(ص) کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے، یہاں تک کہ پیغمبر(ص) مقام" حدیبیہ"میں پہنچ گئے (حدیبیہ مکہ سے بیس کلو مٹر کے فاصلہ پر ایک بستی ہے، جو ایک کنویں یا درخت کی مناسبت سے اس نام سے موسوم تھی)حضرت(ص) نے فرمایا: کہ تم سب اسی جگہ پر رک جائو، لوگوں نے عرض کی کہ یہاں تو کوئی پانی نہیں ہے پیغمبر(ص) نے معجزانہ طور پر اس کنویں سے جو وہاں تھا، اپنے اصحاب کے لئے پانی فراہم کیا۔

اسی مقام پر قریش او رپیغمبر(ص) کے درمیان سفراء آتے جاتے رہے تاکہ کسی طرح سے مشکل حل ہو جائے، آخرکا ر"عروہ ابن مسعود ثقفي"جو ایک ہوشیا ر آدمی تھا، قریش کی طرف سے پیغمبر(ص) کی خدمت میں حاضر ہوا، پیغمبر(ص) نے فرمایا میں جنگ کے ارادے سے نہیں آیا او رمیرا مقصد صرف خانہ خدا کی زیارت ہے، ضمناًعروہ نے اس ملاقات میں پیغمبر(ص) کے وضو کرنے کا منظر بھی دیکھا،کہ صحابہ آپ(ص) کے وضو کے پانی کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے،جب وہ واپس لوٹا تو اس نے قریش سے کہا: میں قیصر وکسری او رنجاشی کے دربار میں گیا ہوں _میں نے کسی سربراہ مملکت کو اس کی قوم کے درمیان اتنا با عظمت نہیں دیکھا، جتنا محمد(ص) کی عظمت کو ان کے اصحاب کے درمیان دیکھا ہے_ اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ محمد(ص) کو چھوڑ جائیں گے تو یہ بہت بڑی غلطی ہو گی،دیکھ لو تمھارا مقابلہ ایسے ایثار کرنے والوں کے ساتھ ہے_یہ تمہارے لئے غور و فکر کا مقام ہے_

بیعت رضوان

اسی دوران پیغمبر(ص) نے عمر سے فرمایا: کہ وہ مکہ جائیں، او ر اشراف قریش کو اس سفر کے مقصد سے آگاہ کریں، عمر نے کہاقریش مجھ سے شدید دشمنی رکھتے ہیں، لہذا مجھے ان سے خطرہ ہے، بہتر یہ ہے کہ عثمان کو اس کام کے لئے بھیجا جائے، عثمان مکہ کی طرف آئے، تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ مسلمانوں کے درمیان یہ افواہ پھیل گئي کہ ان کو قتل کر دیاہے_ اس موقع پرپیغمبر(ص) نے شدت عمل کا ارادہ کیا او رایک درخت کے نیچے جو وہاں پر موجود تھا، اپنے اصحاب سے بیعت لی جو "بیعت رضوان" کے نام سے مشہو رہوئي، او ران کے ساتھ عہد وپیمان کیا کہ آخری سانس تک ڈٹیں گے، لیکن تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ عثمان صحیح و سالم واپس لوٹ آئے او را نکے پیچھے پیچھے قریش نے"سہیل بن عمر"کو مصالحت کے لئے پیغمبر(ص) کی خدمت میں بھیجا، لیکن تاکید کی کہ اس سال کسی طرح بھی آپ(ص) کا مکہ میں ورود ممکن نہیں ہے_

بہت زیادہ بحث و گفتگو کے بعد صلح کا عہد و پیمان ہوا،جس کی ایک شق یہ تھی کہ مسلمان اس سال عمرہ سے باز رہیں او ر آئندہ سال مکہ میں آئیں، اس شرط کے ساتھ کہ تین دن سے زیادہ مکہ میں نہ رہیں، او ر

مسافرت کے عام ہتھیار کے علاوہ اور کوئي اسلحہ اپنے ساتھ نہ لائیں۔ اور متعدد مواد جن کا دارومدار ان مسلمانوں کی جان و مال کی امنیت پر تھا، جو مدینہ سے مکہ میں وارد ہوں، اور اسی طرح مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان دس سال جنگ نہ کرنے اور مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے مذہبی فرائض کی انجام دہی بھی شامل کی گئي تھی۔
یہ پیمان حقیقت میں ہر جہت سے ایک عدم تعرض کا عہد و پیمان تھا، جس نے مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان مسلسل اور بار بار کی جنگوں کو وقتی طور پر ختم کردیا۔

صلح نامہ کی تحریر

"صلح کے عہدوپیمان کا متن "اس طرح تھا کہ پیغمبر (ص) نے علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ لکھو:
"بسم اللہ الرحمن الرحیم": سہیل بن عمرنے، جو مشرکین کا نمائندہ تھا، کہا: میں اس قسم کے جملہ سے آشنا نہیں ہو ں، لہذا "بسمک اللھم" لکھو: پیغمبر (ص) نے فرمایا لکھو: "بسمک اللھم"
اس کے بعد فرمایا: لکھو یہ وہ چیز ہے جس پر محمد رسول اللہ (ص) نے سہیل بن عمرو سے مصالحت کی، سہیل نے کہا: ہم اگر آپ کو رسول اللہ (ص) سمجھتے تو آپ سے جنگ نہ کرتے، صرف اپنا اور اپنے والد کا نام لکھئے، پیغمبر (ص) نے فرمایا کوئي حرج نہیں لکھو: "یہ وہ چیز ہے جس پر محمد (ص) بن عبد اللہ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی، کہ دس سال تک دونو ں طرف سے جنگ متروک رہے گی تاکہ لوگوں کو امن و امان کی صورت دوبارہ میسر آئے۔
علاوہ ازایں جو شخص قریش میں سے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد (ص) کے پاس آئے (اور مسلمان ہو جائے) اسے واپس کردیں اور جو شخص ان افراد میں سے جو محمد (ص) کے پاس ہیں، قریش کی طرف پلٹ جائے تو ان کو واپس لوٹانا ضروری نہیں ہے۔
تمام لوگ آزاد ہیں جو چاہے محمد (ص) کے عہد و پیمان میں داخل ہو اور جو چاہے قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہو، طرفین اس بات کے پابند ہیں کہ ایک دوسرے سے خیانت نہ کرے ں، اور ایک دوسرے کی

جان و مال کو محترم شمار کریں۔

اس کے علاوہ محمد(ص) اس سال واپس چلے جائیں او رمکہ میں داخل نہ ہوں، لیکن آئندہ سال ہم تین دن کے لئے مکہ سے باہر چلے جائیں گے او ران کے اصحاب آجائیں، لیکن تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں، (اور مراسم عمرہ کے انجام دے کر واپس چلے جائیں)اس شرط کے ساتھ کہ سوا ے مسافر کے ہتھیار یعنی تلوار کے،وہ بھی غلاف میں کوئي ہتھیار ساتھ نہ لائیں۔

اس پیمان پر مسلمانوں او رمشرکین کے ایک گروہ نے گواہی دی او راس عہد نامہ کے کاتب علی (ع) ابن ابی طالب علیہ السلام تھے۔

مرحوم علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں کچھ او رامور بھی نقل کئے ہیں، منجملہ ان کے یہ کہ:

"اسلام مکہ میں آشکارا ہوگا اورکسی کو کسی مذہب کے انتخاب کرنے پر مجبور نہیں کریں گے، اور مسلمان کو اذیت و آزار نہیں پہنچائیں گے"۔

اس موقع پر پیغمبر اسلام (ص) نے حکم دیا کہ قربانی کے وہ اونٹ جو وہ اپنے ہمراہ لائے تھے، اسی جگہ قربان کردیں اور اپنے سروں کو منڈوائیں اور احرام سے باہر نکل آئیں، لیکن یہ بات کچھ مسلمانوں کو سخت ناگوار معلوم ہوئي، کیونکہ عمرہ کے مناسک کی انجام دہی کے بغیر ان کی نظر میں احرام سے باہر نکل آنا ممکن نہیں تھا، لیکن پیغمبر (ص) نے ذاتی طور پرخود پیش قدمی کی او رقربانی کے اونٹوں کو نحر کیا او راحرام سے باہر نکل آئے اور مسلمانوں کو سمجھایاکہ یہ احرام اور قربانی کے قانون میں استثناء ہے جو خدا کی طرف سے قرار دیا گیا ہے۔

مسلمانوں نے جب یہ دیکھا تو سر تسلیم خم کردیا، او رپیغمبر (ص) کا حکم کامل طور سے مان لیا، اوروہیں سے مدینہ کی راہ لي، لیکن غم واندوہ کا ایک پہاڑ ان کے دلوں پر بوجھ ڈال رہا تھا، کیونکہ ظاہر میں یہ سارے کا سارا سفر ایک ناکامی اور شکست تھی، لیکن اسی وقت سورہ فتح نازل ہوئي اور پیغمبر گرامی اسلام (ص) کو فتح کی بشارت ملی۔

صلح حدیبیہ کے سیاسی، اجتماعی او رمذہبی نتائج

ہجرت کے چھٹے سال (صلح حدیبیہ کے وقت) مسلمانوں کی حالت میں او ردو سال بعد کی حالت میں فرق نمایاں تھا ،جب وہ دس ہزار کے لشکر کے ساتھ فتح مکہ کے لئے چلے تاکہ مشرکین کو پیمان شکنی کا دندان شکن جواب دیا جائے،جنانچہ انھوں نے فوجوں کو معمولی سی جھڑپ کے بغیرہی مکہ کو فتح کرلیا ،اس وقت قریش اپنے اندر مقابلہ کرنے کی معمولی سی قدرت بھی نہیں رکھتے تھے۔ایک اجمالی موازنہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ "صلح حدیبیہ"کا عکس العمل کس قدر وسیع تھا۔

خلاصہ کے طور پر مسلمانوں نے اس صلح سے چند امتیاز او راہم کامیابیاں حاصل کیں،جنکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱)عملی طور پر مکہ کہ فریب خوردہ لوگوں کو یہ بتا دیا کہ وہ جنگ و جدال کا ارادہ نہیں رکھتے،او رمکہ کے مقدس شہر اور خانہ خدا کے لئے بہت زیادہ احترام کے قائل ہیں،یہی بات ایک کثیر جماعت کے دلوں کے لئے اسلام کی طرف کشش کا سبب بن گئی۔

۲)قریش نے پہلی مرتبہ اسلام او رمسلمانوں کی رسموں کو تسلیم کیا،یہی وہ چیز تھی جو جزیرۃ العرب میں مسلمانوں کی حیثیت کو ثابت کرنے کی دلیل بنی۔

۳)صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان سکون واطمنان سے ہر جگہ آجا سکتے تھے او رانکا جان و مال محفوظ ہوگیا تھا،او رعملی طور پر مشرکین کے ساتھ قریبی تعلق اور میل جول پیدا ہوا،ایسے تعلقات جس کے نتیجہ میں مشرکین کو اسلام کی زیادہ سے زیادہ پہچان کے ساتھ ان کی توجہ اسلام کی طرف مائل ہوئی۔

۴)صلح حدیبیہ کے بعد اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے سارے جزیرۃ العرب میں راستہ کھل گیا،او رپیغمبر (ص) کی صلح طلبی کی شرط نے مختلف اقوام کو،جو پیغمبر (ص) کی ذات او راسلام کے متعلق غلط نظریہ رکھتے تھے، تجدید نظر پر آمادہ کیا ،او رتبلیغاتی نقطہ نظر سے بہت سے وسیع امکانات ووسائل مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

۵) صلح حدیبیہ نے خیبر کو فتح کرنے اور یہودیوں کے اس سرطانی غدہ کو نکال پھینکنے کے لئے، جو بالفعل اور بالقوہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک اہم خطرہ تھا، راستہ ہموار کردیا۔

٦) اصولی طور پر پیغمبر (ص) کی ایک ہزار چار سو افراد کی فوج سے ٹکرلینے سے قریش کی وحشت جن کے پاس کسی قسم کے اہم جنگی ہتھیار بھی نہیں تھے، اور شرائط صلح کو قبول کرلینا اسلام کے طرفداروں کے دلوں کی تقویت، اور مخالفین کی شکست کے لئے، جنہوں نے مسلمانوں کو ستایا تھا خود ایک اہم عامل تھا۔

۷) واقعہ حدیبیہ کے بعد پیغمبر (ص) نے بڑے بڑے ملکوں، ایران وروم وحبشہ کے سربراہوں، اور دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کو متعدد خطوط لکھے اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دی اور یہ چیز اچھی طرح سے اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ صلح حدیبیہ نے مسلمانوں میں کس قدر خود اعتمادی پیدا کردی تھی، کہ نہ صرف جزیرہ عرب میں بلکہ اس زمانہ کی بڑی دنیا میں ان کی راہ کو کھول دیا۔

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اس سے یہ بخوبی معلوم کیا جا سکتا ہے، کہ واقعاً صلح حدیبیہ مسلمانوں کے لئے ایک عظیم فتح اور کامیابی تھی، اور تعجب کی بات نہیں ہے کہ قرآن مجید اسے فتح مبین کے عنوان سے یاد کرتا ہے:

صلح حدیبیہ یا عظیم الشان فتح

جس وقت پیغمبر (ص) حدیبیہ سے واپس لوٹے (اور سورہ فتح نازل ہوئي) تو ایک صحابی نے عرض کیا: "یہ کیا فتح ہے کہ ہمیں خانہ خدا کی زیارت سے بھی روک دیا ہے اور ہماری قربانی میں بھی رکاوٹ ڈال دي"؟

پیغمبر (ص) نے فرمایا: "تو نے بہت بری بات کہی ہے، بلکہ یہ تو ہماری عظیم ترین فتح ہے کہ مشرکین اس بات پر راضی ہوگئے ہیں کہ تمھیں خشونت آمیز طریقہ سے ٹکر لئے بغیر اپنی سرزمین سے دور کریں، اور تمہارے سامنے صلح کی پیش کش کریں اور ان تمام تکالیف اور رنج و غم کے باوجود جو تمہاری طرف سے انھوں

نے اٹھائے ہیں ،ترک تعرض کے لئے تمہاری طرف مائل ہوئے ہیں_

اس کے بعد پیغمبر (ص) نے وہ تکالیف جو انھوں نے بدر واحزاب میں جھیلی تھیں انھیں یاد دلائیں، تو مسلمانوں نے تصدیق کی کہ یہ سب سے بڑی فتح تھی اور انھوں نے لا علمی کی بناء پر یہ فیصلہ کیا تھا_

"زہری "جو ایک مشہور تابعی ہے، کہتا ہے:کوئي بھی فتح صلح حدیبیہ سے زیادہ عظیم نہیں تھی ،کیونکہ مشرکین نے مسلمانوں کے ساتھ ارتباط اور تعلق پیدا کیا اور اسلام ان کے دلوں میں جاں گزیں ہوا ،اور تین ہی سال کے عرصہ میں ایک عظیم گروہ اسلام لے آیا اور مسلمانوں میں ان کی وجہ سے اضافہ ہوا"_

پیغمبر(ص) کا سچا خواب

جیسا کہ ہم نے شروع میں عرض کیا کہ پیغمبر اکرم (ص) نے مدینہ میں ایک خواب دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کے لئے مناسک ادا کرنے کے لئے مکہ میں داخل ہورہے ہیں اور اس خواب کو صحابہ کے سامنے بیان کردیا ، وہ سب کے سب شاد و خوش حال ہوئے لیکن چونکہ ایک جماعت یہ خیال کرتی تھی کہ اس خواب کی تعبیر اسی سال پوری ہوگي، تو جس وقت قریش نے مکہ میں ان کے دخیل ہونے کا راستہ حدیبیہ میں ان کے آگے بند کردیا تو وہ شک و تردید میں مبتلا ہوگئے، کہ کیا پیغمبر (ص) کا خواب غلط بھی ہوسکتا ہے، کیا اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہم خانہ خدا کی زیارت سے مشرف ہوں ؟ پس اس وعدہ کا کیا ہوا؟ اور وہ رحمانی خواب کہاں چلا گیا؟

پیغمبر اکرم (ص) نے اس سوال کے جواب میں فرمایا: کیا میں نے تمہیں یہ کہا تھا کہ یہ خواب اسی سال پورا ہوگا؟ اسی بارے میں مدینہ کی طرف بازگشت کی راہ میں وحی الہی نازل ہوئي اور تاکید کی کہ یہ خواب سچا تھا اور ایسا مسئلہ حتمی و قطعی اور انجام پانے والا ہے_

ارشاد خدا وندعالم ہوتا ہے:"خدنے اپنے پیغمبر کو جو کچھ دکھلایا تھا وہ سچ اور حق تھا"_ (۱)

---

(۱)سورہ فتح آیت ۲۷

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "انشاء اللہ تم سب کے سب قطعی طور پر انتہائي امن وامان کے ساتھ اس حالت میں کہ تم اپنے سروں کو منڈوائے ہوئے ہوں گے، یا اپنے ناخنوں کو کٹوائے ہوئے ہوں گے مسجد الحرام میں داخل ہوں گے اور کسی شخص سے تمہیں کوئي خوف ووحشت نہ ہوگي"۔[۱]

مومنین کے دلوں پر نزول سکینہ

یہاں گذشتہ میں جو کچھ بیا ن ہوا ہے،وہ اتنی عظیم نعمتیں تھیں جو خدا نے فتح مبین و (صلح حدیبیہ) کے سائے میں پیغمبر اکرم (ص) کو عطا فرمائي تھیں لیکن یہاں پر اس عظیم نعمت کے بارے میں بحث کی جارہی ہے جو اس نے تمام مئومنین کو مرحمت فرمائي ہے، فرماتا ہے: وہی تو ہے، جس نے مومنین کے دلوں میں سکون واطمینان نازل کیا، تاکہ ان کے ایمان میں مزید ایمان کا اضافہ کر"

اور سکون واطمینان ان کے دلوں پر نازل کیوں نہ ہو" درآنحالیکہ آسمانوں اور زمین کے لشکر خدا کے لئے ہیں اور وہ دانا و حکیم ہے"[۲]

یہ سکینہ کیا تھا ؟

ضروری ہے کہ ہم پھر" صلح حدیبیہ"کی داستان کی طرف لوٹیں اور اپنے آپ کو" صلح حدیبیہ "کی فضا میں اور اس فضاء میں جو صلح کے بعدپیدا ہوئي، تصور کریں تاکہ آیت کے مفہوم کی گہرائي سے آشنا ہوسکیں۔

پیغمبر اکرم (ص) نے ایک خواب دیکھا تھا (ایک رئویائے الہی ورحماني) کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد الحرام میں داخل ہورہے ہیں اور اس کے بعد خان ہ خدا کی زیارت کے عزم کے ساتھ چل پڑے زیادہ تر صحابہ یہی خیال کرتے تھے کہ اس خواب اوررویائے صالحہ کی تعبیر اسی سفر میں واقع ہوگي، حالانکہ مقدر میں ایک دوسری چیز تھی یہ ایک بات۔

---

(۱)سورہ فتح آیت ۲۷

(۲)سورہ فتح آیت ۴

دوسری طرف مسلمانوں نے احرام باندھا ہوا تھا، لیکن ان کی توقع کے بر خلاف خانہ خدا کی زیارت کی سعادت تک نصیب نہ ہوئي اور پیغمبر اکرم (ص) نے حکم دے دیا کہ مقام حدیبیہ میں ہی قربانی کے اونٹوں کو نحر کہ دیں، کیونکہ ان کے آداب وسنن کا بھی اور اسلامی احکام ودستور کا بھی یہی تقاضا تھا کہ جب تک مناسک عمرہ کو انجام نہ دے لیں احرام سے باہر نہ نکلیں۔

تیسری طرف حدیبیہ کے صلح نامہ میں کچھ ایسے امور تھے جن کے مطالب کو قبول کرنا بہت ہی دشوار تھا، منجملہ ان کے یہ کہ اگر قریش میں سے کوئي شخص مسلمان ہوجائے اور مدینہ میں پناہ لے لے تو مسلمان اسے اس کے گھر والوں کے سپرد کردیں گے، لیکن اس کے برعکس لازم نہیں تھا۔

چوتھی طرف صلح نامہ کی تحریر کے موقع پر قریش اس بات پر تیار نہ ہوئے کہ لفظ "رسول اللہ" محمد" کے نام کے ساتھ لکھا جائے، اور قریش کے نمائندہ" سہیل "نے اصرار کرکے اسے حذف کرایا، یہاں تک کہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے لکھنے کی بھی موافقت نہ کی، اور وہ یہی اصرار کرتا رہا کہ اس کے بجائے "بسمک اللھم "لکھاجائے، جو اہل مکہ کی عادت اور طریقہ کے مطابق تھاواضح رہے، کہ ان امور میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ ایک ناگوار امر تھا۔

چہ جائیکہ وہ سب کے سب مجموعی طور سے وہاں جاتے رہے، اسی لئے ضعیف الایمان، لوگوں کے دل ڈگمگا گئے ،یہاں تک کہ جب سورہ فتح نازل ہوئي تو بعض نے تعجب کے ساتھ پوچھا: کونسی فتح ؟

یہی وہ موقع ہے جب نصرت الہی کو مسلمانوں کے شامل حال ہونا چاہئے تھا اور سکون واطمینان ان کے دلوں میں داخل ہوتا تھا نہ یہ کہ کوئي فتور اورکمزوری ان میں پیدا ہوتی تھي۔

بلکہ "لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم"۔ کے مصداق کی قوت ایمانی میں اضافہ ہونا چاہئے تھا اوپر والی آیت ایسے حالات میں نازل ہوئي۔

ممکن ہے اس سکون میں اعتقادی پہلو ہو اور وہ اعتقادمیں ڈگمگانے سے بچائے، یا اس میں عملی پہلو ہواس طرح سے کہ وہ انسان کوثبات قدم، مقاومت اور صبر و شکیبائي بخشے۔

پیچھے رہ جانے والوں کی عذر تراشي

گذشتہ صفحات میں ہم بیان کرچکے ہیں کہ پیغمبر (ص) ایک ہزار چار سو مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے عمرہ کے ارادہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے_

پیغمبر (ص) کی طرف سے بادیہ نشین قبائل میں اعلان ہوا کہ وہ بھی سب کے سب کے ساتھ چلیں لیکن ضعیف الایمان لوگوں کے ایک گروہ نے اس حکم سے روگردانی کرلي، اور ان کا تجزیہ تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان اس سفر سے صحیح وسالم بچ کر نکل آئیں، حالانکہ کفار قریش پہلے ہی ہیجان واشتعال میں تھے، اور انھوں نے احد واحزاب کی جنگیں مدینہ کے قریب مسلمانوں پر تھوپ دی تھیں اب جبکہ یہ چھوٹا سا گروہ بغیر ہتھیاروں کے اپنے پائوں سے چل کر مکہ کی طرف جارہا ہے، گویا بھڑوں کے چھتہ کے پاس خود ہی پہنچ رہا ہے، تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ اپنے گھروں کی طرف واپس لوٹ آئیں گے؟

لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ مسلمان کامیابی کے ساتھ اور قابل ملاحظہ امتیازات کے ہمراہ جو انھوں نے صلح حدیبیہ کے عہد وپیمان سے حاصل کئے تھے، صحیح وسالم مدینہ کی طرف پلٹ آئے ہیں اور کسی کے نکسیر تک بھی نہیں چھوٹی، تو انہوں نے اپنی عظیم غلطی کا احساس کیا اور پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ کسی طرح کی عذر خواہی کرکے اپنے فعل کی توجیہ کریں، اور پیغمبر اکرم (ص) سے استغفار کا تقاضا کریں_

لیکن وحی نازل ہوئي اور ان کے اعمال سے پردہ اٹھادیا اور انھیں رسوا کیا_

اس طرح سے منافقین اور مشرکین کی سرنوشت کا ذکر کرنے کے بعد، یہاں پیچھے رہ جانے والے ضعیف الایمان لوگوں کی کیفیت کا بیان ہورہا ہے تاکہ اس بحث کی کڑیاں مکمل ہوجائیں_

فرماتاہے " عنقریب بادیہ نشین اعراب میں سے پیچھے رہ جانے والے عذر تراشی کرتے ہوئے کہیں گے: ہمارے مال ومتاع اور وہاں پر بچوں کی حفاظت نے ہمیں اپنی طرف مائل کرلیاتھا، اور ہم اس پُربرکت سفر میں آپ کی خدمت میں نہ رہ سکے، رسالتماب (ص) ہمارے عذر کو قبول کرتے ہوئے ہمارے لئے طلب

بخشش کیجئے ، وہ اپنی زبان سے ایسی چیز کہہ رہے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہے "_(۱)

وہ تو اپنی توبہ تک میں بھی مخلص، نہیں ہیں _

لیکن ان سے کہہ دیجئے : "خدا کے مقابلہ میں اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے تو کس کی مجال ہے کہ وہ تمہارا دفاع کرسکے، اور اگر وہ تمہیں کچھ نفع پہنچانا چاہے تو کس میں طاقت ہے، کہ اسے روک سکے "_(۲)

خدا کے لئے یہ بات کسی طرح بھی مشکل نہیں ہے ، کہ تمہیں تمہارے امن وامان کے گھروں میں ، بیوی بچوں اور مال ومنال کے پاس ، انواع واقسام کی بلائوں اور مصائب میں گرفتار کردے ، اور اس کے لئے یہ بھی کوئي مشکل کام نہیں ہے کہ دشمنوں کے مرکز میں اور مخالفین کے گڑھ میں تمہیں ہر قسم کے گزند سے محفوظ رکھے، یہ تمہاری قدرت خدا کے بارے میں جہالت اور بے خبری ہے جو تمہاری نظر میں اس قسم کے انکار کو جگہ دیتی ہے _

ہاں ، خدا ان تمام اعمال سے جنھیں تم انجام دیتے ہو باخبر اور آگاہ ہے "(۳)

بلکہ وہ تو تمہارے سینوں کے اندر کے اسرار اور تمہاری نیتوں سے بھی اچھی طرح باخبر ہے ، وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ عذر اور بہانے واقعیت اور حقیقت نہیں رکھتے اور جو اصل حقیقت اور واقعیت ہے وہ تمہاری شک و ترید، خوف وخطر اور ضعف ایمان ہے ، اور یہ عذر تراشیاں خدا سے مخفی نہیں رہتیں ، اور یہ ہرگز تمہاری سزا کو نہیں روکیں گی _

قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن کے لب و لہجہ سے بھی اور تواریخ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ وحی الہی پیغمبر (ص) کی مدینہ کی طرف بازگشت کے دوران نازل ہوئي، یعنی اس سے پہلے کہ پیچھے رہ جانے والے آئیں اور عذر تراشی کریں ، ان کے کام سے پردہ اٹھادیا گیا اور انھیں رسوا کردیا _

قرآن اس کے بعد مزید وضاحت کے لئے مکمل طور پر پردے ہٹاکر مزید کہتا ہے :"بلکہ تم نے تو یہ

---

(۱) سورہ فتح آیت ۱۱

(۲) سورہ فتح آیت ۱۱

(۳) سورہ فتح آیت ۱۱

گمان کرلیا تھا کہ پیغمبر اکرم (ص) اور مومنین ہرگز اپنے گھروالوں کی طرف پلٹ کرنہیں آئیں گے"_[۱]

ہاں ، اس تاریخی سفر میں تمہارے شریک نہ ہونے کا سبب ، اموال اور بیوی بچوں کا مسئلہ نہیں تھا، بلکہ اس کا اصلی عامل وہ سوء ظن تھا جو تم خدا کے بارے میں رکھتے تھے، اور اپنے غلط اندازوں کی وجہ سے یہ سوچتے تھے کہ یہ سفر پیغمبر اکرم (ص) کے ختم ہونے کا سفرہے اور کیونکہ شیطانی وسوسہ تمہارے دلوں میں زینت پا چکے تھے ،اور یہ تم نے برا گمان کیا"_[۲] کیونکہ تم یہ سوچ رہے تھے کہ خدا نے پیغمبر اکرم (ص) کو اس سفر میں بھیج کر انھیں دشمن کے چنگل میں دے دیا ہے ، اور ان کی حمایت نہیں کرے گا ،" اور انجام کار تم ہلاک ہوگئے"_[۳] اس سے بدتر ہلاکت اور کیا ہوگی کہ تم اس تاریخی سفر میں شرکت ، بیعت رضوان، اور دوسرے افتخارات واعزازات سے محروم رہ گئے، اور اس کے پیچھے عظیم رسوائی تھی اور آئندہ کے لئے آخرت کادردناک عذاب ہے ،ہاں تمہارے دل مردہ تھے اس لئے تم اس قسم کی صورت حال میں گرفتار ہوئے_

اگر حدیبیہ میں جنگ ہوجاتی

قرآن اسی طرح سے " حدیبیہ" کے عظیم ماجرے کے کچھ دوسرے پہلوؤں کو بیان کرتے ہوئے، اور اس سلسلہ میں دو اہم نکتوں کی طرف اشارہ کررہا ہے_

پہلا یہ کہ یہ خیال نہ کرو کہ سرزمین " حدیبیہ " میں تمہارے اور مشرکین مکہ کے درمیان جنگ چھڑجاتی تو مشرکین جنگ میں بازی لے جاتے، ایسا نہیں ہے ، اگر کفار تمہارے ساتھ وہاں جنگ کرتے تو بہت جلدی پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ، اور پھر کوئی ولی ویاورنہ پاتے"_[۴]

اور یہ بات صرف تم تک ہی منحصر نہیں ہے ، " یہ تو ایک سنت الہی ہے ،جو پہلے بھی یہی تھی اور تم سنت الہی میں ہرگز تغیرو تبدیلی نہ پاؤ گے_[۵] وہ اہم نکتہ جو قرآن خاص طورپر بیان کررہاہے، یہ ہے کہ کہیں قریش بیٹھ کر یہ نہ کہنے لگیں ، کہ افسوس

---

(۱)سورہ فتح آیت ۱۱ (۲) سورہ فتح آیت ۱۱

(۳)سورہ فتح آیت ۱۱ (۴)سورہ فتح آیت ۲۲ (۵)سورہ فتح آیت ۲۲

ہم نے جنگ کیوں نہ کی اوراس چھوٹے سے گروہ کی سرکوبی کیوں نہ کي، افسوس کہ شکارہمارے گھرمیں آیا، اور اس سے ہم نے غفلت برتی ، افسوس ، افسوس ـ

ہرگز ایسا نہیں ہے اگرچہ مسلمان ان کی نسبت تھوڑے تھے، اور وطن اور امن کی جگہ سے بھی دور تھے، اسلحہ بھی ان کے پاس کافی مقدار میں نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود اگر جنگ چھڑجاتی تو پھر بھی قوت ایمانی اور نصرت الہی کی برکت سے کامیابی انھیں ہی حاصل ہوتي، کیا جنگ "بدر" اور" احزاب "میں ان کی تعداد بہت کم اور دشمن کا سازو سامان اور لشکر زیادہ نہ تھا؟ ان دونوں مواقع پر دشمن کو کیسے شکست ہوگئي ـ

بہرحال اس حقیقت کا بیان مومنین کے دل کی تقویت اور دشمن کے دل کی کمزوری اور منافقین کے " اگر" اور" مگر" کے ختم ہونے کا سبب بن گئي اور اس نے اس بات کی نشاندہی کردی کہ ظاہری طورپر حالات کے برابر نہ ہونے کے باوجود اگر جنگ چھڑجائے تو کامیابی مخلص مومنین ہی کو نصیب ہوتی ہے ـ

دوسرا نکتہ جو قرآن میں بیان ہوا ہے یہ ہے کہ فرماتا ہے "وہی تو ہے جس نے کفار کے ہاتھ کو مکہ میں تم سے باز رکھا اور تمہارے ہاتھ کو ان سے، یہ اس وقت ہوا جبکہ تمہیں ان پر کامیابی حاصل ہوگئي تھي، اور خدا وہ سب کچھ جو تم انجام دے رہے ہو دیکھ رہا ہے"ـ (۱)

مفسرین کی ایک جماعت نے اس آیت کے لئے ایک " شان نزول" بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ: مشرکین مکہ نے "حدیبیہ "کے واقعہ میں چالیس افراد کو مسلمانوں پرضرب لگانے کے لئے مخفی طورپر حملہ کے لئے تیار کیا، لیکن ان کی یہ سازش مسلمانوں کی ہوشیاری سے نقش برآب ہوگئي اور مسلمان ان سب کو گرفتار کرکے پیغمبر (ص) کی خدمت میں لے آئے ، اور پیغمبر (ص) نے انھیں رہا کردیا ـ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ جس وقت پیغمبر (ص) درخت کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے تاکہ قریش کے نمائندہ کے ساتھ صلح کے معاہدہ کو ترتیب دیں ، اور علی علیہ السلام لکھنے میں مصروف تھے، تو جوانان مکہ میں سے ۳۰ / افراد اسلحہ کے ساتھ آپ پر حملہ آور ہوئے، اور معجزانہ طورپر ان کی یہ سازش بے کار ہوگئي اور وہ سب کے سب گرفتار ہوگئے اور حضرت نے انھیں آزاد کردیا ـ

---

(۱) سورہ فتح آیت ۲۴

عمرۃ القضاء

"عمرۃ القضاء"وہی عمرہ ہے جو پیغمبر (ص) نے حدیبیہ سے ایک سال بعد یعنی ہجرت کے ساتویں سال کے ماہ ذی القعدہ میں اسے (ٹھیک ایک سال بعد جب مشرکین نے آپ کو مسجد الحرام میں داخل ہونے سے روکا تھا) اپنے اصحاب کے ساتھ انجام دیا اوراس کا یہ نام اس وجہ سے ہے، چونکہ یہ حقیقت میں گزشتہ سال کی قضاء شمار ہوتا تھا_ اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ: قرارداد حدیبیہ کی شقوں میں سے ایک شق کے مطابق پروگرام یہ تھا کہ مسلمان آئندہ سال مراسم عمرہ اور خانہ خدا کی زیارت کو آزادانہ طور پر انجام دیں، لیکن تین دن سے زیادہ مکہ میں توقف نہ کریں اور اس مدت میں قریش کے سردار اور مشرکین کے جانے پہچانے افراد شہر سے باہر چلے جائیں گے تاکہ ایک تو احتمالی ٹکرائو سے بچ جائیں اور کنبہ پروری اور تعصب کی وجہ سے جو لوگ مسلمانوں کی عبادت توحیدی کے منظر کو دیکھنے کا یارا اور قدرت نہیں رکھتے، وہ بھی اسے نہ دیکھیں)

بعض تواریخ میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) نے اپنے صحابہ کے ساتھ احرام باندھا اور قربانی کے اونٹ لے کر چل پڑے اور" ظہران" کے قریب پہنچ گئے اس موقع پر پیغمبر نے اپنے ایک صحابی کو جس کا نام " محمد بن مسلمہ" تھا، عمدہ سواری کے گھوڑوں اور اسلحہ کے ساتھ اپنے آگے بھیج دیا، جب مشرکین نے اس پر وگرام کو دیکھا تو وہ سخت خوف زدہ ہوئے اور انھوں نے یہ گمان کرلیا کہ حضرت ان سے جنگ کرنا اور اپنی دس سالہ صلح کی قرارداد کو توڑنا چاہتے ہیں، لوگوں نے یہ خبر اہل مکہ تک پہنچادی لیکن جب پیغمبر اکرم (ص) مکہ کے قریب پہنچے تو آپ نے حکم دیا کہ تمام تیر اور نیزے اور دوسرے سارے ہتھار اس سرزمین میں جس کا نام "یاجج" ہے منتقل کردیں، اور آپ خود اور آپ کے صحابہ صرف نیام میں رکھی ہوئي تلواروں کے ساتھ مکہ میں

وارد ہوئے_ اہل مکہ نے جب یہ عمل دیکھا تو بہت خوش ہوئے کہ وعدہ پورا ہوگیا، (گویا پیغمبر (ص) کا یہ اقدام مشرکین کے لئے ایک تنبیہ تھا، کہ اگر وہ نقض عہد کرنا چاہیں اور مسلمانوں کے خلاف سازش کریں، تو ان کے مقابلہ کی قدرت رکھتے ہیں)

رئو سائے مکہ، مکہ سے باہر چلے گئے، تاکہ ان مناظر کو جوان کے لئے دل خراش تھے نہ دیکھیں لیکن باقی اہل مکہ مرد، عورتیں اور بچے سب ہی راستوں میں، چھتوں کے اوپر، اور خانہ خدا کے اطراف میں جمع ہوگئے تھے، تاکہ مسلمانوں اور ان کے مراسم عمرہ کو دیکھیں_ پیغمبر اکرم (ص) خاص رُعب اور دبدبہ کے ساتھ مکہ میں وارد ہوئے اور قربانی کے بہت سے اونٹ آپ کے ساتھ تھے، اوراپ نے انتہائي محبت اور ادب کے ساتھ مکہ والوں سے سلوک کیا، اور یہ حکم دیا کہ مسلمان طواف کرتے وقت تیزی کے ساتھ چلیں، اور احرام کو ذرا سا جسم سے ہٹالیں تاکہ ان کے قوی اور طاقتور اور موٹے تازے شانے آشکار ہوں، اور یہ منظر مکہ کے لوگوں کی روح اور فکر میں، مسلمانوں کی قدرت وطاقت کی زندہ دلیل کے طور پر اثر انداز ہو_

مجموعی طور سے "عمرة القضاء" عبادت بھی تھا اور قدرت کی نمائش بھی، یہ کہنا چاہئے کہ "فتح مکہ" جو بعد والے سال میں حاصل ہوئي، اس کا بیج انہیں دنوں میں بویا گیا، اوراسلام کے مقابلہ میں اہل مکہ کے سر تسلیم خم کرنے کے سلسلے میں مکمل طور پر زمین ہموار کردی_ یہ وضع وکیفیت قریش کے سرداروں کے لئے اس قدر ناگوار تھی کہ تین دن گزرنے کے بعد کسی کو پیغمبر کی خدمت میں بھیجا کہ قرارداد کے مطابق جتنا جلدی ہو سکے مکہ کو چھوڑدیجئے_ قابل توجہ بات یہ ہے، کہ پیغمبر اکرم (ص) نے مکہ کی عورتوں میں سے ایک بیوہ عورت کو، جو قریش کے بعض سرداروں کی رشتہ دار تھي، اپنی زوجیت میں لے لیا، تاکہ عربوں کی رسم کے مطابق، اپنے تعلق اور رشتے کو ان سے مستحکم کرکے ان کی عداوت اور مخالفت میں کمی کریں_

جس وقت پیغمبر (ص) نے مکہ سے باہر نکل جانے کی تجویز سنی تو آپ نے فرمایا: میں اس ازدواج کے مراسم کے لئے کھانا کھلانا چاہتا ہوں اور تمہاری بھی دعوت کرنا چاہتا ہوں، یہ دعوت رسمی طور پر رد کردی گئي_

فتح خیبر

جب پیغمبر اکرم (ص) حدیبیہ سے واپس لوٹے تو تمام ماہ ذی الحجہ اور ہجرت کے ساتویں سال کے محرم کا کچھ حصہ مدینہ میں توقف کیا، اس کے بعد اپنے اصحاب میں سے ان ایک ہزار چار سو افراد کو جنہوں نے حدیبیہ میں شرکت کی تھی ساتھ لے کر خیبر کی طرف روانہ ہوئے ،(جو اسلام کے برخلاف تحریکوں کا مرکز تھا، اور پیغمبر اکرم (ص) کسی مناسب فرصت کے لئے گن گن کردن گزار رہے تھے کہ اس مرکز فساد کو ختم کریں _

روایات کے مطابق جس وقت پیغمبر اکرم (ص) "حدیبیہ" سے پلٹ رہے تھے تو حکم خدا سے آپ نے حدیبیہ میں شرکت کرنے والے مسلمانوں کو "فتح خیبر" کی بشارت دی ، اور تصریح فرمائي کہ اس جنگ میں صرف وہی شرکت کریں گے ، اور جنگ میں حاصل شدہ مال غنیمت بھی انھیں کے ساتھ مخصوص ہوگا تخلف کرنے والوں کو ان غنائم میں سے کچھ نہ ملے گا _

لیکن جونہی ان ڈرپوک دنیا پرستوں نے قرائن سے یہ سمجھ لیا کہ پیغمبر اکرم (ص) اس جنگ میں جو انھیں درپیش ہے یقینی طور پر کامیاب ہوں گے اور سپاہ اسلام کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آئے گا، تو وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پیغمبر اکرم (ص) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میدان خیبر میں شرکت کی اجازت چاہی اور شاید اس عذر کو بھی ساتھ لیا کہ ہم گزشتہ غلطی کی تلافی کرنے ، اپنی ذمہ داری کے بوجھ کو ہلکا کرنے ، گناہ سے توبہ کرنے اور اسلام وقرآن کی مخلصانہ خدمت کرنے کے لئے یہ چاہتے ہیں کہ ہم میدان جہاد میں آپ کے ساتھ شرکت کریں ، وہ اس بات سے غافل تھے کہ وحی الہی پہلے ہی نازل ہوچکی تھیں اور ان کے

راز کو فاش کرچکی تھیں، جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا ہے_

"جس وقت تم کچھ غنیمت حاصل کرنے کے لئے چلو گے تو اس وقت پیچھے رہ جانے والے کہیں گے: ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیں اور اس جہاد میں شرکت کرنے کا شرف بخشیں"_(۱)

بہر حال قران اس منفعت اور فرصت طلب گروہ کے جواب میں کہتا ہے:"وہ یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے کلام کو بدل دیں"_(۲)

اس کے بعد مزید کہتا ہے:"ان سے کہہ و: تم ہرگز ہمارے پیچھے نہ آنا" تمھیں اس میدان میں شرکت کرنے کا حق نہیں ہے، یہ کوئي ایسی بات نہیں ہے جو میں اپنی طرف سے کہہ رہا ہوں" یہ تو وہ بات ہے جو خدا نے پہلے سے ہی کہہ دی ہے"_(۳) اور ہمیں تمہارے مستقبل (کے بارے میں) باخبر کردیا ہے_

خدا نے حکم دیا ہے کہ " غنائم خیبر"،"اہل حدیبیہ " کے لئے مخصوص ہیں اور اس چیز میں کوئي بھی ان کے ساتھ شرکت نہ کرے، لیکن یہ بے شرم اور پرا دعا پیچھے رہ جانے والے پھر بھی میدان سے نہیں ہٹتے اور تمہیں حسد کے ساتھ متہم کرتے، اور عنقریب وہ یہ کہیں گے: کہ معاملہ اس طرح نہیں ہے بلکہ تم ہم سے حسد کررہے ہو_(۴)

اور اس طرح وہ ضمنی طور پر رسول اکرم (ص) کی تکذیب بھی کرتے تھے یہی لوگ"جنگ خیبر"میں انھیں شرکت سے منع کرنے کی اصل حسد کو شمار کرتے ہیں_

دعائے پیامبر (ص)

"غطفان" کے قبیلہ نے شروع میں تو خیبر کے یہودیوں کی حمایت کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن بعد میں ڈرگئے اور اس سے رک گئے_

---

(۱) سورہ فتح آیت ۱۵ (۲) سورہ فتح آیت ۱۵

(۳) سورہ فتح آیت ۱۵ (۴) سورہ فتح آیت

پیغمبر اکرم (ص) جس وقت "خیبر" کے قلعوں کے نزدیک پہنچے تو آپ نے اپنے صحابہ کو رکنے کا حکم دیا، اس کے بعد آسمان کی طرف سر بلند کیا اور یہ دعا پڑھي:

"خداوندا اے آسمانوں کے پروردگار اور جن پر انھوں نے سایہ ڈالا ہے، اور اے زمینوں کے پروردگار اور جن چیزوں کو انھوں نے اٹھارکھا ہے میں تجھ سے اس آبادی اور اس کے اہل میں جو خیر ہے اس کا طلب گارہوں، اور تجھ سے اس کے شراور اس میں رہنے والوں کے شر اور جو کچھ اس میں ہے اس شر سے پناہ مانگتاہوں "_اس کے بعد فرمایا:" بسم اللہ "آگے بڑھو: اور اس طرح سے رات کے وقت "خیبر" کے پاس جاپہنچے' اور صبح کے وقت جب ا"ہل خیبر" اس ماجرا سے باخبر ہوئے تو خود کو لشکر اسلام کے محاصرہ میں دیکھا، اس کے بعد پیغمبر نے یکے بعد دیگرے ان قلعوں کو فتح کیا،یہاں تک کہ آخری قلعہ تک ، جو سب سے زیادہ مضبوط اور طاقتور تھا، اور مشہور یہودی کمانڈر"مرحب" اس میں رہتا تھا، پہنچ گئے _

انھیں دنوں میں ایک سخت قسم کا دردسر، جو کبھی کبھی پیغمبر اکرم (ص) کو عارض ہوا کرتا تھا، آپ کو عارض ہوگیا، اس طرح سے کہ ایک دو دن آپ اپنے خیمہ سے باہر نہ آسکے تو اس موقع پر (مشہور اسلامی تواریخ کے مطابق) حضرت ابوبکر، نے علم سنبھالا اور مسلمانوں کو ساتھ لے کر یہودیوں کے لشکر پر حملہ آور ہوئے ، لیکن کوئي نتیجہ حاصل کیے بغیر واپس پلٹ آئے دوسری دفعہ " حضرت عمر" نے علم اٹھایا، اور مسلمان پہلے دن کی نسبت زیادہ شدت سے لڑے، لیکن بغیر کسی نتیجہ کے واپس پلٹ آئے _

فاتح خیبر علی علیہ السلام

یہ خبر رسول اکرم (ص) تک پہنچي تو اپ نے فرمایا:"خدا کی قسم کل یہ علم ایسے مرد کو دوں گا جو خدا اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے، اور خدا اور پیغمبر اس کو دوست رکھتے ہیں، اور وہ اس سے قلعہ کو طاقت کے زور سے فتح کرے گا"_ ہر طرف سے گردنیں اٹھنے لگیں کہ اس سے مراد کون شخص ہے؟ کچھ لوگوں کا اندازہ تھا کہ پیغمبر (ص) کی مراد علی علیہ السلام ہیں لیکن علی علیہ السلام ابھی وہاں موجود نہیں تھے،کیونکہ شدید آشوب چشم

انہیں لشکر میں حاضر ہونے سے مانع تھا، لیکن صبح کے وقت علی علیہ السلام اونٹ پر سوار ہوکر وارد ہوئے، اور پیغمبر اکرم (ص) کے خیمہ کے پاس اترے درحالیکہ آپ کی آنکھیں شدت کے ساتھ درد کررہی تھیں۔

پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا: میرے نزدیک آئو، آپ قریب گئے تو انحضرت (ص) نے اپنے دہن مبارک کا لعاب علی علیہ السلام کی آنکھوں پر ملا اور اس معجزہ کی برکت سے آپ کی آنکھیں بالکل ٹھیک ہوگئیں اس کے بعد آنحضرت (ص) نے علم ان کے ہاتھ میں دیا۔

علی علیہ السلام لشکر اسلام کو ساتھ لے کر خیبر کے سب سے بڑے قلعہ کی طرف بڑھے تو یہودیوں میں سے ایک شخص نے قلعہ کے اوپر سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: "میں علی بن ابی طالب" ہوں، اس یہودی نے پکار کر کہا: اے یہودیو اب تمہاری شکست کا وقت آن پہنچا ہے، اس وقت اس قلعہ کا کمانڈر مرحب یہودی، علی علیہ السلام سے مقابلہ کے لئے نکلا، اور کچھ دیر نہ گزری تھی کہ ایک ہی کاری ضرب سے زمین پر گرپڑا۔

مسلمانوں اوریہودیوں کے درمیان شدید جنگ شروع ہوگئي، علی علیہ السلام قلعہ کے دروازے کے قریب آئے، اور ایک قوی اورپُر قدرت حرکت کے ساتھ دروازے کو اکھاڑا اور ایک طرف پھینک دیا، اور اس زور سے قلعہ کھل گیا اور مسلمان اس میں داخل ہوگئے اور اسے فتح کرلیا ،یہودیوں نے اطاعت قبول کرلي، اور پیغمبر (ص) سے درخواست کی کہ اس اطاعت کے عوض ان کی جان بخشی کی جائے، پیغمبر (ص) نے ان کی درخواست کو قبول کرلیا، منقول غنائم اسلامی لشکر کے ہاتھ آئے اور وہاں کی زمینیں اور باغات آپ نے یہودیوں کو اس شرط کے ساتھ سپرد کردیئےہ اس کی آمدنی کا آدھا حصہ وہ مسلمانوں کو دیا کریں گے۔

آخر کار پیغمبر (ص) نے تواریخ کی نقل کے مطابق غنائم خیبر صرف اہل حدیبیہ پر تقسیم کئے، یہاں تک کہ ان لوگوں کے لئے بھی جو حدیبیہ میں موجود تھے اور کسی وجہ سے جنگ خیبر میں شریک نہ ہوسکے ان کے لئے بھی ایک حصہ قراردیا، البتہ ایسا آدمی صرف ایک ہی تھا، اور وہ" جابربن عبد اللہ تھا۔

فتح مکہ

فتح مکہ نے; تاریخ اسلام میں ایک ن ی فصل کا اضافہ کیا ہے اور تقریباً بیس سال کے بعد دشمن کی مقاومتوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیا، حقیقت میں فتح مکہ سے جزیرۃ العرب سے شرک و بت پرستی کی بساط لپیٹ دی گئي، اور اسلام دنیا کے دوسرے ممالک کی طرف حرکت کے لئے آمادہ ہوا_

اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ عہد وپیمان اور صلح کے بعد کفار نے عہد شکنی کی اور اس صلح نامہ کونظر انداز کردیا، اور پیغمبر (ص) کے بعض حلیفوں کے ساتھ زیادتی کي، آپ(ص) کے حلیفوں نے آنحضرت (ص) سے شکایت کی تورسول اللہ (ص) نے اپنے حلیفوں کی مدد کرنے کا ارادہ کرلیا، اوردوسری طرف مکہ میں بت پرستی شرک اور نفاق کا جو مرکز قائم تھا اس کے ختم ہونے کے تمام حالات فراہم ہوگئے تھے اور یہ ایک ایسا کام تھا جسے ہر حالت میں انجام دینا ضروری تھا، اس لئے پیغمبر خدا (ص) کے حکم سے مکہ کی طرف جانے کے لئے آمادہ ہوگئے ،فتح مکہ تین مراحل میں انجام پائي_

پہلا مرحلہ مقدماتی تھا، یعنی ضروری قوااور توانائیوں کو فراہم کرنا، زمانہ کے موافق حالات کا انتخاب اوردشمن کی جسمانی و روحانی قوت و توانائي کی مقدار وکیفیت کی حیثیت کے بارے میں کافی اطلاعات حاصل کرنا تھا_

دوسرا مرحلہ، فتح کے مرحلہ کوبہت ہی ماہرانہ اور ضائعات و تلفات یعنی نقصان کے بغیر انجام دینا تھا_ اور آخری مرحلہ، جو اصلی مرحلہ تھا، وہ اس کے آثار و نتائج کا مرحلہ تھا_

یہ مرحلہ انتہائي دقت، باریک بینی اور لطافت کے ساتھ انجام پایا ، خصوصاً رسول اللہ (ص) نے مکہ و مدینہ کی شاہراہ کو اس طرح سے قرق کرلیا تھا کہ اس عظیم آمادگی کی خبر کسی طرح سے بھی اہل مکہ کو نہ پہنچ سکي۔ اس لئے انہوں نے کسی قسم کی تیاری نہ کی، وہ مکمل طورپر غفلت میں پڑے رہے اور اسی وجہ سے اس مقدس سرزمین میں اس عظیم حملہ اور بہت بڑی فتح میں تقریباً کوئي خون نہیں بہا۔

یہاں تک کہ وہ خط بھي، جو ایک ضعیف الایمان مسلمان "حاطب بن ابی بلتعہ" نے قریش کو لکھا تھا اور قبیلہ "مزینہ" کی ایک عورت "کفود" یا "سارہ" نامی کے ہاتھ مکہ کی طرف روانہ کیا تھا، اعجاز آمیز طریقہ سے پیغمبر اکرم (ص) کے لئے آشکار ہوگیا، علی علیہ اا لسلام کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ بڑی تیزی سے اس کے پیچھے روانہ ہوئے، انہوں نے اس عورت کو مکہ و مدینہ کی ایک درمیانی منزل میں جالیا اور اس سے وہ خط لے کر، خود اسے بھی مدینہ واپس لے آئے۔

مکہ کی طرف روانگي

بہر حال پیغمبر اکرم (ص) مدینہ میں اپنا ایک قائم مقام مقرر کرکے ہجرت کے آٹھویں سال ماہ رمضان کی دس تاریخ کو مکہ کی طرف چل پڑے ، اوردس دن کے بعد مکہ پہنچ گئے ۔

پیغمبر اکرم (ص) نے راستے کے وسط میں اپنے چچا عباس کو دیکھا کہ وہ مکہ سے ہجرت کرکے آپ(ص) کی طرف آرہے ہیں۔ حضرت(ص) نے ان سے فرمایا کہ اپنا سامان مدینہ بھیج دیجئے اور خود ہمارے ساتھ چلیں ، اور آپ آخری مہاجر ہیں ۔

آخر کار مسلمان مکہ کی طرف پہنچ گئے اور شہر کے باہر، اطراف کے بیابانوں میں اس مقام پر جسے "مرالظہران" کہا جاتا تھا اور جو مکہ سے چند کلومیٹر سے زیادہ فاصلہ پر نہ تھا، پڑائو ڈال دیا۔ اور رات کے وقت کھانا پکانے کے لئے (یا شاید اپنی وسیع پیمانہ پر موجودگی کو ثابت کرنے کے لئے) وہاں آگ روشن کردي، اہل مکہ کا ایک گروہ اس منظر کو دیکھ کر حیرت میں ڈوب گیا۔

ابھی تک پیغمبر اکرم (ص) اور لشکر اسلام کے اس طرف آنے کی خبریں قریش سے پنہاں تھیں۔

اس رات اہل مکہ کا سرغنہ ابو سفیان اور مشرکین کے بعض دوسرے سرغنہ خبریں معلوم کرنے کے لئے مکہ سے باہر نکلے، اس موقع پر پیغمبر اکرم (ص) کے چچا عباس نے سوچا کہ اگر رسول اللہ (ص) قہر آلود طریقہ پر مکہ میں وارد ہوئے تو قریش میں سے کوئي بھی زندہ نہیں بچے گا، انہوں نے پیغمبر اکرم (ص) سے اجازت لئے اور آپ (ص) کی سواری پر سوار ہو کر کہا میں جاتا ہوں، شاید کوئي مل جائے تو اس سے کہوں کہ اہل مکہ کو اس ماجرے سے آگاہ کردے تا کہ وہ آکر امان حاصل کرلیں _

عباس وہاں روانہ ہوکر بہت قریب پہنچ گئے_ اتفاقاً اس موقع پر انہوں نے "ابو سفیان"کی آواز سنی جو اپنے ایک دوست "بدیل" سے کہہ رہا تھا کہ ہم نے کبھی بھی اس سے زیادہ آگ نہیں دیکھي، "بدیل" نے کہا میرا خیال ہے کہ یہ آگ قبیلہ "خزاعہ" نے جلائي ہوئي ہے، ابوسفیان نے کہا قبیلہ خزاعہ اس سے کہیں زیادہ ذلیل وخوار ہیں کہ وہ اتنی آگ روشن کریں، اس موقع پر عباس نے ابوسفیان کو پکارا، ابوسفیان نے بھی عباس کو پہچان لیا اور کہا سچ سچ بتائو کیا بات ہے؟

عباس نے جواب دیا: یہ رسول اللہ (ص) ہیں جو دس ہزار مجاہدین اسلام کے ساتھ تمہاری طرف آرہے ہیں، ابو سفیان سخت پریشان ہوا اور کہا آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں_

عباس نے کہا: میرے ساتھ آئو اور رسول اللہ (ص) سے امان لے لو ورنہ قتل کردیے جائوگے_

اس طرح سے عباس نے"ابوسفیان"کو اپنے ہمراہ رسول اللہ (ص) کی سواری پر ہی سوار کرلیا اور تیزی کے ساتھ رسول اللہ (ص) کی خدمت میں پلٹ آئے_ وہ جس گروہ اور جس آگ کے قریب سے گزرتے وہ یہی کہتے کہ یہ تو پیغمبر (ص) کے چچا ہیں جو آنحضرت (ص) کی سواری پر سوار ہیں، کوئي غیر آدمی ہے، یہاں تک کہ وہ اس مقام پر آئے، جہاں عمر ابن خطاب تھے، جب عمر بن خطاب کی نگاہ ابو سفیان پر پڑی تو کہا خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے تجھ (ابوسفیان) پر مسلط کیا ہے، اب تیرے لئے کوئي امان نہیں ہے اور فوراً ہی پیغمبر (ص) کی خدمت میں آکر آپ (ص) سے ابوسفیان کی گردن اڑانے کی اجازت مانگی_

لیکن اتنے میں عباس بھی پہنچ گئے اور کہا: کہ اے رسول خدا (ص) میں نے اسے پناہ دے دی ہے

پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا: میں بھی سر دست اسے امان دیتا ہوں، کل آپ (ص) اسے میرے پاس لے آئیں اگلے دن جب عباس اسے پیغمبر (ص) کی خدمت میں لائے تو رسول اللہ (ص) نے اس سے فرمایا:"اے ابوسفیان وائے ہو تجھ پر، کیا وہ وقت ابھی نہیں آیا کہ تو خدائے یگانہ پر ایمان لے آئے"_

اس نے عرض کیا: ہاں ے ارسول خدا (ص) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا یگانہ ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اگر بتوں سے کچھ ہو سکتا تو میں یہ دن نہ دیکھتا_

آنحضرت نے فرمایا:"کیا وہ موقع نہیں آیا کہ تو جان لے کہ میں اللہ کا رسول ہوں"_

اس نے عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ابھی اس بارے میں میرے دل میں کچھ شک و شبہ موجود ہے لیکن آخر کار ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں میں سے دو آدمی مسلمان ہوگئے_

پیغمبر اکرم (ص) نے عباس سے فرمایا:

"ابوسفیان کو اس درہ میں جو مکہ کی گزرگاہ ہے، لے جائو تاکہ خدا کا لشکر وہاں سے گزرے اور یہ دیکھ لے"_

عباس نے عرض کیا:"ابوسفیان ایک جاہ طلب آدمی ہے، اسکو کوئی امتیازی حیثیت دے دیجئے"پیغمبر (ص) نے فرمایا:"جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے وہ امان میں ہے، جو شخص مسجد الحرام میں پناہ لے لے وہ امان میں ہے، جو شخص اپنے گھر کے اندر رہے اور دروازہ بند کرلے وہ بھی امان میں ہے"_

بہر حال جب ابوسفیان نے اس لشکر عظیم کو دیکھا تو اسے یقین ہوگیا کہ مقابلہ کرنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہی او راس نے عباس کی طرف رخ کرکے کہا: آپ کے بھتیجے کی سلطنت بہت بڑی ہوگئی ہے، عباس نے کہا: وائے ہو تجھ پر یہ سلطنت نہیں نبوت ہے_

اس کے بعد عباس نے اس سے کہا کہ اب تو تیزی کے ساتھ مکہ والوں کے پاس جاکر انہیں لشکر اسلام کا مقابلہ کرنے سے ڈرا_

ابوسفیان: لوگوں کو تسلیم ہونے کی دعوت کرتا ہے

ابوسفیان نے مسجدالحرام میں جاکر پکار کر کہا:

"اے جمعیت قریش محمد ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ تمہاری طرف آیا ہے، تم میں اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے، اس کے بعد اس نے کہا: جو شخص میرے گھر میں داخل ہوجائے وہ امان میں ہے،جو شخص مسجد الحرام میں چلا جائے وہ بھی امان میں ہے اور جو شخص اپنے گھر میں رہتے ہوئے گھر کا دروازہ بند کرے وہ بھی امان میں ہے"_

اس کے بعد اس نے چیخ کر کہا: اے جمعیت قریش اسلام قبول کرلو تا کہ سالم رہو اور بچ جائو، اس کی بیوي"ہندہ" نے اس کی داڑھی پکڑلی اور چیخ کر کہا:اس بڈھے احمق کو قتل کردو_

ابوسفیان نے کہا: میری داڑھی چھوڑدے_ خدا کی قسم اگر تو اسلام نہ لائي تو تو بھی قتل ہو جائے گي،جاکر گھر میں بیٹھ جا_

علی علیہ السلام کے قدم دوش رسول (ص) پر

اس کے بعد پیغمبر اسلام (ص) لشکر اسلام کے ساتھ روانہ ہوئے اور"ذوی طوي" کے مقام تک پہنچ گئے،وہی بلند مقام جہاں سے مکہ کے مکانات صاف نظر آتے ہیں ،پیغمبر (ص) کو وہ دن یاد آگیا جب آپ مجبور ہوکر مخفی طورپر مکہ سے باہر نکلے تھے، لیکن آج دیکھ رہے ہیں کہ اس عظمت کے ساتھ داخل ہورہے ہیں،تو آپ نے اپنی پیشانی مبارک اونٹ کے کجاوے کے اوپر رکھ دی اور سجدہ شکر بجا لائے،اس کے بعد پیغمبر اکرم(ص) "حجون" میں (مکہ کے بلند مقامات میں سے وہ جگہ جہاں خدیجہ(ع) کی قبر ہے) اترے، غسل کر کے اسلحہ اور لباس جنگ پہن کر اپنی سواری پر سوار ہوئے،سورہ فتح کی قرائت کرتے ہوئے مسجدالحرام میں داخل ہوئے اور آواز تکبیر بلند کي، لشکر اسلام نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا تو اس سے سارے دشت و کوہ گونج اٹھے_ اس کے بعد آپ اپنے اونٹ سے نیچے اترے اور بتوں کو توڑنے کے لئے خانہ کعبہ کے قریب آئے، آپ یکے بعد

دیگرے بتوں کو سرنگوں کرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے:

"جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل کان زهوقاً"

"حق آگیا اور باطل ہٹ گیا، اور باطل ہے ہی مٹنے والا"_

کچھ بڑے بڑے بت کعبہ کے اوپر نصب تھے، جن تک پیغمبر(ص) کا ہاتھ نہیں پہنچتا تھا، آپ(ص) نے امیرالمومنین علی علیہ السلام کو حکم دیا وہ میرے دوش پر پاؤں رکھ کر اوپر چڑھ جائیں اور بتوں کو زمین پر گرا کر توڑ ڈالیں، علی علیہ السلام نے آپ کے حکم کی اطاعت کی_

اس کے بعد آپ نے خانہ کعبہ کی کلید لے کر دروازہ کھولا اور انبیاء کی ان تصویروں کو جو خانہ کعبہ کے اندر درودیوار پر بنی ہوئی تھیں، محو کردیا_ اس سریع اور شاندار کامیابی کے بعد پیغمبر(ص) نے خانہ کعبہ کے دروازے کے حلقہ میں ہاتھ ڈالا اور وہاں پر موجود اہل مکہ کی طرف رخ کرکے فرمایا:

"اب بتلاؤ تم کیا کہتے ہو؟ اور تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے بارے میں کیا حکم دوں گا؟ انہوں نے عرض کیا: ہم آپ سے نیکی اور بھلائی کے سوا اور کوئی توقع نہیں رکھتے آپ(ص) ہمارے بزرگوار بھائی اور ہمارے بزرگوار بھائی کے فرزند ہیں، آج آپ برسر اقتدار آگئے ہیں، ہیں بخش دیجئے، پیغمبر(ص) کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبانے لگے اور مکہ کے لوگ بھی بلند آواز کے ساتھ رونے لگے_

پیغمبر اکرم(ص) نے فرمایا: "میں تمہارے بارے میں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کی تھی کہ آج تمہارے اوپر کسی قسم کی کوئی سرزنش اور ملامت نہیں ہے، خدا تمہیں بخش دے گا، وہ الرحم الراحمین ہے"_[۱]

اور اس طرح سے آپ نے ان سب کو معاف کردیا اور فرمایا: "تم سب آزاد ہو، جہاں چاہو جاسکتے ہو"_

---

(۱)سورہ یوسف آیت ۹۲

آج کا دن روز رحمت ہے

پیغمبر (ص) نے یہ حکم دیا تھا کہ آپ کے لشکری کسی سے نہ الجھیں۔اور بالکل کوئي خون نہ بہایا جائے_ ایک روایت کے مطابق صرف چھ افراد کو مستثنی کیا گیا جو بہت ہی بدزبان اور خطرناک لوگ تھے_

یہاں تک کہ جب آپ (ص) نے یہ سنا کہ لشکر اسلام کے علمدار"سعد بن عبادہ نے انتقام کا نعرہ بلند کیا ہے اور وہ یہ کہہ رہا ہے کہ:" آج انتقام کا دن ہے" تو پیغمبر (ص) نے علی علیہ السلام سے فرمایا، "جلدی سے جاکر اس سے علم لے کر یہ نعرہ لگائو کہ:

" آج عفو و بخشش اور رحمت کا دن ہے"_

اور اس طرح مکہ کسی خونریزی کے بغیر فتح ہوگیا، عفوو رحمت اسلام کی اس کشش نے، جس کی انہیں بالکل توقع نہیں تھي، دلوں پر ایسا اثر کیا کہ لوگ گروہ در گروہ آکر مسلمان ہوگئے، اس عظیم فتح کی صدا تمام جزائر عربستان میں جاپہنچي، اسلام کی شہرت ہر جگہ پھیل گئي اور مسلمانوں اور اسلام کی ہر جہت سے دھاک بیٹھ گئي_

جب پیغمبر اکرم (ص) خانہ کعبہ کے دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا:

"خدا کے سوا اور کوئي معبود نہیں ہے، وہ یکتا اور یگانہ ہے، اس نے آخر کار اپنے وعدہ کو پورا کردیا، اور اپنے بندہ کی مددکي، اور اس نے خود اکیلے ہی تمام گروہوں کو شکست دے دي، ان لوگوں کا ہر مال، ہر امتیاز، اورہر وہ خون جس کا تعلق ماضی اور زمانہ جاہلیت سے ہے، سب کے سب میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہیں"_

(یعنی زمانہ جاہلیت میں ہوئے خون خرابہ کو بھول جاو، غارت شدہ اموال کی بات نہ کرو اور زمانہ جاہلیت کے تمام امتیازات کو ختم کرڈالو، خلاصہ گذشتہ فائلوں کو بند کردیا جائے_)

یہ ایک بہت ہی اہم اور عجیب قسم کی پیش نہاد تھی جس میں عمومی معافی کے فرمان سے حجاز کے لوگوں کو

ان کے تاریک اور پُر ماجرا ماضی سے کاٹ کر رکھ دیا اور انہیں اسلام کے سائے میں ایک نئي زندگی بخشی جو ماضی سے مربوط کشمکشوں اور جنجالوں سے مکمل طور پر خالی تھي۔

اس کام نے اسلام کی پیش رفت کے سلسلہ میں بہت زیادہ مدد کی اور یہ ہمارے آج اور آنے والے کل کے لئے ایک دستور العمل ہے۔

عورتوں کی بیعت کے شرائط

پیغمبر اکرم (ص) نے کوہ صفا پر قیام فرمایا، اور مردوں سے بیعت لي، بعدہ مکہ کی عورتیں جو ایمان لے آئي تھیں بیعت کرنے کے لئے آپ (ص) کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو وحی الہی نازل ہوئي اور ان کی بیعت کی تفصیل بیان کی۔

روئے سخن پیغمبر (ص) کی طرف کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"اے پیغمبر جب مومن عورتیں تیرے پاس آئیں اور ان شرائط پر تجھ سے بیعت کرلیں کہ وہ کسی چیز کو خدا کا شریک قرار نہیں دیں گي، چوری نہیں کریں گی، زنا سے آلودہ نہیں ہوں گي، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گي، اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے آگے کوئي افتراء اور بہتان نہیں باندھیں گی اور کسی شائستہ حکم میں تیری نافرمانی نہیں کریں گی تو تم ان سے بیعت لے لو اور ان کے لئے بخشش طلب کرو، بیشک خدا بخشنے، والا اور مہربان ہے۔"[۱]

اس کے بعد پیغمبر (ص) نے ان سے بیعت لي۔

بیعت کی کیفیت کے بارے میں بعض مورخین نے لکھا ہے کہ پیغمبر (ص) نے پانی کا ایک برتن لانے کا حکم دیا اور اپنا ہاتھ پانی کے اس برتن میں رکھ دیا، عورتیں اپنے ہاتھ برتن کے دوسری طرف رکھ دیتی تھیں، جب کہ بعض نے کہا ہے پیغمبر (ص) لباس کے اوپر سے بیعت لیتے تھے۔

---

(۱) سورہ ممتحنہ آیت ۱۲

ابو سفیان کی بیوی ہندہ کی بیعت کا ماجرا

فتح مکہ کے واقعہ میں جن عورتوں نے پیغمبر (ص) کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت کی ان میں سے ایک ابو سفیان کی بیوي "ہندہ" تھي، یعنی وہ عورت جس کی طرف سے تاریخ اسلام بہت سے دردناک واقعات محفوظ رکھے ہوئے ہے، ان میں سے ایک میدان احد میں حمزہ سید الشہداء (ع) کی شہادت کا واقعہ ہے کہ جس کی کیفیت بہت ہی غم انگیز ہے۔

اگرچہ آخرکار وہ مجبور ہوگئي کہ اسلام اور پیغمبر اسلام (ص) کے سامنے گھٹنے ٹیک دے اور ظاہراً مسلمان ہو جائے لیکن اسکی بیعت کا ماجرا بتاتا ہے کہ وہ حقیقت میں اپنے سابقہ عقائد کی اسی طرح وفادار تھی، لہذا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کہ بنی امیہ کا خاندان اور ہندہ کی اولاد نے پیغمبر (ص) کے بعد اس قسم کے جرائم کا ارتکاب کیا کہ جن کی سابقہ زمانہ میں کوئي نظیر نہیں ملتی۔

بہر حال مفسرین نے اس طرح لکھا ہے کہ ہندہ نے اپنے چہرے پر نقاب ڈالا ہوا تھا وہ پیغمبر (ص) کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئي جب آپ کوہ صفا پر تشریف فرما تھے اور عورتوں کی ایک جماعت ہندہ کے ساتھ تھي، جب پیغمبر (ص) نے یہ فرمایاکہ میں تم عورتوں سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم کسی چیز کو خدا کا شریک قرار نہیں دو گي، تو ہندہ نے اعتراض کیا اور کہا:"آپ ہم سے ایسا عہد لے رہے ہیں جو آپ نے مردوں سے نہیں لیا، (کیونکہ اس دن مردوں سے صرف ایمان اورجہادپر بیعت لی گئي تھی)۔

پیغمبر (ص) نے اس کی بات کی پرواہ کئے بغیر اپنی گفتگو کو جاری فرمایا:"کہ تم چوری بھی نہیں کرو گي،"ہندہ نے کہا: ابو سفیان کنجوس اوربخیل آدمی ہے میں نے اس کے مال میں سے کچھ چیزیں لی ہیں، میں نہیں جانتی کہ وہ انھیں مجھ پر حلال کرے گا یا نہیں ابو سفیان موجود تھا، اس نے کہا: جو کچھ تو نے گذشتہ زمانہ میں میرے مال میں سے لے لیا ہے وہ سب میں نے حلال کیا، (لیکن آئندہ کے لئے پابندی کرنا)۔

اس موقع پر پیغمبر (ص) ہنسے اور ہندہ کو پہچان کر فرمایا:"کیا تو ہندہ ہے"؟ اس نے کہا: جی ہاں، یا

رسول اللہ پچھلے امور کو بخش دیجئے خدا آپ کو بخشے"_

پیغمبر (ص) نے اپنی گفتگو کو جاری رکھا:"اور تم زنا سے آلودہ نہیں ہوگي،"ہندہ نے تعجب کرتے ہوئے کہا:"کیا آزاد عورت اس قسم کا عمل بھی انجام دیتی ہے؟"حاضرین میں سے بعض لوگ جو زمانہ جاہلیت میں اس کی حالت سے واقف تھے اس کی اس بات پر ہنس پڑے کیونکہ ہندہ کا سابقہ زمانہ کسی سے مخفی نہیں تھا_

پھر پیغمبر (ص) نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

"اور تم اپنی اولاد کو قتل نہیں کروگی"_

ہند نے کہا:"ہم نے تو انھیں بچپن میں پالا پوسا تھا،مگر جب وہ بڑے ہوئے تو آپ نے انھیں قتل کردیا، اب آپ اور وہ خود بہتر جانتے ہیں"_(اس کی مراد اس کا بیٹا "حنظلہ"تھا جو بدر کے دن علی علیہ السلام کے ہاتھوں مارا گیا تھا_)

پیغمبر (ص) نے اس کی اس بات پر تبسم فرمایا، اور جب آپ اس بات پر پہنچے اور فرمایا:

"تم بہتان اور تہمت کو روا نہیں رکھوگی"_

تو ہندہ نے کہا:"بہتان قبیح ہے اور آپ ہمیں صلاح و درستی ،نیکی اور مکارم اخلاق کے سوا اور کسی چیز کی دعوت نہیں دیتے"_

جب آپ نے یہ فرمایا:

"تم تمام اچھے کاموں میں میرے حکم کی اطاعت کروگی"_تو ہندہ نے کہا:"ہم یہاں اس لئے نہیں بیٹھے ہیں کہ ہمارے دل میں آپ کی نافرمانی کا ارادہ ہو"_

(حالانکہ مسلمہ طورپر معاملہ اس طرح نہیں تھا، لیکن تعلیمات اسلامی کے مطابق پیغمبر (ص) اس بات کے پابند تھے کہ ان کے بیانات کو قبول کرلیں_

۱۰ حضرت رسول اکرم (ص)

پیغمبر (ص) کے خطوط دنیا کے بادشاہوں کے نام

تاریخ اسلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سرزمین حجاز میں اسلام کافی نفوذ کرچکا تو پیغمبر اکرم (ص) نے اس زمانے کے بڑے بڑے حکمرانوں کے نام کئي خطوط روانہ کیے_ ان میں بعض خطوط میں کا سہارا لیا گیا ہے،جس میں آسمانی ادیان کی قدر مشترک کا تذکرہ ہے_

مقوقس(۱)

کے نام خط مقوقس مصر کا حاکم تھا پیغمبر اسلام (ص) نے دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں اور حکام کو خطوط لکھے اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دي، حاطب بن ابی بلتعہ کو حاکم مصر مقوقس کی طرف یہ خط دے کر روانہ کیا_

بسم الله الرحمن الرحيم

من: محمد بن عبدالله

الي: المقوقس عظيم القبط

سلام على من اتبع الهدى ،اما بعد:"فانی ادعوك بدعاية‌الاسلام

اسلم تسلم،يو تك الله اجرك مرتين، فان توليت فانما عليكم اثم

---

(۱)"مقوقس"(بہ ضم میم و بہ فتحہ ہردو "قاف")"ہرقل "بادشاہ روم کی طرف سے مصر کا والی تھا_

القبط ، . . . يا اهل الكتب تعالواالى كلمة سواء بيننا و بينكم" ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئاً ولا تتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون الله ،فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون"_

اللہ کے نام سے جو بخشنے والا بڑا مہربان ہے_

از___ محمد بن عبد اللہ

بطرف___ قبطیوں کے مقوقس بزرگ_

حق کے پیروکاروں پر سلام ہو_

میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں_ اسلام لے آئو تاکہ سالم رہو_ خدا تجھے دوگنا اجر دے گا_ (ایک خود تمہارے ایمان لانے پر اوردوسراان لوگوں کی وجہ سے جو تمہاری پیروی کرکے ایمان لائیں گے) اوراگر تو نے قانون اسلام سے روگردانی کی تو قبطیوں کے گناہ تیرے ذمہ ہوں گے__ اے اہل کتاب ہم تمہیں ایک مشترک بنیادکی طرف دعوت دیتے ہیں اوروہ یہ کہ ہم خدائے یگانہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک قرار نہ دیں حق سے روگردانی نہ کریں تو ان سے کہو کہ گواہ رہو ہم تم مسلمان ہیں"_

پیغمبر (ص) کا سفیر مصر کی طرف روانہ ہوا، اسے اطلاع ملی کہ حاکم مصر اسکندریہ میں ہے لہذا وہ اس وقت کے ذرائع آمدورفت کے ذریعے اسکندریہ پہنچا اورمقوقس کے محل میں گیا، حضرت کا خط اسے دیا، مقوقس نے خط کھول کرپڑھا کچھ دیر تک سوچتا رہا، پھر کہنے لگا:"اگر واقعاً محمد(ص) خدا کا بھیجا ہوا ہے تو اس کے مخالفین اسے اس کی پیدائش کی جگہ سے باہر نکالنے میں کیوں کامیاب ہوئے اوروہ مجبور ہوا کہ مدینہ میں سکونت اختیار کرے؟ ان پر نفرین اور بد دعا کیوں نہیں کی تاکہ وہ نابود ہو جاتے؟"

پیغمبر (ص) کے قاصد نے جواباً کہا:

"حضرت عیسی علیہ السلام خدا کے رسول تھے اور آپ بھی ان کی حقانیت کی گواہی دیتے ہیں، بنی اسرائیل نے جب ان کے قتل کی سازش کی توآپ نے ان پر نفرین اور بد دعا کیوں نہیں کی تاکہ خدا انہیں

ہلاک کردیتا؟

یہ منطق سن کر مقوقس تحسین کرنے لگا اور کہنے لگا :

"احسنت انت حکیم من عند حکیم "

"افرین ہے، تم سمجھ دار ہو اور ایک صاحب حکمت کی طرف سے ائے ہو"

حاطب نے پھر گفتگو شروع کی اور کہا :

"اپ سے پہلے ایک شخص (یعنی فرعون) اس ملک پر حکومت کرتا تھا، وہ مدتوں لوگوں میں اپنی خدائي کا سودا بیچتا رہا ،بالاخر اللہ نے اسے نابود کردیا تاکہ اس کی زندگی اپ کے لئے باعث عبرت ہو لیکن اپ کوشش کریں کہ اپ کی زندگی دوسروں کے لئے نمونہ بن جائے"_

"پیغمبر (ص) نے ہمیں ایک پاکیزہ دین کی طرف دعوت دی ہے، قریش نے ان سے بہت سخت جنگ کی او ران کے مقابل صف آراء ہوئے، یہودی بھی کینہ پروری سے ان کے مقابلے میں آکھڑے ہوئے او راسلام سے زیادہ نزدیک عیسائي ہیں_ "

مجھے اپنی جان کی قسم جیسے حضرت موسی علیہ السلام نے حضرت عیسی علیہ السلام کی نبوت کی بشارت دی تھی اس طرح حضرت عیسی علیہ السلام حضرت محمد کے بشر تھے، ہم آپ لوگوں نے توریت کے ماننے والوں کو انجیل کی دعوت دی تھی، جوقوم پیغمبر حق کی دعوت کو سنے اسے چاہئے کہ اس کی پیروی کرے، ہیں نے محمد کی دعوت آپ کی سرزمین تک پہنچادی ہے، مناسب یہی ہے کہ آپ او رمصری قوم یہ دعوت قبول کرلے"_

حاطب کچھ عرصہ اسکندریہ ہی میں ٹھہرا تاکہ رسول اللہ (ص) کے خط کا جواب حاصل کرے، چند روز گزر گئے، ایک دن مقوقس نے حاطب کو اپنے محل میں بلایا او رخواہش کی کہ اسے اسلام کے بارے میں کچھ مزید بتایا جائے_

حاطب نے کہا:

"محمد (ص) ہمیں خدانے یکتائي پرستش کی دعوت دیتے ہیں او رحکم دیتے ہیں کہ لوگ روزوشب

میں پانچ مرتبہ اپنے پروردگار سے قریبی رابطہ پیدا کریں اورنماز پڑھیں ،پیمان پورے کریں ، خون او رمردار کھانے سے اجتناب کریں"۔

علاوہ ازیں حاطب نے پیغمبر اسلام (ص) کی زندگی کی بعض خصوصیات بھی بیان کیں ۔

مقوقس کہنے لگا:

"یہ تو بڑی اچھی نشانیاں ہیں۔ میرا خیال تھا کہ خاتم النبیین سرزمین شام سے ظہور کریں گے جو انبیاء علیہم السلام کی سرزمین ہے، اب مجھ پر واضح ہوا کہ وہ سرزمین حجاز سے مبعوث ہوئے ہیں"۔

اس کے بعد اس نے اپنے کاتب کو حکم دیا کہ وہ عربی زبان میں اس مضمون کا خط تحریر کرے:

بخدمت : محمدبن عبد اللہ ۔

منجانب: قبطیوں کے بزرگ مقوقس ۔

"آپ پر سلام ہو،میں نے آپ کا خط پڑھا ،آپ کے مقصد سے باخبر ہوا او رآپ کی دعوت کی حقیقت کو سمجھ لیا،میں یہ تو جانتا تھا کہ ایک پیغمبر(ص) ظہور کرے گا لیکن میرا خیال تھا کہ وہ خطہ شام سے مبعوث ہوگا، میں آپ کے قاصد کا احترام کرتا ہوں"۔

پھر خط میں ان ہدیوں اور تحفوں کی طرف اشارہ کیا جواس نے آپ کی خدمت میں بھیجے،خط اس نے ان الفاظ پر تمام کیا۔

"آپ پر سلام ہو"

تاریخ میں ہے کہ مقوقس نے کوئي گیارہ قسم کے ہدیے پیغمبر(ص) کے لئۓ بھیجے، تاریخ اسلام میں ان کی تفصیلات موجودہیں ، ان میں سے ایک طبیب تھا تاکہ وہ بیمار ہونے والے مسلمانوں کا علاج کرے، نبی اکرم (ص) نے دیگرہدیۓ قبول فرمایائے لیکن طبیب کو قبول نہ کیا او رفرمایا:"ہم ایسے لوگ ہیں کہ جب تک بھوک نہ لگے کھانا نہیں کھاتے او رسیر ہونے سے پہلے کھانے سے ہاتھ روک لیتے ہیں ،یہی چیز ہماری صحت و سلامتی کے لئۓ کافی ہے، شاید صحت کے اس عظیم اصول کے علاوہ پیغمبر اسلام (ص) اس طبیب کی وہاں

موجودگی کو درست نہ سمجھتے ہوں کیونکہ وہ ایک متعصب عیسائی تھا لہذا آپ نہیں چاہتے تھے کہ اپنی اور مسلمانوں کی جان کا معاملہ اس کے سپرد کردیں۔

مقوقس نے جو سفیر پیغمبر (ص) کا احترام کیا، آپ کے لئے ہدیے بھیجے اور خط میں نام محمد اپنے نام سے مقدم رکھا یہ سب اس بات کی حکایت کرتے ہیں کہ اس نے آپ کی دعوت کو باطن میں قبول کرلیا تھا یا کم از کم اسلام کی طرف مائل ہوگیا تھا لیکن اس بناء پر کہ اس کی حیثیت اور روقعت کو نقصان نہ پہنچے ظاہری طور پر اس نے اسلام کی طرف اپنی رغبت کا اظہار نہ کیا۔

قیصر روم کے نام خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من:محمد بن عبداللہ

الي: هرقل عظيم الرّوم

سلام علی من اتبع الھدی

اما بعد:فانی ادعوك بدعايةالاسلام_

اسلم تسلم،یو تك الله اجرك مرتين، فان توليت فانما عليكم اثم القبط،ــــــ یا اھل الكتب تعالواالی كلمة سواء بيننا و بينكم" ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئاً ولا تتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون الله ،فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون"_

اللہ کے نام سے جو بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

منجانب: محمدبن عبد اللہ۔

بطرف: ہرقل بادشاہ روم۔

"اس پر سلام ہے جو ہدایت کی پیروی کرے۔ میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آئو تاکہ سالم رہو۔ خدا تجھے دوگنا اجر دے گا۔ (ایک خود تمہارے ایمان لانے پر اوردوسراان لوگوں کی وجہ سے جو تمہاری پیروی کرکے ایمان لائیں گے) اور اگر تونے قانون اسلام سے روگردانی کی تو اریسوں کا گناہ بھی تیری گردن پر ہوگا۔ اے اہل کتاب ہم تمہیں ایک مشترک بنیادکی طرف دعوت دیتے ہیں اور وہ یہ کہ ہم خدائے یگانہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک قرار نہ دیں حق سے روگردانی نہ کریں تو ان سے کہو کہ گواہ رہو ہم تم مسلمان ہیں"۔

قیصر کے پاس نبی اکرم (ص) کا پیغام پہنچانے کے لئے "دحیہ کلبي" مامور ہوا سفیر پیغمبر(ص) عازم روم ہوا۔

قیصر کے دارالحکومت قسطنطنیہ پہنچنے سے پہلے اسے معلوم ہوا کہ قیصربیت المقدس کی زیارت کے ارادے سے قسطنطنیہ چھوڑ چکا ہے، لہذا اس نے بصری کے گورنر حادث بن ابی شمر سے رابطہ پیدا کیا اور اسے اپنا مقصد سفر بتایا ظاہراً پیغمبر اکرم (ص) نے بھی اجازت دے رکھی تھی کہ دحیہ وہ خط حاکم بصری کو دیدے تاکہ وہ اسے قیصرتک پہنچادے سفیر پیغمبر (ص) نے گورنر سے رابطہ کیا تو اس نے عدی بن حاتم کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ وہ دحیہ کے ساتھ بیت المقدس کی طرف جائے اور خط قیصر تک پہنچادے مقام حمص میں سفیر کی قیصر سے ملاقات ہوئی لیکن ملاقات سے قبل شاہی دربار کے کارکنوں نے کہا:

"تمہیں قیصر کے سامنے سجدہ کرنا پڑے گا ورنہ وہ تمہاری پرواہ نہیں کرے گا"

دحیہ ایک سمجھدار آدمی تھا کہنے لگا:

"میں ان غیر مناسب بدعتوں کو ختم کرنے کے لئے اتنا سفر کر کے آیا ہوں۔ میں اس مراسلے کے بھیجنے والے کی طرف سے آیا ہوں تاکہ قیصر کو یہ پیغام دوں کہ بشر پرستی کو ختم ہونا چاہئے اور خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہیں ہونی چاہیے، اس عقیدے کے باوجود کیسے ممکن ہے کہ میں غیر خدا کے لئے سجدہ

کروں"_

پیغمبر (ص) کے قاصد کی قوی منطق سے وہ بہت حیران ہوئے ،درباریوں میں سے ایک نے کہا:

"تمہیں چاہیئے کہ خط بادشاہ کی مخصوص میز پر رکھ کر چلے جائو، اس میز پر رکھے ہوئے خط کو قیصر کے علاوہ کوئی نہیں اٹھا سکتا"_

دحیہ نے اس کا شکریہ ادا کیا ،خط میز پر رکھا اور خودواپس چلا گیا، قیصر نے خط کھولا ،خط نے جو"بسم اللہ" سے شروع ہوتا تھا اسے متوجہ کیا اور کہنے لگا_

"حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کے سوا آج تک میں نے ایسا خط نہیں دیکھا"

اس نے اپنے مترجم کو بلایا تا کہ وہ خط پڑھے اور اس کا ترجمہ کرے ،بادشاہ روم کو خیال ہوا کہ ہو سکتا ہے خط لکھنے والا وہی نبی ہو جس کا وعدہ انجیل اور توریت میں کیا گیا ہے، وہ اس جستجو میں لگ گیا کہ آپ کی زندگی کی خصوصیات معلوم کرے، اس نے حکم دیا کہ شام کے پورے علاقے میں چھان بین کی جائے،شاید محمد کے رشتہ داروں میں سے کوئی شخص مل جائے جو ان کے حالات سے واقف ہو ،اتفاق سے ابوسفیان اور قریش کا ایک گروہ تجارت کے لئے شام آیا ہوا تھا، شام اس وقت سلطنت روم کا مشرقی حصہ تھا، قیصر کے آدمیوں نے ان سے رابطہ قائم کیا اور انہیں بیت المقدس لے گئے، قیصر نے ان سے سوال کیا :

کیا تم میں سے کوئی محمد کا نزدیکی رشتہ دار ہے ؟

ابو سفیان نے کہا :

میں اور محمد ایک ہی خاندان سے ہیں اور ہم چوتھی پشت میں ایک درسرے سے مل جاتے ہیں _

پھر قیصر نے اس سے کچھ سوالات کئے دونوں میں یوں گفتگو ہوئی"

قیصر: اس کے بزرگوں میں سے کوئی حکمران ہوا ہے؟

ابوسفیان: نہیں_

قیصر: کیا نبوت کے دعوی سے پہلے وہ جھوٹ بولنے سے اجتناب کرتا تھا؟

ابو سفیان: ہاں محمد راست گو اور سچا انسان ہے۔

قیصر: کونسا طبقہ اس کا مخالف ہے اور کونسا موافق؟

ابو سفیان: اشراف اس کے مخالف ہیں، عام اور متوسط درجے کے لوگ اسے چاہتے ہیں۔

قیصر: اس کے پیروکاروں میں سے کوئی اس کے دین سے پھرا بھی ہے؟

ابو سفیان: نہیں۔

قیصر: کیا اس کے پیروکار روز بروز بڑھ رہے ہیں؟

ابو سفیان: ہاں۔

اس کے بعد قیصر نے ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں سے کہا:

"اگر یہ باتیں سچی ہیں تو پھر یقینا وہ پیغمبر موعود ہیں، مجھے معلوم تھا کہ ایسے پیغمبر کا ظہور ہوگا لیکن مجھے یہ پتہ نہ تھا کہ وہ قریش میں سے ہوگا، میں تیار ہوں کہ اس کے لئے خضوع کروں اور احترام کے طور پر اس کے پائوں دھووں، میں پیش گوئی کرتا ہوں کہ اس کا دین اور حکومت سرزمین روم پر غالب آئے گی"۔

پھر قیصر نے دحیہ کو بلایا اور اس سے احترام سے پیش آیا، پیغمبر اکرم (ص) کے خط کا جواب لکھا اور آپ کے لئے دحیہ کے ذریعے ہدیہ بھیجا اور آپ کے نام اپنے خط میں آپ سے اپنی عقیدت اور تعلق کا اظہار کیا۔

یہ بات جاذب نظر ہے کہ جس وقت پیغمبر اکرم (ص) کا قاصد آنحضرت (ص) کا خط لے کر قیصر روم کے پاس پہونچا تو اس نے خصوصیت کے ساتھ آپ کے قاصد کے سامنے اظہار ایمان کیا یہاں تک کہ وہ رومیوں کو اس دین توحید و اسلام کی دعوت دینا چاہتا تھا، اس نے سوچا کہ پہلے ان کی آزمائش کی جائے، جب اس کی فوج نے محسوس کیا کہ وہ عیسائیت کو ترک کردینا چاہتا ہے تو اس نے اس کے قصر کا محاصرہ کرلیا، قیصر نے ان سے فوراً کہا کہ میں تو تمہیں آزمانا چاہتا تھا اپنی جگہ واپس چلے جائو۔

جنگ ذات السلاسل

ہجرت کے آٹھویں سال پیغمبر اکرم (ص) کو خبر ملی کہ بارہ ہزار سوار سرزمین "یابس"میں جمع ہیں ، اور انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ یہ عہد کیا ہے کہ جب تک پیغمبر اکرم (ص) اور علی علیہ السلام کو قتل نہ کرلیں اور مسلمانوں کی جماعت کو منتشر نہ کردیں آرام سے نہیں بیٹھیں گے_ پیغمبر اکرم (ص) نے اپنے اصحاب کی ایک بہت بڑی جماعت کو بعض صحابہ کی سرکردگی میں ان کی جانب روانہ کیا لیکن وہ کافی گفتگو کے بعد بغیر کسی نتیجہ کے واپس آئے_

آخر کار پیغمبر اکرم (ص) نے علی علیہ السلام کو مہاجرین وانصار کے ایک گروہ کثیر کے ساتھ ان سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا، وہ بڑی تیزی کے ساتھ دشمن کے علاقہ کی طرف روانہ ہوئے اور رات بھر میں سارا سفر طے کر کے صبح دم دشمن کو اپنے محاصرہ میں لے لیا، پہلے تو ان کے سامنے اسلام کو پیش کیا، جب انہوں نے قبول نہ کیا تو ابھی فضا تاریک ہی تھی کہ ان پر حملہ کردیا اور انہیں درھم برھم کرکے رکھ دیا، ان میں سے کچھ لوگوں کو قتل کیا ، ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کرلیا اور بکثرت مال غنیمت کے طور پر حاصل کیا_

سورہ "والعادیات"نازل ہوئي حالانکہ ابھی سربازان اسلام مدینہ کی طرف لوٹ کر نہیں آئے تھے ،پیغمبر خدا (ص) اس دن نماز صبح کے لئے آئے تو اس سورہ کی نماز میں تلاوت کي، نماز کے بعد صحابہ نے عرض کیا، یہ تو ایسا سورہ ہے جسے ہم نے آج تک سنا نہیں ہے_ آپ نے فرمایا: ہاں علی علیہ السلام دشمنوں پر فتح یاب ہوئے ہیں اور جبرئیل نے گزشتہ رات یہ سورہ لاکر مجھے بشارت دی ہے_ کچھ دن کے بعد علی علیہ السلام غنائم اور رقیدیوں کے ساتھ مدینہ میں وارد ہوئے_[1]

---

(۱)بعض کا نظریہ یہ ہے کہ یہ واقعہ اس سورہ کے واضح مصادیق میں سے ایک ہے، یہ اس کا شان نزول نہیں ہے_

جنگ حنین (۱)

اس جنگ کی ابتداءیوں ہوئی کہ جب "ہوازن" جو بہت بڑا قبیلہ تھا اسے فتح مکہ کی خبر ہوئی تو اس کے سردار مالک بن عوف نے افراد قبیلہ کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ ممکن ہے فتح مکہ کے بعد محمد ان سے جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہو، کہنے لگے کہ مصلحت اس میں ہے کہ اس سے قبل کہ وہ ہم سے جنگ کرے ہمیں قدم آگے بڑھانا چاہئے ۔

رسول اللہ (ص) کو یہ اطلاع پہونچی تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ سرزمین ہوازن کی طرف چلنے کو تیار ہو جائیں ۔

۱ ہجری رمضان المبارک کے آخری دن تھے یا شوال کا مہینہ تھا کہ قبیلہ ہوازن کے افراد سردار "مالک بن عوف" کے پاس جمع ہوئے اور اپنا مال ، اولاد او رعورتیں بھی اپنے ساتھ لے آئے تاکہ مسلمانوں سے جنگ کرتے وقت کسی کے دماغ میں بھاگنے کا خیال نہ آئے، اسی طرح سے وہ سرزمین "اوطاس" میں وارد ہوئے ۔

پیغمبر اسلام (ص) نے لشکر کا بڑا علم باندھ کر علی علیہ السلام کے ہاتھ میں دیا او روہ تمام افراد جو فتح مکہ کے موقع پر اسلامی فوج کے کسی دستے کے کمانڈر تھے آنحضرت (ص) کے حکم سے اسی پرچم کے نیچے حنین

---

(۱)ذیل آیات ۲۵ تا ۲۷ سورہ توبہ

کے میدان کی طرف روانہ ہوئے_

رسول اللہ (ص) کو اطلاع ملی کہ "صفوان بن امیہ" کے پاس ایک بڑی مقدار میں زرہیں ہیں آپ نے کسی کو اس کے پاس بھیجا اور اس سے سو زرہیں عاریتاً طلب کي، صفوان نے پوچھا واقعاً عاریتاً یا غصب کے طورپر_ رسول اللہ (ص) نے فرمایا: عاریتاً ہیں اور ہم ان کے ضامن ہیں کہ صحیح و سالم واپس کریں گے_

صفوان نے زرہیں عاریتاً پیغمبر اکرم (ص) کودے دیں اور خود بھی آنحضرت (ص) کے ساتھ چلا_

فوج میں کچھ ایسے افراد تھے جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا، ان کے علاوہ دس ہزار وہ مجاہدین اسلام تھے جو پیغمبر اکرم(ص) کے ساتھ فتح مکہ کے لئے آئے تھے ، یہ تعداد مجموعاً بارہ ہزار بنتی ہے، یہ سب میدان جنگ کی طرف چل پڑے_

دشمن کے لشکر کا مورچہ

"مالک بن عوف" ایک مرد جری اور ہمت و حوصلے والا انسان تھا، اس نے اپنے قبیلے کو حکم دیا کہ اپنی تلواروں کے نیام توڑ ڈالیں اور پہاڑ کی غاروں میں ، دروں کے اطراف میں اور ردرختوں کے درمیان لشکر اسلام کے راستے میں کمین گاہیں بنائیں اور جب اول صبح کی تاریکی میں مسلمان وہاں پہنچیں تو اچانک اور ایک ہی بار ان پر حملہ کردیں اور اسے فنا کردیں_

اس نے مزید کہا : محمد کا ابھی تک جنگجو لوگوں سے سامنا نہیں ہوا کہ وہ شکست کا مزہ چکھتا_

رسول اللہ (ص) اپنے اصحاب کے ہمراہ نماز صبح پڑھ چکے تو آپ (ص) نے حکم دیا کہ سرزمین حنین کی طرف چل پڑیں ،اس موقع پر اچانک لشکر" ہوازن" نے ہر طرف سے مسلمانوں پرتیروں کی بوچھار کردي، وہ دستہ جو مقدمہ لشکر میں تھا (اور جس میں مکہ کے نئے نئے مسلمان بھی تھے) بھاگ کھڑا ہوا، اس کے سبب باقی ماندہ لشکر بھی پریشان ہوکر بھاگ کھڑا ہوا _

خداوندمتعال نے اس موقع پر دشمن کے ساتھ انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دیا اور وقتی طورپر ان کی

نصرت سے ہاتھ اٹھالیا کیونکہ مسلمان اپنی کثرت تعداد پر مغرور تھے، لہذا ان میں شکست کے آثار اشکار ہوئے، لیکن حضرت علی علیہ السلام جو لشکر اسلام کے علمبردار تھے وہ مٹھی بھر افراد سمیت دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہے او راسی طرح جنگ جاری رکھے رہے_

اس وقت پیغمبر اکرم (ص) قلب لشکر میں تھے، رسول اللہ کے چچا عباس بنی ہاشم کے چند افراد کے ساتھ آپ (ص) کے گرد حلقہ باندھے ہوئے تھے، یہ کل افراد نو سے زیادہ نہ تھے دسویں ام ایمن کے فرزند ایمن تھے، مقدمہ لشکر کے سپاہی فرار کے موقع پر رسول اللہ (ص) کے پاس سے گزرے تو آنحضرت (ص) نے عباس کو جن کی آواز بلند او رزوردار تھی کو حکم دیا کہ اس ٹیلے پر جو قریب ہے چڑھ جائیں او رمسلمانوں کو پکاریں:

"یا معشر المھاجرین والانصار یا اصحاب سورۃ البقرۃ یا اھل بیعت الشجرۃ الی این تفرون ھذا رسول اللہ_"

اے مہاجرین وانصار اے سورہ بقرہ کے ساتھیو

اے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو کہاں بھاگے جارہے ہو؟ رسول اللہ (ص) تو یہاں ہیں_ مسلمانوں نے جب عباس کی آواز سنی تو پلٹ آئے اور کہنے لگے: لبیک لبیک

خصوصاً لوٹ آنے والوں میں انصار نے پیش قدمی کی او رفوج دشمن پر ہر طرف سے سخت حملہ کیا اور نصرت الہی سے پیش قدمی جاری رکھی یہاں تک کہ قبیلہ ہوازن وحشت زدہ ہوکر ہر طرف بکھر گیا، مسلمان ان کا تعاقب کررہے تھے، لشکر دشمن میں سے تقریباً ایک سو افراد مارے گئے، ان کے اموال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ لگے او رکچھ ان میں سے قیدی بنا لئے گئے_

لکھا ہے کہ اس تاریخی واقعہ کے آخر میں قبیلہ ہوازن کے نمائندے رسول اللہ (ص) کی خدمت میں حاضر ہوئے او راسلام قبول کرلیا، پیغمبر اکرم (ص) نے ان سے بہت محبت و الفت فرمائي، یہاں تک کہ ان کے سربراہ مالک بن عوف نے بھی اسلام قبو کرلیا، آپ (ص) نے اس کا مال او رقیدی اسے واپس کردیئےو راس کے قبیلہ کے مسلمانوں کی سرداری بھی اس کے سپرد کردی_

درحققت ابتداء میں مسلمانوں کی شکست کا اہم عامل غرور وتکبر جو کثرت فوج کی وجہ سے ان میں پیدا ہوگیا تھا، اسکے علاوہ دو ہزار نئے مسلمانوں کا وجود تھا جن میں سے بعض فطری طور پر منافق تھے، کچھ ان میں مال غنیمت کے حصول کے لئے شامل ہوگئے تھے اور بعض بغیر کسی مقصد کے ان میں شامل ہوگئے تھے۔

نہائي کامیابی کا سبب حضرت رسول اکرم (ص)، حضرت علی علیہ السلام اور بعض اصحاب کا قیام تھا، اور پہلے والوں کا عہد وپیمان اور خدا پر ایمان اور اس کی مدد پر خاص توجہ باعث بنی کہ مسلمانوں کو اس جنگ میں کامیابی ملي۔

بھاگنے والے کون تھے ؟

اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ میدان حنین میں سے اکثریت ابتداء میں بھاگ گئي تھي، جو باقی رہ گئے تھے ان کی تعداد ایک روایت کے مطابق دس تھی اور بعض نے تو ان کی تعداد چار بیان کی ہے بعض نے زیادہ سے زیادہ سو افراد لکھے ہیں۔

بعض مشہور روایات کے مطابق چونکہ پہلے خلفاء بھی بھاگ جانے والوں میں سے تھے لہذا بعض اہل سنت مفسرین نے کوشش کی ہے کہ اس فرار کو ایک فطری چیز کے طور پر پیش کیا جائے۔ المنار کے مولف لکھتے ہیں: "جب دشمن کی طرف سے مسلمانوں پر تیروں کی سخت بوچھار ہوئي تو جو لوگ مکہ سے مسلمانوں کے ساتھ مل گئے تھے، اور جن میں منافقین اور ضعیف الایمان بھی تھے اور جو مال غنیمت کے لئے آگئے تھے وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے میدان میں پشت دکھائي تو باقی لشکر بھی فطری طور پر مضطرب اور پریشان ہوگیا وہ بھی معمول کے مطابق نہ کہ خوف وہراس سے، بھاگ کھڑے ہوئے اور یہ ایک فطری بات ہے کہ اگر ایک گروہ فرار ہو جائے تو باقی بھی بے سوچے سمجھے متزلزل ہو جاتے ہیں، لہذا ان کا فرار ہونا پیغمبر (ص) کی مدد ترک کرنے اور انہیں دشمن کے ہاتھ میں چھوڑ جانے کے طور پر نہیں تھا کہ وہ خدا کے غضب کے مستحق ہوں، ہم اس بات کی تشریح نہیں کرتے اور اس کا فیصلہ پڑھنے والوں پر چھوڑتے ہیں"۔

جنگ تبوک

"تبوک"(۱)کا مقام ان تمام مقامات سے دور تھا جہاں پیغمبر (ص) نے اپنی جنگوں میں پیش قدمی کی _"تبوک"اصل میں ایک محکم اور بلند قلعہ کا نام تھا _ جو حجاز او رشام کی سرحد پر واقع تھا اسی وجہ سے اس علاقے کو سرزمین تبوک کہتے تھے _

جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کے تیز رفتار نفوذ کی وجہ سے رسول اللہ (ص) کی شہرت اطراف کے تمام ممالک میں گونجنے لگی باوجود یہ کہ وہ اس وقت حجاز کی اہمیت کے قائل نہیں تھے لیکن طلوع اسلام اور لشکر اسلام کی طاقت کہ جس نے حجاز کو ایک پرچم تلے جمع کرلیا، نے انھیں اپنے مستقبل کے بارے میں تشویش میں ڈال دیا _
مشرقی روم کی سرحد حجاز سے ملتی تھی اس حکومت کو خیال ہوا کہ کہیں اسلام کی تیز رفتار ترقی کی وہ پہلی قربانی نہ بن جائے لہذا اس نے چالیس ہزار کی زبردست مسلح فوج جو اس وقت کی روم جیسی طاقتور حکومت کے شایان شان تھي' اکھٹی کی اور اسے حجاز کی سرحد پر لاکھڑا کیا یہ خبر مسافروں کے ذریعے پیغمبر اکرم (ص) کے کانوں تک پہنچی رسول اللہ (ص) نے روم اور دیگر ہمسایوں کودرس عبرت دینے کے لئے توقف کئے بغیر تیاری کا حکم صادر فرمایاآپ کے منادیوں نے مدینہ اور دوسرے علاقوں تک آپ(ص) کا پیغام پہنچایا تھوڑے ہی عرصہ

---

(۱) واقعہ جنگ تبوک سورہ توبہ آیت ۱۱۷ کے ذیل میں بیان ہوا ہے

میں تیس ہزار افراد رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہوگئے ان میں دس ہزار سوار اور بیس ہزار پیادہ تھے ـ
موسم بہت گرم تھا، غلے کے گودام خالی تھے اس سال کی فصل ابھی اٹھائي نہیں گئي تھی ان حالات میں سفر کرنا مسلمانوں کے لئے بہت ہی مشکل تھا لیکن چونکہ خدا اور رسول کا فرمان تھا لہذا ہر حالت میں سفر کرنا تھا اور مدینہ اور تبوک کے درمیان پُر خطر طویل صحرا کو عبور کرنا تھا ـ

لشکری مشکلات

اس لشکر کو چونکہ اقتصادی طور پر بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس کا راستہ بھی طولانی تھا راستے میں جلانے والی زہریلی ہوائیں چلتی تھیں سنگریزے اڑتے تھے اور جھکڑ چلتے تھے سواریاں بھی کافی نہ تھیں اس لئے یہ "جیش العسرۃ" (یعنی سختیوں والا لشکر) کے نام سے مشہور ہوا ـ
تاریخ اسلام نشاندہی کرتی ہے کہ مسلمان کبھی بھی جنگ تبوک کے موقع کی طرح مشکل صورت حال، دباؤ اور زحمت میں مبتلا نہیں ہوئے تھے کیونکہ ایک تو سفر سخت گرمی کے عالم میں تھا دوسرا خشک سالی نے لوگوں کو تنگ اور ملول کررکھا تھا اور تیسرا اس وقت درختوں سے پھل اتارنے کے دن تھے اور اسی پر لوگوں کی سال بھر کی آمدنی کا انحصار تھا ـ
ان تمام چیزوں کے علاوہ مدینہ اور تبوک کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ تھا اور مشرقی روم کی سلطنت کا انھیں سامنا تھا جو اس وقت کی سپرپاور تھي ـ
مزید برآں سواریاں اور رسد مسلمانوں کے پاس اتنا کم تھا کہ بعض اوقات دو افراد مجبور ہوتے تھے کہ ایک ہی سواری پر باری باری سفر کریں بعض پیدل چلنے والوں کے پاس جوتا تک نہیں تھا اور وہ مجبور تھے کہ وہ بیابان کی جلانے والی ریت پر پا برہنہ چلیں آب وغذا کی کمی کا یہ عالم تھا کہ بغض اوقات خرمہ کا ایک دانہ چند آدمی یکے بعد دیگرے منہ میں رکھ کر چوستے تھے یہاں تک کہ اس کی صرف گٹھلی رہ جاتی پانی کا ایک گھونٹ کبھی چند آدمیوں کو مل کر پینا پڑتا ـ

یہ واقعہ نوہجری یعنی فتح مکہ سے تقریبا ایک سال بعد رونما ہوا_ مقابلہ چونکہ اس وقت کی ایک عالمی سوپر طاقت سے تھا نہ کہ عرب کے کسی چھوٹے بڑے گروہ سے لہذا بعض مسلمان اس جنگ میں شرکت سے خوف زدہ تھے اس صورت حال میں منافقین کے زہریلے پروپیگنڈے اور وسوسوں کے لئے ماحول بالکل سازگار تھا اور وہ بھی مومنین کے دلوں اور جذبات کوکمزور کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کررہے تھے_

پھل اتارنے اور فصل کاٹنے کا موسم تھا جن لوگوں کی زندگی تھوڑی سی کھیتی باڑی اور کچھ جانور پالنے پر بسر ہوتی تھی یہ ان کی قسمت کے اہم دن شمار ہوتے تھے کیونکہ ان کی سال بھرکی گزر بسر انہیں چیزوں سے وابستہ تھےں_

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں مسافت کی دوری اور موسم کی گرمی بھی روکنے والے عوامل کی مزید مدد کرتی تھی اس موقع پر آسمانی وحی لوگوں کی مدد کے لئے آپہنچی اور قرآنی آیات یکے بعد دیگرے نازل ہوئیں اور ان منفی عوامل کے سامنے آکھڑی ہوئیں_

تشویق، سرزنش، اوردھمکی کی زبان

قرآن جس قدر ہوسکتی ہے اتنی سختی اور شدت سے جہاد کی دعوت دیتا ہے_ کبھی تشویق کی زبان سے کبھی سرزنش کے لہجے میں اور کبھی دھمکی کی زبان میں ان سے بات کرتا ہے، اور انہیں آمادہ کرنے کے لئے ہر ممکن راستہ اختیار کرتا ہے_ پہلے کہتا ہے:"کہ خدا کی راہ میں، میدان جہاد کی طرف حرکت کرو تو تم سستی کا مظاہرہ کرتے ہو اوربوجھل پن دکھاتے ہو"_[۱]

اس کے بعد ملامت آمیز لہجے میں قرآن کہتا ہے :"آخرت کی وسیع اور دائمی زندگی کی بجائے اس دنیاوی پست اور ناپائیدار زندگی پر راضی ہوگئے ہو حالانکہ دنیاوی زندگی کے فوائد اور مال ومتاع آخرت کی زندگی کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے اوربہت ہی کم ہیں"_[۲]

---

(۱)سورہ توبہ آیت ۳۸

(۲)سورہ توبہ آیت ۳۸

ایک عقلمند انسان ایسے گھاٹے کے سودے پر کیسے تیار ہوسکتا ہے اور کیونکہ وہ ایک نہایت گراں بہامتاع اور سرمایہ چھوڑکر ایک ناچیز اور بے وقعت متاع کی طرف جاسکتا ہے ـ

اس کے بعد ملامت کے بجائے ایک حقیقی تہدید کا اندازاختیار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے :" اگر تم میدان جنگ کی طرف حرکت نہیں کروگے تو خدا دردناک عذاب کے ذریعے تمہیں سزادے گا"ـ (۱)

"اور اگر تم گمان کرتے ہو کہ تمہارے کنارہ کش ہونے اور میدان جہاد سے پشت پھیرنے سے اسلام کی پیش رفت رک جائے گی اور آئینہ الہی کی چمک ماندپڑجائے گی تو تم سخت اشتباہ میں ہو ،کیونکہ خدا تمہارے بجائے ایسے صاحبان ایمان کو لے آئے گا جو عزم مصمم رکھتے ہوں گے اور فرمان خدا کے مطیع ہوں گے"ـ (۲)

وہ لوگ کہ جو ہر لحاظ سے تم سے مختلف ہیں نہ صرف ان کی شخصیت بلکہ انکا ایمان، ارادہ،دلیری اور فرماں برداری بھی تم سے مختلف ہے لہذا " اس طرح تم خدا اور اس کے پاکیزہ دین کو کوئي نقصان نہیں پہنچا سکتے"ـ (۳)

تنہاوہ جنگ جس میں حضرت علی نے شرکت نہ کي

اس لشکر کو چونکہ اقتصادی طورپر بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس کا راستہ بھی طولانی تھا راستے میں جلانے والی زہریلی ہوائیں چلتی تھیں سنگریزے اڑتے تھے اور جھکّڑچلتے تھے سواریاں بھی کافی نہ تھیں اس لئے یہ" جیش العسرۃ" (یعنی سختیوں والا لشکر)کے نام سے مشہور ہوا اس نے تمام سختیوں کو جھیلا اور ماہ شعبان کی ابتداء میں ہجرت کے نویں سال سرزمین "تبوک" میں پہنچا جب کہ رسول اللہ حضرت علی کو اپنی جگہ پر مدینہ میں چھوڑآئے تھے یہ واحد غزوہ ہے جس میں حضرت علی علیہ السلام شریک نہیں ہوئے ـ

رسول اللہ کا یہ اقدام بہت ہی مناسب اور ضروری تھا کیونکہ بہت احتمال تھا کہ بعض پیچھے رہنے

---

(۱) سورہ توبہ آیت ۳۹

(۲)سورہ توبہ آیت ۳۹

(۳)سورہ توبہ آیت ۳۹

والے مشرکین یامنافقین جو حیلوں بہانوں سے میدان تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے، رسول اللہ اور ان کی فوج کی طویل غیبت سے فائدہ اٹھائیں اور مدینہ پر حملہ کردیں، عورتوں اور بچوں کو قتل کردیں اور مدینہ کو تاراج کردیں لیکن حضرت علی کا مدینہ میں رہ جانا ان کی سازشوں کے مقابلے میں ایک طاقتور رکاوٹ تھی _

بہرحال جب رسول اللہ تبوک میں پہنچے تو وہاں آپ کو رومی فوج کا کوئی نام ونشان نظر نہ آیا عظیم سپاہ اسلام چونکہ کئی جنگوں میں اپنی عجیب وغریب جرات وشجاعت کا مظاہرہ کرچکی تھي، جب ان کے آنے کی کچھ خبر رومیوں کے کانوں تک پہنچی تو انھوں نے اسی کو بہتر سمجھا کہ اپنے ملک کے اندر چلے جائیں اور اس طرح سے ظاہر کریں کہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے لشکر روم کی سرحدوں پر جمع ہونے کی خبر ایک بے بنیاد افواہ سے زیادہ کچھ نہ تھی کیونکہ وہ ایک ایسی خطرناک جنگ شروع کرنے سے ڈرتے تھے جس کا جواز بھی ان کے پاس کوئي نہ تھا لیکن لشکر اسلام کے اس طرح سے تیز رفتاری سے میدان تبوک میں پہنچنے نے دشمنان اسلام کو کئي درس سکھائے، مثلاً:

۱_ یہ بات ثابت ہوگئي کہ مجاہدین اسلام کا جذبہ جہاد اس قدر قوی ہے کہ وہ اس زمانے کی نہایت طاقت ور فوج سے بھی نہیں ڈرتے _

۲_ بہت سے قبائل اور اطراف تبوک کے امراء پیغمبر اسلام (ص) کی خدمت میں آئے اور آپ سے تعرض اور جنگ نہ کرنے کے عہدوپیمان پر دستخط کیے اس طرح مسلمان ان کی طرف سے آسودہ خاطر ہوگئے _

۳_ اسلام کی لہریں سلطنت روم کی سرحدوں کے اندرتک چلی گئیں اور اس وقت کے ایک اہم واقعہ کے طور پر اس کی آواز ہر جگہ گونجی اور رومیوں کے اسلام کی طرف متوجہ ہونے کے لئے راستہ ہموار ہوگیا _

۴_ یہ راستہ طے کرنے اور زحمتوں کو برداشت کرنے سے آئندہ شام کا علاقہ فتح کرنے کے لئے راہ ہموار ہوگئي اور معلوم ہوگیا کہ آخرکار یہ راستہ طے کرنا ہی ہے _

یہ عظیم فوائد ایسے تھے کہ جن کے لئے لشکر کشی کی زحمت برداشت کی جاسکتی تھی _

بہرحال پیغمبر اکرم (ص) نے اپنی سنت کے مطابق اپنی فوج سے مشورہ کیا کہ کیا پیش قدمی جاری رکھی جائے یا واپس پلٹ جایا جائے؟

اکثریت کی رائے یہ تھي، کہ پلٹ جانا بہتر ہے اوریہی اسلامی اصولوں کی روح سے زیادہ مناسبت رکھتا تھا خصوصاً جبکہ اس وقت طاقت فرسا سفر اور راستے کی مشقت وزحمت کے باعث اسلامی فوج کے سپاہی تھکے ہوئے تھے اور ان کی جسمانی قوت مزاحمت کمزور پڑچکی تھي، رسول اللہ نے اس رائے کو صحیح قرار دیا اور لشکر اسلام مدینہ کی طرف لوٹ آیا_

ایک عظیم درس

"ابو خثیمہ "[1] اصحاب پیغمبر (ص) میں سے تھا ،منافقین میں سے نہ تھا لیکن سستی کی وجہ سے پیغمبر اکرم (ص) کے ساتھ میدان تبوک میں نہ گیا _

اس واقعہ کو دس دن گذر گئے ،ہوا گرم او رجلانے والی تھي، ایک دن اپنی بیویوں کے پاس آیا انھوں نے ایک سائبان تان رکھا تھا ، ٹھنڈا پانی مہیا کر رکھا تھا او ربہترین کھانا تیار کر رکھا تھا، وہ اچانک غم و فکر میں ڈوب گیا او راپنے پیشوا رسول اللہ (ص) کی یاد اسے ستانے لگی ،اس نے کہا: رسول اللہ(ص) کہ جنھوں نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا او رخدا ان کے گذشتہ اورآئندہ کا ذمہ دار ہے ،بیابان کی جلا ڈالنے والی ہوائوں میں کندھے پر ہتھیار اٹھائے اس دشوار گذار سفر کی مشکلات اٹھارہے ہیں او رابو خثیمہ کو دیکھو کہ ٹھنڈے سائے میں تیار کھانے اور خوبصورت بیویوں کے پاس بیٹھا ہے ،کیا یہ انصاف ہے ؟

اس کے بعد اس نے اپنی بیویوں کی طرف رخ کیا او رکہا:

خدا کی قسم تم میں سے کسی کے ساتھ میں بات نہ کروں گا او رسائبان کے نیچے نہیں بیٹھوں گا جب تک

---

(۱) یہ شخص انہیں افراد میں سے تھا جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سورہ توبہ آیت ۱۱۷/نازل ہوئي_

پیغمبر (ص) سے نہ جاملوں ـ
یہ بات کہہ کر اس نے زادراہ لیا ، اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور چل کھڑا ہوا ، اس کی بیویوں نے بہت چاہا کہ اس سے بات کریں لیکن اس نے ایک لفظ نہ کہا او راسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ تبوک کے قریب جا پہنچا ـ
مسلما ان ایک دوسرے سے کہنے لگے : یہ کوئي سوار ہے جو سڑک سے گذر رہا ہے، لیکن پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا: اے سوار تم ابو خثیمہ ہو تو بہتر ہے ـ
جب وہ قریب پہنچا او رلوگوں نے اسے پہچان لیا تو کہنے لگے : جی ہاں ; ابو خثیمہ ہے ـ
اس نے اپنا اونٹ زمین پر بٹھایا او رپیغمبر اکرم (ص) کی خدمت میں سلام عرض کیا او راپنا ماجرا بیان کیا ـ
رسول اللہ (ص) نے اسے خوش آمدید کہا اور اس کے حق میں دعا فرمائي ـ
اس طرح وہ ایک ایسا شخص تھا جس کا دل باطل کی طرف مائل ہوگیا تھا لیکن اس کی روحانی آمادگی کی بناء پر خدا نے اسے حق کی طرف متوجہ کیا اور ثبات قدم بھی عطا کیا ـ

جنگ تبوک میں شرکت نہ کرنے والے تین لوگ

مسلمانوں میں سے تین افراد کعب بن مالک ،مرارہ بن ربیع او ربلال بن امیہ نے جنگ تبوک میں شرکت نہ کی او رانھوں نے پیغمبر خدا (ص) کے ہمراہ سفر نہ کیا وہ منافقین میں شامل نہیں ہونا چاہتے تھے بلکہ ایسا انھوں نے سستی اور کاہلی کی بنا پر کیا تھا، تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ وہ اپنے کئے پر نادم اور پشیمان ہوگئے ـ
جب رسول اللہ (ص) میدان تبوک سے مدینہ لوٹے تو وہ آنحضرت (ص) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معذرت کی لیکن رسول اللہ(ص) نے ان سے ایک لفظ تک نہ کہا اور مسلمانوں کو بھی حکم دیا کہ کوئی شخص ان سے بات چیت نہ کرے وہ ایک عجیب معاشرتی دباؤ کا شکار ہوگئے یہاں تک کہ ان کے چھوٹے بچے او رعورتیں رسول اللہ (ص) کے پاس آئیں او راجازت چاہی کہ ان سے الگ ہو جائیں، آپ (ص) نے

انھیں علیحدگی کی اجازت تو نہ دی لیکن حکم دیا کہ ان کے قریب نہ جائیں ، مدینہ کی فضا اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئي ، وہ مجبور ہو گئے کہ اتنی بڑی ذلت اور رسوائي سے نجات حاصل کرنے کے لئے شہر چھوڑدیں اوراطراف مدینہ کے پہاڑوں کی چوٹی پر جا کر پناہ لیں _

جن باتوں نے ان کے جذبات پر شدید ضرب لگائي ان میں سے ایک یہ تھی کہ کعب بن مالک کہتا ہے: میں ایک دن بازار مدینہ میں پریشانی کے عالم میں بیٹھا تھا کہ ایک شامی عیسائي مجھے تلاش کرتا ہوا آیا، جب اس نے مجھے پہچان لیا تو بادشاہ غسان کی طرف سے ایک خط میرے ہاتھ میں دیا ، اس میں لکھا تھا کہ اگر تیرے ساتھی نے تجھے دھتکاردیا ہے تو ہماری طرف چلے آئو، میری حالت منقلب اور غیر ہو گئي ، اور میں نے کہا وائے ہو مجھ پر میرا معاملہ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ دشمن میرے بارے میں لالچ کرنے لگے ہیں ، خلاصہ یہ کہ ان کے اعزاء واقارب ان کے پاس کھانالے آتے مگر ان سے ایک لفظ بھی نہ کہتے ، کچھ مدت اسی صورت میں گزر گئي او روہ مسلسل انتظار میں تھے کہ اس کی توبہ قبول ہو اور کوئی آیت نازل ہو جو ان کی توبہ کی دلیل بنے ، مگر کوئی خبر نہ تھی _

اس دوران ان میں سے ایک کے ذہن میں یہ بات آئي او راس نے دوسروں سے کہا اب جبکہ لوگوں نے ہم سے قطع تعلق کر لیا ہے ، کیا ہی بہتر ہے کہ ہم بھی ایک دوسرے سے قطع تعلق کرلیں (یہ ٹھیک ہے کہ ہم گنہ گار ہیں لیکن مناسب ہے کہ دوسرے گنہ گار سے خوش او رراضی نہ ہوں)_

انھوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ ایک لفظ بھی ایک دوسرے سے نہیں کہتے تھے اوران میں سے کوئی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں رہتا تھا، اس طرح پچاس دن انھوں نے توبہ وزاری کی او رآخر کار ان کی توبہ قبول ہوگئی _(۱)

---

(۱)سورہ توبہ:آیت ۱۱۸_ اس سلسلے میں نازل ہوئی ہے

مسجد ضرار[1]

کچھ منافقین رسول اللہ (ص) کے پاس آئے اور عرض کیا، ہمیں اجازت دیجیئے کہ ہم قبیلہ "بنی سالم" کے درمیان "مسجد قبا" کے قریب ایک مسجد بنالیں تاکہ ناتواں بیمار اور بوڑھے جو کوئي کام نہیں کرسکتے اس میں نماز پڑھ لیا کریں ـ اسی طرح جن راتوں میں بارش ہوتی ہے ان میں جو لوگ آپ (ص) کی مسجد میں نہیں آسکتے اپنے اسلامی فریضہ کو اس میں انجام دے لیا کریں ـ

یہ اس وقت کی بات ہے جب پیغمبر خد (ص) جنگ تبوک کا عزم کرچکے تھے آنحضرت (ص) نے انھیں اجازت دے دي ـ

انھوں نے مزید کہا: کیا یہ بھی ممکن ہے کہ آپ (ص) خود آکر اس میں نماز پڑھیں؟ نبی اکرم (ص) نے فرمایا: اس وقت تو میں سفر کا ارادہ کرچکا ہوں البتہ واپسی پر خدا نے چاہا تو اس مسجد میں آکر نماز پڑھوں گا ـ

جب آپ (ص) جنگ تبوک سے لوٹے تو یہ لوگ آپ (ص) کے پاس آئے اور کہنے لگے ہماری درخواست ہے کہ آپ (ص) ہماری مسجد میں آکر اس میں نماز پڑھائیں اور خدا سے دعا کریں کہ ہمیں برکت دے ـ

یہ اس وقت کی بات ہے جب ابھی آنحضرت (ص) مدینہ کے دروازے میں داخل نہیں ہوئے تھے اس وقت وحی خدا کا حامل فرشتہ نازل ہوا اور خدا کی طرف سے پیغام لایا اور ان کے کرتوت سے پردہ اٹھایا ـ

---

(۱) مسجد ضرار کے سلسلے میں سورہ توبہ ۱۰۷ تا ۱۱۰ میں بیان ہوا ہے

اس کے فوراً بعد رسول اللہ (ص) نے حکم دیا کہ مذکورہ مسجد کو جلا دیا جائے او را سکے باقی حصے کو مسمار کردیا جائے او راس کی جگہ کوڑا کرکٹ ڈالا جایا کرے_

ان لوگوں کے ظاہراً کام کو دیکھا جائے تو ہمیں شروع میں تو اس حکم پر حیرت ہوئی کہ کیا بیماروں اور بوڑھوں کی سہولت کے لئے اوراضطراری مواقع کے لئے مسجد بنانا برا کام ہے جبکہ یہ ایک دینی او رانسانی خدمت معلوم ہوتی ہے کیا ایسے کام کے بارے میں یہ حکم صادر ہوا ہے؟ لیکن اگر ہم اس معاملہ کی حقیقت پر نظر کریں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ حکم کس قدر بر محل اور بچا تلا تھا_

اس کی وضاحت یہ ہے کہ" ابو عامر"نامی ایک شخص نے عیسائیت قبول کرلی تھی اور راہبوں کے مسلک سے منسلک ہوگیا تھا_ اس کا شمار عابدوں میں ہوتا تھا، قبیلہ خزرج میں اس کا گہرا اثرورسوخ تھا_

رسول اللہ(ص) نے جب مدینہ کی طرف ہجرت کی او رمسلمان آپ(ص) کے گرد جمع ہوگئے تو ابو عامر جو خودبھی پیغمبر(ص) کے ظہور کی خبر دینے والوں میں سے تھا،اس نے دیکھا کہ اس کے ارد گرد سے لوگ چھٹ گئے ہیں اس پر وہ اسلام کے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، وہ مدینہ سے نکلا اور کفار مکہ کے پاس پہنچا،اس نے ان سے پیغمبر اکرم(ص) کے خلاف جنگ کے لئے مدد چاہی اور قبائل عرب کو بھی تعاون کی دعوت دی، وہ خود مسلمانوں کے خلاف جنگ احد کی منصوبہ بندی میں شریک رہا تھا، اور راہنمائي کرنے والوں میں سے تھا،اس نے حکم دیا کہ لشکر کی دو صفوں کے درمیان گڑھے کھودے جائیں_ اتفاقاً پیغمبر اسلام(ص) ایک گڑھے میں گرپڑے، آپ(ص) کی پیشانی پر زخم آئے اور دندان مبارک ٹوٹ گئے_

جنگ احد ختم ہوئي، مسلمانوں کو اس میدان میں آنے والی مشکلات کے باوجود اسلام کی آواز بلند تر ہوئي او رہر طرف صدائے اسلام گونجنے لگي، تو وہ مدینہ سے بھاگ گیا او ربادشاہ روم ہرقل کے پاس پہنچا تاکہ اس سے مدد چاہے اور مسلمانوں کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر مہیا کرے_

اس نکتے کا بھی ذکر ضروری ہے کہ اس کی ان کارستانیوں کی وجہ سے پیغمبر اسلام(ص) نے اسے "فاسق"کا لقب دے رکھا تھا_

بعض کہتے ہیں کہ موت نے اسے مہلت نہ دی کہ وہ اپنی آرزو ہرقل سے کہتا لیکن بعض دوسری کتب میں ہے کہ وہ ہرقل سے جاکر ملا اور اس کے وعدوں سے مطمئن اورخوش ہوا_

بہر حال اس نے مرنے سے پہلے مدینہ کے منافقین کو ایک خط لکھا اور انھیں خوشخبری دی کہ روم کے ایک لشکر کے ساتھ وہ ان کی مدد کوآئے گا_ اس نے انھیں خصوصی تاکید کی کہ مدینہ میں وہ اس کے لئے ایک مرکز بنائیں تاکہ اس کی آئندہ کی کارگذاریوں کے لئے وہ کام دے سکے لیکن ایسا مرکزچونکہ مدینہ میں اسلام دشمنوں کی طرف سے اپنے نام پر قائم کرنا عملی طور پر ممکن نہ تھا_ لہذا منافقین نے مناسب یہ سمجھا کہ مسجد کے نام پر بیماروں اور معذوروں کی مدد کی صورت میں اپنے پروگرام کو عملی شکل دیں_

آخر کار مسجد تعمیر ہوگئي یہاں تک کہ مسلمانوں میں سے "مجمع بن حارثہ" (یا مجمع بَن جاریہ)نامی ایک قرآن فہم نوجوان کو مسجد کی امامت کے لئے بھی چن لیا گیا لیکن وحی الہی نے ان کے کام سے پردہ اٹھادیا_

یہ جو پیغمبر اکرم(ص) نے جنگ تبوک کی طرف جانے سے قبل ان کے خلاف سخت کاروائي کا حکم نہیں دیا اس کی وجہ شاید ایک تو ان کی حقیقت زیادہ واضح ہوجائے اوردوسرا یہ کہ تبوک کے سفر میں اس طرف سے کوئي اور ذہنی پریشانی نہ ہو_ بہر حال جو کچھ بھی تھا رسول اللہ(ص) نے نہ صرف یہ کہ مسجد میں نماز نہیں پڑھی بلکہ بعض مسلمانوں (مالک بن دخشم، معنی بن عدی اور عامر بن سکر یا عاصم بن عدي) کو حکم دیا کہ مسجد کو جلادیں اور پھر اس کی دیواروں کو مسمار کروادیا_ اورآخر کار اسے کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ قرار دے دیا_

مسجد قباء

یہ بات قابل توجہ ہے کہ خدا وند عالم اس حیات بخش حکم کی مزید تاکید کے لئے خداوند متعال فرماتا ہے کہ اس مسجد میں ہرگز قیام نہ کرو اور اس میں نماز نہ پڑھو_[۱]

"بلکہ اس مسجد کے بجائے زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس مسجد میں عبادت قائم کرو جس کی بنیاد پہلے دن سے تقوی پر رکھی گئی ہے"[۲]

نہ یہ کہ یہ مسجد جس کی بنیاد روز اول ہی سے کفر، نفاق، بے دینی اور تفرقہ پر رکھی گئی ہے_

"مفسرین نے کہا ہے کہ جس مسجد کے بارے میں مندرجہ بالا جملے میں کہا گیا ہے کہ زیادہ مناسب یہ ہے کہ پیغمبر(ص) اس میں نماز پڑھیں اس سے مراد" مسجد قبا "ہے کہ جس کے قریب منافقین نے مسجد ضرار بنائی تھي"_

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے :"کہ علاوہ اس کے کہ اس مسجد کی بنیاد تقوی پر رکھی گئي ہے ،مردوں کا ایک گروہ اس میں مشغول عبادت ہے جو پسند کرتا ہے کہ اپنے آپ کو پاک وپاکیزہ رکھے اور خدا پاکباز لوگوں کو دوست رکھتا ہے "_[۳]

---

(۱)سورہ توبہ آیت ۱۰۸

(۲)سورہ توبہ آیت ۱۰۸

(۳)سورہ توبہ آیت ۱۰۸

سب سے پہلی نماز جمعہ

پہلا جمعہ جو حضرت رسول اللہ (ص) نے اپنے اصحاب کے ساتھ پڑھا وہ اس وقت پڑھا گیا جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائي_ جب آپ (ص) مدینہ میں وارد ہوئے تو اس دن پیر کا دن بارہ ربیع الاول اور ظہر کا وقت تھا_ حضرت چار دن تک "قبا" میں رہے اور مسجد قبا کی بنیاد رکھی، پھر جمعہ کے دن مدینہ کی طرف روانہ ہوئے (قبا اور مدینہ کے درمیان فاصلہ بہت ہی کم ہے اور موجودہ وقت میں قبا مدینہ کا ایک داخلی محلہ ہے)

اور نماز جمعہ کے وقت آپ (ص) محلہ "بنی سالم" میں پہنچے وہاں نماز جمعہ ادا فرمائي اور یہ اسلام میں پہلا جمعہ تھا جو حضرت رسول اللہ (ص) نے ادا کیا_ جمعہ کی نماز میں آپ (ص) نے خطبہ بھی پڑھا_ جو مدینہ میں آنحضرت (ص) کا پہلا خطبہ تھا_

واقعہ غدیر

پیغمبر اکرم (ص) کی زندگی کا آخری سال تھا "حجة الوداع" کے مراسم جس قدر باوقار و پر شکوہ ہو سکتے تھے اس قدر پیغمبر اکرم (ص) کی ہمراہی میں اختتام پذیر ہوئے_ سب کے دل روحانیت سے سرشار تھے ابھی ان کی روح اس عظیم عبادت کی معنوی لذت کا ذائقہ محسوس کررہی تھی_ اصحاب پیغمبر (ص) جن کی تعداد بہت زیادہ تھی اس عظیم نعمت سے فیض یاب ہوئے اور اس سعادت کے حاصل ہونے پر جامے میں پھولے نہیں سماتے تھے_

نہ صرف مدینہ کے لوگ اس سفر میں پیغمبر (ص) کے ساتھ تھے بلکہ جزیرہ نمائے عرب کے دیگر مختلف حصوں کے مسلمان بھی یہ عظیم تاریخی اعزاز و افتخار حاصل کرنے کے لئے آپ (ص) کے ہمراہ تھے_

سرزمین حجاز کا سورج دروں اورپہاڑوں پر آگ برسارہا تھا لیکن اس سفرکی بے نظیر روحانی مٹھاس تمام تکلیفوں کو آسان بنارہی تھي_ زوال کا وقت نزدیک تھا_ آہستہ آہستہ "حجفہ" کی سرزمین اور اس کے بعد خشک اور جلانے والے "غدیر خم" کے بیابان نظر آنے لگے_

در اصل یہاں پر ایک چوراہا ہے جو حجاز کے لوگوں کوایک دوسرے سے جدا کرتا ہے_ شمالی راستہ مدینہ کی طرف دوسرا مشرقی راستہ عراق کی طرف، تیسرا مغربی ممالک اور مصرکی طرف اورچوتھا جنوبی راستہ سرزمین یمن کو جاتا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں پر آخری مقصد اور اس عظیم سفر کا اہم ترین کام انجام پذیر ہوتا تھا

تاکہ مسلمان پیغمبر(ص) کی اہم ذمہ داریوں میں سے ان کا آخری حکم جان کر ایک دوسرے سے جدا ہوں۔
جمعرات کا دن تھا اور ہجرت کا دسواں سال۔ آٹھ دن عید قربان کو گزرے تھے کہ اچانک پیغمبر(ص) کی طرف سے ان کے ہمراہیوں کو ٹھہر جانے کا حکم دیا گیا۔ مسلمانوں نے بلند آواز سے ان لوگوں کو جو قافلے کے آگے چل رہے تھے واپس لوٹنے کے لئے پکارا اور اتنی دیر کے لئے ٹھہر گئے کہ پیچھے آنے والے لوگ بھی پہنچ جائیں۔ آفتاب خط نصف النہار سے گزر گیا تو پیغمبر(ص) کے موذن نے "اللہ اکبر" کی صدا کے ساتھ لوگوں کو نماز ظہر پڑھنے کی دعوت دی۔ مسلمان جلدی جلدی نماز پڑھنے کے لئے تیار ہوگئے۔ لیکن فضاء اتنی گرم تھی کہ بعض لوگ مجبور تھے کہ وہ اپنی عبا کا کچھ حصہ پائوں کے نیچے اور باقی سر کے اوپر لے لیں، ورنہ بیابان کی گرم ریت اور سورج کی شعاعیں ان کے سر اور پائوں کو تکلیف دے رہی تھیں۔
اس صحراء میں کوئي سائبان نظر نہ آتا تھا اور نہ ہی کوئي سبزہ یا گھاس صرف چند بے برگ وبار بیابانی درخت تھے جو گرمی کا سختی کے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے کچھ لوگ انہی چند درختوں کا سہارا لئے ہوئے تھے اور انہوں نے ان برہنہ درختوں پر ایک کپڑا ڈال رکھا تھا اور پیغمبر(ص) کے لئے ایک سائبان سا بنا رکھا تھا لیکن گرم ہوا اس سائبان کے نیچے سے گزرتی ہوئي سورج کی جلانے والی گرمی کو اس سائبان کے نیچے بھی پھیلا رہی تھي۔ بہر حال ظہر کی نماز پڑھ لی گئي۔

خطبہ غدیر

مسلمان ارادہ کررہے تھے کہ فوراً اپنے چھوٹے چھوٹے خیموں میں جا کر پناہ لیں جو انھوں نے اپنے ساتھ اٹھا رکھے تھے لیکن رسول اللہ(ص) نے انہیں آگاہ کیا کہ وہ سب کے سب خداوندتعالی کا ایک نیا پیغام سننے کے لئے تیار ہوں جسے ایک مفصل خطبے کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔
جو لوگ رسول اللہ (ص) سے دور تھے وہ پیغمبر(ص) کا ملکوتی چہرہ اس عظیم اجتماع میں دور سے دیکھ نہیں پا رہے تھے لہذا اونٹوں کے پالانوں کا منبر بنایا گیا۔ پیغمبر(ص) اس کے اوپر تشریف لے گئے۔ پہلے پروردگار عالم کی حمد وثنا بجالائے اور خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے یوں خطاب فرمایا: میں عنقرب خداوند متعال کی دعوت پر لبیک

کہتے ہوئے تمہارے درمیان سے جارہا ہوں، میں بھی جوابدہ ہوں اورتم بھی جوابدہ ہو، تم میرے بارے میں کیا گواہی دوگے لوگوں نے بلند آواز میں کہا:

"ہم گواہی دیں گے کہ آپ(ص) نے فریضہ رسالت انجام دیا اورخیر خواہی کی ذمہ داری کو انجام دیا اور ہماری ہدایت کی راہ میں سعی و کوشش کي، خدا آپ(ص) کوجزائے خیر دے"_

اس کے بعد آپ(ص) نے فرمایا کیا تم لوگ خدا کی وحدانیت، میری رسالت اور روز قیامت کی حقانیت اوراس دن مردوں کے قبروں سے مبعوث ہونے کی گواہی نہیں دیتے؟

سب نے کہا: کیوں نہیں ہم سب گواہی دیتے ہیں_

آپ(ص) نے فرمایا: خداوند گواہ رہنا_

آپ(ص) نے مزید فرمایا: اے لوگو کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟

انہوں نے کہا: جی ہاں_

اس کے بعد سارے بیابان پر سکوت کا عالم طاری ہوگیا_ سوائے ہوا کی سنسناہٹ کے کوئي چیز سنائي نہیں دیتی تھی_

پیغمبر(ص) نے فرمایا: دیکھو میں تمہارے درمیان دو گرانمایہ اور گرانقدر چیزیں بطور یادگار چھوڑے جارہا ہوں تم ان کے ساتھ کیا سلوک کروگے؟

حاضرین میں سے ایک شخص نے پکار کر کہا: یا رسول اللہ (ص) وہ دو گرانمایہ چیزیں کونسی ہیں؟

تو پیغمبر اکرم(ص) نے فرمایا: پہلی چیز تو اللہ تعالی کی کتاب ہے جو ثقل اکبر ہے_ اس کا ایک سرا تو پروردگار عالم کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھ میں ہے، اس سے ہاتھ نہ ہٹانا ورنہ تم گمراہ ہو جائوگے_ دوسری گرانقدر یادگار میرے اہل بیت ہیں اور مجھے خدائے لطیف و خبیر نے خبردی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ بہشت میں مجھ سے آملیں گے_

ان دونوں سے آگے بڑھنے (اور ان سے تجاوز کرنے) کی کوشش نہ کرنا اور نہ ہی ان سے پیچھے رہنا کہ اس صورت میں بھی تم ہلاک ہو جائوگے_

اچانک لوگوں نے دیکھا کہ رسول اللہ(ص) اپنے ارد گرد نگاہیں دوڑا رہے ہیں گویا کسی کو تلاش کر رہے ہیں جو نہی آپ(ص) کی نظر حضرت علی علیہ السلام پرپڑی فوراً ان کا ہاتھ پکڑلیا اور انہیں اتنا بلند کیا کہ دونوں کی بغلوں کے نیچے کی سفیدی نظر آنے لگی اور سب لوگوں نے انہیں دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ تو اسلام کا وہی سپہ سالار ہے کہ جس نے کبھی شکست کا منہ نہیں دیکھا_

اس موقع پر پیغمبر(ص) کی آواز زیادہ نمایاں اوربلند ہوگئي اور آپ(ص) نے ارشاد فرمایا:

"ایھا الناس من اولی الناس بالمو منین من انفسھم"

یعنی اے لوگو بتاؤ وہ کون ہے جو تمام لوگوں کی نسبت مومنین پر خود ان سے زیادہ اولیت رکھتا ہے ؟ اس پر سب حاضرین نے بہ یک آواز جواب دیا کہ خدا اور اس کا پیغمبر(ص) بہتر جانتے ہیں_

تو پیغمبر(ص) نے فرمایا: خداا میرا مولا اوررہبر ہے اور میں مومنین کا مولااوررہبر ہوں اور ان کے اوپر ان کی نسبت خود ان سے زیادہ حق رکھتا ہوں (اور میرا ارادہ ان کے ارادے سے مقدم ہے)_

اس کے بعد فرمایا:

"فمن کنت مولاہ فھذا علی مولاہ".

"یعنی جس جس کا میں مولاہ ہوں علی (ع) بھی اس اس کے مولاہ اوررہبر ہے"_

پیغمبر اکرم(ص) نے اس جملے کی تین مرتبہ تکرار کی او ربعض راویوں کے قول کے مطابق پیغمبر(ص) نے یہ جملہ چار مرتبہ دہرایا اور اس کے بعد آسمان کی طرف سر بلند کر کے بارگاہ خداوندی میں عرض کي:_

"اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ واحب من احبہ و ابغض من ابغضہ و انصرمن نصرہ واخذل من خذلہ، وادرالحق معہ حیث دار."

یعنی بار الہا جو اس کو دوست رکھے تو اس کو دوست رکھ او رجو اس سے دشمنی کرے تو اس سے دشمنی رکھ_ جو اس سے محبت کرے تو اس سے محبت کر اور جو اس سے بغض رکھے تو اس سے بغض رکھ_ جو اس کی مدد کرے تو اس کی مدد کر_ جو اس کی مدد سے کنارہ کشی کرے تو اسے اپنی مدد سے محروم رکھ اور حق کو ادھر پھیردے

جدھر وہ رخ کرے_

اس کے بعد فرمایا:

"تمام حاضرین آگاہ ہوجائیں اس بات پر کہ یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کوان لوگوں تک پہنچائیں جو یہاں پر اور اس وقت موجود نہیں ہیں"_

روز اکمال دین

پیغمبر(ص) کا خطبہ ختم ہوگیا پیغمبر(ص) پسینے میں شرابور تھے حضرت علی علیہ السلام بھی پسینے میں نہائے ہوئے تھے_ دوسرے تمام حاضرین کے بھی سر سے پائوں تک پسینہ بہہ رہا تھا_

ابھی اس جمعیت کی صفیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئي تھیں کہ جبرئیل (ع) امین وحی لے کر نازل ہوئے اور تکمیل دین کی پیغمبر(ص) کو بایں الفاظ بشارت دي:

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی "_[۱]

"آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین اور آئین کو کامل کردیا اور اپنی نعمت کو تم پر تمام کردیا"_

اتمام نعمت کا پیغام سن کر پیغمبر(ص) نے فرمایا:

"اللہ اکبر اللہ اکبر علی اکمال الدین واتمام النعمة ورضی الرب برسالتی والولایةلعلی من بعدي".

"ہر طرح کی بزرگی وبڑائي خداہی کے لئے ہے کہ جس نے اپنے دین کو کامل فرمایا اور اپنی نعمت کو ہم پر تمام کیا اور میری نبوت ورسالت اور میرے بعد کے لئے علی (ع) کی ولایت کے لئے خوش ہوا"_

---

(۱) سورہ مائدہ آیت ۳

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام کی ولایت کا پیغمبر(ص) کی زبان مبارک سے اعلان سن کر حاضرین میں مبارک باد کا شور برپا ہوا لوگ بڑھ چڑھ کر اس اعزاز و منصب پر حضرت علی (ع) کو اپنی طرف سے مبارک باد پیش کررہے تھے۔ معروف شخصیتوں میں سے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی طرف سے مبارک باد کے یہ الفاظ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں کہ انہوں نے کہا:

"بخ: بخ: لك يا بن ابی طالب اصبحت وامسيت مولائي و مولا كل مو من و مو منة:"

"مبارک ہو مبارک ہو اے فرزند ابی طالب کہ آپ(ع) میرے اور تمام صاحبان ایمان مردوں اور عورتوں کے مولا اور رہبر ہوگئے"۔

اس وقت ابن عباس نے کہا: بخدا یہ عہد وپیمان سب کی گردنوں میں باقی رہے گا"۔[۱]

---

(۱) اس سلسلے میں مزید آگہی کے لئے کتاب الغدیر، علامہ امینی، احقاق الحق، قاضی نوراللہ شوشتری، المراجعات شرف الدین اور دلائل الصدق محمد حسین مظفر پر رجوع کریں

فدک

فدک اطراف مدینہ میں تقریباً ایک سو چالیس کلو میٹر کے فاصلہ پر خیبر کے نزدیک ایک آباد قصبہ تھا_جب سات ہجری میں خیبر کے قلعے یکے بعد دیگر افواج اسلامی نے فتح کرلئے اوریہودیوں کی مرکزی قوت ٹوٹ گئي تو فدک کے رہنے والے یہودی صلح کے خیال سے بارگاہ پیغمبر(ص) میں سر تسلیم خم کرتے ہوئے آئے اور انہوں نے اپنی آدھی زینیں اور باغات آنحضرت (ص) کے سپرد کردیئےور آدھے اپنے پاس رکھے_ اس کے علاوہ انہوں نے پیغمبر اسلام(ص) کے حصہ زینوں کی کاشتکاری بھی اپنے ذمہ لي_ اپنی کاشتکاری کی زحمت کی اجرت وہ پیغمبر اسلام(ص) سے وصول کرتے تھے،(سورہ حشر آیت)کے پیش نظراس کی طرف توجہ کرتے ہوئے یہ زینیں پیغمبر اسلام(ص) کی ملکیت خاص تھیں_ ان کی آمدنی کو آپ(ص) اپنے مصرف میں لاتے تھے یا ان مدات میں خرچ کرتے تھے جن کی طرف اس سورہ کی آیت نمبر۷ میں اشارہ ہوا ہے_

لہذا پیغمبر(ص) نے یہ ساری زینیں اپنی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کو عنایت فرمادیں_ یہ ایسی حقیقت ہے جسے بہت سے شیعہ اور اہل سنت مفسرین نے تصریح کے ساتھ تحریر کیا ہے_ منجملہ دیگر مفسرین کے تفسیر درالمنثور میں ابن عباس سے مروی ہے کہ جس وقت آیت ﴿فات ذاالقربی حقه﴾[۱] نازل ہوئي تو پیغمبر (ص) نے جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کو فدک عنایت فرمایا:

---

(۱) سورہ روم ایت ۳۸

کتاب کنزالعمال جو مسند احمد کے حاشیہ پر لکھی گئي ہے،ہیں صلہ رحم کے عنوان کے ماتحت ابو سعید خدری سے منقول ہے کہ جس وقت مذکورہ بالا آیت نازل ہوئي تو پیغمبر (ص) نے فاطمہ سلام اللہ علیہا کو طلب کیا اور فرمایا:

" يا فاطمة لك فدك" "اے فاطمہ(ع) فدک تیری ملکیت ہے"۔

حاکم نیشاپوری نے بھی اپنی تاریخ میں اس حقیقت کو تحریر کیا ہے۔

ابن ابی الحدید معتزلی نے بھی نہج البلاغہ کی شرح میں داستان فدک تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے اور اسی طرح بہت سے دیگر مورخین نے بھي، لیکن وہ افراد جو اس اقتصادی قوت کو حضرت علی علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کے قبضہ میں رہنے دینا اپنی سیاسی قوت کے لئے مضر سمجھتے تھے،انہوں نے مصمم ارادہ کیا کہ حضرت علی علیہ السلام کے یاور وانصار کو ہر لحاظ سے کمزور اور گوشہ نشیں کردیں۔ حدیث مجہول (نحن معاشر الانبیاء ولا نورث) کے بہانے انہوں نے اسے اپنے قبضہ میں لے لیا اور باوجودیکہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا قانونی طور پر اس پر متصرف تھیں اور کوئي شخص "ذوالید"(جس کے قبضہ میں مال ہو) سے گواہ کا مطالبہ نہیں کرتا،جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے گواہ طلب کیے گئے۔بی بی نے گواہ پیش کیے کہ پیغمبر اسلام (ص) نے خود انہیں فدک عطا فرمایا ہے لیکن انہوں نے ان تمام چیزوں کی کوئي پرواہ نہیں کي۔بعد میں آنے والے خلفاء میں سے جو کوئي اہلبیت سے محبت کا اظہار کرتا تو وہ فدک انہیں لوٹا دیتا لیکن زیادہ دیر نہ گزرتی کہ دوسرا خلیفہ اسے چھین لیتا اور دوبارہ اس پر قبضہ کرلیتا۔ خلفائے بنی امیہ اور خلفائے بنی عباس بارہا یہ اقدام کرتے رہے۔

واقعہ فدک اور اس سے تعلق رکھنے والے مختلف النوع حوادث جو صدر اسلام میں اور بعد کے ادوار میں پیش آئے،زیادہ دردناک اور غم انگیز ہیں اور وہ تاریخ اسلام کا ایک عبرت انگیز حصہ بھی ہیں جو محققانہ طور پر مستقل مطالعہ کا متقاضی ہے تاکہ تاریخ اسلام کے مختلف حوادث نگاہوں کے سامنے آسکیں۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اہل سنت کے نامور محدث مسلم بن حجاج نیشاپوری نے اپنی مشہور و معروف کتاب " صحیح مسلم" میں جناب فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کا خلیفہ اول سے فدک کے مطالبہ کا واقعہ تفصیل سے

بیان کیا ہے، اور جناب عائشہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ جناب فاطمہ کو جب خلیفہ اول نے فدک نہیں دیا تو بی بی ان سے ناراض ہوگئي اور آخر عمر ان سے کوئ گفتگو نہیں کي۔ (صحیح مسلم،کتاب جہاد ج۳ص ۱۳۸۰ حدیث ۵۲)

"نحن معاشر الانبیاء لا نورث"

اہل سنت کی مختلف کتابوں میں پیغمبر اسلام (ص) کی طرف منسوب ایک حدیث موجود ہے جو اس طرح کے مضمون پر مشتمل ہے:

"نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناه صدقة"

"ہم پیغمبر(ص) لوگ اپنی میراث نہیں چھوڑتے جو ہم سے رہ جائے اسے راہ خدا میں صدقے کے طور پر خرچ کردیا جائے"۔

اور بعض کتابوں میں "لا نورث" کا جملہ نہیں ہے بلکہ "ما ترکناہ صدقۃ" کی صورت میں نقل کیا گیا ہے۔

اس روایت کی سند عام طور پر ابوبکر تک جا کر ختم ہوجاتی ہے جنھوں نے آنحضرت (ص) کے بعد مسلمانوں کی زمام امور اپنے قبضے میں لے لی تھي۔ اور جب حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا یا پیغمبر اکرم (ص) کی بعض بیویوں نے ان سے پیغمبر(ص) کی میراث کا مطالبہ کیا تو انھوں نے اس حدیث کا سہارا لے کر انھیں میراث سے محروم کردیا۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح (جلد ۳ کتاب الجهاد و السیر ص ۱۳۷۹) میں، بخاری نے جزو ہشتم کتاب الفرائض کے صفحہ ۱۸۵ پر اور اسی طرح بعض دیگر افراد نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ مذکورہ کتابوں میں سے بخاری میں بی بی عائشہ سے ایک روایت نقل کی گئي ہے: فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور جناب عباس بن عبد المطلب (رسول (ص) کی وفات کے بعد) ابو بکر کے پاس آئے اور ان سے اپنی میراث کا مطالبہ کیا۔ اس وقت انھوں نے اپنی فدک کی اراضی اور خیبر سے ملنے والی

میراث کا مطالبہ کیا تو ابو بکر نے کہا میں نے رسول اللہ (ص) سے سنا ہے کہ آپ (ص) نے فرمایا_"ہم میراث میں کوئی چیز نہیں چھوڑتے، جو کچھ ہم سے رہ جائے وہ صدقہ ہوتا ہے"_

جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے جب یہ سنا تو ناراض ہو کر وہاں سے واپس آگئیں اور مرتے دم تک ان سے بات نہیں کی_

البتہ یہ حدیث مختلف لحاظ سے تجزیہ و تحلیل کے قابل ہے لیکن اس تفسیر میں ہم چند ایک نکات بیان کریں گے:

۱_یہ حدیث، قرآنی متن کے مخالف ہے اور اس اصول اور کلیہ قاعدہ کی رو سے ناقابل اعتبار ہے کہ جو بھی حدیث کتاب اللہ کے مطابق نہ ہو اس پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے اور ایسی حدیث کو پیغمبر اسلام (ص) یا دیگر معصومین علیہم السلام کا قول سمجھ کر قبول نہیں کیا جا سکتا_

ہم قرآنی آیات میں پڑھتے ہیں کہ حضرت سلیمان (ع) جناب داؤد (ع) کے وارث بنے اور آیت کا ظاہر مطلق ہے کہ جس میں اموال بھی شامل ہیں_ جناب یحیی (ع) اور زکریا (ع) کے بارے میں ہے:

"یرثني ویرث من ال یعقوب"

"خداوندا مجھے ایسا فرزند عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے"_(سورہ مریم آیت ٦)

حضرت "زکریا (ع)" کے بارے میں تو بہت سے مفسرین نے مالی وراثت پر زور دیا ہے_

اس کے علاوہ قرآن مجید میں "وراثت" کی آیات کا ظاہر بھی عمومی ہے کہ جو بلا استثناء سب کے لئے ہے_

شاید یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کے مشہور عالم علامہ قرطبی نے مجبور ہو کر اس حدیث کو غالب اور اکثر فعل کی حیثیت سے قبول کیا ہے نہ کہ عمومی کلیہ کے طور پر اور اس کے لئے یہ مثال دی ہے کہ عرب ایک جملہ کہتے ہیں:

"انا معشر العرب اقری الناس للضیف"_

ہم عرب لوگ دوسرے تمام افراد سے بڑھ کر مہمان نوازہیں (حالانکہ یہ کوئی عمومی حکم نہیں ہے)_

لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات اس حدیث کی اہمیت کی نفی کررہی ہے کیونکہ حضرت سلیمان(ع) اور یحیی (ع) کے بارے میں اس قسم کا عذر قبول کرلئے تو پھر دوسرے کے لئے بھی یہ قطعی نہیں رہ جاتي_

۲_مندرجہ بالا روایت ان کے خلاف ہے جن سے معلوم ہوتا ہو کہ ابو بکر نے جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو فدک واپس لوٹانے کا پختہ ارادہ کرکیا تھا لیکن دوسرے لوگ اس میں حائل ہوگئے تھے چنانچہ سیرت حلبی میں ہے:

فاطمہ(ص) بنت رسول(ص) ،ابو بکر کے پاس اس وقت آئیں جب وہ منبر پر تھے_ انھوں نے کہا:

"اے ابو بکر کیا یہ چیز قرآن میں ہے کہ تمھاری بیٹی تمہاری وراث بنے لیکن میں اپنے باپ کی میراث نہ لوں"؟

یہ سن کر ابو بکر رونے لگے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے پھر وہ منبر سے نیچے اترے اور فدک کی واپسی کا پروانہ فاطمہ (ص) کو لکھ دیا_ اسی اثناء میں عمر آگئے_پوچھا یہ کیا ہے؟انھوں نے کہاکہ میں نے یہ تحریر لکھ دی ہے تاکہ فاطمہ کو ان کے باپ سے ملنے والی وراثت واپس لوٹا دوں

عمرنے کہا: اگرآپ یہ کام کریں گے تو پھر دشمنوں کے ساتھ جنگی اخراجات کہاں سے پورے کریں گے؟

جبکہ عربوں نے آپ کے خلاف قیام کیا ہوا ہے_یہ کہا اور تحریر لے کر اسے پارہ پارہ کردیا_ [1]

یہ کیونکر ممکن ہے کہ پیغمبر اکرم(ص) نے تو صریحی طورپر ممانعت کی ہو اور ابو بکر اس کی مخالفت کی جرات کریں ؟اور پھر عمرنے جنگی اخراجات کا تو سہارا لیا لیکن پیغمبر اکرم(ص) کی حدیث پیش نہیں کي_

مندرجہ بالا روایت پر اگر اچھی طرح غور کیا جائے تو معلوم ہوگاکہ یہاں پر پیغمبر اسلام(ص) کی طرف سے

---

(۱)سیرہ حلبی ج۳/ص۳۶۱

ممانعت کا سوال نہیں تھا_ بلکہ سیاسی مسائل آڑے تھے اور ایسے موقع پر معتزلی عالم ابن ابی الحدید کی گفتگو یاد آجاتی ہے_ وہ کہتے ہیں :

میں نے اپنے استاد" علی بن فارقي" سے پوچھا کہ کیا فاطمہ(ص) اپنے دعوی میں سچی تھیں ؟ تو انھوں نے کہا جی ہاں پھر میں نے پوچھا تو ابوبکر انھیں سچا اور بر حق بھی سمجھتے تھے _

اس موقع پر میرے استاد نے معنی خیز تبسم کے ساتھ نہایت ہی لطیف اور پیارا جواب دیا حالانکہ انکی مذاق کی عادت نہیں تھي، انھوں نے کہا:

اگر وہ آج انھیں صرف ان کے دعوی کی بناء پر ہی فدک دے دیتے تو پھر نہ تو ان کے لئے کسی عذر کی گنجائش باقی رہتی اور نہ ہی ان سے موافقت کا امکان"_ (۱)

۳_ پیغمبر اسلام (ص) کی ایک مشہور حدیث ہے جسے شیعہ اور سنی سب نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے، حدیث یہ ہے: "العلماء ورثة الانبیاء"_ "علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں"_

نیز یہ قول بھی آنحضرت(ص) ہی سے منقول ہے: "ان الانبیاء لم یورثوا دیناراً ولا درھماً"_ "انبیاء اپنی میراث میں نہ تو دینار چھوڑتے ہیں اور نہ ہی درہم"_

ان دونوں حدیثوں کو ملا کر پڑھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ(ص) کا اصل مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو یہ بات باور کرائیں کہ انبیاء کے لئے سرمایہ افتخار ان کا علم ہے اور اہم ترین چیز جو وہ یادگار کے طور پر چھوڑ جاتے ہیں ان کا ہدایت و راہنمائي کا پروگرام ہے اور جو لوگ علم و دانش سے زیادہ بہرہ مند ہوں گے وہی انبیاء کے اصلی وارث ہوں گے_ بجائے اس کے کہ ان کی مال پر نگاہ ہو اور اسے یادگار کے طور پر چھوڑ جائیں_ اس کے بعد اس حدیث کے نقل بہ معنی کردیا گیا اور اس کی غلط تعبیریں کی گئیں اور شاید "ماترکناہ صدقة" والے جملے کا بعض روایات میں اس پر اضافہ کردیا گیا_

---

(۱)شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید جلد_۱۶ص۲۸۴

مباہلہ

خداوندعالم نے اپنے پیغمبر(ص) کو حکم دیا ہے کہ ان واضح دلائل کے بعد بھی کوئی شخص تم سے حضرت عیسی (ع) کے بارے میں گفتگو اور جھگڑا کرے تو اسے "مباھلہ"کی دعوت دو اور کہو کہ وہ اپنے بچوں، عورتوں اور نفسوں کو لے آئے اور تم بھی اپنے بچوں کو عورتوں اور نفس کو بلا لو پھر دعا کرو تاکہ خدا جھوٹوں کو رسوا کردے۔

بغیر کہے یہ بات واضح ہے جب کہ مباہلہ سے مراد یہ نہیں کہ طرفین جمع ہوں، اور ایک دوسرے پر لعنت اور نفرین کریں اور پھر منتشر ہو جائیں کیونکہ یہ عمل تو نتیجہ خیز نہیں ہے۔

بلکہ مراد یہ ہے کہ دعا او رنفرین عملی طور پر اپنا اثر ظاہر کرے اور جو جھوٹا ہو فوراً عذاب میں گرفتار ہو جائے۔

آیات میں مباہلہ کا نتیجہ تو بیان نہیں کیا گیا لیکن چونکہ یہ طریقہ کار منطق و استدلال کے غیر موثر ہونے پر اختیار کیا گیا تھا اس لئے یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ مقصود صرف دعا نہ تھی بلکہ اس کا خاجی اثر پیش نظر تھا۔

مباہلہ کا مسئلہ عرب میں کبھی پیش نہیں آیا تھا، اور اس راستہ سے پیغمبر اکرم(ص) کو صدقت و ایمان کو اچھی سرح سمجھا جاسکتا تھا، کیسے ممکن ہے کہ جو شخص کامل ارتباط کے ساتھ خدا پر ایمان نہ رکھتا ہو وہ ایسے میدان کی طرف آئے اور مخالفین کو دعوت دی کہ آئو اکھٹے درگاہ خدا میں چلیں، اس سے درخواست کریں اور دعا کریں کہ وہ جھوٹے کو رسو اکردے اور پھر یہ بھی کہے کہ تم عنقریب اس کا نتیجہ خوددیکھ لوگے کہ خدا کس طرح

جھوٹوں کو سزا دیتا ہے اور عذاب کرتا ہے_

یہ مسلم ہے کہ ایسے میدان کا رخ کرنا بہت خطرناک معاملہ ہے کیونکہ اگر دعوت دینے والے کی دعا قبول نہ ہوئي اور مخالفین کو ملنے والی سزا کا اثر واضح نہ ہوا تو نتیجہ دعوت دینے والے کی رسوائي کے علاوہ کچھ نہ ہوگا_

کیسے ممکن ہے کہ ایک عقلمند اور سمجھ دار انسان نتیجے کے متعلق اطمینان کئے بغیر اس مرحلے میں قدم رکھے_ اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) کی طرف سے دعوت مباھلہ اپنے نتائج سے قطع نظر آپ (ص) کی دعوت کی صداقت اور ایمان کی دلیل بھی ہے_

اسلامی روایات میں ہے کہ "مباھلہ" کی دعوت دی گئي تو نجران کے عیسائیوں کے نمائندے پیغمبر اکرم (ص) کے پاس آئے اور آپ (ص) سے مہلت چاہی تا کہ اس بارے میں سوچ بچار کرلیں اور اس سلسلے میں اپنے بزرگوں سے مشورہ کرلیں_ مشورہ کی یہ بات ان کی نفسیاتی حالت کی چغلی کھاتی ہے_

بہر حال مشورے کا نتیجہ یہ نکلا کہ عیسائیوں کے مابین یہ طے پایا کہ اگر محمد (ص) شور وغل، مجمع اور داد و فریاد کے ساتھ "مباھلہ" کے لئے آئیں تو ڈرا نہ جائے اور مباہلہ کرلیا جائے کیونکہ اگر اس طرح آئیں تو پھر حقیقت کچھ بھی نہیں ،جب بھی شور وغل کا سہارا لیا جائے گا اور اگر وہ بہت محدود افراد کے ساتھ آئیں ،بہت قریبی خواص اور چھوٹے بچوں کو لے کر وعدہ گاہ میں پہنچیں تو پھر جان لینا چاہیے کہ وہ خدا کے پیغمبر ہیں اور اس صورت میں اس سے "مباھلہ" کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ اس صورت میں معاملہ خطرناک ہے_

طے شدہ پروگرام کے مطابق عیسائي میدان مباہلہ میں پہنچے تو اچانک دیکھا کہ پیغمبر (ص) اپنے بیٹے حسین (ع) کو گود میں لئے حسن (ع) کا ہاتھ پکڑے اور علی (ع) اور فاطمہ (ع) کو ہمراہ لئے آپہنچے ہیں اور انہیں فرمارہے ہیں کہ جب میں دعا کروں ،تم آمین کہنا_

عیسائیوں نے یہ کیفیت دیکھی تو انتہائي پریشان ہوئے اور مباہلہ سے رک گئے اور صلح و مصالحت کے لئے تیار ہوگئے اور اہل ذمہ کی حیثیت سے رہنے پر آمادہ ہوگئے_

عظمت اہل بیت کی ایک زندہ سند

شیعہ اورسنی مفسرین اور محدثین نے تصریح کی ہے کہ آیہ مباہلہ اہل بیت رسول علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اور رسول اللہ (ص) جن افراد کو اپنے ہمراہ وعدہ گاہ کی طرف لے گئے تھے وہ صرف ان کے بیٹے امام حسن(ع) اور امام حسین(ع)، ان کی بیٹی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور حضرت علی (ع) تھے۔ اس بناء پر آیت میں "ابنائنا" سے مراد صرف امام حسن(ع) اور امام حسین(ع) ہیں۔"نسائنا" سے مراد جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا ہیں اور"انفسنا" سے مراد صرف حضرت علی (ع) ہیں۔

اس سلسلے میں بہت سی احادیث نقل ہوئی ہیں۔ اہل سنت کے بعض مفسرین نے جوبہت ہی تعداد میں ہیں۔ اس سلسلے میں وارد ہونے والی احادیث کا انکار کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً مولف"المنار"نے اس آیت کے ذیل میں کہا ہے:

"یہ تمام روایات شیعہ طریقوں سے مروی ہیں، ان کا مقصد معین ہے،انہوں نے ان احادیث کی نشرو اشاعت اور ترویج کی کوشش کی ہے۔ جس سے بہت سے علماء اہل سنت کو بھی اشتباہ ہوگیا ہے"۔

لیکن اہل سنت کی بنیادی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے تو وہ نشاندہی کرتی ہیں کہ ان میں سے بہت سے طریقوں کا شیعوں یا ان کی کتابوں سے ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے اور اگر اہل سنت کے طریقوں سے مروی ان احادیث کا انکار کیا جائے تو ان کی باقی احادیث اورکتب بھی درجہ اعتبار سے گرجائیں گی۔

اس حقیقت کو زیادہ واضح کرنے کے لئے اہل سنت کے طریقوں سے کچھ روایات ہم یہاں پیش کریں گے۔

قاضی نوراللہ شوستری اپنی کتاب نفیس "احقاق الحق"(۱)میں لکھتے ہیں:

---

(۱) جلد سوم طبع جدید صفحہ ۴۶

"مفسرين اس مسئلے ميں متفق ہيں كہ "ابنائنا" سے اس آيت ميں امام حسن(ع) اورامام حسين(ع) مراد ہيں ،"نسائنا"سے "حضرت فاطمہ سلام اللہ عليہا"اور"انفسنا"ميں حضرت على عليہ السلام كى طرف اشارہ كيا گيا ہے"_

اس كے بعد كتاب مذكور كے حاشيے پر تقريباً ساٹھ بزرگان اہل سنت كى فہرست دى گئي ہے جنہوں نے تصريح كى ہے كہ آيت مباہلہ اہل بيت رسول عليہم السلام كى شان ميں نازل ہوئي ہے_[1]

---

(۱) ان كے نام اور ان كى كتاب كى خصوصيات صفحہ_ ۴۶ سے ليكر صفحہ ۷۶تك تفصيل سے بيان كى گئي ہے ان شخصيتوں ميں سے يہ زيادہ مشہور ہيں .

۱_ مسلم بن حجاج نيشاپوري، مولف صحيح مسلم جو نامور شخصيت ہيں اور ان كى حديث كى كتاب اہل سنت كى چھ قابل اعتماد صحاح ميں سے ہے ملاحظہ ہو مسلم،ج۷ص۱۲۰ طبع مصر زير اہتمام محمد على صبيح.

۲_ احمد بن حنبل نے اپني"مسند"ميں لكھا ہے ملاحظہ ہو ،ج۲ص۱۸۵ طبع مصر.

۳_ طبرى نے اپنى مشہور تفسير ميں اسى آيت كے ضمن ميں لكھا ہے_ ديكھئے ج۳ص۱۹۲ طبع ميمنيہ مصر.

۴_ حاكم نے اپني"مستدرك"ميں لكھا ہے،ديكھئے ج۳ص۱۵ مطبوعہ حيدرآباد دكن.

۵_ حافظ ابو نعيم اصفہاني، كتاب "دلائل النبوة"ص۲۹۷ مطبوعہ حيدرآباد دكن.

۶_ واحدى نيشاپوري، كتاب"اسباب النزول"ص۷۴ طبع ہند.

۷_ فخر رازي، نے اپنى مشہور تفسير كبير ميں لكھا ہے،ديكھئے ج۸ص۸۵ طبع بہيہ، مصر.

۸_ ابن اثير،"جامع الاصول"جلد۹ص۴۷۰ طبع سنۃ المحمديہ، مصر.

۹_ ابن جوزي"تذكرة الخواص" صفحہ۱۷ طبع نجف.

۱۰_ قاضى بيضاوي، نے اپنى تفسير ميں لكھا ہے،ملاحظہ كريں ج۲ص۲۲ طبع مصطفى محمد، مصر.

۱۱_ آلوسى نے تفسير"روح المعاني"ميں لكھا ہے_ ديكھئے_ ج ۳ص۱۶۷ طبع منيريہمصر.

۱۲_ معروف مفسر طنطاوى نے اپنى تفسير "الجواہر"ميں لكھا ہے_ج۲ص۱۲۰ مطبوعہ مصطفى اليابى ال. حلبي، مصر.

۱۳_ زمخشرى نے تفسير"كشاف"ميں لكھا ہے،ديكھئے_ج ۱ص۱۹۳، مطبوعہ مصطفى محمد، مصر.

۱۴_ حافظ احمد ابن حجر عسقلانى، "الاصابۃ"_ج۲ص۵۰۳، مطبوعہ مصطفى محمد، مصر.

"غایۃ المرام" میں صحیح مسلم کے حوالے سے لکھا":

"ایک روز معاویہ نے سعد بن ابی وقاص سے کہا:"

تم ابو تراب (علی (ع)) کو سب و شتم کیوں نہیں کرتے_ وہ کہنے لگا_

جب سے علی (ع) کے بارے میں پیغمبر(ص) کی کہی ہوئي تین باتیں مجھے یاد آتی ہیں، میں نے اس کام سے صرف نظر کرلیا ہے_ ان میں سے ایک یہ تھی کہ جب آیت مباہلہ نازل ہوئي تو پیغمبر(ص) نے فاطمہ(ع)، حسن(ع)، حسین(ع)، اور علی (ع) کو دعوت دي_ اس کے بعد فرمایا" اللھم ھو لاء اھلي"(یعنی خدایا یہ میرے نزدیکی اور خواص ہیں)_

تفسیر"کشاف"کے مولف اہل سنت کے بزرگوں میں سے ہیں_ وہ اس آیت کے ذیل میں کہتے ہیں_"یہ آیت اہل کساء کی فضیلت کو ثابت کرنے کے لئے قوی ترین دلیل ہے"_

شیعہ مفسرین، محدثین اور مورخین بھی سب کے سب اس آیت کے"اھل بیت"کی شان میں نازل ہونے پر متفق ہیں چنانچہ"نورالثقلین"میں اس سلسلے میں بہت سی روایات نقل کی گئي ہیں_ ان میں سے ایک کتاب"عیون اخبار الرضا"ہے_ اس میں ایک مجلس مناظرہ کا حال بیان کیا گیا ہے، جو مامون نے اپنے دربار میں منعقد کی تھي_

اس میں ہے کہ امام علی بن موسی رضا علیہ السلام نے فرمایا:

"خدا نے اپنے پاک بندوں کو آیت مباہلہ میں مشخص کردیا ہے اور اپنے پیغمبر(ص) کو حکم دیا ہے:

﴿فمن حاجك فيه من بعد ما جاء ك من العلم فقل﴾

اس آیت کے نزول کے بعد پیغمبر(ص)، علی (ع)، فاطمہ(ع)، حسن(ع)، اور حسین(ع) کو اپنے ساتھ مباھلہ کے لئے لے

فهرست

حرف اوّل.. ۴

تقریظ.. ٦

حضرت آیت الله العظمی مکارم شیرازی مدظله العالي... ٦

پیش گفتار... ۸

چند ضروری نکات:... ۹

انسانی زندگی پر داستان کا اثر... ۱۱

۱ انبیاء علیہم السلام کے واقعات.. ۱۵

حضرت آدم علیہ السلام... ۱۵

فرشتوں کا سوال.. ۱٦

فرشتے امتحان کے سانچے میں.. ۱۸

آدم علیہ السلام جنت میں... ۱۹

ابلیس نے مخالفت کیوں کي.. ۲۰

بہشت میں قیام.. ۲۳

شیطان کا وسوسہ... ۲۴

حضرت آدم علیہ السلام کو آب حیات کی تمنا... ۲۵

شجرہ ممنوعہ کونسادرخت تھا؟... ۲۷

جنت سے اخراج.. ۲۹

آدم علیہ السلام کونسی جنت میں تھے... ۳۰

خدا کی طرف آدم علیہ السلام کی باز گشت... ۳۲

خدا نے جو کلمات آدم علیہ السلام پر القا کئۓ وہ کیا تھے ؟ ۳۳
ادم علیہ السلام کا ماجرا اور اس جہان پر ایک طائرانہ نظر ۳۴
زمین پر سب سے پہلا قتل ۳۵
ظلم کی پردہ پوشي ۳۷
افسوس اپنے اوپر.............................. ۳۸
حضرت ادریس علیہ السلام ۴۰
حضرت نوح علیہ السلام ۴۱
۹۵۰/سال تبلیغ ۸۰/مومن ۴۲
قوم نوح علیہ السلام کی ہلا دینے والی سرگزشت ۴۲
امام زادوں کو زائرین کی تعداد سے پہچانا جاتا ہے ۴۳
حضرت نوح علیہ السلام کے جوابات ۴۵
میں کسی صاحب ایمان کو نہیں دھتکارتا ۴۶
خدائي خزانے میرے قبضہ میں نہیں ہیں ۴۷
کہاں ہے عذاب ؟ ۴۸
معاشرے کو پاک کرنے کا مرحلہ ۴۹
کشتی نوح علیہ السلام.............................. ۵۱
کشتی بنا رہے ہو دریا بھی بنائو.............................. ۵۱
آغاز طوفان.............................. ۵۳
نوح علیہ السلام کا بیٹا بدکاروں کے ساتھ ۵۵
اللہ کا نام لے کر کشتی پر سوار ہو جائو ۵۵

پسر نوح کا دردناک انجام ۵۶

اے نوح علیه السلام تمہارا بیٹا تمہارے اہل سے نہیں ہے ۵۷

اس داستان کا اختتام ۵۹

کوہ جودی کہاں ہے ؟ ۶۰

حضرت نوح (ع) باسلامت اترآئے ۶۱

کیا طوفان نوح (ع) عالمگیر تھا ؟ ۶۲

طوفان کے ذریعے سزا کیوں دی گئي ؟ ۶۳

جناب نوح (ع) کی بیوي ۶۴

۲ انبیاء علیہم السلام کے واقعات ۶۵

حضرت ہود علیه السلام ۶۵

شہر ارم اور شداد کی بہشت ۶۵

حضرت ہود (ع) برادر قوم عاد ۶۶

حضرت ہود کی بہترین دلیل ۶۶

اے ہود تم ہمارے خدائوں کے غضب سے دیوانہ ہوگئے ہو ۶۸

کیوں بت مجھے نابود نہیں کرتے ۶۹

اس ظالم قوم پر ابدی لعنت ۷۱

عذاب الہی ایک نحس دن میں ۷۲

کیا ان میں سے کسی کو دیکھتے ہو ۷۳

حضرت صالح علیه السلام ۷۵

فاسداوراسراف کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو ۷۷

قوم صالح کی ہٹ دھرمي ۷۸
کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے ۷۹
اے صالح (ع) ہم تم پر امید رکھتے تھے ۸۰
تم کتنے نحس قدم ہو ۸۰
ناقہ صالح (ع) ۸۱
اگر تم سچے ہو تو عذاب میں جلدی کرو ۸۳
قوم ثمود کا انجام ۸۴
"صیحۃ" سے کیا مراد ہے ؟ ۸۵
حضرت صالح (ع) کے ساتھ نجات پانے والے افراد ۸۶
وادی القری میں نو ۹ مفسدٹولوں کی سازش ۸۶
یہ خالی گھران کے ہیں ؟ ۸۸
حضرت ابراہیم ، حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق (علیہم السلام) ۹۰
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پر تلاطم زندگي ۹۱
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش ۹۱
دور نبوت ۹۲
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پانچ برجستہ صفات ۹۳
ابراہیم علیہ السلام سب کے لئے نمونہ ہیں ۹۵
شائستہ اولاد ۹۶
آزر سے گفتگو ۹۷
اے ابراہیم تم پر پتھر برسائوں گا ۹۹

اسمانوں میں توحید کے دلائل ۱۰۴

ستارہ سے کون سا ستارہ مراد ہے ؟........................ ۱۰۷

توحید کی دعوت........................ ۱۰۷

ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کا زبردست منظر........................ ۱۱۰

تم یہ بہترین اور شیرین غذا کیوں نہیں کھاتے ۱۱۳

جناب ابراہیم (ع) نمرودیوں کی عدالت میں........................ ۱۱۵

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دندان شکن دلیل ۱۱۶

زودگذربیداري ۱۱۸

بت تو بولتے ہی نہیں ۱۱۸

ابراہیم (ع) کو جلا دیا جائے........................ ۱۲۱

فرشتوں کی فریاد........................ ۱۲۲

آگ گلزار ہوگئي ۱۲۴

بہادرنوجوان........................ ۱۲۵

ابراہیم علیہ السلام اور نمرود........................ ۱۲۵

نمرود سے گفتگو........................ ۱۲۶

بت پرستوں کی سرزمین سے ابراہیم کی ہجرت........................ ۱۲۸

کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا ؟........................ ۱۳۰

چنداہم نکات........................ ۱۳۱

اسماعیل (ع) اورہاجرہ(ع) کو منتقل کرنے کا حکم ۱۳۲

اسماعیل (ع) قربان گاہ میں........................ ۱۳۴

شیطانی وسوسہ ۱۳۶
میری والدہ کو سلام کہنا ۱۳۷
باپ بیٹے ایک دوسرے سے مل کررونے لگے ۱۳۸
جبرئیل (ع) کی فریاد تکبیر ۱۴۰
ذبح عظیم ۱۴۱
ذبیح اللہ کون ہے ؟ ۱۴۲
جناب اسحاق کی بشارت ۱۴۳
یہ کہ غلام علیم (صاحب علم لڑکے) سے کون مراد ہے؟ ۱۴۴
حضرت ابراہیم علیہ السلام کو انعام میں امامت ملي ۱۴۷
ابراہیم علیہ السلام کا کن چیزوں کے ذریعہ امتحان لیا گیا ۱۴۸
امام کسے کہتے ہیں ؟ ۱۴۹
۳ انبیاء علیہم السلام کے واقعات ۱۵۰
حضرت لوط علیہ السلام ۱۵۰
قوم لوط کا سب سے بڑا اخلاقی انحراف ۱۵۱
جہاں پر عفت ایک عیب ہو ۱۵۲
۳۰ /سال سعی وکوشش ۱۵۴
یہ ہے گناہ گاروں کا انجام ۱۵۵
صرف ایک خاندان مومن اور پاک ۱۵۷
حضرت لوط علیہ السلام مہمانوں کو دیکھ کر پریشان ہوگئے ۱۵۸
قوم لوط (ع) آپ کے گھر میں داخل ہوگئي ۱۵۹

اے کاش میں تم سے مقابلہ کرسکتا ۱۶۱
اے لوط(ع) آپ پریشان نہ ہوئیے............ ۱۶۲
کیا صبح قریب نہیں ہے؟............ ۱۶۴
صبح کے وقت نزول عذاب کیوں ؟ ۱۶۵
زیرو زبر کیوں کیا گیا............ ۱۶۶
قوم لوط(ع) کا اخلاق............ ۱۶۷
حضرت لوط (ع) کی بیوی کافروں کے لئے مثال ۱۶۷
حضرت یوسف اور یعقوب (علیہما السلام) ۱۶۹
داستان عشق یا پاکیزگی کا بہترین سبق............ ۱۶۹
قہرمان پاکیزگی............ ۱۶۹
حضرت یوسف(ع) کا واقعہ اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد............ ۱۷۰
احسن القصص............ ۱۷۱
امید کی کرن اور مشکلات کی ابتداء............ ۱۷۳
بھائیوں کی سازش ۱۷۴
یوسف (ع) کو قتل کر دیا جائے ۱۷۶
منحوس سازش............ ۱۷۷
کنعان کے بھیڑئے............ ۱۷۸
یوسف کی ہنسی اور ان کا رونا............ ۱۸۰
جناب یوسف(ع) برہنہ کنویں ۱۸۲
ذلیل کنندہ جھوٹ............ ۱۸۲

مہربان بھیڑیا ۱۸۴

ایک ترک اولی کے بدلے ۱۸۵

سرزمین مصر کی جانب ۱۸۷

جناب یوسف (ع) کو کم داموں میں بیچنا ۱۸۸

عزیز مصر کے محل میں ۱۸۹

جناب یوسف (ع) کی پاکیزگی کا انعام ۱۹۰

عزیز مصر کی بیوی کا عشق سوزاں ۱۹۱

زلیخا نے ساتوں دروازے بند کر دئے ۱۹۲

حضرت یوسف (ع) کے دل میں ایک طوفان ۱۹۳

زوجہ عزیز مصر کی رسوائي ۱۹۵

شاہد گواہی دیتا ہے ۱۹۶

شاہد کون تھا ؟ ۱۹۷

زوجہ عزیز مصر کی ایک اور سازش ۱۹۸

جناب یوسف (ع) کے پاس مصر کی عورتیں ۱۹۹

مصر کی عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے ۲۰۰

تو پھر یوسف سے عشق میں مجھے کیوں ملامت کرتی ہو ؟ ۲۰۱

اے یوسف (ع) قبول کر لو ۲۰۲

زندان کی تمنا ۲۰۲

بے گناہی کے پاداش میں قید ۲۰۴

زندان کے واقعات ۲۰۵

قید خانہ یا مرکز تربیت ۲۰۵
قیدیوں کی تعبیر خواب ۲۰۷
بادشاہ کے سامنے مجھے یاد کرنا ۲۰۸
بادشاہ مصر کا خواب ۲۱۰
بادشاہ کے ساقی نے جناب یوسف کو یاد کیا ۲۱۱
مصر کا قیدی یا بہترین رہبر ۲۱۳
یوسف ہر الزام سے بری ہو گئے ۲۱۴
زلیخا کا اعتراف ۲۱۵
یوسف (ع)، مصر کے خزانہ دار کی حیثیت سے ۲۱۷
سات سال برکت اور سات سال قحط ۲۱۹
برادران یوسف (ع) مصر پہونچے ۲۲۰
جناب یوسف (ع) نے اپنے بھائیوں سے ایک پیشکش کی ۲۲۱
اخر کار باپ راضی ہو گیا ۲۲۴
ایک دروازے سے داخل نہ ہونا ۲۲۷
بھائی کو روکنے کی کوشش ۲۲۸
اے اہل قافلہ تم چور ہو ۲۲۹
اے بنیامین تم نے ہمیں ذلیل کر دیا ۲۳۱
یوسف نے بھی چوری کی تھی ۲۳۳
برادران یوسف کی فداکاری کیوں قبول نہ ہوئی ۲۳۵
بھائی سر جھکائے باپ کے پاس پہنچے ۲۳۶

میں وہ الطاف الہی جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ۲۳۸

برادران یوسف شرمندہ اور حضرت یعقوب نابینا ہو گئے ۲۳۹

کوشش کرو اور مایوس نہ ہو، کیونکہ مایوسی کفر کی نشانی ہے.. ۲۴۰

جناب یوسف نے روتے ہوئے باپ کے خط کو چوما ۲۴۱

کیا تو وہی یوسف ہے ؟.. ۲۴۲

آج رحمت کا دن ہے.. ۲۴۴

یوسف (ع) کی قیمص کون لے کر گیا؟ ۲۴۵

یوسف (ع) کی عظمت ۲۴۵

آخر کار لطف الہی نے اپنا کام کرڈالا ۲۴۶

قافلہ کنعان پہونچتا ہے.. ۲۴۸

یوسف (ع) ، یعقوب اور بھائیوں کی سرگزشت کا اختتام ۲۵۲

جناب یوسف کے خواب کی تعبیر.. ۲۵۳

باپ کو سرگزشت نہ سنانا ۲۵۵

۴ انبیاء علیہم السلام کے واقعات.. ۲۵۷

حضرت شعیب علیہ السلام.. ۲۵۷

حضرت شعیب (ع) کی سرزمین "مدین" ۲۵۷

قوم شعیب کی اقتصادی برائیاں ۲۵۸

ہٹ دھرموں کی بے بنیاد منطق ۲۵۹

جناب شعیب(ع) کا جواب.. ۲۶۰

ایک دوسرے کو دھمکیاں ۲۶۲

مدین کے تباہ کاروں کا انجام.. ۲۶۳

حضرت موسی علیہ السلام.. ۲۶۷

حضرت موسی علیہ السلام کی زندگی کے پانچ ادوار.. ۲۶۸

ولادت حضرت موسی علیہ السلام.. ۲۶۸

جناب موسی علیہ السلام تنور میں.. ۲۶۹

دریا کی موجیں گہوارے سے بہتر.. ۲۷۱

دلوں میں حضرت موسی علیہ السلام کی محبت.. ۲۷۳

اللہ کی عجیب قدرت ۲۷۵

موسی علیہ السلام پھر آغوش مادر میں.. ۲۷۶

صرف تیرا ہی دودھ کیوں پیا.. ۲۷۹

موسی علیہ السلام مظلوموں کے مددگار کے طور پر.. ۲۸۱

موسی علیہ السلام کی مخفیانہ مدین کی طرف روانگي ۲۸۵

حضرت موسی علیہ السلام کے لیے سزائے موت ۲۸۶

مدین کہاں تھا؟.. ۲۸۷

ایک نیک عمل نے موسی (ع) پر بھلائیوں کے دروازے کھول دیئے ۲۸۹

حضرت موسی (ع) جناب شعیب (ع) کے گھر میں.. ۲۹۲

جناب موسی علیہ السلام حضرت شعیب (ع) کے داماد بن گئے.. ۲۹۳

حضرت موسی علیہ السلام کی زندگی کے بہترین ایام.. ۲۹۶

وحی کی تابش اول.. ۲۹۷

اے موسی جوتی اتاردو.. ۲۹۸

موسی علیہ السلام کا عصا اور ید بیضا ۳۰۰
انذار و بشارت ۳۰۲
کامیابی کے اسباب کی درخواست ۳۰۳
میرا بھائی میرا ناصر ومددگار ۳۰۴
فرعون سے معرکہ آرا مقابلہ ۳۰۷
دیوانگی کی تہمت ۳۱۰
تمہارا ملک خطرے میں ہے ۳۱۳
ہر طرف سے جادوگر پہنچ گئے ۳۱۶
جادوگروں کا عجیب وغریب منظر ۳۱۸
کیا میری اجازت کے بغیر موسی علیہ السلام پر ایمان لے آئے؟ ۳۲۳
ہمیں اپنے محبوب کی طرف پلٹادے ۳۲۴
فرعون کی زوجہ ایمان لے آئی ۳۲۶
جناب موسی علیہ السلام کے قتل کا حکم ۳۲۸
کہیں موسی تمہارا مذہب نہ بدل دے ۳۲۹
آیا کسی کو خدا کی طرف بلانے پر بھی قتل کرتے ہیں ؟ ۳۳۰
میں تمہیں خبردار کرتا ہوں ۳۳۲
آخری بات ۳۳۴
موسی کے خدا کی خبر لاتا ہوں ۳۳۵
پچاس ہزار معمار برج بناتے ہیں ۳۳۷
میں نے موسی علیہ السلام کے خدا کو مار ڈالا ۳۳۸

بیدار کرنے والی سزائیں ۳۳۹
مختلف اور پیہم بلائوں کا نزول ۳۴۰
بار بار کی عہد شکنیاں ۳۴۳
موسی علیہ السلام کے پاس سونے کے کنگن کیوں نہیں ؟ ۳۴۴
جناب موسی اورہارون علیہما السلام کے اونی لباس ۳۴۷
چوتھا مرحلہ انقلاب کی تیاری ۳۴۷
ہم نے انھیں باہر نکال دیا ۳۵۰
فرعونیوں کا درناک انجام ۳۵۳
اپنے عصا کو دریا پر ماردو ۳۵۴
اے فرعون تیرا بدن لوگوں کے لئۓ عبرتناک ہوگا ۳۵۶
بنی اسرائیل کی گذرگاہ ۳۵۷
حضرت موسی علیہ السلام سے بت سازی کی فرمائش ۳۵۸
ایک یہودی کو حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا جواب ۳۵۹
بنی اسرائیل سرزمین مقدس کی طرف ۳۶۰
جب کامیاب ہو جاو تو ہمیں بھی خبر کرنا ۳۶۲
بنی اسرائیل بیابان میں سرگرداں ۳۶۳
بنی اسرائیل کا ایک گروہ پشیمان ہوا ۳۶۴
منّ و سلوی کیا ہے؟ ۳۶۵
بیابانوں میں چشمہ ابلنا ۳۶۷
مختلف کھانوں کی تمنا ۳۶۸

عظیم وعدہ گاہ ۳۶۹

دیدار پرودگار کی خواہش ۳۷۰

حضرت موسی علیہ السلام نے رویت کی خواہش کیوں کی؟ ۳۷۰

الواح توریت ۳۷۱

یہودیوں میں گوسالہ پرستی کا آغاز ۳۷۳

دودن میں چھ لاکھ گوسالہ پرست بن گئے ۳۷۴

گوسالہ پرستوں کے خلاف شدید رد عمل ۳۷۵

بے نظیر غصہ ۳۷۶

اے میری ماں کے بیٹے میں بے گناہ ہوں ۳۷۸

طلائی گوسالہ سے کس طرح آواز پیدا ہوئی؟ ۳۸۰

سامری کی سزا ۳۸۱

گناہ عظیم اور کم نظیر توبہ ۳۸۳

اکٹھا قتل ۳۸۴

خدا کی آیات کو مضبوطی سے پکڑ لو ۳۸۵

کوہ طور ۳۸۷

توریت کیا ہے ۳۸۷

۵ انبیاء علیہم السلام کے واقعات ۳۹۰

حضرت خضر علیہ السلام ۳۹۰

حضرت موسی، جناب خضر کی تلاش میں ۳۹۱

عرصہ دراز تک جناب خضر علیہ السلام کی تلاش ۳۹۳

عظیم استاد کی زیارت ۳۹۳

خدائی معلم اور یہ ناپسندیدہ کام ؟ ۳۹۶

کیوں اس بچے کو قتل کررہے ہو؟.. ۳۹۷

اپنے کام کی مزدوری لے لو ۳۹۹

فراق دوست ،زندگی کے سخت ترین ایام ۴۰۱

ان واقعات کاراز.. ۴۰۲

حضرت خضر کون تھے؟.. ۴۰۶

خود ساختہ افسانے.. ۴۰۸

علم موسی (ع) و خضر (ع) ،علم خدا کے مقابلہ میں ۴۰۸

وہ خزانہ کیا تھا؟.. ۴۰۹

بنی اسرائیل نے کس طرح گناہ کیا تھا؟ ۴۱۲

بنی اسرائیل کی گائے کا واقعہ.. ۴۱۳

سلیمان (ع) اپنی فوجی طاقت کا مظاہرہ دیکھتے ہیں.. ۴۱۸

ملکہ سبا کے دل میں نور ایمان.. ۴۲۷

۶ انبیاء علیہم السلام کے واقعات.. ۴۳۶

حضرت ایوب علیہ السلام ۴۳۶

حضرت ایوب (ع) کی حیران کن زندگی اور ان کا صبر.. ۴۳۶

اس گفتگو میں قرآن:.. ۴۳۷

حضرت ایوب علیہ السلام کیوں مشکلات میں گرفتار ہوئے ۴۳۷

سب سے بڑا غم دشمنوں کی شماتت ۴۳۸

حضرت ایوب علیہ السلام کی قسم ۴۴۰
حضرت ایوب علیہ السلام قرآن اور توریت میں ۴۴۲
حضرت یونس علیہ السلام ۴۴۴
یونس علیہ السلام امتحان کی بھٹی میں ۴۴۵
حضرت عیسی علیہ السلام کی ولادت کا سر اغاز ۴۵۲
۷ دیگر قرآنی واقعات ۴۵۳
دیگر قرآنی واقعات ۴۵۳
حضرت لقمان ۴۵۴
یہ تمام حکمت کہاں سے ۴۵۵
اصحاب کہف ۴۵۷
اصحاب کہف کی زندگی کا اجمالی جائزہ ۴۵۷
داستان اصحاب کہف کی تفصیل ۴۵۹
۸ حضرت رسول اکرم (ص) ۴۶۴
حضرت رسول اکرم (ص) ۴۶۴
نبوت سے پہلے آنحضرت (ص) کس دین پر تھے؟ ۴۶۵
آغاز وحي ۴۶۷
پہلا مسلمان[۱] ۴۶۹
تحریف تاریخ ۴۷۱
دعوت ذوالعشیرۃ ۴۷۳
ایمان ابوطالب ۴۷۵

ایمان ابو طالب پر سات دلیل ۴۷۶
اشعار ابو طالب زندہ گواہ........................ ۴۷۸
ابو طالب تین سال تک شعب میں ۴۸۱
ابو طالب کا سال وفات "عام الحزن........................ ۴۸۲
ابو لہب کی دشمني ۴۸۳
ابو لہب پیغمبر کا پیچھا کرتا رہا........................ ۴۸۴
ابو لہب کے ہاتھ کٹ جائیں........................ ۴۸۵
ایندھن اٹھائے ہوئے ۴۸۶
ابو لہب کا عبرت ناک انجام........................ ۴۸۷
ابو سفیان و ابو جہل چھپ کر قرآن سنتے ہیں ۴۸۹
اسلام کے پہلے مہاجرین ۴۹۱
مشرکین ،مہاجرین کی تعقیب میں........................ ۴۹۲
جعفر بن ابی طالب مہاجرین کے بہترین خطیب........................ ۴۹۳
فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہے یا جعفر کے پلٹنے کي........................ ۴۹۵
معراج رسول (ص) ۴۹۶
معراج کی کیفیت قرآن و حدیث کی نظر سے ۴۹۶
معراج کی تاریخ........................ ۴۹۷
معراج جسمانی تھی یا روحانی ؟ ۵۰۰
معراج کا مقصد........................ ۵۰۱
معراج اور سائنس........................ ۵۰۲

ان سوالات کے پیش نظر چند چیزوں پر توجہ ۵۰۳
شب معراج پیغمبر (ص) سے خدا کی باتیں ۵۰۵
اہل دنیا و آخرت ۵۰۶
اہل بہشت کے صفات ۵۰۷
بہترین اور جاویدانی زندگی ۵۰۸
ہجرت پیامبر اکرم (ص) [۱] ۵۱۰
ابو جہل کی رائے ۵۱۱
حضرت علی علیہ السلام نے اپنی جان کو بیچ ڈالی ۵۱۲
قبلہ کی تبدیلی ۵۱۴
پیغمبر اکرم (ص) کا خانہ کعبہ سے خاص لگائو ۵۱۴
تبدیلی قبلہ کا راز ۵۱۶
جنگ بدر [۱] ۵۱۸
۳۱۳/ وفادار ساتھی ۵۲۰
قریش کا ایک ہزار کا لشکر ۵۲۱
ستر قتل ستر اسیر ۵۲۳
مجاہدین کی تشویق ۵۲۵
جنگ کا خاتمہ اور اسیروں کا واقعہ ۵۲۶
آنحضرت (ص) کے چچا عباس کا اسلام قبول کرنا ۵۲۷
جنگ احد [۱] ۵۲۹
جناب عباس کی بر وقت اطلاع ۵۳۰

پیغمبر کا مسلمانوں سے مشورہ ۵۳۰

مسلمانوں کی دفاعی تیاریاں ۵۳۱

آغاز جنگ ۵۳۲

کون پکارا کہ محمد (ص) قتل ہوگئے ؟ ۵۳۵

جنگ کا خطرناک مرحلہ ۵۳۶

کھوکھلی باتیں ۵۳۸

حضرت علی علیہ السلام کے زخم ۵۳۸

ہم نے شکست کیوں کھائی ؟ ۵۳۹

عمومی معافی کا حکم ۵۳۹

پیغمبر اکرم (ص) شہداء سے مخاطب ۵۴۰

حنظلہ غسیل الملائکہ ۵۴۱

قبیلہ بنی نضیر کی سازش ۵۴۲

۹ حضرت رسول اکرم (ص) ۵۴۵

جنگ احزاب ۵۴۵

کل ایمان کل کفر کے مقابلہ میں ۵۴۶

لشکر کی تعداد ۵۴۶

خندق کی کھدائی ۵۴۷

عمرو بن عبدود سے حضرت علی (ع) کی تاریخی جنگ ۵۴۸

ضربت علی (ع) ثقلین کی عبادت پر بھاری ۵۴۹

نعیم بن مسعود کی داستان اور دشمن کے لشکر میں پھوٹ ۵۵۱

حذیفہ کا واقعہ ۵۵۴
جنگ احزاب قرآن کی روشنی میں... ۵۵۵
منافقین او رضعیف الایمان جنگ احزاب میں ۵۵۸
میں نے ایران، روم اور مصر کے محلوں کو دیکھا ہے ۵۵۸
منافقانہ عذر... ۵۶۰
روکنے والا ٹولہ... ۵۶۲
وہ ہرگز ایمان نہیں لائے ۵۶۳
جنگ احزاب میں سچے مومنین کا کردار... ۵۶۶
مومنین کے صفات ۵۶۷
جنگ بنی قریظہ... ۵۶۹
تین تجاویز... ۵۷۰
ابولبابہ کی خیانت... ۵۷۱
صلح حدیبیہ... ۵۷۴
بیعت رضوان... ۵۷۵
صلح نامہ کی تحریر... ۵۷۶
صلح حدیبیہ کے سیاسی ،اجتماعی او رمذہبی نتائج... ۵۷۸
صلح حدیبیہ یا عظیم الشان فتح... ۵۷۹
پیغمبر (ص) کا سچا خواب ۵۸۰
مومنین کے دلوں پرنزول سکینہ ۵۸۱
یہ سکینہ کیا تھا ؟ ۵۸۱

پیچھے رہ جانے والوں کی عذر تراشي ۵۸۳
اگر حدیبیہ میں جنگ ہوجاتي ۵۸۵
عمرة القضاء ۵۸۷
فتح خیبر ۵۸۹
دعائے پیامبر (ص) ۵۹۰
فاتح خیبر علی علیہ السلام ۵۹۱
فتح مکہ ۵۹۳
مکہ کی طرف روانگي ۵۹۴
علی علیہ السلام کے قدم دوش رسول (ص) پر ۵۹۷
آج کا دن روز رحمت ہے ۵۹۹
عورتوں کی بیعت کے شرائط ۶۰۰
ابو سفیان کی بیوی ہندہ کی بیعت کا ماجرا ۶۰۱
۱۰ حضرت رسول اکرم (ص) ۶۰۳
پیغمبر (ص) کے خطوط دنیا کے بادشاہوں کے نام ۶۰۳
مقوقس[۱] ۶۰۳
جنگ ذات السلاسل ۶۱۱
جنگ حنین[۱] ۶۱۲
دشمن کے لشکر کا مورچہ ۶۱۳
بھاگنے والے کون تھے ؟ ۶۱۵
جنگ تبوک ۶۱۶

لشکری مشکلات ٦١٧
تشویق ، سرزنش، اور دھمکی کی زبان ٦١٨
تنہاوہ جنگ جس میں حضرت علی نے شرکت نہ کي ٦١٩
ایک عظیم درس ٦٢١
جنگ تبوک میں شرکت نہ کرنے والے تین لوگ ٦٢٢
مسجد ضرار(١) ٦٢٣
مسجد قباء ٦٢٧
سب سے پہلی نماز جمعہ ٦٢٨
واقعہ غدیر ٦٢٩
خطبہ غدیر ٦٣٠
روز اکمال دین ٦٣٣
فدک ٦٣٥
"نحن معاشر الانبیاء لا نورث" ٦٣٧
مباہلہ ٦٤١
عظمت اہل بیت کی ایک زندہ سند ٦٤٣